UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226546
UNIVERSAL
LIBRARY

وقال تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے تاکہ تم پہچانے جاؤ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش

امرتسر

جو

بفرمان عالی نشان سلطان العلوم مہر آگزالیٹڈ بانی نسل اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ دارس محروسہ کے نام جاری ہے

ایڈیٹر

محمد علی رونق صدیقی

ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء | قیمت سالانہ تین روپے | جلد ۱ نمبر ۱

(تاریخ اشاعت ہر انگریزی مہینے کی سترہ)

القریش کی خدمات کا عملی اعتراف

صوبہ دہلی۔ یو۔ پی اور پنجاب کے قریشی نمائندگی کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۳ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا رزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زر نقد کی تھیلی پیش کی گئی۔

رزولیوشن

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی سولہ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدماتِ جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے۔ کہ اظہارِ تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے کم از کم

ایک سو ایک اور زیادہ سے زیادہ پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کیجائے

نیز یہ اجلاس برادرانِ قریش سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ "القریش" ایسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں۔

زیر ہدایت پریس امرتسر قریشی محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش

ناظرین القریش کی خدمت میں تحفۂ نوروز

القریش کے بہی خواہ

السلام اے اہل راز القریش
السلام اے پاکباز القریش

تحفۂ نوروز ہے میرا یہی
پیش ممنود و ایاز القریش

خون دل سے کیجئے اٹھ کر وضو
آگیا وقت نماز القریش

چھیڑیئے کچھ اس طرح جنگ عمل
زندہ ہو جائے حجاز القریش

گوہر اشک عقیدت لائیے
آج پھر بہر نیاز القریش

ناخدائی کیجئے کچھ اس طرح
نکلے طوفان سے جہاز القریش

پھونک ڈالے قوم کا سارا جمود
شعلہ زا ہو سوز و ساز القریش

سال نو نے مجھ سے اے شاکر کہا
عام کر دے اب یہ راز القریش

تاج بسم اللہ کا سر پر رکھے
نغمۂ حق ہے بساز القریش

شاکر صدیقی

شذرات

اس مہیب اور پُرآشوب زمانہ میں جبکہ فرزندانِ قریش قریشیت سے نفور ہو کر اغیار میں مدغم ہونا فخر و مباہات سمجھتے تھے حوادث و فتن کے اس دور میں جبکہ قریش اپنا آپ بھول چکے تھے۔ اس کی تمناؤں اور امیدوں کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ نامساعد حالات گرد و پیش جمع تھے اور قریب تھا کہ قریشیت لحد خود فراموشی میں دفن کر دی جائے۔ دو ہستیاں سکتہ کے عالم میں بے حس و حرکت پڑی تھیں جو آج قوم کے درد میں گھلی جاتی ہیں۔

القریش نے قوم کے لئے اپنے مقاصد مجوزہ اور روشن مفوضہ کے لئے گذشتہ سولہ سال میں کن کن مشکلات اور کن کن مصائب و نوائب کا سامنا کیا۔ ایک فتنہ مراسیت ہی قومی مصیبت سے کم نہ تھا جس نے تمام جوش و ولولے اور تمام مدعیان خیر اندیشی سہمگین صورت بنائے سراسیمہ و ساکت تھے اور سوائے انجمن قریشیان پنجاب گوجرانوالہ اس کے روح رواں حضرت مولانا "حافظ نسب رسولؐ" اور "القریش" کے ان فرض سے تارک ہونے کا خوف ظاہر کرنے والوں میں سے ایک بھی نہ تھا جو قوم کے آڑے آتا۔ غیر اس پر اس وقت کسی تفصیلی تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ خدائے عزوجل کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے القریش کو اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دی۔ اور یہ صعب ترین اور پُرآزما مصائب زمانہ عین خیر و خوبی اور انتہائی کامیابی کے ساتھ گذر گیا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کا احسان ہے کہ اس کے فضل و کرم سے آج القریش اپنی عمر کے سترہویں سال میں قدم رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ یہ نقیب قوم کے خادم "القریش" اس کے عالی وقار محسن حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ و جملہ ناظرین و معاونین اکرم کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو۔ آمین ثم آمین۔

کارپردازانِ القریش کا تہیہ اور عزم راسخ ہے کہ القریش کی ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی حالت میں اس قدر تغیر کر دیا جائے کہ ہر مذاق اور ہر طبیعت کا ناظر اس سے مستفید ہو سکے۔ قوم کے بے حسی اور برادرانِ قریش کی سرد مہری کی ہمیں شکایت ہے اور القریش کی موجودہ اشاعت بھی اس بات کی مناتی ہے کہ اعلیٰ کتابت و طباعت کے ساتھ ہر ماہ ایک شاندار ضخیم رسالہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ تاہم حالات جہاں تک اجازت دیں گے۔ رسالہ بہترین صورت میں پیش کرنے کی سعی کی جائیگی۔ وباللہ التوفیق۔

شکوہ نہ ہو تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ قومی آواز کے سننے میں آپ افسوس ناک بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں اور دیدہ دانستہ قومی ضروریات سے بے پروائی کے خوگر ہو چکے ہیں۔ اور یہی کاہلی سبب ہے بیسیوں نازک حالات پیدا کرنے کا موجب ہو رہا ہے۔ آپ غور کریں۔ اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ منٹ کے لئے قوم کے اصلاحی امور پر غور کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ سلامت ساغر کیا چاہتے ہیں۔ اور وہ قوانین [illegible] جن سے قریش کو مضمحل حالات سے ابھار کر اوج عروج پر پہنچا

کے لئے اختیار کرنے لابدی و لازمی ہیں۔

قریش کا قومی مرکز "ندوۃ القریش" قائم ہو کر ابتدائی منزل طے کر رہا ہے قومی تنظیم کا مسئلہ اس کے سامنے ہے اور چاہتا ہے کہ افراد قوم کو اتحاد و یگانگت کی سٹیج پر مجتمع کرنا ہو۔ متفقہ مساعی اور متحدہ کوششوں سے کام لے کوئی زندہ دل انسان کوئی دردمند قوم ہستی اس اہم اور نیک ضرورت سے انکار نہیں کر سکتی اور یقیناً آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا۔ لہٰذا اس اہم قومی ضرورت کے لئے آپ کے دفتر اگر کوئی کام ہے تو صرف یہ کہ اس کی کیفیت قبول کریں اور مقاصد کی اشاعت کرتے ہوئے اپنے اعزہ و اقارب کو اس کار خیر میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ القریش کی اعانت اور توسیع اشاعت کے لئے کوشش کریں۔ قریشی احباب کی مکمل فہرستیں بھجوائیں تاکہ کارپردازان "ندوہ" و "القریش" کو ان سے براہ راست خط و کتابت کی سہولت ہو۔ امید ہے کہ آپ اپنی قومی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے اس فرض کو بطیب خاطر انجام دینے کے لئے تیار ہوں گے۔

بغض و حسد اور ضد و کد ہر جگہ کارفرما ہیں۔ کوئی قوم قومی [illegible] فرقہ کا فرد ان زہریلے اثرات سے معرا و مبرا نہیں۔ لیکن شومئی قسمت سے قریش کو ان میں بہرہ [illegible] ہیں اور وہ ہنگامے درد میں تڑپنا عین حمیت انسانی سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہر کسی کی مساعی اور ستاد کامی پر نالاں و گریاں نہ ہوتے ہوں۔ اور جنہوں نے اپنا مقصد حیات ہی مردم آزاری قرار دے رکھا ہو۔

القریش کی کامیاب کوششوں اور نیک مساعی پر جب قوم متوجہ ہوئی اور قومی خدمات کو سراہا جانے لگا جس خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زر نقد کی تھیلیاں پیش ہونے لگیں۔ تو فطرت سیہ چیرہ ہوئی اور اس کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ یہ حشرات الارض کی طرح نمودار ہوئی۔ اور فضا میں ذروں کی طرح مخلوط ہو کر اپنے مسموم مقاصد کی تکمیل پر ڈٹ گئی۔ حق و صداقت پر کذب و بطلان کی فتح، یہ قدرت کاملہ کو منظور نہیں۔ ناکامی و نامرادی کا سامنا ہوا۔ قلم ٹوٹ گیا تو زبان کھلی۔ بدظنی کی ترویج و اشاعت کے لئے مشہور کیا جا رہا ہے کہ القریش کی شائع شدہ رقوم دراصل قومی قلم خانہ اور سکول کی امداد ہے۔ القریش کے مدیر کو کیڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ دنیا و جہان کے عیوب کا مجسمہ ہے۔ دیکھیں یہ قسمت ان مفاسد کا گلا کس طرح دباتا ہے ہمیں نہان حیلہ سازوں کی کچھ پرواہ ہے۔ اور نہ ان اتہامات کا کچھ گلہ۔

خدا ہے مہربان اپنا تو پھر خوف و خطر کیا ہے

"قوم میں حساس، سنجیدہ اور دردمند حضرات کی کمی نہیں۔ جہاں پست خیال اور کج فہم لوگ موجود ہیں۔ وہاں خدائے برتر و توانا کے فضل و کرم سے بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہستیاں بھی موجود ہیں۔ حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب ہاشمی رئیس بہرام سے یہ پہلا غائبانہ تعارف ہے۔ اس سے قبل نہ آپ سے ہمیں تعلق تھا اور نہ آپ کو ہم سے۔ تاہم ہے کہ کسی ذریعہ سے القریش آپ کی نظر سے گذرتا ہو

اور آپ اس کی ادنیٰ خدمات سے واقف ہوں۔ ۱۰ر جنوری کو آپ کا ایک گرامی نامہ موصول ہُوا۔ لکھا تھا۔ کہ "القریش قریش کی سجائی کر رہا ہے۔ اس کی خدمات کے اعتراف کے لئے نہ الفاظ ہیں اور نہ اس قدر دولت کہ نثار کر دی جائے۔ سَو روپے کا چیک بھیجتا ہوں قبول کیجئے۔ اگر ممکن ہو تو رسالہ میرے نام جاری کر دیجئے۔ فقط"۔ اس مختصر محبت نامہ میں کس قدر اخوت و یگانگت اور خلوص و ایثار کا جذبہ موجود ہے۔ اس کی شرح و بسط کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ آپ کی قدر شناسی ہر نوع قابل ہر ستائش ہے ہم اس علم دوستی اور قومی حمیت پر آپ کو صدق دل کے ساتھ ہدیہ تشکر و مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خلوص و ایثار اور احسن کارگذاری کا نمونہ انجمن حمایت اسلام لاہور ہمارے سامنے ہے۔ اللہ اللہ جس ادارہ کی بنیاد ۴۵ سال قبل چند متوسط الحال مگر دردمند مسلمانوں نے مٹھی بھر آٹا پر رکھی تھی۔ اور جس کے ابتدائی جلسوں میں چند غربائے ملت کے سوا شرکت کی کوئی زحمت نہ کرتا تھا آج اس کے سالانہ اجتماع کو والیانِ ریاست۔ نوابان۔ جاگیرداران اور علو مرتبت عہدیداران کی شرکت کا فخر حاصل ہے۔ انجمن مذکور کے اس اجتماع عظیم کی مثال جو ۲۹ر دسمبر کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اختتام پذیر ہُوا انجمن کی گذشتہ زندگی میں نہیں مل سکتی بیا جلاس سلطان ابن سلطان بہ بائی نس نواب سر محمد صادق خاں فرمانروائے بہاول پور ایسی بلند و بالا شخصیت کی صدارت اور ہز ہائی نس میر صاحب خیر پور سندھ اور نواب صاحب ڈھاکہ کی موجودگی اور معززین قوم کی شمولیت میں ۲۷ر دسمبر کو شروع ہُوا اور نہایت کامیاب اور شاندار طریق پر ۲۹ر دسمبر کو ختم ہُوا۔ عالی وقار تاجدار نے مسلم ٹیکنیکل سکول کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ عطا فرمایا۔ نواب صاحب ڈھاکہ نے پانسو روپے نقد کے علاوہ تین سال کے لئے پندرہ پندرہ روپے ماہوار کے دو وظائف دینے کا اعلان کیا۔ چندہ کی کل تعداد ستر ہزار تک پہونچ گئی۔ یہ اس نیک نیتی اور خلوص قلبی کا نتیجہ ہے کہ جو بانیان اور کارکنان انجمن نے اپنے فرائض مفوضہ کے انجام دینے میں روا رکھی کہ آج دنیا کی بڑی بڑی ہستیاں ادھر کھچی چلی آتی ہیں۔ اور زر و مال کے پھول اُن پر نچھاور کئے جا رہے ہیں۔ کیا "ندوۃ القریش" کے اراکین اس سے کچھ سبق حاصل کریں گے؟

۲۹۔ رجب کو سلطنت آصفیہ کی خود مختاری کے اعلان کی تعطیل اور جشن منایا گیا۔ اس تقریب میں حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی فوج کے منتخب سکاؤٹس نے حصہ لیا۔ نواب اکبر یار جنگ کی صدارت میں جلسہ منعقد ہُوا۔ سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد دو صد سالہ جشن خود مختاری میں جو شاہی تقریر ہوئی تھی اس کا اعادہ کیا گیا۔

اس کے بعد مولوی فخر الدین محمد نے ان حالات کی وضاحت کی جن کے ماتحت آصف جاہ اوّل نے دکن کی خود مختاری کا اعلان کیا تھا اور ایک مختصر تقریر میں بتایا کہ کسی ملک کی ترقی کا راز اس کی خود مختاری میں مضمر ہے۔

نواب بہادر یار جنگ نے ایک مختصر تقریر میں بتایا۔ ہمیں اس امر کا احساس اور قدر ہونی چاہئے۔ کہ ہم ایک خود مختار سلطنت میں بستے ہیں۔ اور ایک ایسا بادشاہ رکھتے ہیں۔ جو رعایا کے آرام کو ذاتی آرام پر ترجیح دیتا ہے۔ اس احساس کے بعد ہم ترقی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں یہ تقریب نہایت تزک و احتشام اور خیر و خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔

کانگرسی دردمندان ملک کی ذہنیت روز افزوں شرمناک طریق پر بگڑ رہی ہے اور وہ ایسے ایسے افعال شنیعہ کے مرتکب ہو رہے ہیں جو بندگان خدا کی پریشانی اور مصیبت کا موجب ہوں۔ ۲۳ دسمبر کا واقعہ کس قدر المناک ہے جبکہ ہری کشن نامی ایک ہندو نوجوان نے ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب پر ریوالور سے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس کے مسلسل چھ فائروں سے ہز ایکسیلنسی کے علاوہ چھ اشخاص اور زخمی ہوئے۔ جن میں سے ایک اسی وقت فوت ہو گیا۔ اور پانچ کو شدید زخم آئے۔ ہز ایکسیلنسی کو دو زخم آئے۔ عام حالت تسلی بخش ہے اور امید کی جاتی ہے کہ چند ہی روز میں آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ حملہ آور اسی وقت موقع پر گرفتار کر لیا گیا۔ شبہ میں دو تین طالب علم اور بھی گرفتار ہیں

اس ذہنیت کے لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تمہارے ان اوچھے ہتھیاروں اور وحشیانہ کارروائیوں سے کبھی سلطنتیں پلٹ سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس سے ملک کو خطرات کا سامنا ہوگا اور تمہارے رہنماؤں اور لیڈروں کی قربانیاں اکارت جائیں گی اور تم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ کوئی عقلمند انسان بم سازی اور پستول بازی کو پسند نہیں کر سکتا۔ ملک کے لئے یہ انتہائی ذلت و رسوائی کا پیش خیمہ ہے۔ ہر سلیم الطبع شخص ان حرکات مذبوحی پر نفرت و حقارت کا اظہار کرتا ہوا تمہاری اس جرأت و جسارت کو بزدلانہ خیال کرتا ہے۔ پس اگر تم ملکی مفاد کیلئے کوئی آئینی کارروائی کرنیکی قابلیت نہیں رکھتے تو تمہیں کوئی حق نہیں کہ مصائب و مشکلات کا منبع بنجاؤ اور ملک اور اہل ملک کے لئے آفات و بلیات کا دہانہ کھول دو۔

کانگرسی مساعی اگر بارود و آتش تک ہی محدود ہیں اور ملکی آزادی کا راز وہ اسی بم و پستول میں مضمر پاتی ہے تو ہر امن پسند انسان کا فرض ہے کہ وہ اس سے الگ ہو جائے کہ یہی بہترین انسانی فرض اور مذہبی تعلیم ہے۔

ہم ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب کو سلامتی جان پر مبارک باد دیتے ہیں اور شفا و صحت کے لئے دست بدعا۔

تصحیح

پیر علی احمد صاحب قریشی تجویز فرماتے ہیں۔ کہ رسالہ ماہ دسمبر کے صفحہ ۳۰ میں فاروقی قریشیوں کو بودلہ لکھا ہے فاروقی قریشیوں کو بودلہ نہیں کہتے بلکہ قریشی بودلہ کہلاتے ہیں۔ اضلاع فیروزپور۔ منٹگمری۔ لاہور وغیرہ میں کاغذات مال میں قریشی صدیقی المعروف بودلہ لکھا جاتا ہے۔ ناظرین القریش درست فرمالیں۔

ہجرت کی پہلی منزل

مکّہ کی سرزمین جو ہے عالم میں انتخاب
چھایا ہُوا تھا کفر کا اس پر کبھی سحاب

بجلی کی طرح کوندتا تھا خنجرِ ستم
روپوش ہو گیا تھا صداقت کا آفتاب

داخل تھے معصیت ہی میں جتنے تھے نیک کام
اک قہر تھا زبان پہ لانا خدا کا نام

بدکاریوں میں ڈوبی ہوئی تھی سرشت قوم
خونریزیوں کے ہوتے تھے ہر وقت اہتمام

لیکن خلیلؑ کی وہ دُعائیں ہوئیں قبول
اس سرزمین پہ رحمتِ حق کا ہُوا نزول

وہ طفل جس کے سر پہ نہ تھا سایۂ پدر
ہو کر جوان بنا وہی اللہ کا رسول

مکّہ میں تھا شباب پہ گمراہیوں کا دور
سہتا تھا یہ یتیم ہزاروں طرح کے جور

بجھتا نہیں بجھائے سے وحدت کا یہ چراغ
کفار کر رہے تھے اسی مسئلہ پر غور

اس رائے پر قریش ہوئے متفق تمام
اس کو شہید کرنے کا خود اٹھا ہوا اہتمام

کرنے لگے حصار وہ "بیت الرسول" کا
تشنہ اسی کے خون کی تھی تیغ بے نیام

نظارہ ہولناک تھا، تاریک رات تھی
تکیہ تھا صرف جس پہ وہ اللہ کی ذات تھی

شیرِ خدا نبی کے بچھونے پہ سو گئے
یہ مخلصی کی شان تھی ہمت کی بات تھی

اعداء سے بچکے نکلے جو گھر سے رسولِ پاک
دیکھا کہ آہ دشمنِ جاں ہے وطن کی خاک

یہ چین سے نہ بیٹھنے دیں گے مجھے قریش
ظالم ہیں، بیکسوں ہی کو کرتے ہیں یہ ہلاک

سوچا کہ مکّہ میں ہے ابوبکرؓ سا رفیق
میرا مرے عزیزوں سے بڑھ کر ہے جو شفیق

پہونچے حضور ان کے مکاں تک پیادہ پا
فرمایا "ظلم پر ہے کمر بستہ ہر فریق"

سُن کر اسے ہوئے تو ابوبکرؓ کچھ مآل
لیکن یہ سوچ کر کہ تردد سے کیا حصول

کی التجا جناب رسالت مآبؐ سے
"حاضر ہے یہ غلام جو خدمت اگر قبول"

وہ ہولناک رات، وہ سناٹا دُور دُور
مہ کیا، فلک پہ تھا نہ ستاروں کا بھی ظہور

ظلمت سے دیو سے نظر آتے تھے کوہسار
کرتا تھا رہنمائی رُخِ مصطفےٰ کا نُور

اس حال میں تھے صرف ابوبکرؓ ہمسفر
بے آب و بے گیاہ پہاڑوں پہ تھا گذر

اس راہ پُرخطر کو کیا مشکلوں سے طے
ناگاہ کوہ نُور کی جانب اُٹھی نظر

دیکھا کہ جسم اپنا مسافت سے چور ہے
آدھا قصد ہے جہاں کا وہ منزل بھی دُور ہے

حضرت نے بڑھ کے گوشِ ابوبکرؓ میں کہا
جائے پناہ صرف یہی غارِ ثور ہے

اُترا یہ غمگسارِ نبیؐ پہلے غار میں
باہر رہے رسُول کریمؐ انتظار میں

سوراخ بھر رہا تھا یہ کپڑوں کو پھاڑ کر
آتا تھا جو نظر شبِ تاریک و تار میں

حضرت نے اس کو غار کے اندر بلا لیا
شائستگی سے پاؤں کے اوپر لٹا لیا

سوراخ رہ گیا تھا اک اب تک کھلا ہوا
پاؤں کا جس پر اپنے انگوٹھا لگا لیا

بیٹھا رہا اسی طرح گھٹنوں پہ جاں نثار
گو ڈس چکا تھا اس کے انگوٹھے کو ایک مار

کچھ آنکھ لگ گئی تھی رسُولِ کریمؐ کی
تکلیف تھی، مگر نہیں ہوتا تھا بیقرار

آنکھوں میں اشک اس کی نمودار ہو گئے
افسوس جو ذریعۂ اظہار ہو گئے!

شبنم کی طرح جب گلِ عارض پہ یہ گرے
حضرت کی آنکھ کھل گئی بیدار ہو گئے!!

فرمایا آپ نے کہ ابوبکرؓ کیا ہوا
کی عرض ہاتھ جوڑ کے "پیغمبرِ خدا"

نادم ہوں فرق آگیا راحت میں آپ کی
سوراخ میں جو سانپ تھا وہ مجھ کو ڈس گیا"

اعجاز یہ نبی کے لعاب دہن میں تھا
ملتے ہی اس کے درد مٹا جو بدن میں تھا

صحت ہوئی جناب ابوبکرؓ کو نصیب
اس معجزہ کا تذکرہ اہل وطن میں تھا

دُوسری منزل

کفار غارِ ثور تک آئے مگر فضول
اللہ کی اماں میں تھا اللہ کا رسُول

کی جستجو بہت مگر آیا نہ کچھ نظر
واپس گئے وہ مکّہ کو افسردہ و ملول

دونوں نے چار دن کیا اس غار میں قیام
لاتا تھا دُودھ روز ابوبکرؓ کا غلام[1]

اور اُن کے بیٹے آ کے سناتے تھے شام کو
مکّہ میں بہر قتل جو ہوتے تھے اہتمام[2]

آگے بڑھے وہاں سے ابوبکرؓ و مصطفےٰ
ہمراہ اپنے لیکر آریقط[3] کو لے لیا

---

[1] صحیح روایات میں یہی ہے مگر ابن ہشام نے لکھا ہے کہ شام کو حضرت اسماءؓ بھی کھانا پکا کر غار ثور میں پہنچایا کرتی تھیں۔ [2] عبداللہ بن ابوبکرؓ۔ [3] عبداللہ بن اریقط جو کافر تھا۔ مگر اس پر اعتماد تھا اور راستہ بتانے کے لئے اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا۔

[1] اس واقعہ کے متعلق راویوں میں اختلاف ہے۔

کچھ دُور غارِ ثور سے جانے نہ پائے تھے — مشہور شہ سوار سراقہ[1] نظر پڑا
آتا تھا اپنے گھوڑے کو سرپٹ کئے ہوئے — ترکش میں تیر ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے
آنکھیں تھیں سُرخ قاتلِ بدمست کی طرح — تھا بادۂ غرور و تکبّر پیئے ہوئے
گھوڑا رُکا تو گھوڑے کو ظالم نے ایڑ دی — چابک لگا کے کہال تک اُس کی اُدھیڑ دی
گھوڑا تھا تند خو، اُسے تھا چھیڑنا غضب — ہیوجہ جنگ اس سے سراقہ نے چھیڑ دی
گھوڑے نے فرشِ خاک پر اس کو گرا دیا — سارا غرور خاک میں اس کا ملا دیا
دل میں خیال آیا کہ اچھا شگوں نہیں — اس حادثہ نے پردۂ بختوت اُٹھا دیا
ترکش سے تیر اس نے نکالے جو بہر فال — نکلا "نہیں" جواب میں تو کچھ ہُوا ملال
لیکن نہ باز آیا یہ پھر بھی غلام حرص — لینا قریش سے تھا اسے خونِ بہا[2] کا مال
جو راہ گیر نکلا سراقہ پہ ہنس گیا — گھوڑے کو ساتھ لے کے مصیبت میں پھنس گیا
گھوڑا تھا خوش خرام مگر بڑھتا کس طرح — گھٹنوں تک اس کا پاؤں زمیں ہی میں دھنس گیا
پھر فال دیکھی تیر سے۔ نکلا "نہیں" جواب — سوچا یہ اس نے آج کچھ آثار ہیں خراب
مجبور ہو کے عرض کی خیر الانامؐ سے — جان بخشدیں گے آپ تو ہوگا بہت ثواب
کیا مرتبہ تھا آپ کا قربان جائیے — فرمایا "ہم تو بخش چکے جان، جائیے
کی عرض جب سراقہ نے "تحریر دیجئے — فرمایا لے کر امن[3] کا فرمان جائیے

آخری منزل

جب پوری[4] سولہ منزلیں طے کر چکے حضور — اور رہ گیا مدینہ کوئی تین میل دُور،

---

[1] سراقہ ابن جشم عرب کا مشہور تیر انداز۔ [2] اہل قریش نے اشتہار دیا تھا۔ کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کا سر لائے گا اس کو ایک خون بہا کی برابر یعنی سو اونٹ انعام دئے جائیں گے۔ سراقہ ابن جشم اسی خون بہا کے لالچ میں گھر سے نکلا تھا
[3] حضور سرور کائنات نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے ارشاد فرمایا کہ اُسے فرمان امن لکھکر دیدو چنانچہ عامر نے چمڑے کے ٹکڑے پر سراقہ کو امن کا فرمان لکھ کر دیا۔
[4] مورخین خصوصاً ابن سعد نے طبقات میں ہجرت کی حسب ذیل منزلیں گنائی ہیں۔ خرار[1]۔ سنیۃ المرۃ[2]۔ لقف[3]۔ مدجۃ[4] مرجح[5]۔ حدائد[6]۔ اداخر[7]۔ رابغ (یہ مقام اب بھی موجود ہے)[8]۔ زاسلم[9]۔ ثنانیہ[10]۔ فاختہ[11]۔ عرج[12]۔ حدودات[13]۔ کوبہ[14] عقیق[15]۔ چنجانہ۔

انصار بولے روئے پیمبر کو دیکھ کر
بدر الدجیٰ نے کوہ ثنیٰ[1] پر کیا ظہور

تھے اہل شہر سب ہمہ تن چشم انتظار
نکلے وہ پیشوائی کو باندھے ہوئے قطار

کوچوں میں کہتے پھرتے تھے اطفال خورد سال
"لوگو چلو کہ آتے ہیں محبوب کردگار"

کہتے تھے لوگ غنچہ امید کھل گیا
جس کی تلاش تھی وہ گہر ہم کو مل گیا

عمرو بن عوف[2] کا تھا ہر اک فرد شادماں
نعروں سے جن کے چرخ گراں گوش ہل گیا

وہ ذات پاک جس کا خدا پاسبان ہے
جس کے قدم سے دشت عرب گلستان بنے

کلثوم[3] نبی کے طابع میں لکھا تھا یہ شرف
اس میزبان دہر کے وہ میزبان بنے

معجد نہ تھا قبا میں کوئی بہر امتیاز
جا کر جہاں جھکائے مسلماں سر نیاز

رکھ رکھ کے اپنے دست مبارک سے سنگ خشت
مسجد بنائی، اور پڑھی آپ نے نماز

آگے بڑھے قبا سے جو سرکار ذوالمنن
کوچوں سے بہر دید نکل آئے مرد و زن

گاتی تھی نغمہ یہ بنی سالم[4] کی عورتیں
سوئے مدینہ راہ کی پھر کی نئی کرن

معصوم لڑکیوں[5] کو نظر آئی جب قطار
ہنس ہنس کے پوچھنے لگے محبوب کردگار

"تم مجھ کو چاہتی ہو؟" کہا سب نے بیقرار
فرمایا میں بھی کرتا ہوں دل سے تمہیں پیار

ہر شخص کہہ رہا تھا کہ اے شاہ ذوالجلال
حاضر ہیں آپ کے لئے اولاد جان و مال

اُن کو دعائیں دیتے تھے حضرت جواب میں
کرتے نہ تھے کسی سے مگر آپ کچھ سوال

یثرب کا ہر بشر ہوا جاتا تھا فرش راہ
حضرت کی جب پڑی ابو ایوب پر نگاہ

کی عرض یہ اُنہوں نے کہ اے فخر دوجہاں
"موجود ہے قیام کو خانہ دم کی خوب گاہ"

دولت کدہ پر اُن کے کیا آپ نے قیام
مکہ سے آ چکے تھے مہاجر بھی اب تمام

ان کو بھی اپنے دامن رحمت میں لے لیا
ہونے لگے ہر ایک کی راحت کے انتظام

جو گل وطن کے ہو رہے بے خانماں بنا
یثرب میں آ کے غیرت صد گلستاں بنا

آشفتہ خاطری میں بھی مضمر تھا اسکی راز
نکہت اڑی تو اس سے معطر جہاں بنا

---

[1] مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ [2] عمرو بن عوف مدینہ کے قبیلہ اوس کی ایک شاخ بنو عمرو بن عوف کے سردار تھے۔ [3] کلثوم بن الہدم عمرو بن عوف کے قبیلہ کے افسر تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کی مہمانی قبول فرمائی تھی۔ [4] وادی بنی سالم (۵) قبیلہ بخار کی لڑکیوں کی طرف اشارہ ہے۔

مکافاتِ عمل

کردن خویش آمدن پیش

کہتے ہیں۔ کہ خلیفہ معتصم باللہ کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ جو بہت ہی عقلمند اور بے حد ہوشیار تھا بادشاہ اسکی ذہانت اور سعادتمندی سے از حد خوش ہوا۔ اور اس کو اپنا مقرب و مصاحب بنالیا۔ اس نے اپنی سچائی اور دانشمندی سے بادشاہ کے دل پر پورا سکہ بٹھا دیا۔ اور بادشاہ کی عنایت سے بے روک و ٹوک محلسرائے میں آنے جانے لگا۔ بادشاہ اس کی ہر بات کو منظور کرتا تھا۔ اور اس کی ہر بات مانتا تھا۔ اس بادشاہ کا ایک وزیر بہت ہی حاسد اور کینہ توز تھا وہ ہر وقت اعرابی کا اقتدار دیکھ کر کڑھتا تھا۔ اور اس کی حالت پر رشک و حسد کرتا تھا۔ اور ہمیشہ اس کو ذلیل کرنے کی تدبیریں سوچتا۔ لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہ آتی۔ آخر سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچا کہ دوستی کے پردہ میں دشمنی کرے اور اس اعرابی سے دوستی کرلی۔ بہت لطف و مہربانی سے پیش آنے لگا۔ اور اعرابی کے سامنے اپنے کو اس کا جاں نثار دوست ظاہر کیا۔ اعرابی اس کے مکر سے آگیا۔ اور سب سے بہتر اس کو اپنا دوست سمجھنے لگا۔ وزیر نے ایک روز اس سے کہا۔ کہ دوست آج تم ہم ملکر کھانا کھائیں گے۔ اور دعوت دے کر اس کو اپنے گھر لے گیا۔ بہت اہتمام کے ساتھ کھانے پر لطف تیار کئے لیکن سب کھانوں میں لہسن زیادہ ڈال دیا۔ جب وہ اور اعرابی کھانے سے فارغ ہوئے تو وزیر نے اعرابی سے سخت تاکید کے ساتھ کہا۔ کہ تم کچھ عرصہ تک امیر المومنین کی خدمت میں نہ جانا۔ کیونکہ ان کو لہسن کی بو سخت ناگوار ہے۔ کہیں تمہارے منہ سے سونگھ کر تکلیف پائیں۔ جب* اعرابی جس پر آپ کی از حد مہربانی ہے۔ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے۔ کہ امیر المومنین بڑا ہی گندہ دہن ہے۔ اور اس کے منہ سے اکثر بدبو آیا کرتی ہے۔ اگر آپ میری بات کا اعتبار نہ فرمائیں۔ تو اس اعرابی کو بلا کر میری اس بات کی تصدیق کر لیجئے۔ یہ کہہ کر وزیر باہر آگیا۔ اس کے جانے کے بعد بادشاہ نے اس اعرابی کو بلوا بھیجا جس وقت اعرابی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس ڈر سے کہ کہیں لہسن کی بو امیر المومنین نہ سونگھ پائیں۔ منہ پر رومال رکھ لیا۔

جب امیر المومنین نے دیکھا۔ کہ وہ اپنا منہ رومال سے ڈھانپ رہا ہے تو وزیر کی بات کا یقین ہوگیا۔ اور ایک بند رقعہ لکھ کر اعرابی کو دیا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ

"حامل رقعہ کو فوراً ہلاک کردو" اور اعرابی سے کہا کہ فلاں عہدہ دار کے پاس اس رقعہ کو لے جا۔ جس وقت اعرابی باہر آیا۔ تو وزیر سے ملاقات ہوئی۔

وزیر نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا اس خط کو امیر المومنین نے فلاں عامل کے پاس لے جانے کے لئے کہا ہے۔ وزیر نے دل میں خیال کیا۔ کہ ضرور اس میں اعرابی کے متعلق کوئی انعام ہوگا۔ یا کوئی بڑا عہدہ ملے گا۔ یہ خیال دل میں لاکر اعرابی سے کہا۔ اگر کوئی شخص تجھ کو سفر کی مشقت سے چھڑا دے اور دو ہزار دینار بھی دے۔ تو اس کے حق میں کیا کہتا ہے؟ اعرابی نے کہا۔

آپ بڑے ہیں بزرگ ہیں۔ جو آپ فرمائیں وہی بہتر ہو۔ یہ کہہ کر وہ خط وزیر کے حوالہ کیا۔ وزیر کہ اُس طرف چل دیا جس طرف اعرابی کو جانا تھا۔ جب وزیر نے اس عامل کے پاس پہنچ کر رقعہ دکھایا۔ تو عامل نے حسب فرمان شاہی وزیر کی گردن اُڑا دی۔ جب چند روز گذر گئے تو بادشاہ نے وزیر کو بلایا کیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ وزیر تو چند دن سے غائب ہے البتہ اعرابی موجود ہے۔ بادشاہ نے اعرابی کو بلوایا۔ اور تمام ماجرا پوچھا۔ اس نے تمام قصہ اول سے آخر تک کہہ سنایا۔ جب بادشاہ کو وزیر کے حسد کا حال معلوم ہُوا۔ تو کہا۔ بیشک خدا نے فیصلہ کیا۔ اور اس کو اس کے حسد کے ہاتھوں کھویا۔ جیسا کیا پایا۔ بعد اس کے اعرابی سے بہت خوش ہُوا اور اس کو وزیر کی جگہ دے دی خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ اعرابی بادشاہ کو پہلے سے زیادہ عزیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ عنان سلطنت اس کے اختیار میں آگئی۔ ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

آہ! مولانا محمد علی

فدائے ملت مولانا محمد علی جن کے نام اور حسن خدمات ملی سے دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے لنڈن تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک ولولہ انگیز آزادانہ تقریر کر کے ان لوگوں کو مجوب کر دیا جو آپ کو "دشمن ملت" اور "ٹوڈی" کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ کانگریسی جو آپ کو مشکوک و مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس تقریر سے حیران و ششدر رہ گئے اور تحسین و آفرین کے نعرے لگانے لگے۔ آپ ملک و ملت کے ہمدرد اور آزادی کے حامی و معاون تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔ کہ حقوق لیں گے یا جنازہ یہیں اُٹھے گا۔ اللہ اکبر۔ ان الفاظ میں کس قدر صداقت و خلوص تھا کہ وہی ہُوا اور خدائے قدیر کو بھی قوم و ملت کے سامنے آپ کو سرخرو کرنا منظور تھا چنانچہ آپ نے ۴ جنوری کو اتوار کے دن ۹½ بجے صبح ان تمام مایوسیوں سے جو کانفرنس مذکور کے حالات سے پیدا ہو گئی تھیں منہ موڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم مراد آباد کے باشندے اور رام پور کے جاگیردار تھے۔ آپ علی گڑھ کے بی۔ اے اور ولایت کی آکسفورڈ یونیورسٹی کے منتہی تھے۔ ابتداءً آپ سول سروس میں شامل ہوئے۔ مگر جلد ہی اس سے الگ ہو گئے۔ اور اخبارات اُردو و انگریزی جاری کئے مسجد مچھلی بازار کانپور کے مشہور واقعہ کے وقت سے عملاً میدان میں آئے۔ خلافت کی تحریک میں بدرجہ اتم قومی خدمات انجام دیں۔ نظر بند ہوئے۔ کانگرس بنے۔ سیڈیشن کمیٹی کے قید ہوئے۔ مشکلات و مصائب کا سامنا کیا لیکن عزم و استقلال میں لغزش اور پائے ثبات میں ذرہ بھر جنبش نہیں آئی۔ مستقل ارادہ کے انسان تھے۔ آپکی وفات سے ناقابل تلافی قومی نقصان ہوا ہے۔ آپکا مزار فلسطین کے مسلمانوں کی خواہش پر وہیں بنایا گیا۔ خدا مغفرت

قومی خدمت

از مولانا سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہانپوری

(۱)

مولانا کامل اپنے وطن کے ایک قابل فرزند ہیں۔ انہوں نے ایک علم دوست خاندان کے ممبر کی حیثیت سے پہلے فارسی اور عربی میں کافی دستگاہ حاصل کی اور پھر ۱۶ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم شروع کی کچھ دنوں پرائیویٹ پڑھکر باقاعدہ مدارس میں داخل ہوئے۔ اور چند سال میں بڑی کامیابی کے ساتھ بی اے کا امتحان پاس کیا۔ گریجوایٹ ہو جانے کے بعد کامل صاحب کے سامنے ایک شاندار مستقبل موجود تھا یعنی وہ اپنے خاندانی اثرات کی بنا پر اگر کوشش کرتے تو یقیناً نائب تحصیلداری اور پھر رفتہ رفتہ کوئی بڑے عہدے دار ہو جاتے لیکن انہوں نے ایک قومی کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اور اس لئے اُن کے دل و دماغ پر قومیات کے تاریک بادل چھا رہے تھے اور کالج چھوڑنے کے بعد قومیات میں کسی قدر سیاسیات کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے تمام زرّین مشاغل سے مُنہ پھیر کر اپنی زندگی ملک و قوم کی خدمت میں بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ ایوانِ سیاسیات میں در آنے کے لئے پہلا قدم یہ تھا کہ انہوں نے دو چار روزہ اور ہفتہ وار اخبارات اپنے نام جاری کرائے۔ سیاسی حلقوں میں نشست برخاست شروع کی۔ قومی اور سیاسی انجمنوں کی شرکت اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ اخبارات میں مضامین لکھنے لگے۔ دماغ میں خیالات، اور زبان میں قوت گویائی کا پیدا ہونا تھا کہ وہ ایک لیکچرار کی حیثیت سے قومی و سیاسی پلیٹ فارم تک پہنچنے لگے لیکن ان مشاغل میں چونکہ آمدنی کچھ زیادہ نہ تھی اور کچھ نہ کچھ روپیہ خرچ ہو جاتا تھا۔ اس لئے باپ دادا کا اندوختہ صرف ہونے لگا۔

(۲)

کامل صاحب کے پاس کوئی قابل ذکر جائداد نہ تھی۔ وہ دو مکانوں اور چار دوکانوں کے مالک تھے۔ انکی والدہ کے پاس جو کچھ زیور تھا وہ اُن کی تعلیم اور شادی میں ختم ہو چکا تھا۔ مکانات ذاتی صرف میں تھے اور دو کانوں کا کرایہ پچاس روپیہ جو ان گھر کے اخراجات کو تو کافی ہو جاتا تھا۔ لیکن ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے اُن کو لیڈروں کی ملاقات و مہمانی اور اپنے ریل کے سفر کے لئے جو رقوم درکار تھیں اس کا حصول قرض کے سوا کسی صورت سے ممکن نہ تھا۔ کامل کو سیاسیات کا ایسا زبردست نشہ تھا کہ انہوں نے عائلی ذمہ داریوں کی طرف ذرا بھی کام نہیں لیا۔ اور ایک مہاجن سے معاملہ کر کے بڑی جرمانہ مندی کے ساتھ سودی قرض لینے لگے۔ تین سال کے زمانہ میں انہوں نے ایک چھوٹے سے لیڈر کی پوزیشن بھی حاصل نہیں کی تھی کہ وہ پانچ ہزار روپے کے مقروض ہو گئے۔ مہاجن نے روپے کا مطالبہ کیا۔ اور جب روپیہ نہیں ملا تو اصل و سُود وغیرہ سب رقم ملا کر دس ہزار کا دعویٰ کر دیا۔ اور کامل صاحب کی جائداد کی قرقی کا مطالبہ میں نیلام ہو گئی۔ اب بھی اُن کا نشہ نہ اُترا۔ وہ کرایہ کے مکان میں اُٹھ گئے۔ بیوی کا زیور اور اثاث البیت بیچ بیچ کر زندگی بسر کرنے لگے۔ اُن کا دل خلوص اور خلوص سے بڑھکر جوش سے لبریز تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ممکن ہو قوم پر نثار ہو

جائیں چنانچہ قوم کے عشق میں انہوں نے گورنمنٹ کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اُن کا طریق عمل قانون وقت کی زد میں آنے لگا اور آخر کار ایک پُرجوش تقریر کا یہ نتیجہ ہُوا کہ اُن کی زبان بندی کر دی گئی۔ اور جب اس پر بھی وہ باز نہ رہے تو ایک سخت دفعہ کے ماتحت اُن کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

(۳)

کامل صاحب کو اپنی سزا کا ذرا بھی غم نہ تھا کیونکہ اُن کو یقین تھا کہ جس قوم کے لئے انہوں نے اپنا روشن مستقبل فنا کر دیا جس کے لئے اُنہوں نے سرکاری معزز عہدہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جس کے لئے اُنہوں نے اپنی جوانی برباد کر دی جس کی خاطر انہوں نے اپنی موروثی جائداد تباہ کر ڈالی۔ اور جس کی فداکاری میں انہوں نے عزت و آبرو گنوا کر جیل کی تکالیف گوارا کیں۔ وہ کبھی اُن کو فراموش نہیں کرے گی اور کم از کم ان احسانات کا اتنا معاوضہ ضرور دے گی۔ کہ اُن کی عدم موجودگی میں اُن کے اہل و عیال کی خبر گیر رہے گی۔ کامل اپنی قوم کے متعلق بڑے مغالطہ میں مبتلا تھے۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ قوم کا حافظہ بہت کمزور ہے۔ وہ اپنے محسنوں اور جاں نثاروں کو اُن کی روپوشی ہوتے ہی ہمیشہ کے لئے بھُول جاتی ہے۔ صدیاں گزریں کہ وہ اپنا کیا کرتا لکھ چکی ہے۔ مدتیں ہوئیں کہ اخلاقی صفات اُس میں نہیں پائی جاتیں نیک و بد کی تمیز اُس کے دماغ سے مفقود ہے۔ وہ اہل خلوص کو ہمیشہ بدگمانی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور خواہ کیسی ہی نیک نیتی کے ساتھ اس کی خدمت کی جائے لیکن وہ ہر خدمت کو ذاتی مفاد اور بدنیتی پر محمول کرتی ہے۔ اور اس لئے ان کی جاں نثاریوں کو قابل احترام اور لائق معاوضہ نہیں سمجھتی۔ چنانچہ کامل کے سزا یاب ہونے پر اُستاد ذوقؔ کا یہ مشہور شعر کسی قدر ترمیم کے ساتھ اُن کے حسب حال ثابت ہُوا کہ ؎

جب قید ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوقؔ ۔۔۔ پوچھا نہ کہ تھے کون وہ کیسے تھے

(۴)

کامل کے قید ہونے پر اُن کے سیاسی احباب میں تو دو چار دن تذکرہ رہا لیکن پھر کسی نے نام بھی نہیں لیا۔ اُن کے متعلقین میں چار لڑکیاں۔ ایک بیوی اور ایک بوڑھی ماں تھی۔ کچھ دنوں قریبی عزیزوں نے ان کی خبر گیری کی لیکن مستقل طور پر ایک پورے کنبہ کی کفالت ناممکن تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک سال کے بعد یہ مصیبت زدہ خاتمان انتہائی مشکلات اور فاقہ کشی کی تکالیف میں مُبتلا ہو گیا۔ وہ قوم جو کامل کے اسٹیج پر آتے ہی کئی منٹ تک چیئرز دیتی تھی۔ وہ قوم جو کامل کی تقریر و تحریر پر عالم وجد میں سر دُھنتی تھی۔ آج اُن کے اہل و عیال سے بے خبر تھی۔ تین تین دن گذر جاتے تھے۔ اور ان معصوم مظلوم بچوں کو آب و دانہ میسّر نہیں آتا تھا۔ دُوسرے سال مکان بھی چھوڑنا پڑا۔ اور ایک تنگ و تاریک جھونپڑا کرایہ پر لے کر ان لوگوں نے بود و باش اختیار کی۔ کامل کی بیوی نے محنت مزدوری شروع کی لیکن تاریک و مرطوب جھونپڑے میں رہنے سے سارا کنبہ ملیریا میں مبتلا ہو گیا۔ مناسب غذا اور ضروری دوا میسّر نہ آنے سے طحال اور جگر میں خرابیاں واقع ہوئیں۔ ایک مرتبہ تین دن کے فاقہ کے بعد جب ایک پیسہ میسّر آیا تو موٹی ککڑیاں منگا کر ان فاقہ کشوں نے کھائیں ایک لڑکی ہیضہ میں مبتلا ہو کر راہی مُلک بقا ہوئی۔ دو لڑکیاں کرانک ملیریا کی نظر ہوئیں۔ شعبہ خواریچی ماں کی علالت اور کثافت وغیرہ

کے باوجود سرخ بادہ میں ایسی مبتلا ہوئی کہ جانبر نہ ہوسکی ہاں اٹھتی کونپلوں کو اسطرح مرجھاتے ہوئے دیکھکر بیماریاں ضبط نہ کرسکی۔ اس کے اعضائے رئیسہ پہلے ہی سے کمزور ہو رہے تھے۔ ان پیہم صدمات سے رہی سہی طاقت بھی چھین لی اور آخر کار چند ماہ میں سسک سسک کر وہ بھی اپنی مصیبت زدہ اولاد سے جاملی۔ اب اس کنبہ میں صرف کامل کی ماں اپنی سخت جانی کی بنا پر زندہ تھی۔ کامل کے ایک قریبی رشتہ دار اس ضعیفہ کو اپنے گھر لے گئے۔ ورنہ وہ بھی موت کا شکار ہوجاتی۔

(۵)

خدا خدا کرکے سزا کی میعاد ختم ہوئی اور کامل نے قید سے رہائی پائی۔ اس اثنا میں ایک دور رشتہ داروں کے سوا جنہوں نے کسی ضرورت سے سفر کیا تھا سنٹرل جیل میں کسی نے اُن سے ملاقات نہیں کی۔ عرصہ دراز سے وہ اپنے متعلقین کے حالات سے بے خبر تھے۔ چند ماہ پیشتر انہوں نے اپنے چند دوستوں کو لکھا تھا کہ اُن کے گھر کا حال لکھیں۔ سیاسی دوستوں کو کیا پڑی تھی کہ تحقیق حال کی زحمت گوارا کرتے انہوں نے لکھدیا کہ تمہارے متعلقین صحیح سلامت اور آرام سے ہیں مطمئن رہو۔ بہرحال کامل جب جیل سے باہر نکلے تو سوا وطن کے سوا کوئی ہستی اُن کے خیر مقدم کے لئے موجود نہ تھی۔ وہ افتاں خیزاں اپنے مکان پر گیا کیونکہ فرماں پذیر بیوی اور معصوم بچوں کے اشتیاق نے اُسے مضطرب کر رکھا تھا۔ مکان پر جاکر دیکھا تو کوئی اور کرایہ دار اس میں مقیم تھا جب کچھ پتہ نہ چلا تو اپنے اعزہ و اقربا کے پاس پہنچا۔ آخر حالات معلوم ہوئے۔ کامل کو غش آگیا۔ جب ہوشیار ہوا تو اس کی حالت دیوانوں کے مانند تھی کئی ہفتہ میں اس کا مزاج روبہ اصلاح ہوا لیکن پھر بھی اُس کی طبیعت مشتعل تھی۔ دماغ اس کے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ جب تنہا ہوتا تھا تو دانت پیس پیس کر کہتا تھا کہ اے قوم اور اے افراد قوم کیا میری مخلصانہ خدمات کو فراموش کر دیا۔ تم نے میری نیک نیتی اور خلوص کی کچھ قدر نہ کی۔ میرے گھر میں آگ لگ گئی اور تم دیکھتے رہے۔ میری کشتی ڈوب گئی اور تم طاقت کے باوجود اس کے بچانے کیلئے آگے نہیں بڑھے۔ اچھا میں تم سے انتقام لوں گا۔ اور اب میں وہ طریق عمل اختیار کروں گا جس کے تم مستحق ہو۔

(۶)

یہ خیالات اور انتقام کے جذبات کامل کے دل میں اس قدر مستحکم ہوئے کہ چند روز میں عملی صورت اختیار کر گئے انہوں نے ترک وطن کرکے دوسرے شہر میں قیام اختیار کیا اور ایک شخص سے دو روپے قرض لیکر اور ایک اخبار کو بھیج کر حسب ذیل اشتہار شائع کرایا۔

"ایک مسلمان حسین خوبرو دوشیزہ کے لئے جو کافی تعلیم یافتہ، سلیقہ مند اور زنانہ ہنرمندیوں سے اچھی طرح واقف ہے اور پچاس ہزار کی جائداد بھی رکھتی ہے بشوہر کی ضرورت ہے۔ قومیت کی قید کوئی نہیں۔ البتہ اُمیدوار اب ٹوٹیٹ اور برسرکار ہونا چاہئے۔ جو صاحب رشتہ کرنا چاہیں۔ وہ چار آنے بھیج کر لڑکی کا فوٹو طلب کرلیں۔" اس ایک بار کے اشتہار کا یہ اثر ہوا کہ کامل نے اپنے فرضی پتہ پر تقریباً ڈھائی سو خط موصول ہوئے جس کے یہ معنی تھے کہ لگ بھگ ساٹھ پینسٹھ روپے کی آمدنی ہوگئی۔ اب انہوں نے اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں قیام اختیار کیا اور اب کے انہوں نے مردانہ شکایات کے متعلق ایک پُرزور اشتہار شائع کیا۔ دوا کی قیمت ۲(دو) روپے تھی۔ اس اشتہار کا مضمون خلافِ تہذیب ہونے کی وجہ سے یہاں درج نہیں کیا جاتا۔ اشتہار نہایت کامیاب ہوا اور ایک ماہ میں تین سو فرمائشیں آئیں جس کے یہ

معنی میں کہ تقریباً چھ سو روپے کامل کو وصول ہوئے۔ وہ یہ روپیہ لے کر ایک بڑے مرکزی شہر میں پہنچے اور ایک اعلیٰ درجہ کا رسالہ جاری کیا اور اتنا ضخیم اور چھپائی لکھائی وغیرہ اتنی عمدہ کہ پانچ روپے سالانہ میں بھی سستا سمجھا جاتا لیکن کامل نے اُس کی قیمت دو روپے سالانہ رکھی۔ دو ماہ میں بارہ سو خریداروں کی رقم وصول ہوئی اور تقریباً چھ سو روپیہ خرچ ہُوا۔ کامل بارہ سو روپے کی رقم لے کر اس شہر سے بھی رخصت ہوئے۔

(۷)

اتنی رقم حاصل کرنے کے بعد کامل نے جس شہر میں سکونت اختیار کی وہاں ایک قومی مڈل اسکول کی ہیڈ ماسٹری خالی تھی۔ ان کو فوراً کامیابی ہوگئی۔ ارکانِ شہر کے ساتھ اختلاط پیدا کر کے انہوں نے فی الجملہ پبلک لائف کی بنیاد ڈالی اور چند روز کے بعد سکول وغیرہ کی امداد کا نام لے کر انہوں نے ایک لاکھ روپے کی لاٹری کا بندوبست کیا اور اس سلسلہ میں پچیس ہزار روپے کی رقم بڑے سلیقہ کے ساتھ اپنے لئے بچا لی۔ اپنی زندگی کو اس قدر کامیاب بنانے کے بعد اب اُن کو شادی بیاہ کا خیال پیدا ہُوا۔ اب اُن کے لئے شادی کا مسئلہ کچھ پیچیدہ نہ تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ ایک دولتمند بیوی اُن کو حاصل ہو اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اپنے وطن پہنچ کر جائیداد خرید کی مکان مول لیا اور لوازمِ امارت کو بہم پہنچایا اور اس کے بعد بیوی کی جستجو کرنے لگے۔

(۸)

کامل کی خوش قسمتی اور حُسنِ اتفاق سے ایک بخیل سُود خوار رئیس کا انتقال ہُوا۔ وہ لاولد تھا اور بیوی کے سوا کوئی وارث نہ تھا۔ بیوی کی عمر بھی تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ ایک طرف تو وہ شوہر کی دو تین لاکھ روپے کی جائداد کی مالکہ تھی اور دوسری طرف کئی لاکھ کی جائداد اُسے ترکہ پدری میں ملنے والی تھی۔ کامل نے اس طلائی موقعہ کو غنیمت سمجھا اور بڑی جدوجہد کے ساتھ اس مہم کو سر کیا۔ اتفاق دیکھئے کہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی کامل کی بیوی کے والدین نے انتقال کیا۔ اور تمام علاقہ کامل کے قبضہ میں آگیا۔ اب کامل شہر کے سب سے بڑے رئیس اور سب سے زیادہ متمول شخص شمار کئے جانے لگے۔ یہ عروج اور تموّل دیکھ کر اُن کے سیاسی اور قومی دوستوں کو تجدید تعلقات کا خیال پیدا ہُوا لیکن کامل نے تحقیر و تذلیل کے ساتھ اُن کو ٹھکرا دیا۔ کامل کے تموّل کا شہرہ سُن کر قومی بھکاری اور سیاسی گداگر ان کے پاس آتے تھے۔ لیکن یہ نہایت بداخلاقی کے ساتھ اُن کو واپس کر دیتے تھے۔ عرصہ دراز تک کامل کے خیالات میں کوئی تغیّر پیدا نہیں ہُوا حتّٰی کہ سولہ سال کا زمانہ گذر گیا۔ اس اثناء میں وہ پھر چار بچوں کے باپ بنے۔ لیکن ایک دن عالمِ تنہائی میں جب وُہ اپنی گذشتہ زندگی پر غور کر رہے تھے اُن کے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے قوم ظالم تھی اور میں مظلوم تھا۔ لیکن اب میں ظالم ہوں اور قوم مظلوم ہے۔ پس بہتر ہے کہ نہ میں ظالم ہوں نہ مظلوم رہوں اور اس خیال کی بناء پر انہوں نے وہ تمام ذاتی جائداد جو حاصل کی تھی۔ قومی درس گاہوں اور یتیم خانوں کو تقسیم کر دی اور بیوی سے مہر و حقوق معاف کرا کے خود گوشہ نشینی اختیار کی۔ چنانچہ آج کل اُن کی عمر کا باقی ماندہ حصّہ اس طرح بسر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے صوفیوں کے لئے باعثِ رشک ہے۔

صدائے حق

از سید نواب علی صاحب رضوی ایم۔ اے

لشکرِ اسلام جس دم شام کی جانب چلا
رومیوں کی جنگجوئی خلق میں مشہور ہے
اپنا مرنا اپنا جینا ہے خدا کے واسطے
گرچہ یہ موسم ہے گرمی کا پھر اس پر قحط ہے
سُن کے یہ اصحاب جانباز نبیؐ آگے بڑھے
حضرتِ عثمان غنیؓ تھے مال و زر لائے وہیں
اک صحابی تھوڑے سے جَو لا کے یوں کہنے لگے
اس میں سے آدھا خدا کی راہ میں لایا ہوں میں
لیکے دستِ پاک میں جَو کے یہ سالار دیں
دوستو یہ راہِ حق ہے دیں کی یہ تعلیم ہے
ہے قلم کا یہ زمانہ علم و فن کا دَور ہے
یہ جہالت ہے کیا ہے قلب کو جس نے سیاہ
اب بہتّر کیا ہوئے سو سے بھی زائد فرقے آہ
یہ جہالت ہے کہ ہیں جو صاحبِ مال و منال
مدرسوں کی ان کے بس خالی عمارت دیکھ لو
ہو بُرا تیرا جہالت کر دیا ہم کو تباہ
غم نہیں لیکن کہ صدقہ ہیں رسول اللہؐ کے
وہ شفاء رحمتہ اللمومنین لا ریب ہے
گر عمل ہو صدق دل سے اس کی تعلیمات پر
تفرقے مٹ جائیں گر ہو دائروں کا مرکز ایک
ظلمتِ جہل و تعصب دُور ہو جائے ابھی

سرورِ دیںؐ نے صحابہ کو مخاطب یوں کیا
حامیانِ ملتِ بیضا کو لیکن خوف کیا
جو موحد ہیں شعار ان کا ہے تسلیم رضا
ہے سفر مثلِ سقر لیکن یہ ہے راہِ خدا
جس سے جو کچھ ہو سکا لا کر وہیں حاضر کیا
"جیشِ عسرت کا مجہز" یہ لقب حاصل کیا
مجھ کو مزدوری میں جو کچھ آج کے دن مل گیا
ہو قبول اے سرورِ دیں ہدیہ اس ناچیز کا
وہ غنی ہے اپنے بندوں کی ہے نیت دیکھتا
ہو اگر دیندار راہِ حق میں ہو جاؤ فدا
مانگنا اب چاہئے قلبِ دنی کی دعا
یہ جہالت ہے بڑا امت میں جس سے تفرقا
ٹکڑے ٹکڑے قالبِ اسلام ہے واحسرتا
وہ سمجھتے ہی نہیں مصرف ہے اس دولت کا کیا
کیسی ہے تعلیم کی حالت کہیں افسوس کیا
ہو گئے چھوٹے بڑے سب اس مرض میں مبتلا
شافیٔ برحق نے دی ہم کو مجرب اک دوا
وہ ہدیٰ ہے نور ہے یعنی کلام اللہ کا
پھر وہی عزت ملے ہم کو طفیلِ مصطفےٰ
رنگ کثرت کے فنا ہوں گر ہو وحدت کا ضیا
گر کتاب اللہ کو لے کر کہیں ہم حَسْبُنَا

دو طالب علم

(از ابو الشرف غلام اصغر صاحب بارہ بنکی)

(۱)

حامد اور محمود دونوں نے ایک ساتھ انٹرنس پاس کیا۔ اسکول میں جب سے دونوں داخل ہوئے ایک ہی جگہ رہتے سہتے اور ایک ساتھ کھیلتے پڑھتے۔ دونوں میں بہت انس و محبت۔ ہی۔ ایسے صاحب حیثیت نہ تھے کہ آگے سلسلہ تعلیم جاری رکھتے۔ اس لئے اس منزل میں اب قدم رکھنا لابدی تھا جس کے لئے فی زمانہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔ دونوں بلند خیال و اولوالعزم تھے اس اعتبار سے دونوں کا نصب العین ایک ہی تھا۔ یعنی دنیا میں ترقی کرنا" حامد تجارت کا حامی تھا۔ اور محمود کا میلان طبع ملازمت کی طرف تھا۔ اوقات فرصت میں اسی موضوع پر دونوں میں گرما گرم بحثیں ہوتیں۔ حامد کا قول تھا۔ کہ اقوام عالم کی تاریخ بغور مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسی قوم نے ترقی کی جس نے تجارت کو مدار عمل قرار دیا۔ تمدنی و معاشرتی شان و شکوہ محض تجارت کی ہی منت ہے۔ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ جاپان اور جاپانیوں سے دنیا کس قدر بے خبر تھی دول عالم میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہ تھا۔ لیکن ادھر چند ہی برسوں میں تجارت کی بدولت اسی جاپان نے جو ترقی کی وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جنگ یورپ کے زمانہ میں جب جرمنی کی تجارت سرد پڑ گئی تو تمام ملک میں ہلچل مچ گئی۔ یہ اقوام عالم سے ایک قوم و ملک کی اجتماعی ترقی کی مثالیں ہیں۔ انفرادی نظیریں صدہا ہمارے شہر میں موجود ہیں۔ نتھومل جھنگا ساہ البستی لال کے اب سے دس پندرہ سال پیشتر کے تمام و کمال حالات سے ہم واقف ہیں۔ آج اس ابتدائی حالت کا موازنہ کریں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے نہ ان کی کثیر جائدادیں تھیں نہ موروثی دولت محض اس تجارت کا کرشمہ ہے جس کو انہوں نے اختیار کیا۔ اور خوش اسلوبی سے برتا۔ صحیح اصول اور محنت و استقلال کے برکات نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ ملازمت ایسے فیوض و ثمرات سے قطعاً مبرا ہے۔ اور تجارت وہ میدان ہے جس کا اور چھور نہیں۔ کروڑ پتی بابو روشن لال پینتیس ۳۵ سال ملازمت میں رہے ان کی محنت و قابلیت اور جانفشانی کا حکام تک کو اعتراف تھا۔ لیکن غریب ڈھائی سو سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔ زندگی میں کبھی کسی غریب درماندہ عزیز و اقارب کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کے قابل نہ ہوئے اور مرنے پر پس ماندگاں کو جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہم نے خود دیکھا۔ ایک شخص کے لئے ملازمت کے جو انتہائی مدارج ترقی ہیں وہ اس کے لئے انتہائی مدارج اخراجات بھی ہیں کیونکہ باعتبار عہدہ شان و نمود ہونا لازمی ہے۔ اعلیٰ حکام سے میل جول اور اسی طبقہ کی پوزیشن رکھنا قیام ملازمت کے لئے بسا ضروری ہے۔ ان سب کے لئے ہر وقت زر بکف رہنا لازمی ہے۔ حامد اور محمود کے دلائل و ترغیبات کا اثر دونوں میں سے کسی پر کچھ بھی نہ ہوا۔ اور جس طرف رجحان طبع تھا۔ اپنے لئے اس نے وہی راستہ اختیار کر لیا۔

(۲)

محمود کو دفتر میں ایک جگہ اسّی روپے ماہوار کی مل گئی اور حامد نے خود سوچ سمجھ کر اور شہر کے اکثر مسلمان و ہندو نیک نفس تاجروں سے مشورہ کر کے ایک ہزار روپے کے سرمایہ سے کام شروع کر دیا۔ دساور سے کھٹ بلدی، مرچ لاتا اور بورہ بندی کے حساب سے خوردہ فروش دوکانداروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا اس صورت میں مال رکتا نہ تھا گو اخراجات آمد و رفت و باربرداری کی وجہ سے زیادہ نفع نہ ہوتا لیکن بعد منہائی اخراجات تیس ۳۰ پینتیس روپے ماہوار کا اوسط ضرور ہو جاتا ایک سال تک حامد و محمود دونوں ایک ہی شہر میں رہے لیکن اس مدت کے بعد آب و دانہ نے ان دیرینہ دوستوں میں تفرقہ ڈال دیا۔ محمود دس روپے ترقی پر دوسرے ضلع تبدیل ہو گیا اور حامد نہایت استقلال و دانشمندی سے اپنے کام میں لگا رہا تین سال گذرنے پر حامد کے کاروبار نے ترقی کی اب اس کا مجموعی سرمایہ دو ہزار سے زائد تھا تمام شہر کے خوردہ فروش اس سے مال خریدتے۔ مال زیادہ مقدار میں فروخت ہوتا اور جلد نکل جاتا اس وجہ سے اب نفع زیادہ ہونے لگا رفتہ رفتہ حامد نے دوسری چیزوں کا بھی اضافہ کیا اس طرح سات سال میں یہ کیرانہ تھوک فروش کی دوکان شہر میں بڑی دوکان ہو گئی۔ دساور سے مال زیادہ تعداد میں آتا اور شہر اور مفصلات میں جس قدر خوردہ فروش دوکاندار تھے مال لیجاتے حامد کی خوش معاملگی دیانت و ایمانداری سے تمام خریدار بہت خوش تھے۔ ان کی بجوعات کا یہ اثر تھا کہ حامد کو اکثر ہفتہ میں دساور سے دو دو بار مال منگانے کی ضرورت پیش آتی۔ دس سال میں یہ دوکان نمایاں ہو گئی۔ دس ہزار کا مال ہر وقت موجود رہتا۔ دو نوکر دوکان کا کام کرتے اور حامد ایک گوشہ میں گاؤ تکیہ لگا کر آرام سے دوکان کی نگرانی اور بیرونی تاجروں سے خط و کتابت کرتا رہتا۔

(۳)

جب سے محمود اس شہر سے تبدیل ہو کر گیا ایسے اتفاقات پیش آئے کہ باوجود دلی خواہش کے ایک دن کے لئے بھی حامد سے ملاقات کرنے نہ آسکا۔ آب و ہوا موافق نہ آنے سے تیسرے ہی مہینے بیمار ہو گیا۔ اور باوجود سخت کوشش کے حکام بالا نے اس کی درخواست تبادلہ خارج کر دی۔ قہر درویش بجان درویش ملازمت ترک کرنا تو درکنار ذریعہ بسر اوقات نہ تھا۔ جیوں توں گذر کرتا رہا۔ تین سال گذر گئے دس روپے ترقی ہو گئی لیکن اس ترقی کے تیسرے ہی مہینے کام میں کچھ ایسی غلطی ہو گئی کہ افسر متعلقہ ناراض ہو گیا۔ محمود کے خلاف افسر بالا سے شکایت کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیس روپے تنزل ہو گیا۔ اور تین سال کے لئے مانع ترقی کر دیا گیا۔ غریب محمود پر اس کا بہت برا اثر پڑا۔ سخت بیمار ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ علالت کئی مہینہ تک قائم رہا جس میں تین چار سو روپیہ صرف ہوا۔ محمود کو ملازم ہوئے دس سال گذر گئے اب ایک سو دس روپے اس کی تنخواہ تھی۔ کاغذات پیش کرنے وہ اعلیٰ حکام کے پاس روز انہ جاتا اس وجہ سے ہر دوسرے روز سوٹ بدلنا لازمی تھا۔ دفتر قیام گاہ سے دور تھا۔ دوسرے یہ اپنے آفس میں سب سے زیادہ تنخواہ پاتا تھا۔ اور معزز عہدہ پر تھا آمد و رفت کے لئے ایک تانگہ رکھنا پڑا۔ گو خود اس کی بیوی اور ایک بچہ تھا جن کے لئے ایک مختصر مکان کافی ہوتا۔ لیکن مکان اس حیثیت کا لینا پڑا کہ باہر نشست کے لئے علیحدہ کمرہ تھا اور ایک کمرہ میں آفس تھا اس مکان کا کرایہ پندرہ روپیہ تھا یہ ضروری اخراجات ایسے تھے کہ محمود ہمیشہ تنگدست رہا۔ ظاہر میں خیال کرتے کہ ایک سو دس روپے تنخواہ میں بہت آرام میں بسر ہوتی ہو گی۔ لیکن اس آرام کا حال کوئی محمود کے دل سے پوچھے۔

(۴)

دس سال کی طویل مدت کے بعد ایک تقریب میں حامد و محمود کو یکجا ہونے کا اتفاق ہوا۔ حامد کی حالت دیکھ کر محمود کی آنکھیں کھل گئیں مشاہدہ نے حامد کے تمام دلائل کو ثابت کر دیا۔ اسے اعتماد کامل ہوگیا کہ حقیقتاً دنیا میں تجارت ہی کے ذریعہ ترقی کی جا سکتی ہے۔ آج اس کے دس سال کی جد وجہد اور خون جگر پی پی کر رہنے کا یہ ثمرہ تھا کہ گو پہلی تاریخ کو ایک سو دس روپے ملتے لیکن دوسری تیسری کو وہ مفلس اور قلاش ہوتا۔ برعکس اس کے حامد کی دس سالہ محنت اور تجارتی برکات کا یہ ثمرہ تھا کہ کم و بیش تین سو روپیہ ماہوار کا منافع تھا اور پھر بھی کسی کا محکوم نہ تھا آزادانہ بسر کرتا۔ ہر وقت دس پانچ ہزار نقد پاس رہتا جس سے دل غنی رہتا۔ اور قوت و طمانیت حاصل رہتی۔

پیغامِ حیات

(یہ نظم خواجہ دل محمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے چھبیالیسویں سالانہ اجلاس میں پڑھی)

اُٹھ کہ تیری گرمجوشی میں ہے رازِ زندگی ۔ کر نئے سر سے مہیا برگ و سازِ زندگی
اُٹھ کہ ہاتوں سے نہ ہونگے سر کبھی حصنِ حصین ۔ زندگی کا راز پنہاں خوابِ نوشیں میں نہیں
اُٹھ کہ ننگِ موت ہے تیری حیاتِ بے عمل ۔ اُٹھ کہ ہے بے ہمتی سے زندگانی پُر خلل
اُٹھ کہ ہے رازِ ترقی عزم و استقلال میں ۔ کوہ کی صورت رہیں تیری جڑیں پاتال میں
اُٹھ کہ جب انسان کا عزم راستیں لیتا ہے جست ۔ پھر بلندی آسماں کی بھی نظر آتی ہے پست
اُٹھ کہ مردوں کو کوئی بھی کام ناممکن نہیں ۔ "غیر ممکن" حرف ہے زیبِ لغاتِ جاہلیں
اُٹھ کہ مستِ خواب کب سوتے ہوئے پائیں شکار ۔ بند منہ میں لقمۂ تر ہو نہ داخل زینہار
اُٹھ کہ شبنم سے نہ ہونگے خود بخود سیراب کھیت ۔ اُٹھ بہا سلسبیل سے نہریں کھود نالے چھان ریت

اُٹھ کہ گرتے کو گرانا آسمان کا کام ہے
چل کہ چلتے کو چلانے کا ترقی نام ہے

زندگی ذوقِ عمل ہے لذتِ آرام موت ۔ زندگی صبحِ کشاکشِ بے حسی کی شام موت
زندگی تنظیمِ ملت زندگی منظم قوے ۔ زندگی پیغامِ فطرت زندگی جہدِ بقا
زندگی کے واسطے جوشِ عمل مقیاس ہے ۔ زندگی شوقِ تجسس زندگی احساس ہے

زندگی ہنگامہ پرور زندگی گرم ستیز، موت ہے آسودگی کا شوق، محنت سے گریز
زندگی احساسِ ملّت، زندگی سوز و نوا زندگی شوقِ شہادت، زندگی سازِ وفا
زندگی شوقِ ترقّی، زندگی تخلیق ہے ہو نہ گر آزادگی تو زندگانی ضیق ہے
زندگی جود و سخا ہے زندگی ایثار ہے مہر تاباں ہو تو عالم مطلع الانوار ہے
زندگی بے جوش و ہمّت تربتِ خاموش ہے شعلۂ بے سوز چشمِ دہر سے روپوش ہے

زندگی بچپن ہے عمرِ جاودانی کے لئے
موت کا کھٹکا نہیں ہے غیرِ فانی کے لئے

رو ملّت ہی نہ ہو تو زندگی بے کیف ہے ہو جو اپنے ہی لئے جینا تو جینا حیف ہے
منتشر ہو کر ذلیل آخر مسلمان ہو گئے ڈال سے ٹوٹے اگر پتے پریشان ہو گئے
ہو نہ مرکز کی کشش تو ابتری ہو گا مآل اصل دیں ہے لذّتِ دلسوزیٔ عشقِ بلالؓ
خام ہے دیں کی محبت ہو نہ گر عشقِ اویس لیلیٰ مقصود کو درکار ہے سودائے قیس
زندگی ملّت کی ہے صدیق کے ایثار میں جانِ گلشن کو ملے گی ابر گوہر بار میں
کالج اسلامیہ یکسر تمنّا ہے ابھی حسرتِ قلزم لئے سینے میں دریا ہے ابھی
تب سمجھنا کچھ دلِ پُر درد کی حسرت مٹی جب یہ کالج بن کے دکھلائے گا یونیورسٹی
نوجواں لیں گے سدا درسِ جگر تابی یہاں ہونے والے ہیں بہت سینا و فارابی یہاں

آسماں ہو گا نیا اپنے ستاروں کے لئے
اس کی ہے تعمیرِ زیبا تاجداروں کے لئے

یاددہانی

جن برادران کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اور وہ القریش کی خدمات کو قوم کے لئے مفید خیال کرتے ہوئے آئندہ بھی اُسے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مہربانی کر کے سال آئندہ کا زرِ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور فرمادیں۔ تاکہ کارکنان القریش کو وی۔پی کی زحمت اور احباب کو ڈاک کے زائد خرچ کی زیرباری نہ ہو۔ خدانخواستہ اگر کوئی بھائی کسی وجہ سے جاری نہ رکھنا چاہتا ہو تو وی۔پی واپس آنے کی بجائے وہ بذریعہ پوسٹ کارڈ اپنے منشاء سے دفتر کو پہلے ہی مطلع کردیں۔

مینجر

ریل گاڑی میں جنگل کی سیر

ایک تفریحی نظم

(از ابن الاسد فیضؔ محمد صاحب فیضؔ لدھیانوی)

اک روز میں سفر کی زحمت اُٹھا رہا تھا
فیروزپور سے ہو کر لاہور جا رہا تھا

جنگل میں ریل گاڑی تانیں اُڑا رہی تھی
ہر شخص بیخودی میں ہچکولے کھا رہا تھا

وقتِ سحر تھا قدرت جلوہ دکھا رہی تھی
یہ دلپذیر منظر جی کو لُبھا رہا تھا

کانوں میں ایک ایسی آواز آ رہی تھی
مستی میں کوئی جیسے تونبہ بجا رہا تھا

شبنم کیاریوں میں موتی لٹا رہی تھی
سبزہ زمیں پہ فرشِ مخمل بچھا رہا تھا

بادِ نسیم دل کے غنچے کھِلا رہی تھی
چڑیوں کا چہچہانا بے خود بنا رہا تھا

ہر سمت روشنی کی چادر سی چھا رہی تھی
سُورج جہاں سے شب کی ظلمت مٹا رہا تھا

بلبل ادا سے شیریں نغمے سُنا رہی تھی
طاؤس جھاڑیوں میں خوشیاں منا رہا تھا

ٹھنڈی ہوا کسی کا پیغام لا رہی تھی
پُوچھو نہ فیضؔ ہم سے جو لُطف آ رہا تھا

الطافِ جہانگیری

(ایک تاریخی واقعہ)

سارا جنگل سورج کی گرمی سے تپ رہا تھا۔ ہر ہر ذرہ سے چمک پیدا ہو رہی تھی، پیڑوں کی پتیاں جھلس کر زرد پڑ گئی تھیں۔ جانور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ چڑیاں گھونسلوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھیں۔ عین اسی حالت میں شہنشاہ جہانگیر شکار کھیلتا ہوا اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ کر سایہ اور پانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کا گھوڑا پسینہ سے تر ہو گیا تھا مگر اب بھی ہوا کے مانند خراٹے بھر رہا تھا۔ شہنشاہ کا چہرہ پیاس اور دھوپ کی تیزی کے باعث سانولہ ہو رہا تھا۔ آخر کار بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اسے ایک ہری بھری جگہ نظر آئی۔ وہ فوراً گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہاں پہنچا۔ یہ جگہ اس جنگل میں جنت کا نمونہ تھی۔ ایک بہت بڑے برگد کے سایہ میں ایک گھر تھا۔ جس کے دروازے پر ایک حسین اور کمسن لڑکی "روپا" کھڑی تھی۔ پاس ہی چند کیاریوں میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن کی دیکھ بھال غالباً اس دوشیزہ سے کی جاتی تھی کہ مہادیو جی کے مندر میں چڑھانے کے کام آئیں جو قریب ہی بنا ہوا تھا۔

شہنشاہ جہانگیر نے روپا کی بھولی بھالی صورت کو پیار سے دیکھ کر کہا۔ کہ بٹی میں ایک مسافر ہوں۔ اور راستہ بھٹک کر ادھر آ گیا ہوں، تھوڑا پانی پلا کر میری پیاس کو بجھا۔

روپا نے شہنشاہ کو دیکھتے ہی ڈر کر اور شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں اور نہایت ادب سے بولی۔ آپ مسافر ہیں۔ میں سمجھ گئی۔ گھوڑے سے اُتر ئے، تشریف رکھئے، میں ابھی پانی لاتی ہوں۔

شہنشاہ جہانگیر گھوڑے کو باندھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ روپا اندر گئی اور تھالی میں جو کی دو روٹی، کچھ ترکاری اور پیتل کی لٹیا میں پانی لے کر باہر آئی اور نہایت ہی محبت بھری آواز میں بولی کہ حضور باسی منہ پانی نہ پیجئے ایک ٹکڑا روٹی کا بھی کھا لیجئے۔ جہانگیر اس کی بھولی بھالی خواہش کو رد نہ کر سکا۔

جس وقت جہانگیر کھانے میں مصروف تھا اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ شاہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس میں یاقوت عراقی کا نگینہ تھا۔ اسے دیکھتے ہی روپا اندر گئی اور ایک تھیلا اٹھا لائی جس میں کچھ کاغذات تھے اس نے تھیلہ کو جہانگیر کے سامنے کھول کر بھولے پن سے کہا۔ کہ میں آپ کا ہاتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ شاہ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ روپا نے اسے دیکھا اور کاغذ نکالا جس میں کوئی زائچہ بنا تھا۔

اس نے جہانگیر کی صورت کو اس سے ملایا تو اس کے چہرے کا رنگ چمکنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اُٹھ کر کسی کو پکارا ایک بڑھیا مندر سے باہر آئی۔ اور روپا سے یہ پوچھنے لگی کہ بٹی یہ کون ہے؛ روپا ابھی کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ شہنشاہ نے گردن

جھکا کر کہا کہ میں ایک سپاہی ہوں۔ دہلی رہتا ہوں لشکر شاہی سے بچھڑ کر آ گیا۔ اس لڑکی کا شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے کھانا کھلایا اور پانی پلایا۔

روپا یہ سُنکر ہنسنے لگی اور بولی۔ میں پہچان گئی۔ آپ سچ کیوں نہیں بتاتے کہ میرے شہنشاہ ہیں۔ یہ دیکھئے میرے پتا (باپ) نے یہ زائچہ بنایا تھا تمام نشانیاں آپ میں موجود ہیں۔ جہانگیر نے روپا کی سمجھ اور عقلمندی دیکھ کر بڑھیا سے کہا۔ آپ کچھ اپنی کہانی سُنائیں۔ کہ اس سنسان جنگل میں کیونکر بسر ہوتی ہے۔

بڑھیا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ کیا کہوں گاؤں والے کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے دے جایا کرتے ہیں۔ ہم کبھی امیر تھے میرے پتی (شوہر) پنڈت گیانی بیاس نجومی تھے کچھ خفا ہو کر جنگل میں آ بسے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی روپا کو بھی نجوم سکھایا تھا۔ انہوں نے روپا سے کہا تھا کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے تو آرام سے رہے گی۔ شاہ دہلی تیرا مہمان ہوگا تمام نشانیاں بتا دی تھیں۔ روپا نے آپ کو پہچان لیا اور اب میں کیسے تسلیم کروں کہ آپ سپاہی ہیں۔ شہنشاہ نے کہا اس سے کیا فائدہ۔ تم میری ماں اور روپا میری بیٹی ہے۔ یہ کہکر جہانگیر نے اپنی انگوٹھی روپا کو پہنا دی۔ روپا قدموں پر گرنے لگی۔ جہانگیر نے اسے سینہ سے لگا لیا۔ اتنے میں بگل کی آواز آئی اور تمام بچھڑے ہوئے سوار جہانگیر سے مل گئے۔ روپا نے ہنسکر کہا۔ کہ میرے باپ کا عمل سچا تھا۔ کہ ہاں بیشک میں جہانگیر شاہ دہلی ہوں۔ یہ سُنکر بڑھیا نے کہا کہ بیٹی جا شاہ کی امانت لا کر دیدے۔

روپا گئی۔ خطائی۔ عبارت فارسی تھی اس میں لکھا تھا۔ کہ اے شہنشاہ ہند آپکی عمر بڑی ہو۔ ہندوستان کا راج مبارک ایک روز دکن بھی آپ کی حکومت میں ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی زیارت نہ کر سکا۔ میری ایک وصیت ہے کہ میری بیٹی روپا جو بے یار و مددگار ہے اپنے سایہ میں لے لیجئے۔ جہانگیر روپا کو اپنے محل میں لے آیا۔ نور جہان اس کے ہنر اور عقلمندی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور اُسے اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر دلہن بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد جہانگیر نے ایک شریف امیر برہمن سے اس کی شادی کر دی۔ جب نوشہ اندر آیا تو جہانگیر، شاہجہان اور بڑے بڑے افسر اس کے ہمراہ تھے تمام رسمیں منائی گئیں۔ شاہی جہیز کے ساتھ دلہن رخصت ہوئی۔ شاہ نے لاکھوں روپیہ نقد اور ٹالی کوٹا کی ریاست بھی روپا کو بخشدی۔

اعتذار

قاضی نظیر حسین صاحب فارقی کے حالات یعنی "میری سرگذشت" اور مولوی محمد عبید اللہ صاحب فرحتی العباسی کے حالات دسمبر اور جنوری کی اشاعتوں میں بوجہ عدم گنجائش درج نہیں ہو سکے انشاء اللہ تعالےٰ اب انہیں ختم کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ امید ہے کہ ہمیں معذور سمجھا جائے گا

بزمِ قریش

حکیم سید ذاکر حسین صاحب اختر مدیر "عرفان" ایک دردمند اور نیک دل انسان ہیں۔ آپ نے "ندوۃ القریش" کی اس فروگذاشت پر جو دراصل فروگذاشت نہ تھی اپنے موقر جریدہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں "القریش" کے عنوان سے ایک مخلصانہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے اراکین "ندوۃ" کو مشورہ دیا کہ وہ سادات کرام کو بھی شرکت کی دعوت دیں۔ اور "ندوۃ" کا نام بدل دیں۔

"القریش" مطبوعہ نومبر میں "عرفان" کی برادرانہ توجہ" کے عنوان سے اس کا مشفقانہ جواب دیتے ہوئے ہم نے ندوۃ کی رکنیت کی دعوت پیش کی۔ ناظرین کرام یہ سُنکر خوش ہوں گے کہ آپ نے اس دعوت کو ان الفاظ کے ساتھ کہ "میری نسبت جو ارشاد ہوا ہے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں۔ کہ رکن ہونے کی تو صلاحیت نہیں اور نہ ہی اپنی مصروفیتوں کے باعث کوئی عملی کام کر سکتا ہوں۔ ہاں باوجود اس کے کہ یہ نام مجھے کھٹکتا ہے۔ اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ ایک معمولی ممبر بنکر فقط چندہ دے سکتا ہوں اور بس۔ اور اس دعوت کا شکریہ ادا کرتا ہوں" بخندہ پیشانی قبول کر لیا ہے۔ امید ہے۔ کہ آپ "ندوۃ القریش" کے بازوئے راست ثابت ہوں گے۔ اور اصلاح و تنظیم قومی کے لئے اپنی امکانی مساعی عمل میں لانے سے دریغ نہ کریں گے۔

آپ کے قبول دعوت سے متعلقہ الفاظ خلوص و محبت قومی میں شرابور ہیں۔ اور ہم کارکنان ندوۃ کی طرف سے آپ کی اس توجہ فرمائی کے بدل مشکور ہیں۔ رہا نام کا کھٹکنا اگر ذہن خطا نہیں کرتا تو جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ وہ مجلس جس کی نسبت سے آپ کو یہ نام کھٹکتا ہے "دارالندوۃ" کے نام سے موسوم تھی اور اس میں کفار قریش کے پاس عرب کے دیگر خاندانوں کے سردار بھی شریک تھے۔ موجودہ انجمن کا نام "ندوۃ القریش" ہے اور خالص فرزندان اسلام کی مجلس ہے۔ علاوہ ازیں ملک میں اور بہت سے ادارے ندوۃ کے نام سے موسوم ہیں۔ اور اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں "ندوۃ العلما"۔ "ندوۃ العلوم" وغیرہ۔ اس بحث پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر اب اس کی ضرورت نہیں۔ مختصر مگر جامع صراحت کے لئے القریش مطبوعہ جولائی ۱۹۳۰ء ملاحظہ فرمائیے۔

اسی ضمن میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ابھی آپ کے مجلّا محترم سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ میرٹھ کے قصاب بھی قریشیت کا ادعا کر رہے ہیں۔ اب آپ کو ان کے دعویٰ کے ابطال میں دردسری کرنی پڑے گی۔ حالانکہ مباحث میں اس قدر طوالت کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً آپ کے نامہ نگار نے جو کچھ قصابوں کے متعلق لکھدیا ہے وہ کافی ہے۔ بس یہ میری ذاتی رائے ہے۔ ممکن ہے آپ اس کے خلاف ہوں۔ (عرفان دسمبر ۱۹۳۰ء)

ہم آپ کی اس رائے کی قدر کرتے ہوئے اس وقت تک اس مبحث کو ملتوی کرتے ہیں۔ جب تک کہ اسکی اشاعت کی کوئی اہم ضرورت پیش نہ آئے۔ امید ہے کہ آپ اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہا کریں گے۔ والسلام۔

قریشی عبدالحق صاحب ڈیرہ دون سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ گو ضلع راولپنڈی میں جس کا میں باشندہ ہوں۔ قوم قریش زراعت پیشہ ہے اور ہم زرعی اراضی بلا روک ٹوک خرید و فروخت کرتے ہیں تاہم "ندوہ" اور "القریش" کی (اُن باقی اضلاع پنجاب کے لئے جن میں قریشی زراعت پیشہ تسلیم نہیں کئے گئے ہیں) کوشش قابل ہزار تحسین ہے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہماری قوم کو اس مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔

"القریش" اور "ندوۃ" کی دوڑ دھوپ کا غذات مردم شماری میں قریشیوں اور مراسیوں کے اندراج قومیت کے بارے میں بھی مستحق شکریہ ہے۔ والسلام۔

"ندوۃ القریش" کے رکن رکین ڈاکٹر طالب علی صاحب انسپکٹر وٹرنری ڈیپارٹمنٹ کے صاحبزادہ مسٹر محمد اسلم کی شادی کنندائی کی تقریب ۲۵ دسمبر کو عمل میں آئی۔ برات شاندار طریق پر لیجائی گئی دعوت ولیمہ خاص اہتمام و انصرام سے کی گئی۔ لیکن کسی قسم کی خلاف شرع رسم ادا نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تقریب مسرت پر "ندوۃ القریش" کو بیس روپے کا گراں قدر عطیہ پیش کیا جو خوشی کے ساتھ قبول کیا گیا اس موقعہ پر قاضی مظفر الدین صاحب تحصیلدار نائب نے پانچ احباب کے فارم ممبری اور پندرہ روپے نقد "ندوۃ" کو عطا کئے جو شکریہ کے ساتھ وصول کئے گئے۔ انہی ایام میں شیخ عبدالحمید صاحب گرداور قانونگوئی کی تقریب شادی بھی سرانجام ہوئی۔ آپ نے بھی ندوہ فنڈ میں دس روپے کا نذرانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

امید ہے کہ دیگر برادران قریش بھی ان تقاریب پر اپنے قومی مرکز کو یاد رکھیں گے یہی بہترین مصرف ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

قریشی سلطان علی صاحب پنشنر انسپکٹر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سب سے ضروری اور مقدم کام قوم کی تنظیم ہے۔ یہ جس قدر مشکل ہے اس سے کہیں زیادہ مفید بھی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دفتر میں قوم کے جملہ بالغ اشخاص کی فہرست موجود ہو۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم سرکردہ اصحاب کے اسماء اور پتے تو ضرور ہونے چاہئیں۔ مجھے مطلع فرمائیں تاکہ میں ضلع ہوشیارپور کی فہرست آپ کی خدمت میں بھیجدوں ابتداءً یہ کام اضلاع ہوشیارپور۔ گورداسپور۔ جالندھر۔ امرتسر سیالکوٹ اور لاہور سے شروع کیا جائے۔ فقہ فقد ما فتاوہ اضلاع شریک کئے جائیں۔ اس کا خرچ سے یقیناً کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا میری طرف سے جملہ برادران قریش کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ وہ اپنے اپنے اضلاع کے معززین قریش کی فہرستیں ارسال کر دیں تاکہ اراکین ندوہ کو خط و کتابت اور دورہ میں سہولت حاصل ہو۔ "القریش" کو ترقی دی جائے۔ کیونکہ پراپیگنڈا کا یہی ایک بہترین ذریعہ ہے۔ باقی بوقت ملاقات۔

آپ کی رائے معقول و مناسب ہے۔ احباب قریش سے فہرستوں کے لئے پہلے بھی عرض کیا گیا اور اب مکرر تاکید کی گئی ہے۔ امید ہے۔ کہ دردمندان قوم توجہ دیں گے۔ آپ ضلع ہوشیارپور کی فہرست ارسال فرماویں اور مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہا کریں۔ (ایڈیٹر)

ندوہ کے محسن و معاون قوم کے بہی خواہ **منشی محمد علی** صاحب کچھ عرصہ سے مرض ضیق میں مبتلا تھے۔ اوائل اکتوبر گذشتہ میں مرض کا ایسا حملہ ہوا۔ کہ صاحب فراش ہوگئے اور تین ماہ علی التواتر بستر استراحت پر پڑے رہے۔ نکاہت و کمزوری دن بدن بڑھتی گئی اور حالت لحظہ بہ لحظہ نازک سے نازک تر ہوتی گئی۔ قومی محبت سے دل اس قدر لبریز تھا کہ باوجود اس پریشانیٔ حالی کے بھی ندوہ کی ترقی اور قومی تنظیم کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں ہوا۔ آپ زندہ دل، ملنسار، خوددار اور طبعاً خلیق واقع ہوئے۔ حسن انتظام کے لئے برادری میں یگانہ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی بڑی لمطراق اور شاندار طریق پر بسر کی۔ جو زبان سے نکل گیا اسی پر عمل کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ ستر برس کی عمر تھی۔ حج کی تیاریاں تھیں کہ حیات مستعار ختم ہوگئی اور یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو اڑھائی بجے دن داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ آپ کے پانچ لڑکے ہیں۔ اور برسر روزگار ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو غریق رحمت کرے اور صاحبزادگان کو ان کے نقش قدم چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کے اس تعمیری اور بنیادی کام کو آنے والی نسلیں ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ یاد رکھیں گی۔ آفرین باد بریں ہمت مردانہ تو!" آپ کے ان حوصلہ افزا الفاظ کے لئے نیاز مند ایڈیٹر مشکور ہیں اور کارکنان ندوہ عموماً مشکور ہیں۔ دراصل یہ سب ہمت و جرأت آپ ایسے کرم فرما حضرات کے ہے۔ اس لئے ہم سے زیادہ آپ صاحبان قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

قریشی عبدالغنی صاحب پرنسپل اسسٹنٹ ٹوکرنل (پڑھا نہیں گیا) معرفت (پڑھا نہیں گیا) کسایوں علاقہ یو۔پی سے ندوۃ القریش کا چندہ ممبری ۴ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماتے ہیں۔ چونکہ پورا پتہ پڑھا نہیں گیا۔ اس لئے آپ کا اسم گرامی رجسٹر ممبران میں درج نہیں ہوسکا۔ لہذا آپ کی اس قومی حمیت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے التماس ہے۔ کہ براہ مہربانی بواپسی ڈاک اپنا صحیح پتہ صاف الفاظ میں بھجوا کر مشکور فرمادیں۔

جن برادران کی خدمت میں القریش نمونتہً حاضر ہوتا ہے۔ ان کا فرض ہے۔ کہ اس کے مطالعہ کے بعد اپنی منشائے خریداری و عدم خریداری سے دفتر کو بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں۔ خاموشی رضامندی متصور ہوگی۔ اور آئندہ اشاعت بذریعہ وی۔پی ارسال کی جائے گی۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی فرض ہوگا۔

مینجر

نقد و نظر

چمنستان ۔ امرتسر سے محمد افضل خاں صاحب کی ادارت میں ماہوار نکلتا ہے ۔ ناظرین القریش کو پہلے بھی اس سے تعارف کرایا گیا تھا ۔ تیسری جلد کا پہلا نمبر سالنامہ ۱۹۳۱ء کے نام سے کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات کے حجم میں شائع کیا گیا ہے ۔ ٹائٹل رنگین و خوشنما چند عکسی و خیالی فوٹو بھی دئے گئے ہیں ۔ مضامین منظوم و منثور اعلیٰ معیار اور بلند پایہ درج کئے گئے ہیں ۔ جن سے اُردو کی بہترین خدمت مقصود ہے ۔ مدیر چمنستان کی محنت ہر نوع قابل داد ہے کہ وہ گوناگوں پریشانیوں کے باوجود اس قدر ضخیم مجلہ کی کامیاب طریق پر تدوین و ترتیب میں فائز المرام ہوئے ۔ کاغذ طباعت و کتابت دیدہ زیب ، قیمت فی نسخہ ایک روپیہ ۔ مینجر چمنستان امرتسر سے منگائیے ۔

چاند ۔ اس نام سے ایک ماہوار رسالہ الٰہ آباد سے منشی گھنیالال صاحب ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ۔ ایڈووکیٹ کی ایڈیٹری میں جاری ہے ۔ دوسری جلد کا گیارھواں اور بارھواں نمبر توام نکالا گیا ہے ۔ اور یہ کم و بیش پانسو صفحات پر "ایڈیٹر نمبر" کے نام سے شائع ہوا ہے ۔ اس سے قبل اس رسالہ کا کوئی پرچہ ہماری نظر سے نہیں گذرا جس سے اس کے حسن و قبح کا اندازہ لگایا جا سکتا ۔ دیر تبصرہ نمبر میں منظوم و منثور مضامین کے علاوہ ۳۵ مدیران جرائد کے فوٹو ۱۲ کارٹون اور چار سہ رنگی تصاویر دی گئی ہیں ۔ محترم مدیر کی محنت دکوفت اور عرق ریزی قابل داد ہے ۔ پانسو صفحات کے لئے مضامین کی بہم رسانی ان کی ترتیب و تنظیم بڑی جرأت اور قابل تعریف ہمت ہے ۔ اکثر مضامین قابل قدر اور دلچسپ ہیں ۔ طباعت و کتابت کے اخراجات فراخدلی کے ساتھ برداشت کئے گئے ہیں ۔ ہم مدیر موصوف کو ان کی قابل رشک اور کامیاب کوششوں پر ہدیۂ مبارک پیش کرتے ہیں ۔

قیمت خاص نمبر تین روپے ۔ پتہ :۔ مینجر رسالہ "چاند" الٰہ آباد ۔

عفت ۔ یہ رسالہ صنف نازک کی خدمات کے لئے دہلی سے جاری ہے ۔ اور اپنے فرائض بوجہ احسن انجام دے رہا ہے ۔ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت کو اس نے بھی "سالگرہ نمبر" کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی ترتیب میں محنت و دماغ سوزی سے کام لے کر اپنی مخصوص اشاعت کو دلچسپ بنانے میں تا بحد امکان کوشش کی ہے ۔ کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ حجم قریباً سوا سو صفحات آٹھ عکسی تصاویر کے علاوہ سوئی سے کشیدہ نکالنے کے طریقے بھی دیئے گئے ہیں ۔ حجم سوا سو صفحات قیمت سالانہ چار روپے نمونہ کا پرچہ پانچ آنے میں ـــــــ مینجر رسالہ "عفت" دہلی سے منگوائیے ۔

القریش صحافتِ حاضرہ میں جرائد کے "سالگرہ نمبر" اور سالنامے شائع کرنے کی سنّتِ جاریہ عام ہوگئی ہے۔ اور اسی میں کامیابی کا راز مضمر خیال کیا جاتا ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہُوا ہے۔ کہ یہ خیال کسی حد تک صحیح ہے۔ لیکن یہ تجویزیں غالباً انہیں جرائد کو سوجھ آتی ہیں۔ جن کا کسی خاص قوم یا مخصوص فرقہ سے تعلق نہ ہو۔ محدود مقاصد کے جرائد تو اپنی امتیازی حدود کشیدہ خط سے سرمو ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ان کی ترقی و خوشحالی اپنے متوسلین اور متعلقین کی توجہ پر منحصر ہے۔ قوم پر اگر جمود ہے تو ان کی ترقی کی راہیں مسدود ہیں۔ قوم اگر ساکت ہے تو یہ ساکن۔ قوم بے پرواہے تو ان کا خدا حافظ!

وہی فاقہ مستی ہے رات دن وہی فکر فردا ہمیم ہے

القریش کو بھی شوقِ تقلید ہُوا۔ اور بدقسمتی سے اس نے بھی یکے بعد دیگرے "صدیق نمبر" "رسُول نمبر" "نبی نمبر"۔ اور نظام نمبر جیسا رخاص اشاعتیں شائع کردیں۔ دنیائے صحافت میں انقلاب ہُوا۔ اخبارات و جرائد نے تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ انڈیا آفس لنڈن تک یہ اشاعتیں طلب کی گئیں۔ مگر قوم کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی۔ مختلف النوع نسخے تجویز کئے گئے مگر قوم کو مرضِ غنودگی سے افاقہ نہ ہُوا۔ اب "القریش" ہے کہ لبِ آسمان ٹکٹکی لگائے بیٹھا ہے اور رحمتِ ایزدی کا منتظر خدا ہے کہ قوم کو بیدار ہونے کی قوت اور قدردانی کی توفیق دے۔ اور القریش کو بھی صحافت حاضرہ کی تقلید میں میدانِ ترقی میں قدم بڑھانے کی جرأت ہو۔

آہ! یہ اس قوم کا میگزن ہے جو اُستادِ زمان تھی۔ اور یہ اس گروہ سے نسبت رکھتا ہے جو علم دوستی میں یکتائے روزگار تھی آج سترہ سال جاری قومی خدمات سرانجام دینے پر بھی قدردانی کا شکوہ سنج ہے۔ آہ۔

یاد آیا سبکہ رگ رگ میں بلا کا جوش تھا — گوشہ گوشہ خاطرِ مُسلم کا محشر کوش تھا
ایک یہ دن ہے کہ اپنی بھی خبر ہم کو نہیں — ایک وہ دن تھا کہ جب سارے جہاں کا ہوش تھا
کھیلتا تھا کچھ مسرت پائے بے پایاں سے دل — شاہدِ اقبال و نصرت زینتِ آغوش تھا
دامِ تھا سب کے لئے فیضِ خمستانِ عرب — ذرّہ ذرّہ کائناتِ دہر کا مئے نوش تھا
تھی نگاہِ مضطرب آئینۂ بزمِ الست — جلوۂ حُسنِ ازل ہم سے نہ یوں رُوپوش تھا
اللہ اللہ تھی عجب تاثیر نغموں میں مرے — گلشنِ عالم میں جو گُل تھا سراپا گوش تھا
اس قدر مجبُور تھے ہم جذبۂ ایثار سے — جانِ بارِ زندگی تھی سر و بالِ دوش تھا

اپنی خاکستر میں کچھ ایسی بھی تھیں چنگاڑیاں
جن کی مرہونِ کرم تھی گرمیٔ بزمِ جہاں

مراسلہ

مسئلۂ تنظیم کا حقیقی حل

مولنا سید سلیمان کے خیالات گرامی

(از سید کشفی شاہ نظامی۔ رنگون)

گذشتہ "معارف" میں تنظیم ملت کے عنوان پر مولنا سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اس قابل ہے۔ کہ ہندوستان کے دردمند اور روشن خیال مسلمان نہایت ہی سنجیدگی سے اس مضمون پر غور کریں۔

مسلمانوں کے موجودہ اختلاف ونفاق کی اصل علت مولنا کے نزدیک یہ ہے۔ کہ ان میں وحدت اعتقاد، وحدت خیال اور وحدت مقصد موجود نہیں ہے۔ مولنا فرماتے ہیں۔ "اگر اعتقاد، خیال اور مقصد میں خواہ وہ سیاسی ہو یا قومی۔ معاشرتی ہو یا مذہبی۔ کسی قسم کی وحدت وجامعیت نہ ہو۔ تو اس اعتقاد خیال اور مقصد کے اعمال اور مظاہر میں اتحاد و وحدت کا جلوہ کیونکر نظر آسکتا ہے؟

قوت وترقی کا سرچشمہ

مولنا فرماتے ہیں:۔

"ہر قوم کی ترقی اور تنزل کا صرف ایک ہی سبب ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کسی قوم کے تمام یا بیشتر افراد میں کسی ایک اعتقاد خیال اور مقصد کے لئے ایسی وحدت پیدا ہو جائے۔ جو شیرازہ بنکر منتشر افراد کو جکڑ کر اور ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح ایک کردے۔ کہ ان کا جینا اور مرنا اسی کے لئے ہو۔ تو وہ قوم اپنے میں ناقابل تسخیر قوت پاتی ہے۔ اور ہر بڑی سے بڑی مشکل کے خس وخاشاک کو سیلاب بنکر لے جاتی ہے۔ ذاتی اغراض۔ مالی حرص۔ طمع نفسانی اور خاندانی غرت وآبرو کی خواہش ہر چیز اس وحدت مقصد کی تیز آگ میں جلکر بھسم ہو جاتی ہے"

ان الفاظ میں مولانا نے جس حقیقت کبریٰ کا انکشاف کیا ہے۔ اس میں قطعاً قطعاً اختلاف کی گنجائش نہیں ہے البتہ یہ ضرور قابل غور ہے۔ کہ مولنا نے جس اتحاد خیال اور اتحاد مقصد کو قوت وترقی کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ وہ عملی طور پر مسلمانوں میں کیونکر پیدا ہو؟ یہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ کہ قومی اور سیاسی حقوق وضروریات کے متعلق روزمرہ کئی کئی چٹانیں قوم کے سامنے آتی ہیں۔ چونکہ تمام افراد ملت یک سیلاب بنکر ان کا مقابلہ نہیں کرتے۔ اس واسطے ہمیشہ ٹھوکریں لگتی ہیں۔ قدم رکتے ہیں۔ اور شکست ہو جاتی ہے؟

عملی تدبیر

تیسری تجویز رائے یہ ہے کہ خداوند پاک نے نمازوں اور جمعوں کی صورت میں، امت کو اتحاد کا نفرنسوں کا جو لامتناہی سلسلہ عنایت فرمایا ہے۔ اگر مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو اتحاد خیال، اتحاد مقصد اور اتحاد عمل کی وہ لہر جس کا مولانا نے ذکر فرمایا ہے مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ بڑی آسانی سے ہر مشکل و مصیبت اور ہر مذہبی اور سیاسی معاملے کے وقت ایک سیلاب صورت میں نمایاں ہو سکتے ہیں۔

میں نے انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے خطبہ میں عرض کیا تھا:۔

"آج دنیا میں ہر ایک مقصد کی کامیابی کا انحصار "پروپیگنڈا" پر ہے۔ جنگ و انقلاب اور تعمیر و تعلیم ہر چیز پروپیگنڈا کے تابع ہے۔ کسی جماعت کے پاس اپنی قوم کو باقاعدہ اور منظم طور پر مشتمل کرنے۔ سمجھانے۔ ہم خیال بنانے اور آمادہ عمل کرنے کے لئے جس قدر وسیع وسائل موجود ہونگے۔ اسی قدر وہ قوم اپنے مقاصد کی کامیابی پر حاوی و قادر ہوگی۔ اگر ہندوستان میں ۵ لاکھ مساجد ہوں۔ اور مسلمانوں کی سات سال سے زائد عمر کی آبادی نماز پنجگانہ (باجماعت) کی پابند ہو۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی مسئلہ پر مسلمان معمولی طور سے ۲۵ لاکھ جلسے روزانہ منعقد کرنے پر قادر ہیں۔ اگر جمعہ کے اجتماعوں کو اتحاد مقصد اور اتحاد عمل کا ذریعہ بنایا جائے۔ تو اس میں اور بھی سہولیت ہے۔ اس وقت اسی نوے لاکھ مسلمان ہر جمعہ کے دن بڑی بڑی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں۔ اگر ان مساجد میں جدید اور ضروریات وقت کے مطابق خطبات جمعہ کا ایک مشترکہ پروگرام رائج ہو جائے۔ بایں طور کہ صرف اسی قدر انتظام کیا جائے۔ کہ کسی اہم اور متفق علیہ مسئلہ کے پیش آجانے پر ملک کی تمام جمعہ مسجدوں میں ایک ہی خطبہ پڑھا جایا کرے جس میں اس مسئلہ کے متعلق مسلمانوں کی پالیسی اور فرائض کی تفصیل موجود ہو۔ تو اس سے تمام ملک میں ایک ہی خیال و عمل اور ایک ہی احتجاج و اقدام کی گونج پیدا ہو سکتی ہے۔"

بہرحال مولانا سلیمان صاحب نے جس حقیقت کو علمی طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا بہترین عملی طریقہ یہ ہے۔ کہ ہم جمعہ کے اجتماعوں سے منظم طور پر فائدہ اٹھائیں۔

آخر میں ہر صاحب درد اور روشن خیال مسلمان سے میری استدعا ہے۔ کہ وہ متذکرہ صدر معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں

مذہب کی ہمہ گیر قوت

طبقات ابن سعید میں لکھا ہے۔ کہ ایک دن فاروق اعظمؓ مدینہ طیبہ کے مشہور محلے "جارۃ الیمین" میں سے گذر رہے تھے۔ وہاں ایک شامی مسافر کو دیکھا۔ کہ ایک ٹیلے پر بیٹھا ہوا اشکبار اور بے قرار ہے۔ آپ نے دریافت کیا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ خدا عمر کو ہلاک کرے۔ وہ ہمارے حق میں نہایت بیرحم اور سنگدل ہے حضرت فاروق نے پوچھا۔ اس نے تم پر کیا ظلم کیا؟ مسافر نے کہا کہ جاہا مسافر خانے بنواتا۔ اور غریبوں کی آسائش کا انتظام کرتا۔ لیکن وہ غافل ہے۔ میں علاقہ شام کا رہنے والا ہوں۔ میری بیوی حاملہ ہے۔ اور وضع حمل کا وقت قریب ہے۔ اسوقت نہ کوئی مونس ہے نہ غمگسار۔ نہ سفر خرچ ہمارے پاس ہے۔ حیران ہوں؛ یہ الفاظ سنکر حضرت عمرؓ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور بیوی سے کہا۔ خدا کیلئے جلد میرے ساتھ چلو۔ ایک شامی عورت حاملہ ہے۔ اور وضع حمل کا وقت قریب ہے۔ اسکی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ بی بی صاحبہ فوراً روانہ ہوگئیں۔ اور شامی خاتون کی خدمت انجام دی۔ جب بچہ پیدا ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے چالیس درہم مسافر کی نذر کئے اور چلتے وقت کہا۔ کہ میں اپنے قصور کا خواستگار ہوں۔ میرا ہی نام عمر ہے۔ مسافر حیران ہوا۔ اس نے کہا میں نے تو یہ سنا تھا کہ عمر ایک پیکر آتش ہے مگر آپکو رحمدل معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت فاروق نے فرمایا۔ بیشک میرے مزاج میں غصہ تھا لیکن اسلام نے میرے غصہ کو نیست و نابود کر دیا۔ تم نے جب یہ کہا۔ کہ خدا عمر کو ہلاک کرے وہ ظالم ہے، بے رحم ہے، سنگدل ہے تو میرے دل میں غصہ پیدا ہوا اور میرا جی چاہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ لیکن میرے مذہب نے مجھ سے کہا۔ انصاف کی ضرورت ہے وہ ایک پریشان حال اور درماندہ مسافر ہے اگر فرط جوش میں اسکی زبان سے کچھ نامناسب الفاظ نکل گئے تو قابل معافی ہے۔ وہ ہمدردی کا مستحق ہے۔ میں نے اس حکم کو سنکر سر تسلیم خم کیا۔ اور غصے کو برداشت کیا۔

پیام تعلیم

چندہ سالانہ عمر — طلبہ کا سب سے اچھا اخبار — چندہ سالانہ عمر

اردو کے تمام اخبارات و رسائل میں طلبہ کیلئے پیام تعلیم سے زیادہ مفید کوئی اخبار نہیں۔ اخبار کیا ہے ایک شفیق استاد ہے، جغرافیہ، تاریخ سائنس کے مضامین اور اخلاقی پند و نصائح۔ کہانیوں۔ نظموں معموں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ جماعت میں جن مضامین سے لڑکے جی چراتے ہیں پیام تعلیم میں خوشی سے پڑھتے ہیں۔ پیام تعلیم سالانہ امتحان میں کامیاب کر دیتا ہے۔ تعلیمی ضرورت بھی پوری ہوگئی۔ کیونکہ پیام تعلیم میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں جن کی اسکول کے لڑکوں کو ضرورت ہوتی ہے اس اخبار کی یہی خوبی دیکھکر ماہرین تعلیم نے اسکو لوں کے لئے سرکاری طور پر خرید کیا ہے اور طلبہ کو اردو کے عام گندہ لٹریچر سے بچانے کیلئے واحد اخبار تجویز کیا ہے۔ چندہ سالانہ صرف عمر۔ نمونہ مفت۔

مینجر پیام تعلیم۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

واقعات و حوادث

——— لارڈ بارڈنگ سابق وائسرائے ہند دسمبر کے ابتدائی ہفتے میں حیدرآباد تشریف لے گئے جہاں آپ کا شاندار استقبال ہوا اور اعلیحضرت شہریار دکن کی طرف سے ایک پرتکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں اعلیحضرت کے ولیعہد ارشاد ات کے جواب میں لارڈ موصوف نے دولت آصفیہ کی بلند پایہ خدمات اور شاندار ترقیات کا ذکر کیا اور اعلیحضرت کے ساتھ ذاتی تعلقات کا محبت بھرے الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے ان بیش بہا امدادوں کی تفصیل بیان فرمائی جو دولت آصفیہ نے دوران جنگ میں دیں۔ اس کے بعد لارڈ موصوف نے دولت آصفیہ کے مالیہ کی عظیم الشان ترقی اور رفاہ عام کے کاموں پر خاص توجہات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آٹھ کروڑ لاکھ کے مصارف میں تعلیم کیلئے اکاسی لاکھ کی رقم کا انتظام بیحد دلخوش کن ہے آبپاشی کی بڑی بڑی سکیمیں زیر تکمیل یا زیر غور ہیں۔ ریلوے کی پالیسی حوصلہ افزا ہے اور یقیناً اس سے ملک کو بیحد فائدہ پہنچیگا۔ تجارت صنعت و حرفت اور انجمن ہائے امداد باہمی پر خاص توجہ مبذول ہے وغیرہ وغیرہ۔ ریاست بہ فضل خدا ہر طرح روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور رعایا بھی خوش و خرم اور خوشحال ہے۔ دعا ہے۔ کہ خداوند برتر و اکبر اعلیحضرت کو سلامت رکھے۔

——— افسوس کا مقام ہے۔ کہ نارتھ ایسٹرن ریلوے نے ۲ جنوری سے ہفتہ وار واپسی ٹکٹ بند کر دیئے اور یہ رعایت مسافروں سے چھین لی ہے

——— حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں زبان اردو کی جو خدمات انجام دیجا رہی ہیں۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ان تمام مساعی کے ماسوا جو سرکاری سطح تک عمل میں لائی گئیں ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اردو استعلیق خط کا ٹائپ تیار کیا جائے مولوی قدرت اللہ صاحب ماہر خطوط اس میں ایک بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مفید ایجاد بہت جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

——— پریس آرڈیننس پھر جاری ہو گیا اور یہ پہلے سے زیادہ سخت ہے بعض صورتوں میں اگر یہ نقصان رساں ہے تو اکثر حالتوں میں مفید بھی ہے شوریدہ سری، بیہودہ گوئی اور گندہ دہنی کا قلع قمع ہو جائیگا اور امن پسند لوگ شر انگیز قلم کے زور سے محفوظ و مامون ہو سکینگے

——— امریکہ میں ہندوستانی سیاست پر لارڈ سنکلے نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانیوں کی سب سے بڑی مصیبت انکے ملک کی آب و ہوا ہے جس نے انکی قوت کو مضمحل اور امنگ کو پژمردہ بنا دیا ہے ہندوستان بہت سی باتوں میں جیسی ملیریا سے زیادہ کمزور اور کاہل ہے یہ مرض اس ملک سے اسوقت تک دور نہیں ہو سکتے جبتک کہ انکے خانگی طرز عمل اور عادتوں میں مکمل تبدیلی واقع نہ ہو گا۔ اسکے علاوہ ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں مویشی موجود ہے جسکے ذبح کرنیکے ہندو سخت مخالف ہیں۔ اگرچہ ان کا فدیہ اقتصادی نقطۂ نظر سے کتنا ہی مضر کیوں نہ ہو اسیطرح ہندوستان میں چوہوں کی بھی کثرت ہے جو اقتصادی اور طبی نقطۂ نظر سے ہندوستانیوں کے نقصان کا باعث ہو رہے ہیں ساحل ہند میں فلاس بھی آ گیا ہے جسکی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے اور باشندوں میں ایسے رسوم و رواج ترقی پذیر ہیں جنہیں فضول خرچی اور اسراف بیجا کا سرچشمہ کہنا بجا ہے۔ کاشتکار پیشہ طبقہ دائمی طور پر قرضوں کے بار کے نیچے، بار ہتا ہے نیز ہندوستان میں صنعت و حرفت کی ترقی بھی بہت سست ہے ہندوستان مختلف قوموں اور ذاتوں کا گہوارہ ہے جسکی وجہ سے وہاں آئے دن فرقہ وارانہ فسادات ہوتے

پورے اسلامی کتب خانہ کی برابر

ایک زبردست اسلامی انسائیکلوپیڈیا

ساڑھے اسلامی ضخیم کتابوں کی روح ہے اور جس میں دس ہزار سے زائد دینی اور دنیاوی مسائل ہیں

میں ایک دنیادار اور ایک دیندار کی دنیاوی اور دینی ضروریات کی کوئی ایسی معلومات نہیں ہے جو موجود نہ ہو یہ کتاب پورے اسلامی کتب خانہ کی برابر ہے ہر شخص کے لئے جو دیندار ہے اور ہر اس مسلمان کے لئے جو دنیادار ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو دینی اور دنیاوی ترقی چاہتا ہے۔

فلاح دین و دنیا

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کا مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جتنی کہ ایک انسان کے لئے سہوا اور غذا کی ضرورت ہے اس میں آج سے ایکہزار سال پہلے کی کتابوں سے لے کر اسوقت تک کی تمام قدیم و جدید کتابوں کی روح ہے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان سے غیر ملکوں میں یہ کتاب بلین ہزار کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے۔

یہ نہایت مکمل دینی اور دنیاوی معلومات سے اس میں اخلاق کی تعلیم ہے اس میں معاشرت کا درس ہے اس میں سوت اور زندگی کی پیچیدگیوں کا حل ہے کیا کھانے پینے سونے اور رہائش کے اصول ہیں اس میں حفظان صحت کے طریقے ہیں اس میں تمام انسانی بیماریوں کا مکمل علاج اور طریق علاج ہے۔ غرضکہ اس میں سب کچھ ہے جس کی ایک مسلمان کو ایک متمدن انسان کو ضرورت ہے جس گھر میں یہ کتاب ہے اس گھر میں ایک زبردست عالم ہے ایک زبردست دنیادار ہے ایک دانشمند فلاسفر ہے ایک دین شیر ہے ایک طبیب حاذق ہے اور ایک ایسا جہاندیدہ شخص ہے جسکو ہزار ہا سال کے تجربات حاصل ہیں یہ کتاب درحقیقت ایک پوری اسلامی لائبریری ہے اس کتاب کی فہرست مضامین بہت طویل ہے اس لئے اس سے چند عنوانات مختصر اپنے درج کئے جاتے ہیں تاکہ کتاب کا خاکہ ذہن نشین ہو سکے قیمت فی جلد تین روپے آٹھ آنہ ہے

کتابت اور طباعت لاجواب	مختصر فہرست مضامین فلاح دین و دنیا			کاغذ اعلیٰ تقطیع بڑی کتابی
باب اول	سنرب سے طلوع آفتاب	دوزخ کے مفصل حالات	انبیاء و صالحین سے استعانت	موزہ کا مسح
عقائد	دابۃ الارض کی کیفیت	جنت کے مفصل حالات	حیات موت اور پیدائش	جمعہ کا مسح
ذات و صفات الٰہی	کفار کا غلبہ مسلمانوں پر	حوالات کیا ہے	کا حال	طہارت کا طریقہ
ایمان کا مفصل بیان	آتش زدوں کا نظارہ	انبیاء و رسل کے حالات	**باب دوم**	ناپاک چیزوں کو پاک کرنا
کن کتابیں اور صحیفے	علامات قیامت صغریٰ	معجزہ کرامت	**عبادات**	نماز پڑھنے کا طریقہ
نبی کیا ہوگا	علامات قیامت کبریٰ	فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	وضو کا بیان	نماز میں تیمم
نبی کا حال	صور پھونکنے کا بیان	معراج شریف	کتنی جگہ وضو مستحب ہے	وغیرہ کے برتن پاک کرنا
قرآن کا حال	میدان حشر کی تشاکش	ہجرت شریف	مسواک کرنے کا طریقہ	فرش کے پاک کرنیکا طریقہ
فرشتوں سے سوال نکیرین	آپ کی ازواج مطہرات	مسواک کے فوائد	زمین کے پاک کرنیکا طریقہ	کن باتوں سے امام کی مسابقت کی جائے
قبر سے سوال قبر	گناہ گاروں کی شفاعت	فرائض وضو	روئی کے پاک کرنے کا طریقہ	کن باتوں سے امام کی مسابقت نہ کی جائے
قبر کیا ہیں	حساب و کتاب	نواقض وضو	گھی اور تیل پاک کرنا	مفسدات
قبر کے دن کیا ہوگا	جانوروں کا حساب و کتاب	حالت عذر میں وضو	شہد شراب وغیرہ پاک کرنا	عورت و مرد کا ایک ساتھ نماز پڑھنا
امام مہدیؑ	امت محمدی ہی جانگی ہوگی	غسل کے مسائل	اناج کے پاک کرنیکا طریقہ	کمر دمات نماز
مسیح دجال	امت محمدی جنت میں	غسل کے پانی کی مقدار	شوربے کے پاک کرنیکا طریقہ	نماز میں غیر متعلق اعمال
نزول حضرت عیسیٰؑ	پل صراط کا حال	مسائل آب	بیت الخلاء کے آداب	سجدۂ سہو
یاجوج و ماجوج	حوض کوثر کی کیفیت	کنوئیں کی پاکی	پانی سے استنجا کرنے کا طریقہ	سجدۂ تلاوت
	معصوم بچوں کی شفاعت	تیمم کن صورتوں میں جائز ہے	اوقات نماز	عورتوں کی نماز
	حافظ قرآن کی شفاعت	متفرق مسائل	آداب مسجد	مرد اور عورت کی نماز کا فرق
				جماعت میں شامل ہونا

اذان

نمازوں کا قضا ہونا
سفر میں نماز
قبلہ، بیل گاڑی میں نماز
نماز جمعہ
مسائل جمعہ
وداع رمضان کا پہلا خطبہ
دوسرا رمضان کا دوسرا خطبہ
نماز عیدین
صدقہ فطر اور اس کا وزن
عید الفطر کا دوسرا خطبہ
عید الاضحیٰ کا پہلا خطبہ
آداب عید الاضحیٰ
احکام قربانی
مسور، ریح، کبن کی نماز
نماز خوف و مصیبت
نماز استسقاء
چار رکعتوں کی ترکیب
نماز ہفتہ کے خطبے
نماز تسبیح
نفل نماز
نماز اشراق
نماز چاشت
نماز فی الرسول
صلوٰۃ اوابین
نماز تہجد
نماز تراویح
اعتکاف
[illegible]
[illegible]
تعین اوقات نماز
نماز میں جو چیزیں مفسد ہیں

فرض نماز نفلی و رد و بدل کی
برکت پڑھنے کی وجہ
چوبیس گھنٹہ میں پانچ نماز مقرر
ہونے کی وجہ
اوقات پنجگانہ میں تعداد رکعت
مختلف ہونے کی وجہ
نماز جنازہ
مضامین ماہ رمضان
نفل روزوں کا ثواب
آداب رمضان
نیت ترک روزہ
روزے کے مسائل
زکوٰۃ کے مسائل
چاندی سونے کی زکوٰۃ
زکوٰۃ مال تجارت کا اصاب
تجارتی مال کی زکوٰۃ
جانوروں کی زکوٰۃ
مصارف زکوٰۃ
زکوٰۃ کن لوگوں کو نہ دینا چاہیے
زکوٰۃ کس کو دینی بہتر ہے۔
حج
حج کی شرطیں
حج کے واجبات
باب سوم
عورتوں کی وجہ سے اعمال
قرآن کی وجہ سے اور فضائل
اعمال و وظائف ماہ محرم الحرام
ماہ صفر کی پہلی سے دسویں تک
اعمال و وظائف ماہ صفر کے
ماہ ربیع الاول کی وجہ سے اور فضائل
اعمال و وظائف ماہ ربیع الثانی

گیارہویں شریف
اعمال و وظائف ربیع الثانی
ماہ جمادی الاول کی وجہ تسمیہ
فضائل ماہ جمادی الاول
اعمال و وظائف ماہ جمادی الثانی
ماہ رجب کی وجہ تسمیہ و فضائل
شب معراج کا حال
اعمال و وظائف ماہ رجب
ماہ شعبان کی وجہ تسمیہ و فضائل
اعمال و وظائف ماہ شعبان
اعمال شب برات
اعمال ماہ رمضان المبارک
اعمال و وظائف ماہ رمضان
نماز شب قدر
وجہ تسمیہ ماہ شوال و فضائل
جشن عید کے اور دن کا حال
اعمال و وظائف ماہ شوال
ماہ ذیقعدہ کی وجہ تسمیہ و فضائل
اعمال و وظائف ماہ ذیقعدہ
ماہ ذی الحجہ کی وجہ تسمیہ و فضائل
اعمال و وظائف ماہ ذی الحجہ
تواصل شبانہ روزی جمعہ
پنجشنبہ و جمعہ ہفتہ کے لیے
وظائف شبانہ روزی پیران
حول پیران و مرگ خشت
باب چہارم
بابت ذبح و شکار
حلال و حرام جانور
شکار کے مسائل
شکار کی ملکیت

شکار کا طریقہ
شکار کے آداب
حیوانات قابل قتل وغیرہ
باب پنجم
حقوق اللہ و حقوق العباد
حق حضرت علی اللہ علیہ وآلہ
حقوق صحابہ و اہل بیت
حقوق مخدومین و شیخ و استاد
حقوق الاعباد
حقوق والدین
حقوق اقربا
صلہ رحم اور قطع رحم
پڑوسی، ساتھ کام کرنے والے کی حق
ساداتوں کی اولاد کے ساتھ
حسن سلوک
دودھ پلائی کا حق
سلطان و امیر کے حقوق
قاضی کے حقوق
خادم کا حق
آقا کا حق
رعیت کے حقوق
قاضی پر رعیت کا حق
بیوی کا حق
شفقت پرورش اولاد
غلاموں کے حقوق
سہ ماہی صحبت و ہمسایہ کا حق
عالم مسلمانوں کے حقوق
حسن اخلاق
باب ششم
اسلامی معاشرت
آداب دعوت
مسنون شیرینی خوردنی

پانی پینے کے آداب
سونے کے آداب
آداب لباس
عید لباس کی فضیلت
دستار اور شملہ کی تحقیق
ٹوپیوں کا مسنون طریقہ
تہبی لباس
جامہ کا بیان
حالت گریبان کی تحقیق
جامہ اور چادر وغیرہ
سینے کا طریقہ
چوڑی سنت صحابیات کی ہے
کرتے کے گریبان کی تحقیق
حضرت کرتہ کا گریبان
حضرت کی کمبی آستین کا ذکر
جواب ایرانی کا بیان
حضرت کی تعلیم پر عمل
جامہ قطع کرنے کا ایام
سیاہ کپڑا کیسا ہے۔
خط ہونے کا طریقہ
باب ہفتم
حیات و ممات
بیمار حقیقہ جنہ و حقوق
تعلیم وغیرہ، نکاح و طلاق
زن و شوہر
بیوی کے حقوق
شوہر کا حق
فرمانبرداری
عورتوں کا شوہر کا بنانا
خطبہ نکاح
جن عورتوں سے نکاح حرام ہے
ولد الزنا
عدت طلاق
عیادت مریض
مسائل متفرقہ بالبعد

موت مسئلہ ہے
غسل میت عورت
فرضوں اور عورتوں کی تکفین
نماز جنازہ
استغفار کا حال
دفن میت
حالت تعزیت
عدت کا حال
تین دن تک میت کے گھر والوں
کو کھانا دینا درست ہے
اور یہ بین کرنا ناجائز ہے
غلاف ڈالنا جو لوگوں کی جگہ
رکھنا درست ہے
فاتحہ و خیرات کا طریقہ
آداب قبرستان
باب ششم
ضرورت باب اور مضامین
مضامین
سعادت نامہ
ترجمہ وصیت نامہ
باب ہفتم
حفظان صحت
ہوا، پانی
تندرستی کی دیگر ارکان
قبض شکم، خوردنی اناج
ورکاری وغیرہ
بہترین پوشاک
رہائش کے طریقے۔
مختلف امراض اور ان کا علاج
مختلف امراض کے مجرب نسخے
جات وغیرہ وغیرہ

نئی روشنی کے مسلمان مذہب سے ناواقف ہیں

ان کا ایمان ان کی تاریخ ان کی معاشرت ان کی دولت و زبان کی عزت سوائے خطبہ مبتدی کی ہوئی کی [illegible] مسلمان بنانے کیلئے یہ تحریر تاج جو
پڑھنے شروع کی ہے خواص کتاب طلاقہ کر رہتا ہے وہ دینی اور دنیاوی اصلاحات نہایتی ترقی کی طرف کامزن ہوتا جاوے اور اس کتاب کا حال ہے مصور نہ بنایا کا میاب ترین انسان بنا سکتا
کتاب کی تحریر مضامین کے ملاحظہ کے بعد خود اندازہ کر سکیں گے کہ یہ کتاب کیا ہے۔ یہ کتاب ہے جس کے [illegible] کے بعد بھی
کافی عرصہ اندازہ ہو جاتا ہے جب چھپنے کے بعد بھی اس کتاب کو ہاتھ سے نہ جانے دیگا۔ ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ آپ کا خریدا ہوا یہ کتاب کبھی ہرگز خالی نہیں
رہنا چاہیے کیونکہ جس گھر میں یہ کتاب ہو گی وہ بھی دینی اور دنیاوی ترقی حاصل نہیں کر سکتا کتاب ہفت ٹکٹ [illegible] قیمت فی جلد تین روپے [illegible] رہے

قولہ تعالیٰ

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

(اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش امرتسر

جو

بفرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

ایڈیٹر
محمد علی رونق صدیقی

قیمت سالانہ
تین روپے

ہر انگریزی کی سترہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد (۱۷) فروری ۳۱ء نمبر (۲)

مدینۃ الرسول علیہ السلام

(از جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

اے مدینے! خواب گاہ حضرت ختمی مآب
سو رہا ہے یہ ترے آغوش میں کون آفتاب

تیرے دل کو معرفت سے آشنا کس نے کیا
ذرّے ذرّے کو ترے وحدت نما کس نے کیا

کانپ اٹھتا ہے دل پرجوش جب کرتا ہوں غور
اللہ اللہ تیری پہلی عظمتوں کا دور دور

نغمۂ وحدت ہر اک مرغ ہوا گاتا ہوا
پرچم توحید دیواروں پہ لہراتا ہوا

عالم بالا پہ ہوتے تھے ملائک سجدہ خواں
گونجتی تھی جب فضا میں تیری آواز اذاں

نور عرفاں سے ترا ہر ذرّہ ہم آغوش ہے
چپّے چپّے پہ ترے روحانیت کا جوش ہے

جلوۂ نقش قدم نے کر دیا سورج کو ماند
سرزمیں پر تیری یہ کس نے لگائے چار چاند

یوں ہے تو دنیا میں جیسے دیدۂ عرفان تل
پیکر گیتی میں ہے یا اک تجلی زار دل

پرتو عارض سے ہر ذرہ ہے ابتک جلوہ زار
نکہت گیسو سے ہر جادہ ہے ابتک مشکبار

نغمۂ توحید سے لبریز تیرا ساز ہے
طائر قدس آشیاں پیہم ترا دمساز ہے

تھی یہ حسرت دل میں اس دنیا سے جب منہ موڑتے
اے مدینے! تیرے فرش خاک پر دم توڑتے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

جنوری کے شذرات لکھتے وقت بہت سی ضروری اور قابل ذکر باتیں اس اشاعت کیلئے اٹھا رکھی تھیں اور خیال تھا کہ اس وقت تک ہم ان تمام امور پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے قابل ہو لیں گے اور قارئین کرام اور بہی خواہان قوم کو واضح ہو جائیگا کہ شاہد مقصود کے حصول کیلئے انہیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا۔ اور کونسی شاہراہ انہیں سیدھے منزل مقصود پر پہونچا سکے گی۔ کارکنان "ندوہ" شبانہ روز کی محنت و کوشش، دماغ سوزی و عرقریزی سے بفضل خدا ایک نتیجہ پر پہونچ گئے ہیں۔ اور وہ قومی تنظیم ایسے اہم مسئلہ کو بایں حالات کوئی کٹھن مرحلہ نہیں سمجھتے سرکلر نمبر ۲ اور ۳ کی اشاعت حوصلہ افزا نتائج کا باعث ہوئی درد مندان قوم کی توجہ سے حلقہ ممبری کی رکنیت، چندوں اور عطیوں کی ترسیل یہ باتیں اس قابل تھیں کہ ایسے شذرات میں انکا بالوضاحت تذکرہ ہوتا۔ تاکہ بہی خواہان قوم کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہوتی کہ "ندوہ" کی عملی کوششیں جمود قومی میں کس قدر ہیجان پیدا کر چکی ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں اور کرنے والوں کیلئے سد سکندری بنا عین سعادت خیال کرتے ہیں۔ چشم بینا وا کرکے دیکھ لیتے کہ حق و صداقت کے سایہ میں بڑھنے والی کمزور جماعت برسوں سے دوڑنے والے پہلوانوں سے آگے بڑھنے کیلئے کس طرح راستہ صاف کر لیتی ہے اور خدائے برتر و توانا اس کے لئے کیا کیا اسباب و ذرائع مہیا کر دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہماری صحت جو پندرہ بیس روز سے خراب ہو رہی ہے اس تفصیل کو قلمبند کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ عوارض مختلفہ کی پیہم زد سے بینائی کمزور ہے اور اسپر اب وائیں آنکھ میں کچھ ہلکی سی سفیدی نمودار ہو گئی ہے۔ جس سے نوشت و خواند کئی روز سے بند ہے۔ اور سخت گھبراہٹ ہے۔ علاج جاری ہے۔ شافی مطلق کی فضل و کرم سے امید ہے کہ جلد صحت ہو جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ مارچ کے القریش میں ان کوائف کو بالتصریح شائع کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ "بزم احباب" سے متعلقہ مضمون اور "واقعات و حوادث" وغیرہ عنوانات سب مجبوراً چھوڑنے پڑے۔ ترتیب مضامین پر بھی کوئی تسلی نہیں امید ہے کہ ناظرین کرام ہمیں اسکے لئے معذور سمجھتے ہونگے۔ دعائے صحت سے مشکور کرینگے۔

عذر

کاپیاں اگرچہ دیکھ لی گئی ہیں لیکن مجھے اطمینان نہیں ہے خود نوشتہ ہونے کی وجہ سے [illegible] دیکھ سکا اور دوسرے کے کام پر کامل بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اگر کسی صاحب کو کسی مضمون میں کوئی کتابت کی غلطیاں دکھلی [illegible] ایڈیٹر

اسلامی تاریخ کا ایک ورق

رعیت نوازی

امیر المومنین شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کا عہد خلافت ہے آپ کسی ضرورت سے کہیں تشریف لے جا رہے ہیں اتفاقاً ایک ضعیفہ پر جو پانی کی مشک سر پر لئے ہوئے رُک رُک کر نہایت دقت کیساتھ چلی جا رہی تھی نظر پڑتی ہے آپ بیچین ہو جاتے ہیں مشک اس سے لیتے ہیں اور اس کو گھر تک پہنچا کر دریافت حال فرماتے ہیں وہ پہچانتی نہیں آبدیدہ ہو کر اس طرح جواب دیتی ہے "آہ! اے کریم النفس محسن! کیا عرض کروں؟ دل پھٹتا ہے نہایت جوش کے ساتھ "اَللّٰھُمَّ احْکُمْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ" پس میں اپنا انصاف احکم الحاکمین پر چھوڑتی ہوں۔ وہ عالم الغیب ہے اس سے تو کوئی بات چھپی نہیں وہی اس کا خوب فیصلہ کریگا"

اللہ حضرت نے نہایت بے تاب و آبدیدہ ہو کر کہا "علی کی بدسلوکی سے جلد آگاہ کر اسکی ذات سے تو ایسی امید نہ تھی۔ خدا رحم کرے"

"بدسلوکی! ضعیفہ چلا اٹھی نہیں نہیں ظلم! ستمگر ظلم علی نے مجھ پر اور میرے ان (لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے) چھوٹے چھوٹے بچوں پر کیا ہے" ہمدردی کے لہجہ میں۔ ظلم! تیرے الفاظ مجھے حیرت میں ڈال رہے ہیں مفصل بیان کر اگر واقعی کچھ خطا ہوگئی ہو تو میں علی کو سزا دینے کے لئے تیار ہوں" ضعیفہ نے جواب دیا "میں اپنے محسن کو اب زیادہ منظر نہیں رکھنا چاہتی۔ میری اور میرے بچوں کی خبر گیری میرا شوہر کیا کرتا تھا۔ علی کے حکم سے اسکو کہیں بہاد پر جانا پڑا۔ اور آہ۔ (آبدیدہ ہو کر) ایسا گیا کہ پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ درجہ شہادت پر فائز ہوکر مجھ دکھیا کو رونے اور کڑھنے کیلئے ہمیشہ کے واسطے تنہا چھوڑ گیا۔ اب میں ہوں اور یہ ننھے ننھے یتیم اور روز روز کی مشقت

مغرب کا وقت قریب تھا۔ رنگ انور کی متغیر کیفیت شام کا اداس منظر پیش کر رہی تھی۔ قطرات اشک حدیث اضطراب بنکر ٹپک رہے تھے جسم مبارک کی سرخی شفق شام کی طرح پتلیوں کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی دقت سے بھرائی ہوئی آواز میں تلقین صبر کی اور سمجھا بجھا کر روانہ ہو گئے نہایت بے چینی کیساتھ تڑپ تڑپ کر حضرت نے رات کاٹی۔ فریضہ صبح ادا کرنیکے بعد چادر اقدس میں سامان خوراک باندھ کر پشت مبارک پر رکھ کر ضعیفہ کے گھر کی طرف چلے مگر کس طرح؟ بحر تفکر میں ڈوبے ہوئے کبھی آہستہ کبھی تیز کبھی چلتے چلتے خود بخود رک جاتے کچھ سوچنے لگتے دل ہی دل میں ایک آہ نکل جاتی۔ پھر خدا جانے کیوں چونک پڑتے۔ نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی بیقراری طاری ہو جاتی رکتے چلتے

السلام علیکم یا امیر المومنین حضرت نے نظر اٹھائی اور دیکھا کہ ایک صحابی دوڑتے ہوئے چلے آ رہے ہیں آپ نے جواب سلام دیا۔ اس نے قریب آکر عرض کی "یا امیر المومنین۔ خانوں کی موجودگی میں ایسے جلیل القدر آقا کا اس طرح تکلیف اٹھانا مناسب نہیں ہے۔ شاہان حضرت فرمایا آج دنیا میں تو نے ہمارا اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی مجھے بڑی مسرت ہوئی مگر آہ کل قیامت میں کون اٹھائیگا! بہتر ہے ایسی تمنا نہ کر سکا بوجھ اٹھانے دے۔ آپ ضعیفہ کے مکان پر پہنچ گئے ہیں وہ آپکا شکریہ ادا کر رہی ہے آپ فرماتے ہیں للہ مجھے شرمندہ نہ کر یہ احسان نہیں بہت بڑا فرض ہے جو ہر مسلمان پر خدا اور اسکے رسولؐ کی طرف سے عائد کیا گیا ہے فرشتہ صفت انسان ضعیفہ نے کہا تیری باتیں میرے استعجاب

قندِ مکرر

مشرق بخت سے تابان ہے مہرِ اقبال — علم و دولت میں ہوا عالمِ امکاں کو کمال
اس زمانے میں دکھایا ہے ترقی نے جمال — روز و پیش ہے اسلام کی ہستی کا سوال
ناخدا قوم کی کشتی کو بچائیں کیونکر
سیچ منجدھار میں ہے پار لگائیں کیونکر

نیو فیشن

نوجوانوں کے خیالات ہیں تسلیم رہے — اب نیا دور ہوا اسکی نئی تقویم رہے
بوستاں اور گلستاں کی نہ تعظیم رہے — فارسی دور کرو مغربی تعلیم رہے
جان پڑھائی یورپ سے برابر ہو کر
کام بنجائیں گے ہر ہرٹ لیسنر ہو کر

کام آنے کی نہیں تیغ زبانی اپنی — رنگ لائے گی وہ شمشیر پرانی اپنی
لغو تاریخ ہے جھوٹی ہے کہانی اپنی — کون برباد کرے صرف جوانی اپنی
آئیں گے راہِ ترقی میں وہ نیوٹن ہو کر
قوم کی ریل کو کھینچینگے انجن ہو کر

فلسفی ہیں تو ورلنے میں نئے دور کے ہیں — باتیں باتیں خیالات عجب طور کے ہیں
دور کی سوچنے والے ہیں بڑے غور کے ہیں — خاص لندن کے ہیں دلی کی نہ لاہور کے ہیں
حل کیا ہے کشش ثقل کا عقدہ کس نے
کان پکڑا ہے دلیلوں کو سنا ہے جس نے

ان کی تحقیق کا دعوے ہے زمیں پھرتی ہے — آگیا سوچنے والوں کو یقیں پھرتی ہے
ورنہ اب تک یہی کہتے تھے کہیں پھرتی ہے — یہ تو دیکھا ہے کہ سینوں کی جبیں پھرتی ہے
جو کوئی عشق کی راہوں میں پھر کرتا ہے
کوچۂ یار نگاہوں میں پھرا کرتا ہے

اس ترقی نے طلسمات دکھائے کیا کیا — خبریں دینے کیلئے تار بنائے کیا کیا
بیڑے زیلپن کے ہواؤں میں اڑائے کیا کیا — اور طوفان سمندر میں اٹھائے کیا کیا
بہتے دریا کی روانی کو کہیں روک دیا
نہر کے واسطے پانی کو کہیں روک دیا

دی ترقی ہوا باز نکو جانباز سبھی نے — کام آسان کیا ہوگا کسی غازی نے
کر لیا وقت کو قابو میں گھڑی ساز سبھی نے — خوب ترکیب کی تہذیب کی نمائی نے
برق و خش شوخ حسیں کیسے ہیں پالے ہائے
ان کی طاقت میں ہیں بجلی کے کرشمے سارے

ایک سے ایک ترقی ہے قیامت ان کی — صنعتیں جیں سے بھی بڑھ گئی صنعت انکی
ربع مسکوں میں ہے مشہور جو حرفت ان کی — جس جگہ دیکھئے پھیلی ہے تجارت انکی
انکے قابو میں سمندر ہے ہوا بس میں ہے
بابے جو چیز ہے وہ نام خدا بس میں ہے

الغرض اس نئے فیشن سے ترقی ہوگی — ہند میں وادیٔ ایمن کی تجلی ہوگی
مغربی طرز کی جو بات ہوا چھی ہوگی — سربلندی کیلئے ہیٹ کی کلغی ہوگی
مغربی رنگ جمے بوٹ پہن کر نکلیں
کوٹ پتلون کا ہم سوٹ پہن کر نکلیں

سبز میدان میں کرکٹ میں ٹینس کھیلیں — گول فٹ بال کا اڑا پھڑکے برابر لیں
علم کیواسطے کالج کی مصیبت جھیلیں — یعنی لوہے کے چنے چاب کے پاڑ بیلیں
جب کہیں ہر میں اسلام کی ہستی ہوگی
اپنے مذہب میں اگر قوم پرستی ہوگی

اولڈ فیشن

اگلے لوگوں کا یہ دعویٰ ہے وہی بات کرو — پوتی آنی ہے بزرگوں سے جو زنہار کرو

ہادی قوم ہیں اُن سے ملاقات کرو دورِ فیشن کی زمانے سے خیالات کرو
ہو گی قرآں کی تلاوت سے ترقی اپنی
پارسائی سے عبادت سے ترقی اپنی

یادِ خالق کی کرو خوب نمازی ہو کر زلفِ احد کی بڑھے بندہ نوازی ہو کر
ناز والے بھی کریں ناز نیازی ہو کر اپنا اطوار بڑھے بندہ نوازی ہو کر
دھیان ہو اپنے بزرگوں کے نسب کا دیں
اپنے اخلاق و تمدن کا ادب کا دل میں

اپنی تاریخ ہو اسلاف کے افسانوں کی جسکی بنیاد پہ ہستی ہے مسلمانوں کی
کچھ خبر بھی ہے مشاہیر کے احسانوں کی مسجدیں سینکڑوں نوابی تھیں مسلمانوں کی
ہیں مسلمان وہی ہند کے رہنے والے
کلمۂ پاکِ شہادت کے کہنے والے

دینِ اسلام کی جس وقت میں پابندی تھی شادمانی تھی میسر ہمیں خورسندی تھی
عقل تھی فہم تھی عزت تھی خردمندی تھی چاندنی رات کی ہر شہر میں نو چندی تھی
فارغ البال تھی تسلیم و رضا کے بندے
عیش و آرام کے مالک تھے خدا کے بندے

دہر میں کاشفِ اسرارِ نہانی ہم تھے اور سرچشمۂ اعجازِ بیانی ہم تھے
علم میں علم طبیعات کے بانی ہم تھے بخت میں بختِ سکندر کی نشانی ہم تھے
فلسفہ اور ریاضی تھا ہمارے گھر کا
نام لقمان فلاطون تھا سارے گھر کا

دوئی کا نام نہ تھا وہ تھا یکتائی کا لطف توحید میں آتا تھا تنہائی کا
شوق تنہا سب کو حق کی جبیں سائی کا دل قناعت سے غنی صبر و شکیبائی کا
شمع حسن نبوی علوۂ فگن تھی دیں میں + نور پر نور برستا تھا ہر اک محفل میں

آجکل اُنس و محبت کا کہیں نام نہیں بخشش و فیض و کرم جود و سخا عام نہیں
فائدہ بخش خلائق کا کوئی کام نہیں اہلِ دولت کو بھی اس در میں آرام نہیں
حرصِ غالب ہے قناعت سے پرے رہتے ہیں + اور فیشن کی ترقی پہ مرے رہتے ہیں

ہیٹ ہے کوٹ ہے پتلون ہے نکٹائی ہے سائیکل کا کوئی موٹر کا تماشائی ہے
مینا بازار میں اب انجمن آرائی ہے جسکو دیکھو وہ نئے حسن کا شیدائی ہے
روز ہوٹل میں جہاں بادہ پرستی ہو گی
غیر ممکن ہے وہاں قوم کی ہستی ہو گی

ایسی باتوں میں کبھی ہستی اسلام نہیں مغربی طرز میں وحدت کا کہیں نام نہیں
اہلِ فیشن میں حقیقت کا سرانجام نہیں روزی روزی ہے یہاں روزہ کا کچھ کام نہیں
ہستی اسلام کی در کار اگر ہے تو کہو!
روز قرآن پڑھو اپنے طریقوں پہ رہو

فیصلہ

الغرض دونوں فریقوں کی زبانی کہہ دی ہستی قوم کی دنیا میں کہانی کہہ دی
زندگی کیلئے تجویز پرانی کچھ ہے نوجوانوں کی مگر سحر بیانی کچھ ہے
دونوں پہلے ہیں اگر دونوں میں یکتائی ہو
میل ہو اُنس ہو اخلاق ہو دانائی ہو

قوم بن جائیگی ایثار اگر ہو تم میں قوم بنجائیگی غمخوار اگر ہو تم میں
ایک کا ایک طرفدار اگر ہو تم میں ایک کا ایک مددگار اگر ہو تم میں
روز آپس میں لڑا کیجیے لہر دنکی طرح
ایک ہو جاؤ مگر وقت پہ نہر کی طرح

مغربی علم پڑھو شرقی تہذیب رہے جاؤ دنیا میں مگر قوم کی ترتیب رہے
اس زمانے میں ترقی کی یہ ترکیب ہے کھیل کا کھیل ہو تادیب کی تادیب رہے
جتنے بچے ہیں یہاں غیرتِ سرسید ہوں
محسن الملک ہوں یا ڈپٹی نذیر احمد ہوں

اس طرح دہر میں اسلام کی ہستی ہو گی رحمتِ ابرِ کرم گھر میں برستی ہو گی
اہلِ اسلام کی ہر شہر میں بستی ہو گی عافیت قوم کے بازار میں سستی ہو گی
ہے خلیق جگر افگار کی آواز یہی
ایک ہو جائیے تو حید کا ہے راز یہی

خلیق جگر افگار دہلوی

اسلامی طریقِ عدالت

(از مولنا عبد السلام صاحب ندوی)

مُقدمات فوجداری

اگرچہ خود عہد رسالت میں ہی ایک صحابیؓ کا تقرر بحیثیت پولیس افسر کے ہو چکا تھا لیکن یہ صیغہ باضابطہ طور پر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قائم ہوا۔ اور بعد میں اس صیغے کے افسر "صاحب الاحداث" "والی مظالم" اور "والی حرب" وغیرہ مختلف لقبوں سے سرفراز ہوتے رہے جن کے فرائض میں مختلف جرائم کی سزاؤں کا نفاذ، فتنہ و فساد کی روک تھام اور مجرمین سرکوبی داخل تھی اور فوجداری کے جن مقدمات میں شہادت یا اقرار کا وجود نہیں ہوتا تھا۔ ان کا فیصلہ بھی انہیں افسروں سے متعلق تھا۔

عام تعزیری جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل اور زنا وغیرہ کے علاوہ جن کی سزائیں اسلام نے مقرر کر دی ہیں اور بھی متعدد مذہبی اخلاقی اور تمدنی جرائم ہیں جن کی اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے اور عادۃً عدالتوں میں کوئی شخص انکے متعلق مرافعہ نہیں کرتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے، وقت اور جماعت کا پابند نہ ہو، تاجر پیمانہ وزن میں کمی کریں، کھانے پینے کی چیزوں میں مضر یا ناجائز چیزیں ملائیں، یا ناجائز چیزوں کی تجارت کریں۔ تو گو اسلام میں ان کی کوئی سزا مقرر نہیں ہے اور ان کے متعلق مقدمات بھی دائر نہیں ہوتے لیکن اگر ان کی اصلاح و نگرانی کی جائے تو مذہب، اخلاق اور تمدن کو سخت نقصانات پہنچ جائیں، اسلئے اس ضرورت کیلئے اسلام نے احتساب کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا جس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی اور انہوں نے بازار کی نگرانی کے لئے حضرت عبداللہؓ اور حضرت صائبؓ کو مقرر کیا۔ لیکن بعد میں احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم ہو گیا اور محتسب کے اختیارات و فرائض اس قدر وسیع ہو گئے کہ انپر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے بہرحال اسلام میں یہ صیغہ پولیس کے صیغہ سے الگ تھا۔ اور ان جرائم پر سزا دینا، ان کی اصلاح و نگرانی کرنا محتسب کے فرائض میں داخل لیکن ان چھوٹے جرائم کے علاوہ اہم جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، زنا اور خیانت وغیرہ کے اور تمام مقدمات قاضی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ انکی تحقیقات کیلئے مجرمین کی تلاشی لے سکتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنے بعض فوائد کیلئے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک خط لکھنا اور اس کو ایک مشرکہ عورت کے ذریعہ سے روانہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو چند سوار روانہ کئے جنہوں نے تعاقب کر کے اس کو گرفتار کیا۔ لیکن جب اُسنے خط والے کرنیسے انکار کیا تو ان لوگوں نے دھمکی دی۔ کہ اگر تو نے خط والپس نہیں کیا تو ہم تم کو برہنہ کر دینگے مجبوراً اُسنے کیسہ سے خط نکالکر انکے حوالے کیا۔

انکشاف جرائم کے متعلق تو اس حدیث سے قطعاً تلاشی لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر یہ علیہ

دیوالیہ ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور اسکے خلاف مدعی کا یہ دعویٰ ہو۔ کہ وہ صاحب مال ہے تو اس کی درخواست پر قاضی کو اس کی تلاشی لینی بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

انکشاف جرائم میں وہ نہایت ظنی قرائن سے بھی کام لے سکتا ہے مثلاً ایک بار معتضد کے ایک غلام نے رات کے وقت دوسرے غلام کو قتل کر کے تمام غلاموں میں جاکر سو رہا۔ معتضد نے تحقیقات شروع کی تو ہر ایک کے دل پر ہاتھ رکھا جن میں اس غلام کے دل کی حرکت نہایت تیز محسوس ہوئی جس نے ارتکاب قتل کیا تھا۔ چنانچہ اس نے اس سے اقرار جرم کرایا۔ اور اس کو سزائے قتل دی گئی۔

وہ اثبات جرم سے پہلے مجرمین کو زیر حراست بھی رکھ سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجرمین کو زیر حراست رکھا ہے البتہ زمانہ حراست کی مقدار میں اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک اس کی مدت صرف ایک مہینہ ہے اور بعضوں کے نزدیک اس کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ بلکہ افسر پولیس خود مناسب مدت مقرر کر سکتا ہے۔

پیروی مقدمات

اسلام میں اگرچہ بذریعہ وکیل کے مقدمات کی پیروی کرائی جا سکتی ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ اسلام کی عدالتی تاریخ میں بطور پیشہ کے وکالت کا رواج کبھی تھا یا نہیں؟ بعض کتابوں میں ہے کہ امام شافعی کے معاصرین میں عیسیٰ بن ایمان جب بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تو انکے پاس دو بھائی آئے جو مقدمات میں وکیل ہوا کرتے تھے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں وکالت کا پیشہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے اور کوئی بدعت نہیں ہے۔

فیصلہ

ان مراتب کے بعد قاضی کو بہ ترتیب دو مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں:۔

(۱) ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ میں جس چیز کے متعلق نزع ہے اس کی نسبت اصلی حالات کا پتہ لگانا۔

(۲) انکے مطابق منصفانہ فیصلے صادر کرنا۔

اسلام میں ان دونوں مراحل کے متعلق چند کلی اور عام اصول متعین کئے گئے ہیں۔ مثلاً مقدمات کے اصلی حالات کا پتہ لگانے کیلئے اسلام نے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے کیونکہ مدعی ایک دعویٰ کر رہا ہے جو ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہے اسکے برعکس مدعا علیہ ظاہری حالت سے استشہاد کرتا ہے۔ مثلاً ایک چیز کے متعلق جو عمرو کے قبضہ میں ہے اگر زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس شے کی ظاہری حالت کے مطابق نہیں ہے لیکن عمرو کا یہ کہنا کہ وہ چیز میری ہے بالکل ظاہری حالت کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں انصاف کا یہ اقتضا ہے کہ جب مدعی کا دعویٰ ظاہری حالات کے مخالف ہے تو اس سے اسکے اثبات کیلئے شہادت طلب کی جائے لیکن اگر وہ شہادت نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ سے جو ظاہری حالات کی مطابقت کو ہی سند قرار دے رہا ہے شہادت کی بجائے صرف حلف لیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی مشروعیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:۔

"اگر لوگوں کے حقوق صرف انکے دعویٰ کرنے سے دلا دیئے جائیں تو بہت سے لوگ لوگوں کی جان و مال کے مدعی ہو جائیں

سلئے مدعی پر گواہ لانا فرض ہے۔ اور مدعا علیہ پر حلف "

اب اس حدیث کی رُو سے اسلام میں مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد صرف دو چیزوں یعنی شہادت اور حلف پر قائم ہوتی ہے ؛

بذلِ عثمانی

خسرو دکن کے شاہانہ عطیات

—— سر اکبر حیدری نے بادشاہ جارج پنجم کے خزانچی کو اطلاع دی ہے کہ حضور نظام حیدرآباد نے کنگز ہسپتال کیلئے دو ہزار پونڈ کی رقم بدیں وجہ منظور کی ہے۔ کہ چونکہ بادشاہ نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور حیدرآباد کے ڈیلی گیشن میں ذاتی دلچسپی لی ہے اسلئے حضور نظام اس ذاتی دلچسپی کا شکریہ دو ہزار پونڈ کی شکل میں ادا کرنا چاہتے ہیں نیز اس طرح حضور نظام تاج برطانیہ سے اپنی وفاداری کا بھی ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے سر اکبر حیدری کو جواب دیا ہے کہ میرا صد قدلانہ شکریہ حضور نظام حیدرآباد تک پہنچا دیں ؛

—— آل انڈیا وومینز ویجوکیشن فنڈ ایسوسی ایشن کے دوسرے سالانہ اجلاس کے موقع پر جو حال ہی میں زیر صدارت لیڈی ارون بمقام دہلی منعقد ہوا تھا۔ ہوم سائنس کالج کو دوبارہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نیز اعلان کیا گیا کہ حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ نے اس کالج کے اجراء کے لئے دو لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے حضور نظام نے اپنی دریا دلی اور فیاضی کیلئے بین الاقوامی شہرت حاصل کرلی ہے اور تمام دنیا میں آپ کی علم نوازی کا پرچار ہے۔ ملک کے ممتاز ترین اداروں اور انجمنیں آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہی ہیں۔ اور سینکڑوں اہل علم آپ کے خرمن کرم کی خوشہ چینی کر رہے ہیں۔ آپ تعلیم نسواں کے پرجوش حامی ہیں۔ اور آپ کو ان کی ترقی و بہبودی کا بے انتہا خیال ہے۔ حضور نے مذکورہ کالج کو دو لاکھ روپیہ کی گرانقدر رقم عطا کر کے تمام خواتین ہند کو اپنا مرہون منت بنا لیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس بادشاہ اسلام کی عمر میں برکت دے۔ اور اسے ملک و قوم کی خدمت کرنے کی بیش از بیش استطاعت فرمائے ؛

آمین ثم آمین

خط کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ عدم تعمیل معاف۔ مینجر۔

اُسوۂ مرتضوی

آپ کی شجاعت

کسی لڑائی میں مقابلہ کے وقت حریف کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حریف مقابلہ سے مجبور ہو کر چپ ہو رہا۔ یہ دیکھ کر جناب علی مرتضےٰ نے اپنا دست مبارک روک لیا۔ دشمن نے نہایت بے باکی سے حضور سے تلوار مانگی۔ آپ نے کمال خندہ پیشانی سے وہی تلوار اس سے اس وقت کام لے رہے تھے اپنے خون کے پیاسے دشمن کو عطا فرمائی۔ دشمن اس بیجا اور ناممکن مروت پر دنگ رہ گیا اور پوچھا یا علیؑ یہ تم نے کیا غضب کیا۔ اپنے قریب الہزیمت مخالف کو پھر سرتوڑی کر دیا۔ سرکار نے مسکرا کر جواب دیا۔ میں کیا کروں میری کوئی حالت ہو۔ سائل کا کوئی سوال کسی وقت میں مجھ سے رد نہیں کیا جا سکتا امیر المومنین کے اس ذیانہ اخلاق اس کے دل پر اس قدر اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

آپ کی مروّت

ایک مرتبہ جنگ جمل میں جبکہ میدان جنگ نہایت سختی سے گرم تھا اور آفتاب اپنی پوری تیزی پر تھا آپ کا خادم قنبر دودھ اور شہد میں پانی ملا کر شربت بنا کر لایا۔ اور حضور مرتضوی میں پیش کیا آپ نے اس جام کو دیکھا اور فرمایا قنبر مجھ سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی پیاس بجھالوں اور میری فوج اور قوم کے لاکھوں پیاسے ہزاروں من لوہے کا بوجھ لادکر اپنا خون اور پسینہ ایک کر رہے ہوں۔ جا اور یہ جام اس شخص کو تلاش کر کے پلا دے جو مجھ سے زیادہ پیاسا ہو۔

آپ کا زہد فی الطعام

سوید ابن غفلہ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ قصر الامارت میں جناب امیر المومنین کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے جو کی روٹی اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا ہے روٹی ایسی خشک ہے کہ سخت وقت سے توڑتی ہی یہ حالت دیکھ کر مجھے نہایت تاسف ہوا۔ اور آپ کی خادمہ فضہ سے کہا کہ تو اس بزرگ پر ترس نہیں کھاتی اور انکے لئے جو چھان کر روٹی نہیں پکاتی فضہ نے جواب دیا کہ سرکار نے حکم دیا ہے کہ ان کی روٹی کبھی چھان کر نہ پکائی جائے یہ سن کر جناب امیر المومنین میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابن غفلہ تم اس خادمہ کو کیوں ڈانٹ رہے ہو میں نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین آپ اس قدر مصائب کیوں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا اے سوید تجھ پر افسوس ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل وعیال نے کبھی متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ اور کبھی جو چھان کر ان کے لئے روٹی نہیں پکائی گئی تھی۔ سبحان اللہ! اتباع رسول ہو۔ تو ایسا ہو۔

آپ کا زہد فی اللباس

ایک روز ایک بزاز کی دکان سے آپ نے دو عدد کپڑے خریدے۔ ایک کپڑے کی قیمت دو درم تھی اور دوسرے کی تین درم۔ قنبر ہمراہ تھے دو روپے والا کپڑا آپنے اپنے لئے رکھا اور تین روپے والا قنبر کو دیا۔ قنبر نے عرض کیا کہ اس کو سرکار ہی زیب تن فرمائیں۔ کیونکہ یہ حضور ہی کے لئے زیبا ہے۔ ارشاد ہوا۔ نہیں تم جوان ہو۔ تمہارے لئے نفیس کپڑا ہی زیبا ہے اور میرے لئے یہی کافی ہے ؛

ایک دفعہ جناب علی مرتضےٰ گھر سے باہر ایک مجمع میں تشریف لائے۔ آپکے لباس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ بعد ابن نفیجہ آپ کو اس لباس میں دیکھ کر طعن کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو میرے لباس سے کیا سروکار ہے یہ میرا لباس غرور سے پاک ہے اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس کی پیروی کریں کیونکہ پیراہن میں پیوند لگانے سے دل نرم ہوتا ہے ؛

آپ کا طرزِ معاشرت

آپ ایسے سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے کہ کوئی شخص جس نے آپ کو اس سے قبل نہ دیکھا ہو نہیں پہچان سکتا تھا گھر کا تمام کام خود کر لیتے۔ بازار سے خود سودا خرید لاتے اپنا جوتا آپ سی لیتے۔ اپنا کپڑا آپ دھو لیتے۔ اپنے پیراہن میں آپ پیوند لگا لیتے مسجد میں خود جھاڑو دیدیتے تھے ؛

آپ کی مہمان نوازی

ایک مرتبہ ایک باپ بیٹے حضور کے مہمان ہوئے کھانے کا وقت قریب آیا۔ قنبر نے طشت و آفتابہ سامنے رکھا۔ آپ خود اٹھے اور مہمان کے ہاتھ دھلانے لگے۔ اسنے آفتابہ تھام لیا اور عرض کیا کہ آقا یہ نہوگا۔ آپنے فرمایا نہیں میں تمہارے ہاتھ دھلاؤں گا مجھے اس سنت کے ثواب سے کیوں محروم کرتے ہو۔ القصہ آپنے ہی اس کے ہاتھ دھلوائے۔ جب بیٹے کی باری آئی۔ تو آفتابہ اپنے صاحبزادہ محمد حنیفہ کو دیدیا بیعت خلافت کے بعد جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اپنے مکان میں آئے تو آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔ آپکے حرم محترم نے گھبرا کر کہا خیر تو ہے؟ فرمایا۔ خیریت کہاں! میری گردن پر امت محمدیہ کا بوجھ ڈالدیا گیا ہے۔ ننگے، بھوکے، بیمار، مظلوم، مسافر، قیدی، بچے، بوڑھے، کم حیثیت، الغرض دنیا بھر کے لوگوں کا بار مجھ پر لادیا گیا ہے۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن پرسش ہو۔ اور وہاں مجھے جواب نہ بن آئے۔ بس اسی لئے روتا ہوں ؛

بقیہ ۲۵ معصوم قیدی۔ پیکِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے۔ اسکے تن خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔ وہ بیحس و حرکت آسمان کی طرف نظر اٹھائے فرش پر پڑا تھا اور اسکی خاموشی زبان حال سے کسی شاعر کا یہ شعر الاپ رہی تھی ؎

زندگی موت تھی اک عمر میں ثابت یہ ہوا
میرا ہونا تھا فقط تیرے نہ ہونے کے لئے

(ابن الاسد فیض لدھیانوی)

ختم شد

ابو مسلم خراسانی

نمبر (۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

جب منصور کو اس کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے تمام امرائے دولت اور ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہ ابو مسلم کے استقبال کو جائیں اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کریں۔ چنانچہ ابو مسلم نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت ادب سے منصور کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ منصور نے بھی بہت آؤ بھگت کی اور اپنے قریب بٹھایا۔ تھوڑی دیر گفتگو کر کے کہا کہ تم سفر کی تکان سے مضمحل ہو رہے ہو۔ اس وقت جا کر آرام کرو۔ کل پھر آنا۔

چنانچہ دوسرے دن صبح منصور نے پھر ابو مسلم کو طلب کیا اور دیوانخانے کے پردوں کے پیچھے ایک دستہ پوشیدہ کر کے ہدایت کر دی کہ جب میں (منصور) دستک دوں تم فوراً نکل کر ابو مسلم کا کام تمام کر دینا۔ منصور یہ انتظام کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ ابو مسلم حاضر ہوا۔ رسمی گفتگو کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ وہ دو تلواریں جو عبداللہ ابن علی کے معرکہ میں دستیاب ہوئی تھیں کہاں ہیں؟ ابو مسلم نے اپنے ہاتھ کی تلوار پیش کر کے عرض کیا کہ ان میں سے ایک تو یہ ہے! منصور نے اسے لیکر اپنی جانماز کے نیچے چھپا لیا۔ اب منصور نے اپنا انداز کلام بدلنا شروع کیا اور ابو مسلم کی تقصیریں شمار کرانا شروع کیں۔ ہر قصور پر ابو مسلم کچھ معذرت کرتا جاتا تھا اور خلیفہ ایک قصور کے دوسرا گنا تا جاتا تھا یہاں تک کہ آخر میں تنگ آ کر ابو مسلم نے کہا کہ "امیر المومنین یہ معمولی فروگزاشتیں مجھ جیسے شخص کے مقابلہ میں کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتیں۔ انکا اعادہ فضول ہے۔ میری کارگذاریاں اور جاں نثاریاں ان غیر اہم تفسیرات کے مقابلہ میں بدرجہا بلند تر ہیں!"

یہ سن کر منصور بے انتہا برہم ہوا اور گالی دے کر کہا کہ بلاشبہ تو نے یہ کام سرانجام دیئے لیکن اگر تیری جگہ کوئی حبشی لونڈی ہوتی تو وہ بھی یہی کر سکتی جو تو نے کیا۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ تیرا یہ مرتبہ اور تیری یہ دولت محض بنی عباس کی چشم کرم کا نتیجہ ہے؟

ابو مسلم نے جواب دیا "امیر المومنین! اب یہ قصے جانے دیجئے بہر صورت میں خدا کے سوا کسی متنفس سے نہیں ڈرتا!"

منصور نے دستک دی۔ مسلح جماعت کمین گاہ سے جھپٹی، اور اس نے یکایک ابو مسلم پر حملہ کر دیا۔ ابو مسلم چلایا کہ "امیر المومنین! مجھے اعدا کے مقابلہ کیلئے زندہ رہنے دیجئے" منصور نے کہا "میرا مجھ سے زیادہ کہ

ہو سکتا ہے ؟"

اتنے عرصے میں ابو مسلم زخموں سے چُور ہو چکا تھا۔ وہ گرا اور ساتھ ہی کئی تلواریں اُس کے سر و سینہ میں پیوست ہو گئیں۔ اب اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ منصور نے اس کی نعش کو چادر میں لپٹوا کر علیحدہ رکھوا دیا۔

اس کے بعد عیسیٰ ابن موسےٰ منصور سے ملنے آیا۔ اُسنے دریافت کیا "امیر المومنین ابو مسلم کہاں ہے ؟" منصور نے اس چادر کی طرف جس میں ابو مسلم کی نعش لپٹی ہوئی رکھی تھی اشارہ کر دیا۔ عیسیٰ نے تعجب سے پوچھا "کیا قتل ہو گیا ؟" منصور نے کہا "ہاں !"

عیسیٰ نے انا للہ پڑھا اور منصور سے کہا "حقیقت میں آج آپ کی حکمرانی کا پہلا دن شروع ہوتا ہے۔ اور آج آپ حقیقی معنوں میں امیر المومنین اور محکوم ممالک کے بادشاہ کہے جانے کے مستحق ہوئے۔ تمام دنیا میں آپ کا اس شخص سے بڑا دشمن نہ تھا۔"

منصور نے عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ ابو مسلم کے لشکر میں جا کر لوگوں کو حسب حیثیت نقد و جنس تقسیم کرے اور پھر انہیں منتشر کر دے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی اور لشکر والے منتشر کر دیئے گئے اس کے بعد منصور کا خراسان پر پورا پورا قبضہ ہو گیا یہ واقعہ ۱۳۷ھ کا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابو مسلم کے قتل کے بعد سب سے پہلے جعفر ابن حنظلہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ منصور نے اس سے دریافت کرنا چاہئے ؟ اسنے کہا کہ اگر امیر المومنین کو ایک بال کے برابر بھی اس پر تا بو حاصل ہو تو فوراً اسے قتل کر ڈالنا چاہئے۔ منصور نے کہا خدا نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ کہہ کر اس چادر کی طرف جس میں ابو مسلم کی نعش تھی اشارہ کر دیا۔ جعفر نے کہا کہ آج حضور کی حکومت کا پہلا دن ہے۔ مبارک ہو ——— !

کہا جا سکتا ہے کہ منصور نے دھوکے اور ظلم سے ابو مسلم کو قتل کیا۔ لیکن منصور کی جانب سے بھی یہ جواب ممکن ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی حکومت سخت خطرہ میں مبتلا ہو جاتی۔ بہر حال یہ امر کہ منصور کا طرز عمل مستحسن تھا۔ یا غیر مستحسن ؟ اور اس کی جانب سے یہ عذر قبول ہے یا نہیں ؟ ہمارے موضوع بحث سے غیر متعلق ہے۔

عام اخلاق و عادات

ابو مسلم کا جسہ قد گورا رنگ سیاہ آنکھیں چوڑے شانے خوبصورت داڑھی گھنگریالے بال اور نرم آواز تھی۔ عربی و فارسی میں نہایت فصاحت سے گفتگو کرتا تھا۔ بہت خوب شعر کہتا تھا اور خن فہمی کا خاص ملکہ رکھتا تھا۔

نہ بے محل ہنستا اور نہ کسی سے مذاق کرتا۔ خوشی، رنج اور غصہ وغیرہ جذبات کی علامات اسکے چہرہ پر کبھی نمایاں نہیں ہوتی تھیں۔ بڑی بڑی فتوحات اور سخت رنجدہ واقعات کا اسکے سامنے تذکرہ ہوتا اور اسکے سکون و سنجیدگی میں مطلق فرق پیدا نہ ہوتا۔ نہایت باکمال اور غیرت دار تھا۔ ایک سال میں صرف اکیس عورتوں کی جانب ملتفت ہوتا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے۔ اور انسان کیلئے سال میں اکیس مرتبہ مجنون ہونا کافی ہے اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے محل سرا میں کوئی نامحرم شخص داخل ہو سکے۔ اپنی بیگمات کے ساتھ اس کا برتاؤ شریفانہ اور فیاضانہ تھا۔ اور کبھی ان سے بدسلوکی سے پیش نہیں آتا تھا۔ نہایت خوش اخلاق اور سیر چشم تھا۔ طامع و حریص نہ تھا۔ حوصلہ مند اور مشکلات کا مقابلہ کرنے میں بے انتہا دلیر اور صاحب عزم تھا۔ مامون رشید کا قول ہے کہ:

"دنیا میں تین بادشاہ بہت ذی حوصلہ اور دلیر گزرے ہیں۔ جنہوں نے سلطنتوں میں انقلاب پیدا کر دیئے۔ سکندر، اردشیر، اور ابو مسلم خراسانی"

ابو مسلم اپنی عمر اور غیر معمولی اولوالعزمی کے لحاظ سے بڑی حد تک سکندر کے ساتھ مشابہ ہے۔ (مہند)

نہ سہی

چلی صبا کہ چمن میں گذر نہیں نہ سہی
کھلے شگوفے کہ مٹی میں زر نہیں نہ سہی

نمود و بود سراب جہاں کی فکر عبث
اگر ہے کچھ تو ہمیں کیا اگر نہیں نہ سہی

مزہ حکایت تیر نگہ میں کیا کم ہے؟
اگر شکایت زخم جگر نہیں نہ سہی

چٹک رہی ہیں جو کلیاں تو پھول ہنستے ہیں
غرض کہ کیجئے نالے اثر نہیں نہ سہی

لحاظ خاطر زاہد ضرور ہے ساقی!
ادھر تو دے کوئی ساغر ادھر نہیں نہ سہی

فلک سے ہم نہیں جھکنے کے لاکھ مٹ جائیں
وہی دماغ تو ہے وہی تاج زر نہیں نہ سہی

ٹھہر کے بزم شب وصل دیکھ لے اے چرخ
جو ایک رات دوران سر نہیں نہ سہی

مزہ ہے اہل توکل کو روکھی روٹی کا!
نمک نہیں نہ سہی یا شکر نہیں نہ سہی

ترا خیال ہو اور میں ہوں اور دل بیمار
کوئی انیس کوئی چارہ گر نہیں نہ سہی

تمہیں تو اپنے تغافل پہ ناز ہے پیارے
مجھے تحمل درد جگر نہیں نہ سہی

مرا قلم تو جواہر نگل رہا ہے نظمؔ
جہاں میں گر کوئی صاحب نظر نہیں نہ سہی

نظمؔ

نوائے وقت

از علامہ اقبال

خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم — در من نگری ہیچم، در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم، در کاخ و شبستانم — من درد و درمانم، من عیش فراوانم
من تیغ جہاں سوزم، من چشمۂ حیوانم

چنگیزی و تیموری، مشتے ز غبارِ من — ہنگامۂ افرنگی، یک جستہ شرارِ من
انسانِ جہانِ او، از نقش و نگارِ من — خونِ جگرِ مرداں، سامانِ بہارِ من
من آتشِ سوزانم، من روضۂ رضوانم

آسودہ و بیدارم، ایں طرفہ تماشا بیں — در بادۂ امروزم، کیفیتِ فرداییں
پنہاں بہ ضمیرِ من، صد عالمِ رعنا ییں — صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا ییں
من کسوتِ انسانم، پیراہنِ یزدانم

تقدیرِ فسونِ من، تدبیرِ فسونِ تو — تو عاشقِ لیلائے، من دشتِ جنونِ تو
چوں رُوحِ پاکم، از چند و چگونِ تو — تو رازِ درونِ من، من رازِ درونِ تو
از جا نے تو پیدایم، در جانِ تو پنہانم

من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل — تو سازِ صد آہنگے، تو گرمیٔ ایں محفل
آوارۂ آب و گل، دریاب مقامِ دل — گنجیدہ بہ جامے بیں، ایں قلزمِ بے ساحل
از موجِ بلندِ تو، سر بر زدہ طوفانم

آثارِ عرب

ایامِ جاہلیت کی تعمیرات

مدینہ مارب۔ مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ اس شہر کو عبد الشمس نے آباد کیا جس کا لقب "سبا" تھا۔ یہ شہر زیادہ تر "سبا" ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ یمن کا دار السلطنت تھا۔ مآرب کے حکمرانوں میں سے ملکہ سبا بھی تھی جس کا نام "بلقیس" تھا۔ اور جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔ یہ شہر نہایت ہی قدیم ہے اور سدِ مآرب کے ٹوٹنے سے قبل عربوں کا بڑا مسکن رہا۔

سد مآرب۔ دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند تھا، چونکہ پہاڑوں سے پانی آکر مدینہ مآرب کو نقصان پہنچایا کرتا تھا اسلئے یہ زبردست بند تیار کیا گیا۔ اس اور بھی زراعتی فائدے تھے۔ ایک مدت تک یہ بند قائم رہا۔ اور آخر جس وقت یہ بند ٹوٹا ہے شہر کو سخت نقصان پہنچا، ملک یمن میں عام تباہی پھیل گئی باشندوں نے ترک وطن کیا۔ اور عرب کے مختلف مقامات میں جاکر آباد ہوگئے۔ اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شکستِ سدِ مآرب ہی خیر آباد سرزمین عرب کی آبادی کا باعث ہوا۔

مورخین کہتے ہیں کہ اس بند کو بھی عبد الشمس بانی مدینہ مآرب ہی نے بنوایا تھا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ سبا نے بنوایا تھا۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں لقمان بن عاد نے بنوایا، اہل عرب سد مآرب کو عجائبات عالم میں سے شمار کرتے ہیں اس کی تعمیر کی تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں

قصر خورنق

اس قصر کو ایک رومی کاریگر "سنمار" نے نعمان اکبر بن امرالقیس لخمی کیلئے تیار کیا تھا یہ قصر کوفہ کی پشت پر واقع ہے بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت اس کی تعمیر تکمیل کو پہنچ چکی، نعمان نے کاریگر کو ایک بلند مقام سے گرا کر مار ڈالا، تاکہ کوئی دوسری عمارت اس کے مثل کوئی اور شخص تعمیر نہ کرا سکے، اس کا یہ واقعہ ضرب المثل بنگیا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "جوزی جزاء سنمار" یعنی سنمار کا سا بدلہ دیا گیا۔

اس واقعہ سے تیس سال بعد جبکہ ایک روز بادشاہ نعمان اکبر اپنے اسی محل میں بیٹھا ہوا تھا اسنے اپنی تمام مال و دولت سامنے رکھ کر دیکھی نعمان اس منظر سے بہت متاثر ہوا۔ اسنے کہا "کیا ہوگا جبکہ اسکے مالک غیر ہو جائینگے" دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اسکی آنکھوں کے سامنے پھر گیا، دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے لگے آخر نوبت بایں جا رسید کہ ترک دنیا پر آمادہ ہوا اس نے اپنے تمام

خدمت گاروں سے کہا "تم لوگ اپنے اپنے گھر جاؤ" نصف رات گذر چکی تھی فضا میں بالکل سکون تھا، بادشاہ چپکے سے اٹھا۔ شاہی کپڑے اتار دیئے اور گیرو سے رنگ کا ایک کرتہ پہن لیا۔ ایک معمولی کمبل کاندھے پر رکھا، اور اس قصر شاہی سے نکل کر جنگل کی راہ لی۔ پھر اسے کسی نے نہ دیکھا۔

اس قصر کی خوبصورتی تمام عرب یمن میں مشہور تھی ایک مشہور شاعر ایک واقعہ میں کہتا ہے ؎

فاذا انتشیت فانني ۔۔۔ رب الخورنق والسدیر

واذا صحوت فانني ۔۔۔ رب الشویهة والبعیر

یعنی جس وقت میں نشہ شراب میں سرشار رہتا ہوں تو گویا میں قصر خورنق اور سدیر کا بادشاہ ہوں اور جس وقت نشہ اُترا۔ اور میں نے اپنے اوپر نظر ڈالی تو وہی اونٹ بکری والا۔

حافظ رحمۃ اللہ نے بھی کہا ہے ؎

چو خود گشت حافظ کے شمارد ۔۔۔ بیک جو ملک کیکاؤس کے را

قصر سدیر

یہ بھی نعمان اکبر کا ایک محل تھا۔

حصن الصنبر

یہ قلعہ امرالقیس بن نعمان اعور کا بنوایا ہوا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ستمار کا واقعہ اسی سے متعلق ہے

قصر غمدان

صنعاء یمن کے تخت پر بادشاہ شرحبیل بن عمر نے بنوایا تھا۔ یہ قصر نہایت ہی خوبصورت بڑا اور پائدار تھا۔ اس قصر کے سات حصے تھے اس میں عجیب عجیب نادر چیزیں تھیں اس کی تعمیر میں چار قسم کے پتھر لگے تھے سرخ، سفید، زرد، اور سبز مکان کے ہر دو حصہ میں ۴۰ ستون لگے تھے اسی قصر کو سیف بن ذی یزن نے لیا تھا۔

مارد اور ابلق

یہ دونوں مشہور قلعے سموأل بن عادیا غسانی عرب کے مشہور یہودی شاعر کے تھے جس کے فخریہ اشعار عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ سموأل بن عادیا اپنی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے "ابلق" کے بارے میں کہتا ہے ؎

لنا جبل الحیلة من بخیره ۔۔۔ منیف یرد الطرف وھو کلیل

رسا اصله تحت الثری وسماه ۔۔۔ الی النجم فرع لا ینال طویل

یعنی ہمارے پاس ایک قلعہ ہے جس کا بخیرہ اس قدر بلند اور مضبوط قلعہ ہے کہ اس کی بلندی تک نگاہ نہیں کام کر سکتی اس کی بنیاد تحت الثری میں ہے اور بلندی ایسی کہ گویا آسمان سے باتیں کر رہا ہے اس میں وہی شخص داخل ہو سکتا ہے جس کو ہم پناہ دیں۔

ملکہ زباء" (جس کا واقعہ مشہور ہے) نے ایک بار ان کا محاصرہ کیا لیکن بے سود ہزار کوشش کی لیکن فتح نہ کر سکی۔ عاجز آ کر اسنے محاصرہ اٹھا لیا اس نے کہا "تمور ما در دینز الابلق" یہ جملہ بطور مثل مشہور ہو گیا۔

صرح الغدیر

شاہان غسان کی یادگار تھی۔ ثعلبہ بن عمرو بن جفنہ غسانی نے بنوایا تھا۔ یہ قصر اطراف حوران میں واقع تھا۔

قناطر، اذرح، قسطل

یہ سب جبلہ بن الحرث بن ثعلبہ کے بنوائے ہوئے تھے۔

حفیر، مصنعہ، قصر ایبرو معان

یہ بھی جبلہ بن الحرث بن ثعلبہ کے تعمیر کردہ مکانات تھے۔

قصر الغضاء، صفات العجلات، قصر بنیار

عمرو بن الحرث کے بنوائے تھے، نواح دمشق میں اس کی اکثر یادگاریں تھیں۔

قصر سویداء، قصر حارب

نعمان بن عمرو کے بنوائے ہوئے تھے۔

قصر برقع

اس قصر کو جبلہ بن الحرث نے ایک بڑے میدان میں تعمیر کرایا تھا۔

جبلۃ الا دہمیہ

جبلۃ بن الایہم آخری غسانی تاجدار نے اس شہر کو آباد کرایا تھا۔ جبلۃ الایہم حضرت عمر بن الخطاب کے عہد میں موجود تھا۔ اور اسلام بھی لایا، لیکن جب قیصر روم کے پاس گیا تو عیسائی ہو گیا۔ شہر جبلۃ "سلطان ابراہیم ادہم (جو ایک صوفی منش آدمی تھے) کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ یہ اسی شہر میں مدفون ہیں۔

یہ سب ایام جاہلیت کی تعمیریں تھیں۔ جن میں سے اکثر دست برد زمانہ سے فنا ہو گئیں۔ بلکہ اب ان کے کھنڈر تک باقی نہیں۔

(محمد عنایت اللہ۔ بی اے۔ جامعہ)

رباعی

دیکھئے تو دل بیچارہ کا اب کیا حشر ہو — شیخ صاحب کو تو کچھ پر ہی وجد آنے لگا
کیوں کر یگا پیش ہمیں جلوۂ حد و بہشت — جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

اکبر

میری سرگذشت

نمبر (۸)

وہ ملک جو اس وقت بلوچستان کے نام سے موسوم ہے بلحاظ موسم اُس کی چوٹی پر زمستان ہے۔ شانوں پر خزاں۔ اور اسکے پاؤں کے نیچے تابستان۔

بلحاظ معیشت بدوبیوں کی تقسیم دو قسم پر ہے (۱) خانہ بدوش اور (۲) قصباتی۔ اوّل الذکر اپنے اوضاع، عادات اور رسوم میں اس وقت بجنسہ ویسے ہی ہیں۔ جیسے کہ اس سے ایکہزار سال پیشتر اور ممکن ہے کہ وُہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں۔ کیونکہ خانہ بدوشوں کے نزدیک کسی خاص مقام کو مسکن دوامی ٹھیرانا گویا قدرت کے عطا کردہ آزادی اور صحرائی زندگی کو خُدا حافظ کہنا ہے اور یہ ان کی جبلی اور موروثی خاصیت ہے اور اسی میں انکی زندگی کا راز مضمر ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی ان کے اونٹ اور مویشی ایک مقام پر پانی اور چارے کو پوری طرح صرف کر چکے۔ تو وُہ اپنے گدان (جھونپڑے) اٹھا کر دوسرے مقام پر لے جاتے ہیں۔ ان کو بادیہ نشین بھی کہا جاتا ہے وہ گدانوں ہی میں رہتے اور پانی کے کنارے شاداب مقامات پر زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں۔ اور معاشرتی آزادی ہی ان کی تمامتر دولت ہے جس کو انہوں نے سالہائے دراز سے قائم بھی رکھا ہے ان کی معیشت نہایت سادہ ہے۔ اور اس میں وہ پیچیدگیاں جو ایک جگہ متوطن ہو جانے سے پیدا ہوتی ہیں بطلق نہیں پائی جاتیں۔ ان کی مستورات کے اشتغال میں بڑا شغل بھیڑ بکریوں کا دودھ دوہنا۔ اور خیموں کیلئے سیاہ اون کے بالونکا کپڑا اور فرش کیلئے دریاں طیار کرنا ہے۔

خیمے یا گدان عموماً پست ہوتے ہیں اور بجز درمیانی حصے کے آدمی ان میں سیدھے طور پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ مدور ہوتے ہیں مینہ اور شبنم کے قطرے اِدھر اُدھر سرک جاتے ہیں اور اندر نفوذ نہیں کر سکتے۔

قصباتی باشندے اپنی عادات و رسوم میں بلحاظ مقام بود و باش و حالات متعلقہ کے بدلتے رہتے ہیں۔

بروہی ہوں یا بلوچ، قبائلی اقوام میں امور ذیل کی پابندی لازمی خیال کی جاتی ہے:-

(۱) پناہ گیرندہ کی حمایت میں لڑ مرنا۔ پناہگزین کو "بھاوٹھ" کہا جاتا ہے اور جب تک وہ اپنے محافظ کی پناہ میں رہے وہ اسے خوراک بھی دیتا ہے۔ اس ملک میں یہ بھی عربوں ہی کی خصوصیت کی یادگار ہے۔ کیونکہ جو کوئی مصیبت زدہ اُن کی پناہ میں آتا جس نے ان کی حمیت پر بھروسہ کیا ہوتا۔ تو پھر اس کی مدارات دوستوں کی سی نہیں۔ بلکہ عزیزوں اور قرابت داروں کی سی ہوتی۔ اور ایسے مہمان کی جان مقدس اور محترم ہو جاتی۔ میزبان کو اس کی حفاظت بسا اوقات اپنی جان پر کھیل کر

بھی واجبات سے ہوتی۔ اگرچہ اسپر یہ کیوں نہ ثابت ہو جائے کہ پناہ میں آیا ہوا اسکا جانی دشمن ہے جس کی تلاش اور جستجو میں سرگردان تھا (۳) خون کا بدلہ لینا (۳) گم شدہ جانوروں کی تلاش میں امداد دینا۔ اور دوسروں کے اس مال کی حفاظت کرنا جو توکیل میں دیا جائے (۴) عورت۔ ہندو۔ کمیں۔ اور ایسے لڑکے کو جو پاجامہ نہ پہنتا ہو قتل کرنے سے احتراز کرنا۔ (۵) ہمان کی ذات اور جائداد کی حفاظت کرنا۔ (۶) مجرم کے کنبے کی عورت کی استدعا پر جرم کو معاف کر دینا۔ یا بصورت ثانی اس عورت کو بطور نشان عزت کپڑوں کا جوڑا دیکر رخصت کرنا (۷) جو مجرم کسی فقیر یا بزرگ کی خانقاہ میں داخل ہو جائے۔ جب تک اسکے احاطہ یا چار دیواری کے اندر رہے اسکے قتل سے پرہیز کرنا (۸) جب ملا یا سید یا عورت سر پر قرآن اٹھا کر یا ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر فریقین میں دخل دے۔ تو لڑائی کو بند کر دینا (۹) زانی اور زانیہ کو موت کی سزا دینا۔

زنا کے متعلق ایسی سزا کا رواج قبائلی علاقہ میں ہی ہے۔ جسے غیرت کہا جاتا ہے برخلاف اسکے اگر شہر سبی اور شہر کوئٹہ کی حالت پر نگاہ ڈالی جائے۔ تو لامحالہ کہنا پڑیگا کہ ان میں بیشمار راحتوں اور خوبیوں کا سامان موجود ہونے کے علاوہ اخلاقی بربادی کے اسباب پائے جاسکتے ہیں۔ وہ فسق و فجور اور فحش و زناکاری کے قحبہ خانے یعنی چکلے ہیں ؛

جہالاء ان کے بروہی عربوں کے بدوؤں کی طرح مختلف قبائل میں منقسم ہیں۔ اور ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے سردار کی زیر اطاعت رہتا ہے اور یہ بھی عربوں ہی کی حکومت کی ایک یادگار ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ عربوں کا یہ قومی دستور تھا کہ جہاں آباد ہوتے۔ قبیلہ وار مختلف بستیاں بنا لیتے۔ ہر ایک قبیلہ کا اپنا اپنا جدا حصہ۔ جدا مکانات۔ جدا مسجد۔ جدا بازار حتیٰ کہ قبرستان بھی جدا ہوتا۔ اور عام آبادی سے علیحدہ رہتے جیسا کہ ہندوستان میں انگریز شہروں سے باہر اقامت کے عادی ہیں۔

یہ قومی خصوصیات ایران۔ افغانستان۔ اور سندھ تک ہی عربوں کے ساتھ نہ رہیں۔ بلکہ پنجاب میں آکر بھی باوجودیکہ ملک عرب کو چھوڑے ہوئے صدیاں گذر چکی تھیں۔ پھر بھی بعض خصوصیات ان سے مختص ہیں۔ چنانچہ ہمارے جدامجد شیخ سید محمد فاروقی (نور اللہ مرقدہٗ) جب شیر گڈھ سے نقل مکانی کر کے ایمن آباد آئے۔ تو بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر آپ نے ایمن آباد سے متصل ایک میل کے فاصلہ پر بجانب غرب اراضیات جاگیر میں قریہ "کوٹلی" آباد کیا۔ اور اس میں جداگانہ سکونت اختیار کی اور قبرستان بھی علیحدہ کر لیا جو اب تک چاہ ظاہر والہ پر واقعہ ہے۔

یہی نہیں بلکہ آپ کی اولاد میں سے جدّ محترم شیخ فتح اللہ فاروقی (انا الیہ راجعون) جب مظالم سکھی کی وجہ سے ایمن آباد سے ترک سکونت پر مجبور ہوئے اور آپ نے قصبہ ساروکوٹ کو اقامت کیلئے منتخب کیا۔ تو وہاں بھی اپنا قبرستان جدا تجویز کیا گیا۔ جو آجتک چاہ فقیراں کے متصل موجود ہے۔

ازیں قبیل خصوصیات کا برقرار رکھنا اسلئے زندگی کا جزو لاینفک تھا۔ کہ اینگلو سیکسن کی طرح عرب اپنے آپ کو اشرف المخلوقات میں اشرف ترین سمجھتے تھے اور بلحاظ تہذیب و معاشرت اور شجاعت و تہور اس بات کے مستحق بھی تھے

عربوں نے (بنی اُمیہ تھے یا بنی عباس) اپنے عہد حکومت میں توران یا جہالاوان میں جس قدر اشاعت اسلام کا کام کیا وہ اس قدر کافی تھا کہ ان کے بعد انکے غیر عرب جانشینوں کے لئے مزید اشاعت کی گنجائش نہ رہی۔ مگر امتداد زمانہ سے اب مذہبی حیثیت کے لحاظ سے باعتبار عمومیت جہالاوان کے بروہی نماز اور دیگر فرائض سے بہت بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ اور ان میں سے اکثر صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان ضرور ہیں مگر یہ پتہ نہیں کہ اسلام ہے کیا چیز؟

جہالت اور بے علمی کی وجہ سے ان میں دینی ہو یا دنیوی۔ تقدم و ترقی کا احساس اور کوئی داعیہ نہیں پایا جاتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ قریۂ نیچارو کے ایک مُلّا کی ذاتی سعی سے چند ابتدائی کتب دینیہ کا ترجمہ بروہی زبان میں ہوا ہے۔ تاکہ بروہیوں کی مادری زبان کے ذریعے ان میں ترویج دین ہو سکے۔ ایسی مساعی قابل تحسین ضرور ہیں۔ لیکن انفرادی کوششیں تمام ملک کی اصلاح کے لئے کفایت نہیں کر سکتیں۔ کاش کہ خانان قلات کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی۔

۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ہم دوبارہ قلات آئے۔ اور میر عبدالکریم زرک زئی ہی کی بستی میں اقامت پذیر ہوئے۔ ۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو جبکہ پولیٹیکل ایڈوائزر صاحب کی ملاقات کے لئے جانیوالے تھے۔ تو میری سواری کیلئے ایک ایسا گرانڈیل گھوڑا تجویز کیا گیا جس سے کئی دنوں سے سواری نہیں لی گئی تھی۔ اثنار راہ میں گھوڑے نے شوخی اختیار کی۔ میں نے ہر چند روکا مگر وہ لے اڑا۔ اور ایک پرانی خشک کاریز کے ایک کنوئیں کے کنارے پر جہاں سے کنوئیں کا دہانہ صرف ایک بالشت کے فاصلہ پر تھا۔ مجھے گرادیا۔ اگر کنوئیں میں گرتا تو چکنا چور ہو جاتا۔ پر مجھے خیمہ میں لایا گیا۔ پولیٹیکل ایڈوائزر صاحب نے ایک مرہٹہ فوجی ڈاکٹر کو علاج کے لئے بھجوایا۔ اور خود بھی تشریف لائے۔ تین چار دن کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا

۱۳ اکتوبر ۹۴ء کو قلات سے روانہ ہو کر ۱۵ اکتوبر کو ہم کوئٹہ پہنچے۔ اور بارنس سرائے کے زیرین حصہ میں ٹھیرے۔ اس سے چند روز بعد نیز ایکسیلنسی لارڈ ایلجن صاحب وائسرائے ہندوستان کوئٹہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور براؤن جمخانہ میں جو شہر سے باہر ایک پرفضا جگہ ہے۔ دائسریگل دربار منعقد ہوا جس میں سردار یوسف خان بحیثیت چیف آف جہالاوان کے شامل کیا گیا۔ اور مجھے بحیثیت اتالیق معتمدین کے زمرہ میں شمولیت دربار مذکور کا اتفاق ہوا۔ میرے لئے یہ پہلا وائسریگل دربار تھا۔ جسے میں نے اس طرح سے دیکھا۔ جنرل سر جیمز براؤن ایجنٹ گورنر جنرل و چیف کمشنر بلوچستان نے ایڈریس پڑھا۔ اور ہز ہائی نس میر محمود خان والئے قلات جی۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطاب سے سرفراز کئے گئے ؛

گوجرانوالہ
یکم نومبر ۱۹۳۰ء

قاضی نظیر حسین فاروقی۔ ریٹائرڈ مستوفی۔

[illegible] کی اشاعت بڑھانا اور اشتہارات کے ذریعہ دنیا قوم کی سب سے بڑی [illegible]

تعارف

سوانح حیات مولوی میر محمد عبید اللہ صاحب ذبیحی عباسی محقق اقوام ہندوستان

(منتظم المورخین پنشنر سب جج ہزار۔ امروہی)

(گذشتہ) (نمبر ۲۰) (آئندہ)

تعلقات گورنمنٹ (عل گنور ضلع بدایوں) چونکہ مورخ صاحب کے نام پروانہ منظوری گورنمنٹ صاحب انسپکٹر جنرل جیڈری کی پیشگاہ سے بلا توسط ضلع جج صاحب مراد آباد صادر و موصول ہوا تھا۔ لہذا مورخ صاحب بوجہ اثر مرض وجع المفاصل امروہہ سے سیدھے یکم اگست ۱۹۰۱ء کو گنور پہنچے۔ جس سے وہاں کا سابق جیڈر پنڈت دیسی پرشاد از حد حیران ہوگیا۔ کیونکہ اسکے پاس انسپکٹر جنرل جیڈری کا حکم بذریعہ جج مراد آباد ہنوز نہ پہنچا تھا پس اس نے جوابی تار آپ کو چارج دینے جانے کو جج صاحب کے روانہ کیا جس کا جواب دوسرے روز آگیا۔ اور مورخ صاحب نے عہدۂ جیڈاری کا کام تیسری اگست سے لے لیا۔ مقام گنور میں نام مکانات کے باعث بہتر مسکن جلد نہ مل سکا۔ پس مورخ صاحب وہاں کے زمیندار اعظم چودہری لطف علی انصاری کے مکانات پر مقیم رہے وہ بہت ہی خلیق و خوش مزاج تھے۔ وہ مورخ صاحب کے مستقل قیام کی خواستگاری کرتے تھے لیکن آپنے بوجہ ملازمت سرکاری اس امر کو خلاف مصلحت سمجھا۔ گنور کے لوگ اکثر سرکش مانے گئے ہیں۔ لیکن آپکے دوران قیام میں کسی نے گستاخانہ عمل کا اظہار نہیں کیا جیساکہ سابق افسران کرتے تھے چنانچہ سابق العہد جیڈر از حد خائف رہتا تھا اور اپنی تبدیلی کو مغتنمات سے سمجھا۔ مورخ صاحب یہاں۔ پانچ سال۔ پانچ ماہ عمل پیرا رہے۔ آپ کے یکماہہ ایام رخصت میں منشی فرید احمد صاحب فاروقی امروہوی جو اب کو مستقل سب جیڈر ہوئے۔ آپ کی قائم مقامی پر مامور ہوئے تھے۔

قیام نگینہ ۲۲۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کو آپ کی تبدیلی مقام نگینہ ضلع بجنور کو ہوئی۔ جہانپر آپ سات سال اور دو ماہ تک کام انجام دیتے رہے۔ گنور کے معمولی زمیندار بالعموم انصاری قوم سے ہیں۔ اور مادری نقص سے کمتر خالی ہوں گے۔ نگینہ میں مختلف النسل مسلمان آباد ہیں۔ جنمیں میر سرائے کے علوی شیعہ مذہب اور محلہ سید واڑہ کے سنی المذہب ہیں محلہ قاضی سرائے کے قاضی نسل کے صدیقی کہلاتے ہیں۔ سب آپ کے ساتھ اخلاص رکھتے رہے۔ البتہ ایک مسلمان کلال زمیندار اور ایک ہندو بنیہ ساہوکار نے آپ کی سخت مزاجی کی شکایات مراد آباد کیں۔ جس کے نتیجے میں وہ مخاطب خاسر ہوکر مطیع و منقاد بنگئے۔ یہاں کے بہترین اشخاص میں سید ارشاد علی قریشی و شیخ عبدالعلی اور شیخ عبدالواسع و حکیم اسمٰعیل۔

میر عابد علی۔ اور منشی ضمیر احمد مختار قابل ذکر اور آپ کے عنایت فرما ہیں۔ مولوی عبد الحی وکیل دیوانی نے آپ کے حصہ موضع یعقوب پور بلوچ تحصیل دھاریوال کی تقسیم میں آپ کی مدد دی۔ اور منشی ضمیر احمد مختار نوجداری نے بعض اراضیات مزروعہ واقع سوادامروہہ کی بندوبست میں عمدہ پیروی کی۔ انسپکٹر ان رجسٹری بابو کشن سیوک لعل بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اور راجہ رام بی۔ اے نے بہنگام معائنہ دفاتر رجسٹری مورخ صاحب کے کام میں اغلاط برآمد کرنے کی بانعموم کوشش کی۔ لیکن بفضل ایزدی ان کی مساعی متعصبانہ غلط کی مثال مسترد ہوتی رہیں۔ نگینہ میں سات برس اور دو ماہ کام انجام دینے کے بعد جہانسی دوبارہ آپ تعینات پر رہے۔ انسپکٹر جنرل نے مورخ صاحب کی تبدیلی مقام سدھور ضلع بارہ بنکی کو فرمائی۔

قیام سدھور ضلع بارہ بنکی آخر ماہ فروری ۱۹۱۴ء کو مورخ صاحب لاہور پہنچے۔ جہاں کا کار دفتری حد درجہ ناکارہ و خراب تھا۔ خرابی قسمت سے گورنگینہ کے دفاتر بھی آپ کو ابتر حالت میں ملے تھے۔ لیکن سدھور کا سابق رجسٹرار سب سے زائد کم علم اور ناقابل تھا۔ جسکے نقائص کار دکھلانے کو حسب الحکم ضلع جج صاحب لکھنؤ۔ کاغذات پراگندہ دفتر کا منتظم کرانے کو سب جج بارہ بنکی کے پاس جانا پڑا۔

اس بے رونق دنا پسندیدہ مقام میں جو ریلوے سٹیشن صفدر گنج سے تیرہ میل فاصلہ پر تھا۔ آزوقۂ خورش میں لحم بز اور آلو کی ترکاری کے سوا دیگر اشیاء کمیاب تھیں۔ بوجہ برداشتہ طبعی کے یہاں سے ہر ممکن الحصول رخصت کے لینے میں ہرگز آپ نے کوتاہی نہ کی۔ چنانچہ اول رخصت ماہ اپریل ۱۹۱۴ء میں لیکر مورخ صاحب وطن امروہہ کو گئے۔ دو ماہہ قیام وطن کے بعد ماہ جولائی کے وسط میں ریاست جاورہ کے عازم ہوئے جہاں پہنچکر آپنے اپنی دوسری شادی مسماۃ مخدوم جہان بیگم دختر مرزا اختیار خان صاحب کے ساتھ ۱۴ جولائی ۱۹۱۴ء کو کی۔ مرزا اختیار خان صاحب کارشتہ نواب صاحب جاورہ سے اور مخدوم جہان صاحبہ کا نسب مادری نوابصاحب لوہارو عمائد دہلی سے ملتا ہے یہ شادی مورخ صاحب نے بوجہ اولاد نرینہ نہ ہونے کے بتوسط وسعی مرزا محمدی بیگ صاحب و مرزا واجد علی بیگ صاحب دہلوی آپکے محبان خالص اولاد کے کی تھی۔ آپ کی زوجہ ثانیہ آپکے ساتھ لاہور میں طوعاً و کرہاً ایک سال قیام پذیر رہیں۔ ان کی طبع نازک ایسے غیر مانوس و منحوس مقام میں کب لگتی ناچار ۱۹۱۵ء میں دوبارہ ششماہہ رخصت حاصل کرکے آپ جاورہ داخل ہوئے۔

سیاحت پالن پور جاورہ سے بمزید تودد و اشتیاق نواب سر شیر محمد خانصاحب بہادر والئی پالنپور اس ریاست کو مورخ صاحب تشریف لیگئے۔ نواب صاحب ممدوح کے فرستادہ منشی میر گلاب میاں صاحب سرکار آپ کے لینے کو ریلوے سٹیشن پر مع سواری خاصۂ نواب صاحب موجود تھے جنہوں نے آپ کو ہمراہ لے جاکر باغ دلکشا کے ایک عالیشان بنگلہ میں فروکش کرایا۔ دوپہر کا وقت تھا اطعمۂ لذیذہ باورچی خانہ ریاست سے عطا ہوئے۔ منشی گلاب میاں بھی ہمراہ تھے۔ یہ دو دن قیام کے واسطے دو باورچی مع تمام اسباب خوردنی کے مورخ صاحب کی قیام گاہ پر حاضر کئے گئے۔ اور حکم ہوا کہ جس وقت اور جس قسم کا طعام آپ کے پسند خاطر ہو۔ طیار کیا کریں۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ رئیس لوگ اکثر بوقت

اور دلیر خوری کے عادی ہوتے ہیں۔ چائے نوشی کے ظروف واشیاء مورخ صاحب نے واپس کردیں۔ کیونکہ آپ حقہ وچاء نوشی و پان خوری کے مطلق عادی نہیں ہوئے۔ آپ نے صرف دو وقت طعام کا انصرام چاہا۔ اس واقعہ پر نواب صاحب بہت متعجب و خاطر ہوئے۔ کیونکہ اس دور فرنگ پسندی میں ہر فرد بشر ان اشیاء کے استعمال کا دلدادہ ہے۔

ملاقات نواب صاحب بہادر دوسرے روز سواری خاصہ نواب صاحب میں مورخ صاحب سوار ہوکر جس میں اعلیٰ قسم کی سفید عربی گھوڑے لگائے جاتے تھے۔ مع میر منشی گلاب میاں محل کے دیوانخانہ پر جو وسط محلات میں واقع ہے آپ داخل ہوئے۔ نواب صاحب اپنی ذاتی فروتنی وخلق عمیم سے اپنے گہوارۂ نقرئی سے استادہ ہوئے۔ قبل آپ کے آوائے آداب کے نواب صاحب نے بقاعدۂ اسلامی السلام علیکم فرمایا۔ آپ نے بھی آداب ادا کیا۔ پھر حضور نواب صاحب مرحوم نے دست مبارک بڑھا کر آپ کو شرف مصافحہ بخشا۔ حسب منشائے والا گہوارۂ خاص کے دست راست کی نقرئی کرسی پر مورخ صاحب اور دست چپ کی ایسی ہی کرسی پر گلاب میاں جاگزین ہوئے۔ نصف گھنٹہ تک بعد مزاج وصحت پرسی کے تاریخی حالات کا تذکرہ رہا بوقت واپسی آپ نے آداب ادا کیا۔ اور حضور نواب صاحب نے بار دگر مصافحہ وسلام علیکم فرمایا۔ منشی گلاب میاں کو قابل دید مقامات مثل اسپتال و مدرسہ وعدالت و مسافرخانہ وخیرات خانہ ومقابر و گنبدہائے گورستان ریاست وغیرہ کی سیر کرایا کریں۔

ملاقات صاحبزادہ ولیعہد بہادر بعد دوسری ملاقات نواب صاحب کے صاحبزادہ ولیعہد طالع محمد خانصاحب کے دولتکدہ پر ان کی ملاقات کو ان کی طلب فرمائی پر مع گلاب میاں آپ کو جانا پڑا۔ صاحبزادہ صاحب نے بھی بعد سلام باہمی استادہ ہوکر مصافحہ فرمایا۔ اور کرسیوں پر نشست کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب بہادر حسب اقتضائے زمانہ انگریزی وضع وقطع کے پابند گندم گون نوجوان اور حال میں پانیر رکے نواب ہیں۔ برعکس اسکے مرحوم والئی ریاست خوشرنگ لاغر اندام ہندوستانی ملبوسات کے عادی تھے اور چہیاسٹھ سالہ عمر میں بھی خوش وضع معلوم ہوتے تھے۔

(باقی دارد)

جواب!

خدا اگر فلسفی تالیف حیرت جو نہ ہوتی ‖ اگر دماغ میں وہ سماتا دو نیم پھر آرزو نہ ہوتی ‖ اگر وہ محفل میں گنگناتا نکل کے پردے سے بے صبا ‖ رباب خم کرگہ نہ بجتا نوائے سار رفو نہ ہوتی

اگر دلیل کو دیکھ سکتی اگر نظر کو دکھا سکتی ‖ جنوں کا ہونہ کوئی پیاں وفا کی کچھ آبرو نہ ہوتی ‖ اگر وہ غنچہ کیطرح اپنی تمام خوشبو نہ بند رکھتا ‖ چمن کبھی بھی نگاہ نہ آتے صبا کبھی مشکبو نہ ہوتی

ہماری چشم حواس سے وہ اگر نہ کرتا حجاب اتنا ‖ فسردہ رہتی نگاہ مستی بہا جام و سبو نہ ہوتی

فضائے دلبر جو اسطرح تنگ چھپا یا تو کوت انسکا ‖ نئے نئے رمز سے نہ چھڑتے جدا جدا گفتگو نہ ہوتی

جوش

بادۂ کہن

مسلمانو! بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے؟ تمہارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے؟
اگر کچھ ہے! تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے! حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے؟
تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر؟
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر؟

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں! کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں!
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں! تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی تو میں!
شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدردانی کرتے تھے دل سے

تمہاری عزتیں تھیں اوج تہ رتبہ تھا نمایاں تر! تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں!
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں! تمہیں تم تھے زمانے میں تمہاری داستانیں تھیں!
غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو!!
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو!!

تمہارا اتفاق باہمی دیوارِ آہن تھا مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمہاری ہمتوں کا نوشِ اعظم برنشیمن تھا تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا
تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ مذہب کے جھگڑے تھے! نہ یہ انسان پرستی تھی! طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی!
نہ دل میں بغض و کینہ تھا نہ ہمت میں یہ پستی تھی! نظر میں مظہرِ نورِ حقیقت ساری ہستی تھی!
تمہاری وضع و کیش بھی تمہاری شان عالی تھی!
خوش اخلاقی تمہاری مظہرِ شانِ جلالی تھی!

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چین باقی! نہ وہ حسنِ عمل باقی! نہ اب وہ حسنِ ظن باقی!
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی! نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِّ یارانِ وطن باقی!
جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی!
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی؟

غضب ہے حبِّ اسلامی سے خالی سب کا سینہ ہے عقیدوں میں اگر کچھ فرق ہے آپس میں کینہ ہے
بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا جینا ہے یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینہ ہے؟
کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم بے غرض اُلفت؟
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ یک مرض اُلفت!

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو اُٹھو! تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھا تجربے، اطراف دنیا میں سفر سیکھو خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ!
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو! جوش میں آؤ!

میں تم سے کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گذرتی ہے! تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے خلش سینہ میں ایسی ہے کہ وہ بے چین کرتی ہے
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد!!
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد!

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے کلام خوش کلاماں رنگ با معنی بدلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے مگر شوقِ عمل ہو، واقعی تب کام چلتا ہے
توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو!
کلامِ دلکشِ اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو!

اکبر

بقیہ از صفحہ ۳۲

"اچھا خدا تمہیں معاف کرے۔ میں تم سے بھی زیادہ گناہ گار ہوں!"

جمشید کے دل سے گھر جانے کی رخصت ہو چکی تھی۔ وہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی سے جہاں سے اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بسر کیا تھا۔ اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ اس کو چھوڑ کر جانا اُسے گوارا نہیں تھا۔ دنیا اسپر تنگ تھی۔ اور وہ جیل کی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا بیقراری کے ساتھ موت کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر جب اس کی سزائی کا حکم صادر ہوا۔ تو اس کی پاک روح

باقی برصفحہ ۱

فرمانِ پدری

اورنگ زیبؒ کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کو اُس نے کس طرح تکمیل کے ساتھ سمجھا تھا۔ اور وہ اپنی اولاد کی تربیت کس طرح کرتا تھا۔

۱۶۵۴ء میں اورنگ زیبؒ دکن کا وائسرائے تھا اور اسکا بڑا بیٹا محمد سلطان جس کی عمر اس وقت صرف ۱۵ سال کی تھی امیر کی طرف جارہا تھا کہ شاہجہان کے دربار میں حاضر ہو۔ تو اورنگ زیبؒ نے اسے خط بھیجا۔ جسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیموری شہزادوں کے اوقات کیا تھے۔ اور ان کی زندگی کیسی مصروف و منہمک ہوا کرتی تھی ؛

اورنگ زیبؒ اپنے بیٹے سے خطاب کرکے ہدایت کرتا ہے۔ تم سفر میں ہو یا حضر میں، طلوع آفتاب سے کم سے کم ۲ گھنٹہ قبل بستر چھوڑ دو۔ ۴۰ منٹ میں نہاکر اور کپڑے پہنکر باہر آجاؤ۔ اور نماز فجر ادا کرو۔ اس کے بعد کلام مجید کی تلاوت کرو۔ اور بعد ازاں ناشتہ سے فارغ ہو۔ اگر تم حالت سفر میں ہو۔ تو طلوع آفتاب کے ۴۰ منٹ بعد گھوڑے پر سوار ہوجاؤ۔ اگر راستہ میں شکار کرو تو اس کا خیال رہے کہ خیمہ گاہ پر وقت مقررہ کے اندر لازمی طور سے پہنچ جاؤ۔ اگر جائے قیام پر پہنچکر زیادہ خستہ نہ ہو۔ تو عربی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ ورنہ آرام کرو۔ دوپہر کے ۴ ۲ منٹ بعد جب سورج ڈھلنے لگے۔ اپنے خیمہ سے نماز ظہر کیلئے باہر آجاؤ اور نماز جماعت کیساتھ ادا کرو۔ کھانے اور قیلولہ میں زیادہ سے زیادہ عصر تک وقت صرف کرنا چاہئے۔ اگر دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کی ضرورت نہ ہو تو یہ وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کرنا چاہئے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر بی پڑھو اور غروب آفتاب سے ۴ ۲ منٹ قبل امراء کی جماعت میں بیٹھو۔ اور نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد بھی ۴ ۲ منٹ ان کی صحبت میں صرف کرو۔ اور نماز عشا سے فراغت حاصل کرکے ۹ بجے بستر پر چلے جاؤ۔ حالت سفر میں جو دن قیام کرنیکا ہو اس میں علاوہ ان کاموں کے جو اس سے قبل ظاہر کئے گئے ہیں ہر صبح ۴۸ منٹ تیر و تفنگ کی مشق میں صرف کرو۔ اور طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ ۴ ۲ منٹ بعد ۴۵ منٹ تک عام جلسہ میں امراء کے ساتھ خلوت میں اسکو انجام دو۔ ورنہ یہ وقت عربی پڑھنے میں صرف کرو ؛

کوچ کے دن قرآن شریف کے دو رکوع اور قیام کے دن تین رکوع پڑھنے کا التزام رکھو۔ اگر منزل طویل ہو تو نماز فجر پڑھتے ہی روانہ ہوجاؤ۔ اور ناشتہ راستہ میں کرو۔ بے وقت سفر کرنے سے ہمیشہ احتراز کرو۔ اگر راستہ میں تم شکار کرنا چاہتے ہو تو اپنی فوج کو میر بخشی کی ماتحتی میں پڑاؤ کی طرف روانہ کردو۔ اور مخصوص آدمیوں کو ساتھ لے کر شکار کو جاؤ۔

سوائے محمد طاہر کے (جو شہزادہ کا اتالیق تھا) اور کسی افسر کو جو دو ہزار سپاہیوں سے کم کی کمان کرتا ہو اپنی فوج کے آگے نہ چلنے دو۔ ہمیشہ ضرورت کے مطابق گفتگو کرو۔ جو لوگ خطاب کے اہل نہیں ہیں ان کو بلطائف الحیل ٹالدو۔

مجھے یہ سُنکر صدمہ ہُوا کہ تم بعض وقت صرف قمیص اور پاجامہ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہو۔ اکبرنامہ کا مطالعہ اکثر کیا کرو تاکہ تمہاری تحریر اور تقریر درست ہو۔ لیکن تاوقتیکہ تم الفاظ اور جملوں کی ترکیب کو اچھی طرح ذہن نشین نہ کر لو۔ اس وقت تک ان کا استعمال نہ کرو جو بولو یا لکھو۔ اس پر پہلے کافی غور کر لو۔

(سید ظہور احمد)

غزل

غریقِ قلزمِ انوارِ جستجو ہوں میں!
خوشا نصیب کہ ناکام آرزو ہوں میں

غرور جس نے فرشتوں کا ایک دم توڑا
زبانِ عرش کی پہلی وہ گفتگو ہوں میں

تھا برگ خشک مگر شبنم محبت سے
مثالِ گلشنِ فردوس رنگ و بو ہوں میں

نظر بخویش نہ کیوں دل کے آئینے میں رہوں
شہید شیوۂ سروِ کنار جو ہوں میں

میں اپنی آنکھوں میں بیٹھا ہوا ہوں بنکر مشک
نمازِ عشق کو ہر دم ہی باوضو ہوں میں

مجھے بچا لے اے بزمِ وفا خدا کیلئے!
فریب خوردۂ اندازِ ماتو ہوں میں

یہ کس کی چشمِ مئے پاش کا تصور ہے
کہ اسکے آتے ہی سرشار بے سبو ہوں میں

ملی ہے مثلِ سحر مجھ کو چاک دامانی!
خدا کا شکر کہ بیگانۂ رفو ہوں میں

نہ پوچھ درد کی ہمدم نوا کی گرمی سے
ٹپک پڑے جو نگاہوں سے وہ لہو ہوں میں

خزف کہ گوہرِ تاباں ہوں جو بھی ہو لیکن
وہ آب رکھتا ہوں خود اپنی آبرو ہوں میں

نہ کیوں ناز مجھے اپنے آپ پر شاکر
خطیرِ قدس کی نادر سی آرزو ہوں میں!

شاکر صدیقی

کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ

(ہر شئے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے)

سید علی نامی ایک صاحب غریب گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد چنداں تعلیم یافتہ نہ تھے اور نہ خوشحال تھے۔ اور اس لئے اپنی اولاد کو تعلیم نہ دلوا سکے۔ سید علی نے محلہ کے مکتب میں معمولی طور پر اردو فارسی پڑھی تھی۔ اور سادہ خط و کتابت کے ساتھ ان میں کسی طرح کی قابلیت نہ تھی۔ والد کے انتقال کے بعد انہیں معاش کی فکر ہوئی۔ آدمی خوبرو و بلند و بالا تھے۔ لوگوں نے صلاح دی کہ پولیس کی ملازمت اختیار کرو چنانچہ انہوں نے کوشش کی اور بہت آسانی کے ساتھ سپاہیوں میں بھرتی ہو گئے۔ ان کو چھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی قلیل رقم میں آدمی گذر نہیں کر سکتا پس انہوں نے توسیع آمدنی کے وہ ذرائع اختیار کئے۔ جنکے لئے پولیس بدنام ہے۔ اس پاک اور ناپاک آمدنی کے مجموعہ سے وہ اپنا کام چلاتے تھے اور ایک حد تک آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لوگ مجھ سے متفق الرائے ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن میں اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ انسان کے اکل شرب کو اس کے اخلاق و عادات اور افعال و خیالات میں بہت کچھ دخل حاصل ہے چنانچہ ایسی غذائیں جن کو جائز وسائل سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ انسانی دماغ میں خیالات فاسدہ پیدا ہوتے ہوتے ایک دن ضرور عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ انہیں عبادت میں لطف نہیں آتا تھا۔ غور کرتے رہے کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ سوچتے سوچتے انہیں یاد آیا کہ ایک جگہ سے جو کئی منزل دور واقع تھی۔ سفر درپیش ہوئے تو انہوں نے خرمے خرید کئے تھے ایک خرما ترازو کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اور یہ بات مشتبہ تھی کہ آیا وہ تول کے اندر رہے یا خرمے والے کی ملکیت ہے اس اشتباہ کے باوجود انہوں نے وہ خرمہ اپنے خرموں میں شامل کر لیا پس یہ مشتبہ خرمہ غذا میں شامل ہو جانے کی وجہ سے عبادت بے کیف اور بے لطف محسوس ہوتی تھی۔ بزرگ موصوف یہ خیال آتے ہی اس شہر کو جہاں سے خرمے خریدے تھے روانہ ہو گئے۔ اور خرمہ والے کو اس مشتبہ خرمے کی قیمت واپس کر کے آئے ممکن ہے کہ اس طرح کی مثالیں ان لوگوں کے لئے کچھ سبق آموز ثابت نہ ہوں۔ جن کے ہر بن مو سے یہ صدا نکلتی ہے کہ ؎

آسے پرزحرام کاسہ دکوزہ ما

لیکن جن دلوں میں سیاہیوں کے باوجود نور کی ایک کرن موجود ہے وہ جائز و ناجائز کے امتیازات کو ضرور سمجھ سکتے ہیں۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ سید علی نے اپنی جائز آمدنی میں ناجائز رقم شامل کی۔ اور ناجائز خوراک ان کے بدن میں پہنچ کر بعد انہیں محسوس ہونے لگا۔ [illegible] دوڑنے پھرنے [illegible] اب خالص نہیں رہا اور دل و دماغ

کے سادہ اوراق پر گناہ کے دخانی نشانات پیدا ہونے لگے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ آثار نمایاں ہونے لگے اور جس طرح افلاس نے انہیں رشوت خوار بنا دیا تھا اسی طرح شباب نے بدکار بنا دیا۔

(۲)

سید علی سیاہ کاریوں کے باوجود نہایت محنتی جفاکش اور مستعد شخص تھے۔ وہ اپنے فرائض کو بڑی قابلیت سے انجام دیتے تھے ظاہری وجاہت بھی قدرت نے انہیں عطا کی تھی۔ ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حکام کی نگاہ ان پر پڑنے لگی۔ ایک ڈاکو کی گرفتاری میں انہوں نے ایسی دلیری اور بہادری دکھائی کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ان کی حریفوں نے حکام بالا کے سامنے ان کی تعریف کی۔ اس کارنامہ کے صلہ میں ان کو ہیڈ کانسٹیبل بنا دیا گیا۔ تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا اب ممکن تھا کہ سید علی رشوت چھوڑ دیتے۔ کیونکہ تنخواہ ایک حد تک ان کی ضروریات کے لئے کافی تھی۔ لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ تنخواہ کے اضافہ کے ساتھ ان کی رشوت ستانی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اور اب ان کو پہلے سے زیادہ ناجائز آمدنی کے مواقع ملنے لگے آمدنی بڑھی تو اپنے ساتھ گناہوں کی ایک نئی فہرست لائی۔ اور پہلے عیش و نشاط کے جن مشاغل کو چھوٹے پیمانہ پر انجام دیا جاتا تھا اب وہ زیادہ وسعت کے ساتھ صورت پذیر ہونے لگے۔ ان واقعات سے میاں سید علی کی عاقبت جو کچھ بھی خراب ہوئی ہو۔ اور ستم رسیدوں کی آہوں نے عرش بریں تک پہنچکر ان کی مخالفت کی ہو۔ لیکن ان کی دنیوی عزت و احترام اور کامیابی و ترقی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ وہ ایک انگریز کے مال مسروقہ کی بازیافت پر سب انسپکٹر بنا دیئے گئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہ ابتدائی مدارج طے کر کے ایک اسٹیشن کے انچارج ہو گئے۔ ایک سب انسپکٹر کو اپنے اسٹیشن پر جو شاہانہ اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ لوگوں سے مخفی نہیں سید علی کی حالت میں انچارج ہوتے ہی نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ ان کی آمدنی اب پانچسو روپیہ ماہوار سے زیادہ تھی۔ قرب وجوار میں کوئی ایسا خوشحال اور صاحب جائداد شخص نہ تھا۔ جو ان کے زیر اثر نہ ہو۔ ان کی عمر اب تیس چالیس سال کے درمیان تھی۔ لیکن ہنوز انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ اس کمی کو انہوں نے اس طرح پورا کیا تھا کہ دو سو روپے ماہوار پر ایک طوائف ملازم رکھی تھی۔ نصف درجن مصاحب ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔ فرائض منصبی سے جس قدر وقت بچتا تھا یا بچایا جا سکتا تھا وہ اسی عیش و عشرت میں بسر کیا جاتا تھا۔ جس کی مثالیں واجد علی شاہ کی سوانحعمری کے سوا کہیں نہیں مل سکتیں ؛

(۳)

سب انسپکٹر صاحب کے دوستوں میں میر جعفر حسین رضوی نامی ایک رئیس تھے جو اثنا عشری مذہب رکھتے تھے۔ بڑے خلیق اخلاق بنی فاطمہ کا ایک نمونہ اور پابند شرع مسلمان تھے۔ شیعہ سنی تفریق سے انہیں سخت نفرت تھی۔ وہ قوم کے تمام فرقوں کے اتحاد کو قوم کے لئے خیر و برکت کا باعث سمجھتے تھے۔ ان کی اصلاحی کوششیں الفاظ تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ وہ ایک عملی انسان تھے ان کو بڑی تمنا تھی کہ قوم سادات قصر پستی سے ابھرے اور دنیا میں اپنی شان عظمت حاصل کرے جس کی وہ مستحق ہے چنانچہ اس مقصد سے وہ محرم کے زمانہ میں بسلسلہ مجالس ایک نئی مجلس منعقد کرتے تھے۔ اس مجلس میں [illegible]

جاتے تھے۔ اور نہ سوز خوانی ہوتی تھی۔ بلکہ چند قابل اشخاص اپنے مضامین اور تقریروں کے ذریعہ سے بنی فاطمہ کے مناقب وفضائل اور ان کی ترقی وعروج کی تدابیر بیان کرتے تھے اس مجلس میں میر صاحب صرف فاطمی سادات کو مدعو کرتے تھے اب چونکہ سب انسپکٹر صاحب ان کے حلقہ تھانہ میں انچارج تھے اسلئے انہوں نے ان کو مدعو کیا اور باصرار مدعو کیا۔ سید علی صاحب سنی تھے۔ لیکن درحقیقت ان کو سنی شیعہ سے کوئی بحث نہ تھی۔ بلکہ سچ پوچھو تو انہیں مذہب سے بھی چنداں سروکار نہ تھا چنانچہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا۔ اور پولیس کی ملازمت اختیار کی۔ اس وقت سے آج تک کبھی نماز نہیں پڑھی۔ عید کے دن وہ کپڑے ضرور بدلتے تھے۔ اُن کا مکان آراستہ ہوتا تھا کئی دن تک جشن منایا جاتا تھا۔ لیکن وہ کبھی عیدگاہ جاتے تھے اور نہ عید کا دوگانہ ادا کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی مظلوم ومصیبت زدہ انہیں خدا ورسُول کا واسطہ دیتا تھا۔ تو وہ اس کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے ان کو اپنی ملازمت کے فرائض انجام دینے کے بعد اگر کوئی کام تھا تو صرف یہ کہ شراب پئیں، دوستوں کے ساتھ فحش مذاق کریں اور دل کھول کر سیاہ کاریوں سے لطف اندوز ہوں۔ جو شخص اپنی عمر کے پندرہ سولہ سال ان سیاہ کاریوں میں بسر کر چکا ہو۔ گناہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہو۔ وہ حد درجہ کا ناخدا ترس بلکہ ناخدا شناس ہو۔ اسے مجالس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ سید علی صاحب میر جعفر حسین سے خاص تعلقات رکھتے تھے اسلئے ان کی دلجوئی کے خیال سے چلے گئے۔ بہرکیف مجلس منعقد ہوئی۔ سنی بھی تھے سیعہ بھی تھے۔ تقریباً ستر اسی آدمیوں کا مجمع تھا۔ لیکن سب سید تھے اور فاطمی سید ہونے کی وجہ سے سید علی صاحب کو بھی شریک کیا گیا تھا۔ مجلس میں کارروائی شروع ہوئی۔ پہلے ایک دو مقررین کی تقریریں ہوئیں۔ اس کے بعد ایک مولوی صاحب نے جنکے چہرہ سے تقدس وبزرگی کے آثار نمایاں تھے اور جن کے لفظ لفظ سے اُن کا صاحب دل ہونا مترشح تھا۔ تقریر شروع کی جو تمام تر بنی فاطمہ کے فضائل وشمائل پر مشتمل تھی۔ لیکن مقرر نے ایسے دردناک اور موثر طریقہ سے تقریر کی کہ حاضرین بے تاب ہو گئے۔ مولوی صاحب موصوف نے حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام زین العابدین کی عبادت وریاضت اور اخلاق حسنہ سنا کر اس زمانہ کے سادات سے موازنہ کیا وہ خود بھی اپنے بیان سے متاثر تھا۔ اس انہوں نے رو رو کر بتایا۔ کہ کیا اسلاف تھے اور اب کیا ان کے اخلاف ہیں۔ سید علی کے لئے عمر بھر میں پہلا موقعہ تھا۔ کہ انہیں اپنے سید ہونے کا احساس ہوا۔ اور پھر معلوم ہوا۔ کہ وہ کن کن بزرگوں کے نام لیوا ہیں۔ ان کا دل بے حد اثر پذیر ہوا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ان کی رُوح مدینہ کی گلیوں میں پھر رہی تھی۔ مجلس ختم ہونے کے بعد وہ اپنے گھر آئے۔ لیکن اس طرح کہ ان کا دل ودماغ بالکل متغیر تھا انہوں نے اسی وقت طوائف اور مصاحبین کو رخصت کیا۔ مکان میں جس قدر آرائش کی چیزیں تھیں۔ انہیں تلف کر ڈالا۔ پُرتکلف لباس کے بجس منگا کر آگ کے سپرد کئے لیکن ہنوز دل کو قرار نہ آیا۔ ملازمت سے استعفا دیدیا اور تمام قیود سے اپنے آپ کو آزاد کر کے سیر وسفر کی زندگی بسر کرنے لگے آخر کار ایک بڑے شہر میں پہنچکر انہوں نے ایک زبردست عالم کی صحبت اختیار کی۔ علم دین حاصل کیا۔ اور پھر مشائخ کی خدمت میں عرصہ تک رہ کر فیوض باطنی سے اور تعلیمات روحانی سے فائدہ اٹھایا۔ آج مولانا سید علی صاحب ایک ایسے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنکے اخلاق وعادات کو لوگ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور

معصوم قیدی

پیوستہ بگذشتہ

پانچواں باب

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

اتفاق سے دوسرے روز تمام قیدی ایک سرکاری کام کو سرانجام دینے کیلئے جیل سے باہر لے جائے گئے۔ تو سپاہیوں کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے اُس دیوار کے نیچے ایک بہت بڑا سوراخ کھدا ہوا پایا۔ جیل کے داروغہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی اس نے تمام قیدیوں کو ایک جگہ جمع کر کے اس امر کی باقاعدہ بازپرس شروع کی۔ لیکن سب نے اپنی لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کیا۔ اور اس کی بابت کسی نے کچھ نہ بتایا۔

آخر کار داروغہ نے جمشید کو جسے وہ ایک راست گو اور حق پسند آدمی خیال کرتا تھا مخاطب کر کے کہا:۔

"بابا! خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتاؤ کہ دیوار میں یہ سوراخ کس نے کھودا ہے؟"

جمشید کے ہاتھ پاؤں خوف کے مارے کانپنے لگ گئے۔ سانس پھول گیا۔ اور ضعف کی زیادتی کے سبب وہ ایک لفظ بھی اپنی زبان سے ادا نہ کر سکا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اس ملعون کی جان کو کیوں بچاؤں جس نے میری عزیز زندگی کو مفت میں برباد کیا ہو۔ ناکردہ گناہ کے عوض جو مصیبت آج تک سینے برداشت کی ہے وہ اب اس بدکردار کو بھی جھیلنی چاہیئے۔ اور پھر کبھی سوچتا۔ کہ اگر یہ راز میں نے ظاہر کر دیا تو ظالم جلاد کوڑوں کی ضربوں سے راشد کی جان نکال دینگے۔ ممکن ہے کہ مینے شب کی ظلمت کو اچھی طرح نہ پہچانا ہو۔ اور وہ غریب یوں ہی بے قصور جان سے مارا جائے۔ بھلا اسمیں میرا کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ خاموش ہو رہا۔ اور اس سے کوئی معقول جواب نہ بن سکا۔

راشد اس وقت قیدیوں کی ایک پچھلی قطار میں کھڑا اس طرح گھنگھنیاں بھر رہا تھا۔ کہ گویا اس معاملہ سے اُس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

"بابا! سچ سچ بتاؤ کہ دیوار کے نیچے یہ سوراخ کس لعین نے کھودا ہے؟" داروغہ نے تحکمانہ لہجہ میں جمشید سے دوبارہ

دریافت کیا۔

"حضور! میں اسکی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا" جمشید نے راشد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ نے جو سزا دینی ہو۔ وہ مجھے دے لیں۔ میں حاضر ہوں"

جیل کے داروغہ نے بہت کوشش کی۔ کہ کسی نہ کسی طریق سے اس بھید کا پتہ چل جائے۔ لیکن اس کی تمام کوشش رائیگاں گئی۔ اور اسے اس بارہ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اسی رات جب جمشید اپنے بوریئے پر لیٹا ہوا۔ خراٹے لے رہا تھا۔ ایک سن رسیدہ آدمی اسکے کمرہ میں داخل ہوا۔ اور چپکے سے اسکے قریب آکر بیٹھ گیا جمشید نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ اور تاریکی میں ادھر اُدھر جو جھانکنا شروع کیا۔ تو پہچان گیا کہ یہ راشد ہے!

"تم اس وقت کیوں آئے ہو؟ تمہارا کیا مطلب ہے؟ چلے جاؤ!" جمشید نے کہا "ورنہ میں ابھی محافظ کو بلاتا ہوں"

"جمشید! معاف کرو۔ خدا کیلئے معاف کرو" راشد نے سر کو جھکاتے ہوئے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا

"تم کیا چاہتے ہو؟" جمشید نے پوچھا

"یہ میں ہی ہوں جسنے اس رات کے اندر تمہارے ساتھ والے سوداگر کو قتل کیا تھا" راشد نے آہستہ سے کہا "میرا ارادہ تمہیں بھی قتل کرنے کا تھا لیکن مینے عین اسی وقت ایک شور سُنا اور دہشت کے مارے خون آلودہ چاقو تمہارے تھیلے میں بند کر کے خود روشندان کی طرف سے باہر نکل گیا۔ جمشید! مینے یہ بہت بڑا گناہ کیا ہے اب میں تم سے خلوص دل کے ساتھ اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو!"

(جمشید بالکل خاموش تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کو اس بات کا کیا جواب دینا چاہیئے؟)

"خدارا مجھ بدکار پر ترس کھاؤ" راشد نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا "میں عدالت کے روبرو اقبالی ہو جاؤنگا کہ اس سوداگر کو مینے قتل کیا تھا اور تم اس طرح سے رہا کر دیئے جاؤ گے"

"میں نے تمہاری خاطر جیل میں رہ کر پورے پچیس سال مصیبت کا سامنا کیا ہے" جمشید نے سرد آہ بھر کر کہا "بھلا اب میں کہاں جا سکتا ہوں جبکہ میری بیوی اس جہان سے چل بسی ہوگی۔ میرے بال بچوں نے مجھے بالکل فراموش کر دیا ہوگا؟"

"یہ سب کچھ صحیح ہے۔ تو نے مجھ غریب پر رحم کھایا اور میری جان بچائی" راشد نے کہا "اگر میرا یہ راز فاش ہو جاتا۔ تو مجھ اُن کوڑوں کی سزا سے ہرگز اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ جتنی کہ اس وقت تمہیں دیکھ کر محسوس ہو رہی ہے میں بدبخت روسیاہ ہوں۔ خدا کے لئے مجھ گناہ گار کی خطا کو معاف کرو"

اتنا کہنے کے بعد راشد ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ جمشید کو اُس کی اس حالت پر ترس آگیا۔ اور اس نے اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالے :-

بقیہ برصفحہ ۲۵

القریش کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یوپی اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر ہوا اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کیگئی۔

"ندوۃ القریش کا یہ اجلاس مولنا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قرشیت کی بطلان وتکذیب سے متعلق تاریخی مواد کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے۔ کہ اظہار تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے

کم از کم ایک سو ایک

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

ونیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ

"القریش"

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں۔

(وزیر ہند پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

۷۸۶

قولہ تعالیٰ

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

تمہیں پیدا کیا گیا، ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ بیشک اللہ کے یہاں تم میں بڑا وہ ہے جو تمہیں

سادات قریش کا قومی آرگن

امرتسر

آلِ قریش

جو

بفرمانِ عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس علیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارسِ محروسہ کے نام جاری ہے!

ایڈیٹین

محمد علی رونق۔ صدیقی

قیمت سالانہ

تین روپے

ہر انگریزی ماہ کی سترہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

مساواتِ اسلامی

(از جناب شباب صاحب بدایونی)

کر کے ہجرت ہوئے جس وقت مدینے میں مقیم
شاہِ دیں سیّدِ کونین رسولِ مختار

بسکہ تھی بندگیٔ خالقِ کُل پیشِ نظر
پڑ گئی فکر کہ اللہ کا گھر ہو تیار

تھا وہاں کوئی نہ معمار نہ کوئی مزدور
اس طرف چند مہاجر تھے اور ادھر کچھ انصار

سُن کے ارشادِ مبارک وہ نفوسِ قدسی
سب کے سب کس کے کمر ہو گئے فوراً تیار

کوئی مشکیزوں میں لانے لگا پانی بھر کر
کوئی گارے کے لئے کرتا تھا تیار تگار

کوئی اینٹیں کوئی پتھر کوئی مٹی لاتا
کوئی اس فکر میں جلدی سے اٹھائیں دیوار

بسکہ مصروف تھے وہ کام میں اپنے اس طرح
ایک کو دوسرے سے جیسے نہ ہو کچھ سروکار

اتفاقاً کہیں نظریں جو اٹھیں لوگوں کی!
دیکھا تو آتے ہیں لادے ہوئے پتھر سرکار

اِک طرف چہرۂ پُرنور پہ چھائی ہوئی دھول
اک طرف سینۂ اقدس پہ اٹا گرد و غبار

عرض کرنے لگے انصار و مہاجر مل کر
ہم تو حمدِ تو گنگا اے فخرِ زمان عرش و فگار

یہ شرف اپنے غلاموں کے لئے رہنے دیں
ہم جو موجود ہیں آرام سے بیٹھیں سرکار

سُن چکے جب شہِ کونین یہ خدام کی عرض
ہنس کے فرمایا کہ بے جا ہے تمہارا اصرار

ہوں تمہاری طرح اک میں بھی خدا کا بندہ
مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے زنہار

یہ مساوات تھی جس سے بڑھی شانِ اسلام
اس مساوات نے بخشا تھا ہمیں عزّ و وقار

اب نہ وہ ہم میں نہ وہ شانِ مساوات ہے اب
الغرض ہم سے اب آنے لگی اسلام کو عار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۱ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء | نمبر ۳

مسلمانانِ ہند کا قومی نظام

دردمندانہ آواز

(عالیجناب خان بہادر مولوی شہاب الدین صاحب ایڈیٹر البشیر کے دل سے)

اِس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا قومی شیرازہ بالکل منتشر ہوگیا ہے۔ اگرچہ مسلم لیڈروں کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایسے لیڈر ہیں کہ جن کے مقلد اور پیرو کوئی نہیں ہیں۔ لیڈری کا معیار یہ سمجھا گیا ہے کہ جو میونسپل بورڈ کا ممبر ہو وُہ لیڈر، جو کونسل کا ممبر ہو وہ لیڈر، جو اسمبلی کا ممبر ہو وہ لیڈر، جو کسی جلسہ میں تقریر کرسکے وہ لیڈر، یا وکیل ہو وُہ لیڈر، اخبار کا ایڈیٹر ہو وُہ لیڈر۔ غرضیکہ مسلمانوں میں لیڈر ایک ایسا لفظ ہے جو ربڑ کی طرح کھینچ تان کر ہر جگہ استعمال ہوسکتا ہے۔ لیڈر کے معنے عوام الناس اور جہلا کی رائے میں ہاں میں ہاں ملانا ہے اور ان کی خواہشات و جذبات کی پیروی کرنا اور بجائے اسکے کہ وہ عوام الناس کی رہبری کریں خود ان کا تتبع کرکے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ان کو ہر وقت یہ خوف رہتا ہے۔ اگر ہم عوام الناس کی رائے کے خلاف اپنی صحیح رائے کا اظہار کرینگے۔ تو ہم کو الیکشن کے موقع پر ووٹ نہ مل سکیں گے علیٰ ہذا القیاس مسلم اخبارات کو یہ خوف رہتا ہے کہ اگر صاف طور پر اپنی رائے ظاہر کریں۔ تو اخبار کی اشاعت کم ہوجائے گی۔ اگرچہ بہت سے ہمدرد اور نیک نیت مسلمان اس خرابی کو محسوس کر رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی اسکول بناتا ہے۔ کوئی تعلیمی کانفرنس مسلم لیگ یا دوسری سیاسی انجمن قائم کرتا ہے۔ کوئی مجلسِ تنظیم بناتا ہے۔ اور کوئی

تنظیم الصلوٰۃ غرضیکہ بہت سی انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ لیکن جس قدر انجمنیں اور کانفرنسیں ہیں۔ ان سب کی اندرونی حالت خراب، مالی حالت کمزور اور اصل مقصد فوت، یہ سب خرابیاں کیوں ہیں۔ اس کی وجہ ہماری دانست میں صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے کوئی متحدہ قومی مقصد نہیں ہے۔

پہلے مسلمانوں کے سامنے متحدہ قومی مقصد مسلم یونیورسٹی بنانا تھا۔ مسلم یونیورسٹی بن گئی۔ لیکن جو غلط توقعات قوم نے مسلم یونیورسٹی سے قائم کر رکھی تھیں۔ جب وہ پوری نہ ہوئیں۔ تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلم یونیورسٹی اس درجہ پر بھی نہ رہ سکی۔ جو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں کو حاصل ہے۔ مسلم یونیورسٹی کی بحث چونکہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ اس وجہ سے ہم اس موقعہ پر اس کے متعلق تفصیل سے بحث کرنا نہیں چاہتے غرضیکہ مسلم یونیورسٹی کا وہ مقصد قوم کے سامنے نہ رہا۔ اس کے بعد جنگ طرابلس، جنگ بلقان، ایران کی تقسیم اور جنگ عظیم واقع ہوگئی۔ جس کی وجہ سے مسلمانانِ ہندوستان کو خوف پیدا ہوگیا۔ کہ دنیا میں ان کی قوم کی کوئی سلطنت باقی نہ رہے گی اور دنیا میں ان کا وجود یہودیوں کی طرح ہو جائیگا۔ لہٰذا ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک عام مقصد خلافت کو بچانا ہوگیا۔ جنگِ عظیم کے ختم ہونے کے بعد جس طرح سے ٹرکی ممالک کی تقسیم ہوئی تھی۔ اور اتحادیوں نے جو شرائط ٹرکی سے کی تھیں۔ اس سے خلافت کا وجود چونکہ برائے نام رہ گیا تھا اسلئے خلافت ایجی ٹیشن مسلمانوں کا قومی مقصد رہا۔ اور مسلمان من حیث القوم کانگریس میں شامل ہوگئے۔ اور نان کوابریشن کی تحریک میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ کیونکہ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ٹرکی کی خلافت اسی حالت میں مضبوط ہوسکتی ہے۔ جب ہندوستان میں سوراج حاصل ہو جائے گا۔

بہرحال خلافت قائم ہونا مسلمانوں کا متحدہ قومی مقصد تھا۔ لیکن مصطفےٰ کمال پاشا نے سمرنا میں یونانیوں کے مقابلہ میں حیرت انگیز فتح حاصل کی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگلستان نے ٹرکی سے صلح کرلی۔ اس کے بعد خود مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کا درجہ پھونک دیا۔ اب ہندوستان کے مسلمان بے بس ہوگئے۔ کہ مصطفےٰ کمال کے مقابلہ پر کس طرح خلافت کو بچایا جائے۔ اس لئے خلافت کا مقصد بھی ختم ہوگیا۔ ہماری رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ فاش غلطی کی تھی۔ کہ وہ ہندوستان کے سیاسی ایجی ٹیشن سے خلافت کو بچالیں گے۔ اگر وہ سوراج کی ایجی ٹیشن کی موافقت یا مخالفت ہندوستان کے مسلمانوں کے نفع یا نقصان کی غرض سے کرتے۔ تو ایک حد تک درست ہوتا۔ اور جو حالت آج ہندوستان کے مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ وہ ہرگز نہ ہوتی۔

بہرحال ٹرکی میں خلافت کے وجود کے نیست و نابود ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کی مرکزی خلافت کمیٹی کے چندہ ملنے میں کمی آگئی ہے یہ رنگ دیکھ کر خلافت کمیٹی کے بعض ممبران نے تنظیم کانفرنس قائم کردی اس وجہ سے خلافت کمیٹی کے پرجوش ممبران میں آپس میں اختلاف شروع ہوگیا۔ تنظیم کو دیکھ کر ہندوؤں نے

ہندو سنگھٹن قائم کر دیا۔ مسلمان تو آپس میں لڑتے رہے۔ مگر ہندو اپنے سنگھٹن کا کام کرتے رہے۔ مسلمانوں کی تنظیم کا تو کوئی مقصد نہیں تھا کہ آخر کس غرض سے یہ تنظیم کر رہے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے سامنے یہ مقصد تھا کہ وہ بغیر مسلمانوں کے ہندوستان میں سوراج حاصل کر لیں۔ غرضکہ بوجہ کوئی مقصد نہ ہونے کی وجہ سے ہندو کامیاب ہوگئے اس کے بعد ہندوؤں نے شدھی کی تحریک شروع کی۔ ان کا مقصد تھا کہ ایسے مسلمانوں کو جو برائے نام مسلمان ہیں ہندو بنا کر اپنی سیاسی قوت اور اقتدار کو قائم کرنا یہ دیکھ کر مسلمانوں میں تبلیغ کی تحریک پیدا ہوئی۔ شدھی کی تحریک چونکہ آریہ سماج کے نظام پر تھی۔ نہ سب کے اتحاد تھی۔ لہذا اس میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن مسلمانوں کی تبلیغ کسی ایک نظام کے ماتحت نہ تھی بہت سی انجمنیں جدا جدا قائم ہوئیں۔ اور بہت سے کیمپ ان مقامات پر مسلمان ہوا ہوں سکے پہنچ گئے جہاں پر شدھی کی تحریک کا زیادہ زور تھا۔ مسلمان آپس میں لڑتے رہے غرضکہ لاکھوں روپیہ مسلمانوں کا محض اس وجہ سے خراب گیا۔ ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا اور تبلیغ کی تحریک کسی ایک نظام کے ماتحت نہ تھی۔ اس کے بعد مساجد کے سامنے ہندوؤں کے باجا بجانے کی بلا روک ٹوک آزادی رہنی چاہیئے جس سے ان کی ایک غرض تو یہ تھی کہ قوم کو ہنگامہ میں مصروف رکھا جائے دوسرے قوم میں اپنی بات منوانے کا اور قانون شکنی کا مادہ پیدا کیا جائے۔ ہندو دیکھ کر رہے تھے۔ وہ سنگھٹن کے ماتحت کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا چونکہ کوئی نظام نہیں تھا اور مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مسجد کے سامنے باجا نہ بجے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو اشتعال دلایا۔ اور جہاں مسلمان اس اشتعال میں آگئے۔ اور اس طرح لڑائی کے ساتھ ہندو مسلمانوں میں بلوے ہوتے رہے۔ ان بلوؤں میں ہر جگہ مسلمان ہی زیادہ مارے گئے۔ مسلمان زیادہ زخمی ہوئے اور سزا بھی زیادہ تر مسلمانوں کے ہی پلے پڑی۔ ہر دو مقدمات میں مسلمانوں کو روپیہ دینے کی ضرورت واقع ہوئی۔ لہذا مسلمانوں کو اقتصادی نقصان بھی زیادہ پہنچا اور بحیثیت مسلمان ایک ہندوؤں کے ماتحت ہوگئے۔ کانگریس کی طرف سے ہندوستان کی حاصل آزادی کا ہوا دے کر ہندوؤں نے سودیشی کی تحریک ولایتی کپڑا کا بائیکاٹ شراب اور ولایتی کپڑے کی دکانوں اور اسکولوں پر اپنا پکٹنگ شروع کیا۔ انفرادی حیثیت سے بہت سے مسلمان اس تحریک میں شریک ہوگئے بعض سیاسی مسلمان ہوا کے رخ میں کانگریسی تھے وہ مسلمانوں کو اس تحریک سے پورے طور پر علیحدہ رہنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رکھنے کے واسطے انجمن تنظیم صلوٰۃ قائم کی۔ اور جس طرح سے کانگریس والے سوراج کا جھنڈا لے کر گیت گا کر گشت کرتے ہیں۔ اس طرح سے انجمن صلوٰۃ والوں نے بھی انجمن کے نام سے سبز جھنڈے نکال کر نظمیں پڑھ کر جلوس نکالنے شروع کیے!

فی الحال مسلمانوں کی حالت اکبر الہ آبادی کے اس شعر کی مصداق ہے۔ ؎

نہیں معلوم کیا مقصود ہے کس سمت جاتے ہیں
زمانہ میں پڑا ہے شور ہم بھی غُل مچاتے ہیں

نماز اگرچہ عمدہ چیز ہے۔ اور خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ دل سے نماز پڑھنے لگیں۔ لیکن نماز کا مقصد ہونا چاہیئے۔ ایک مذہبی فرض کا ادا کرنا اور خدا کی خوشنودی خدا ہم کو بدگمانی کے گناہ سے معاف کرے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نماز کی تحریک ہی روز بروز کمزور ہو رہی ہے تو سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اس تحریک کا مقصد خدا کی خوشنودی نہ تھا۔ بلکہ کانگریس کی شرکت سے مسلمانوں کو باز رکھنا تھا۔ کیونکہ ہم تنظیم الصلوٰۃ کے ایسے لیڈروں سے واقف ہیں جو خود نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن وہ اس تحریک میں بڑا نمایاں حصہ لے رہے ہیں تو اس کے سوا اور خیال کیا کیا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد مسلمانوں کو نمازی بنانا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو سوراج کی تحریک سے علیحدہ رکھنا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس وقت ہندوؤں کانگرسیوں کا جو کچھ مقابلہ ہے وہ گورنمنٹ سے ہے ایک فریق سوراجی ہے، دوسرا گورنمنٹ، مسلمان نہ صرف اس تحریک سے علیحدہ ہیں۔ بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ بہت سے مسلمان یہ کوشش کر رہے ہیں کہ یہ تحریک ناکامیاب رہے۔ بعض جگہ مسلمان عوام الناس ہندوؤں سے مقابلہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر مسلمانوں کی مخالفت اس درجہ کیوں ہے؟ اور اس سے انہوں نے کیا قومی مفاد سمجھا ہے۔ بعض مسلمان لیڈروں کا یہ بیان ہے کہ سوراج کو ہم بھی چاہتے ہیں۔ لیکن اپنے حقوق کا حفظ مقدم رکھتے ہیں۔ بعض مسلمان لیڈر ایسے بھی ہیں جو پہلے گاندھی پرست تھے مگر آج وہ گاندھی سے روٹھ گئے ہیں۔ اور کانگریس سے ناراض ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے کہ چونکہ انہوں نے ہم سے بغیر مشورہ کئے وائسرائے سے ڈومنین سٹیٹس کا مطالبہ کرنے کی کوشش کی اور اس سمجھوتہ میں ناکامی ہونے پر آزادی کا اعلان کیا اور بغیر مسلمانوں سے مشورہ کیئے ہوئے انہوں نے قانون شکنی کی تحریک کانگریس میں پاس کر دی۔ ہماری مخالفت کی یہ وجہ ہے کہ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہندو بغیر ہماری امداد کے کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس عجیب و غریب منطق کے علاوہ ہمارے علم میں کوئی امر نہیں۔ کہ آخر اس مخالفت سے قومی مفاد کیا سمجھا گیا ہے اور انکا مقصد اعلیٰ کیا ہے۔

بہرحال ہمارے نزدیک مسلمانوں کے سامنے کوئی قومی متحدہ مقصد نہیں ہے اور یہی وجہ مسلمانوں کے تمام کاموں کی خرابی کی ہے اور جب تک کہ کوئی زبردست قومی مقصد نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ہمیں امید نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قوم ترقی کر سکے۔

ترقی کرنا درکنار ہم کو اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنی موجودہ ہستی کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس وقت جو تعلیم یافتہ مسلمان ہیں ان کے سامنے سوائے اس مقصد کے کہ وہ اپنے آپ اچھی زندگی بسر کریں۔ عمدہ کھانا کھائیں

اعلیٰ درجہ کے فیشن ایبل کپڑے پہنیں اور اپنے فرصت کے وقت کو ٹینس یا تاش کھیلنے یا خوش گپیوں میں صرف کریں اور کوئی قومی مقصد نہیں ہے۔ قوم درکنار انہیں اپنے خاندان، برادری، غریب رشتہ داروں کی مصیبت کا بھی احساس نہیں۔ کسی مذہبی، تعلیمی، یا سیاسی کام کے واسطے ان سے چندہ وصول نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے اپنی ضروریات اس قدر بڑھا دی ہیں کہ ان کے پاس اتنا روپیہ بچتا ہی نہیں۔ مسلمانوں میں جو سیاسی لیڈر ہیں ان کے سامنے سوائے جداگانہ انتخاب کے کوئی اور سیاسی مسئلہ نہیں ہے اگر کوئی سیاسی مسئلہ ہے تو وہ چند ملازمتیں سرکاری حاصل کرنا، جداگانہ انتخاب اس وجہ سے کہ ہم کونسلوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل بورڈوں میں یا تو بلا مقابلہ پہنچ جائیں یا صرف چند مسلمانوں سے مقابلہ کرنا پڑے۔ ملازمتوں کے واسطے جو جدوجہد ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ ہم اپنی اولاد کو سرکاری ملازمت دلا سکیں۔ اگرچہ بیکار مسلمانوں کو جگہ ملنے سے قوم کے چند افراد کی حالت درست ہوسکتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی قوم کو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ملازم اپنی تنخواہ کا کوئی جز وکسی قومی کام میں صرف کرنے کو تیار نہ ہو۔ بہرحال ہمارے نزدیک اس وقت مسلمانوں کے سامنے کوئی متحدہ قومی مقصد نہیں ہے۔ برخلاف اس کے ہندوؤں کی قوم کے سامنے سوراج یا ڈومنین سٹیٹس ایک قومی مقصد ہے۔ آریہ سماجی ہو یا سناتن دھرمی، بودھ مذہب کے پابند ہوئے یا جین مت کے کانگریسی ہوں یا لبرل پارٹی والے۔ مہاسبھائی ہو یا نیشنلسٹ، انقلاب پسند ہوں یا تشدد کے حامی یا عدم تشدد کے دلدادہ، ملازم ہوں یا آزاد پیشہ کرنے والے وکیل، ٹھیکیدار، تاجر غرضکہ ہندوؤں کا ہر طبقہ سوراج یا ڈومنین سٹیٹس ملنے کا حامی ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ طریقۂ عمل میں ہے۔ مگر سب کا مقصد واحد ہے برخلاف اس کے مسلمانوں کا کوئی نصب العین یا مقصد حیات نہیں ہمارے خواہش یہ ہے کہ ہمارا کوئی ایک قومی مقصد ہو تاکہ اس وقت انتشار کی جو حالت ہے وہ کسی طرح رفع ہو جائے۔

مسلمانوں کا متحدہ قومی مقصد کیا ہو یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جن مسلمانوں کے دل میں قوم کا سچا درد ہے وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اس طریق سے اس مسئلہ پر غور کرنے کا کافی موقع مل جائیگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ کوئی صحیح راستہ ہی نکل آئے۔

ریویو **نظام نمبر**۔ علیگڑھ کے دلچسپ اور مشہور جریدہ "سرگزشت" کا خاص نمبر شائع ہوا ہے جو صوری و معنوی، ظاہری و باطنی خوبیوں کا ایک دلآویز مرقع ہے خسرو دکن اور اہل حبشہ کی عکسی شبیہ کے علاوہ وزراء، امراء اور اراکین دولت آصفیہ کی تصاویر دی گئی ہیں "القریش نظام نمبر" کے بعد یہ دوسرا نظام نمبر ہے اور ہر لحاظ سے قابل قدر اور لائق دید ہے حجم ۸۴ صفحات۔ تقطیع کلاں۔ منیجر صاحب "سرگزشت" علی گڑھ سے طلب کیجئے۔

ظہورِ قدسی

تھا آئینے کا ٹوٹنا ہر سخت دل آنسو بنا
آنسو یہ پھیلایا گیا حدِ نظر تک آب تھا
چادر شبِ ظلمات کی آہوں سے چھلنی ہوگئی
سوراخ تارے بن گئے نالے شرارے بن گئے
آئی اجابت کی گھڑی ختم نبوت کی گھڑی
رحمت کا بادل ناگہاں ہوکر محیطِ آسماں
برسا وہ عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے خیرالبشر
معمارِ کعبہ کی دعا خلقِ عظیمہ کی بنا
صدرالصدورِ بزم دیں محبوب صورت آفریں
وہ کون؟ اک بے بال و پر وہ کون؟ شاہِ بحر و بر
وہ کون؟ اک بے خانماں وہ کون؟ سلطانِ جہاں
وہ کون؟ مضروبِ جفا وہ کون؟ محبوبِ خدا
وہ کون؟ مسجودِ ملک!
وہ کون؟ خضرِ بے بدل!

آتش کدہ ایران کا یک لخت ٹھنڈا پڑ گیا!
قصرِ شہی کے کنگرے بھونچال آیا گر گئے
دریائے ساوا تھم گیا یخ ہو کے پانی جم گیا
جو بت صنم خانوں میں تھے سب سرنگوں دیکھے گئے
تثلیث مغلوبِ الم تلبیسِ خوں آشامِ غم
شاہِ زمیں پیدا ہوئے
عزے شکن پیدا ہوئے

خلیلی

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) سچ بولنا نکوکاری کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نکوکاری بہشت کی طرف رہنمائی کرتی ہے آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ خدا کے نزدیک صدیق ہوجاتا ہے۔ جھوٹ بولنا بدکاری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ خدا کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔

(۲) منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے تو وفا نہیں کرتا اور جب اسے امین بنایا جاتا ہے۔ تو خیانت کرتا ہے۔

(۳) میں اس شخص کے لئے بہشت کے گوشہ میں ایک گھر کا ذمہ وار ہوں جو حق بجانب ہونے کی صورت میں بھی جھگڑے کو ترک کردے۔ اور اس شخص کے لئے بہشت کے درمیان ایک گھر کا ذمہ دار ہوں جو مزاح کی صورت میں بھی جھوٹ نہ بولے۔

(۴) سب سے بڑا جہاد اس شخص نے کیا۔ جس نے ایک بادشاہ ظالم کے سامنے سچی بات کہدی۔

(۵) صفوان بن سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟" فرمایا "ہاں" پھر اس شخص نے پوچھا کہ "کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟" فرمایا "ہاں" لیکن جب اس شخص نے پوچھا کہ "کیا مسلمان کذاب ہوسکتا ہے؟" تو آپ نے فرمایا "ہرگز نہیں"

(۶) اے اللہ میری زبان کو جھوٹ سے پاک رکھ۔

(۷) جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس سے میل بھر دور ہوجاتے ہیں۔ بوجہ اس بدبو کے جو جھوٹ بولنے سے پیدا ہوتی ہے۔

(۸) یہ بہت بڑی بات خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے کچھ بات کہے اور وہ تجھے سچا سمجھتا ہو۔ لیکن تو جھوٹ بول رہا ہو۔

(۹) اس شخص کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور اچھی باتیں کہے اور ایک کی طرف سے جاکر دوسرے کو اچھی باتیں کہے خواہ وہ جھوٹی ہی ہوں ؎

---

(۱) جو شخص نیرے ممبر کے پاس جھوٹی قسم کھائے۔ خواہ وہ ایک سبز مسواک ہی کے متعلق ہو۔ وہ خود اپنی

تازیانۂ عبرت

اِتنا تو سوچ مسلم دل میں ذرا خدارا
اِس کشمکش میں کیونکر ہوگا ترا گذارا

یا تو ترے ہی بل پر چلتی تھی ساری دُنیا
یا تو ہی ڈھونڈتا ہے اب اور کا سہارا

یا تو کرم پہ تیرے تھیں کل جہاں کی نظریں
یا ہو رہا ہے تیرا خود بھیک پہ گذارا

سب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے ہٹ رہا ہے
ہاں اب ذرا سنبھل کر، دیکھ آگیا کنارا

غیرت نے منہ کو موڑا حشمت نے ساتھ چھوڑا
سب چھوڑ بیٹھے تجھ کو ہمت جو تھی تو ہارا

کیا یونہی اپنے گھر سے نکلا تھا ہاتھ خالی
یا دے دیا ہے تو نے غیروں کو مال سارا

ہمت نہیں ہے تجھ میں جھوٹی ہے دھاک تیری
ہو جائیگا کسی دن یہ راز آشکارا

جو آفتابِ عزّت تھا تیرے سر پہ تاباں
وہ دور ہوتے ہوتے اب رہ گیا ہے تارا

وہ دِن بھی تجھکو غافل ہیں یاد یا نہیں ہیں
مشرق کا جا ملا تھا مغرب سے جب کنارا

فرحت کو بھی تو آخر کچھ تم سے واسطہ تھا
تم ہی کہو وُہ کیونکر پھر چُپ رہے بچارا

بہر خدا یہ سوچو! تم خود بدل گئے ہو
یا کچھ بدل گیا ہے شاید غدر تمہارا

مرزا فرحت

(۲) کیونکہ دوزخ میں بناتا ہے۔ (سبز مسواک سے مطلب ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز)

(۲) جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔

(۳) جو شخص جھوٹی اور واہی تباہی کی باتوں کو نہ چھوڑے، اور ان پر عمل کرے۔ خدا اس کی روٹی اور پانی چھوڑنے (یعنی اس کے روزہ رکھنے کی) پرواہ نہیں کرتا۔

---

(۱) چغل خور بہشت میں نہ جائے گا۔

(۲) غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے متعلق ایسی بات کہے جو اسے ناپسند ہو۔ اگر وہ بات سچی ہو تو یہ غیبت ہے اور اگر سچی نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ جو تو نے اپنے بھائی پر باندھا۔

(۳) جب میرا خدا مجھے اوپر لے گیا (معراج شریف ہوا) تو میں ایک قوم کے پاس سے گذرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے! (یعنی غیبت کرتے تھے) اور ان کی آبروریزی کرتے تھے

(۴) لوگوں پر من گھڑت بہتان مت باندھا کرو!

(۵) جو شخص غیبت کرنے والے کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے سے روکے (غیبت کرنے سے روکے) خدا تعالیٰ پر لازم آتا ہے کہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔

(۶) میرے صحابہ میں سے کوئی کسی شخص کی باتیں مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب گھر سے نکل کر تمہارے پاس آؤں۔ تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو (مطلب یہ ہے کہ مجھے آکر یہ نہ کہا کرو کہ فلاں شخص نے ایسا کیا، یا ایسا کیا کیونکہ اس طرح اس شخص کی طرف سے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میرے دل میں کسی طرف سے کدورت پیدا ہو)

— ایک اخباری بیان مظہر ہے کہ حیدرآباد کی قوم پرست پارٹی نے لارڈ ارون سے خواہش کی ہے کہ وہ ہندوستان کو الوداع کہنے سے پیشتر عارضی طور پر بھیجے ہوئے انگریز افسران کو واپس بلا کر برطانی سلطنت کی عظیم الشان خدمت انجام دیں کیونکہ یہ امر عدل گستری کے خلاف ہے کہ برطانوی ہند میں تو وہ عہدے بھی جو انگریزوں کی خاص میراث سمجھے جاتے تھے اس وقت ملکی باشندوں سے پر کئے جا رہے ہیں اور وفادار حلیف اعلیحضرت خسرو دکن کی ریاست میں ایسے اطاعت گذار متعلق اعلیٰ یورپین باشندوں بھرا سور کرایا جائے جو ریاست کے متقدر حکام کی تعمیل کو اپنی کسر شان تصور کرتے ہوں۔

صبر کا اجر

ثریا کو اسپتال میں پڑے ہوئے آج پورے تیرہ دن ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں اُسے شدید سے شدید بخار بھی چڑھا۔ کلیجہ کے درد سے بھی متواتر کئی روز تک تڑپی۔ اور پھر جگر کے پھوڑے کا آپریشن بھی ہو گیا۔ مگر اس کے سسرال والوں میں سے کسی نے جھوٹوں بھی کبھی آکر یہ نہ پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ ساس نندوں سے اسے اس قسم کی توقع بھی نہ تھی۔ لیکن خاوند کے متعلق ابھی تک یہ حسن ظن باقی تھا کہ وہ لاکھ ناراض سہی مگر اس حالت میں کہ میری زندگی کی بھی آس باقی نہیں ہے۔ وہ ضرور آئینگے۔ آپریشن کے لئے جب اسے میز پر لٹایا گیا، تو اس نے چپکے سے اپنے بھائی کے کان میں کہا تھا کہ اگر اس وقت کسی طرح "وُہ" آجاتے تو میں ان سے اپنے قصور معاف کرا لیتی۔ خدا جانے اس آپریشن کے بعد میں بچوں یا نہ بچوں" آپریشن کے بعد جب کلوروفارم کا اثر دور ہوا۔ اور وُہ ہوش میں آئی۔ تب بھی اس نے سب سے پہلے اپنی ماں سے یہی پوچھا تھا کہ "وُہ" آئے تھے؟

دبیر کو اپنی بیوی کی بیماری کی خبر تھی، اور یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ بیماری بہت خطرناک ہے۔ آپریشن والے دن اُسے یہ خبر بھی لگ گئی تھی کہ آج اس کے جگر کے پھوڑے میں شگاف دیا جائیگا، اور ثریا کی انتہائی کمزوری کی وجہ سے ڈاکٹر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپریشن کے صدمے کو وُہ برداشت نہ کر سکے۔ مگر یہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود اس نے اتنا بھی نہ کیا کہ بلا سے خود نہ آیا تھا تو کسی کو بھیجکر ہی خیریت دریافت کرا لیتا۔

دبیر اور ثریا کی شادی کو ابھی چار ہی برس گذرے ہیں لیکن مزاجوں کی ناموافقت کچھ ایسا رنگ لائی کہ پورا ایک سال بھی خوشی اور خرمی میں نہ گذرا۔ چھوٹے موٹے اختلاف تو چھٹے یا ساتویں مہینے سے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن باقاعدہ جنگ گیارہویں مہینے شروع ہوئی۔ اور ناشدنی لڑائی کچھ ایسی منحوس گھڑی سے شروع ہوئی تھی۔ کہ پھر کسی طرح اس کا سلسلہ بند ہی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کوئی دو سال تک تعلقات کشیدہ رہنے کے بعد دبیر نے بھی یہی چاہا کہ ثریا اپنے میکے چلی جائے۔ اور ثریا کے میکے والوں نے بھی اسے بلا لینا ہی اس کے حق میں بہتر سمجھا۔ اب کوئی سال بھر سے وہ برابر اپنی ماں کے پاس رہتی تھی۔ اور سسرال سے اتنا سا تعلق بھی باقی نہ رہا تھا کہ کبھی چھٹے چھ ماہے تو کوئی خبر کو آجاتا۔

ثریا! نالائق یا نافرمانبردار لڑکی نہ تھی اور حق یہ ہے کہ خاوند سے بگاڑ ہونے میں اس کا اگر کچھ قصور تھا تو

آشنا کہ جب اس کی ساس نندیں اس پر جھوٹے الزام لگاتیں اور دبیر ناراض ہوتا تو وہ کبھی لوٹ کر جواب نہ دیتی۔ اور اس کی خودداری یا غرور کبھی اس کو اجازت نہ دیتا کہ اصلی حالات سے ایک ایسے خاوند کو اطلاع دیدے جو یکطرفہ بیان سُننے ہی پر اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا کرتا تھا۔ ہمیشہ اس کی یہی عادت رہی کہ جب دبیر نے اسپر کوئی جھوٹا الزام اپنی ماں یا بہن سے سنکر لگایا۔ اور ناراض ہوا تو وہ غصہ کی وجہ سے بالکل خاموش ہوگئی۔ اور کبھی یہ نہیں کیا کہ خاوند سے صاف صاف کہدیتی کہ یہ الزام غلط ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ خاوند میں خود اتنی عقل ہو۔ اور اس کے دل میں بیوی کی اتنی محبت ہو کہ ماں یا بہن سے کچھ سنے تو خفا ہونے سے پہلے بیوی سے دریافت حال کرلے۔ اور جب وہ دیکھتی تھی کہ اس کے خاوند کو اتنی سی بھی عقل یا اتنی ذراسی بھی محبت نہیں ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا تھا اور غم و غصہ کی وجہ سے اس کی زبان بالکل بند ہوجاتی تھی۔ اس کی اس خاموشی کو دبیر ہمیشہ اعتراف گناہ کا ہم معنے سمجھتا تھا۔ اس لئے بار بار بیوی سے اسی قسم کے قصور سرزد ہوتے دیکھ کر اس کی خاموشی سے یہ نتیجہ نکال کر کہ اس کے پاس الزام کا کوئی جواب نہیں ہے وُہ برابر متنفر ہوتا چلا گیا۔ اور بالآخر وہ وقت آگیا کہ جب اسے ثریا کا اپنے گھر میں رہنا کسی طرح گوارا نہ ہوسکا۔

علیحدہ ہونے کے بعد بھی کبھی اسے خیال نہ آیا کہ اگر اور کچھ نہیں تو کم سے کم بیوی کا خرچ تو اس کے گھر بھیجدیا کرے اسے حقیقتاً ثریا سے دلی نفرت ہوگئی تھی۔ اور اگر کبھی اتفاق سے گھر میں کسی کی زبان سے اس کا ذکر سن لیتا تھا تو اُسے ناگوار گذرتا تھا۔ اپنی اس قدر کمزوری کے باوجود بھی ایمان کی بات یہ ہے کہ دبیر بد طینت یا ظالم نہ تھا۔ اسے اس کے گھر والوں نے یقین دلادیا تھا کہ اس کی بیوی بدترین عورت ہے۔ اور یہ اس کی کمزوری تھی کہ اس نے کامل تحقیق و تفتیش کے بغیر ماں اور بہن کی اس رائے کو قبول کرلیا اگر ثریا اتنی غیر ضروری خودداری نہ برتتی اور ہر مرتبہ الزام لگائے جانے کے موقعے پر اپنی بریت کے ثبوت دیدیا کرتی۔ تو غالباً دبیر کو اس سے کبھی نفرت نہ ہوتی۔ اور شاید دو چار مرتبہ کے بعد پھر وُہ اپنی ماں اور بہن کے متعلق یہ فیصلہ کرلیتا کہ یہ ہمیشہ یوں ہی جھوٹے الزام لگایا کرتی ہیں۔ لیکن ثریا کی خاموشی نے سب کام بگاڑ دیا اور دو اپنے میاں بیوی جن میں سے کوئی سا ایک بھی برا نہ تھا۔ بے وجہ و بے سبب ہمیشہ کے لئے جُدا ہوگئے۔

دبیر اول تو مرد تھا دوسرے یہ کہ اسے ثریا سے نفرت بھی ہوگئی تھی۔ اس لئے اس پر تو اس علیحدگی کا کچھ زیادہ اثر نہ پڑا۔ لیکن ثریا کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔ اسے دبیر کی ان زیادتیوں کے باوجود اس سے محبت ہوگئی تھی۔ اور اس دائمی علیحدگی نے اس کی جان بربنا دی۔ تین سال میں جب تک کہ وہ خاوند کے ساتھ رہی اس نے کبھی کسی بات میں بھی دبیر کی ذراسی نافرمانی نہ کی تھی۔ اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کیا کرتی تھی کہ اپنے آپ کو مٹا کر دبیر کی خدمت کرے۔ اور اب علیحدگی کے بعد اس کی دلی تمنا تھی کہ کسی طرح آپس میں پھر صفائی اور مصالحت ہوجائے تمناؤں کی پامالی نے صدمہ کی صورت اختیار کرلی۔ اور اس ہر وقت کے صدمہ نے اس کی صحت پر اثر ڈالنا

شروع کیا۔ اچھی طرح بھرا اور گداز جسم گھل گھل کر کانٹا ہوگیا' اور ہر وقت ہلکی ہلکی حرارت رہنے لگی۔ غم کی بیماری سچ مچ کی بیماری بن گئی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اسپتال میں پڑی ہوئی اپنے مرنے کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی

" تم واقعی بڑے ظالم ہو" مظہر نے دبیر سے کہا اور افسردگی کے ساتھ خاموشی اختیار کر لی۔

دبیر:" میں نہیں سمجھتا کہ میں کیوں ظالم ہوں؟ کیا اس لئے کہ ایک نالائق اور نافرمان بیوی سے محبت نہیں کر سکتا"

مظہر:" اس لئے کہ تم ایک مظلوم عورت کو جس کی صرف یہ آرزو ہے کہ مرنے سے پہلے تمہیں ایک مرتبہ دیکھ لے' اپنی صورت دکھانا نہیں چاہتے!"

دبیر:" ثریا ہرگز مظلوم نہیں ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کی یہ خواہش اور آرزو بھی محض ایک تصنع اور ایک بناوٹ ہے۔ اس طرح وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتی ہے کہ میں نے اس پر ظلم کئے ہیں۔ اور اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ میں ان فریبوں میں آنے والا نہیں ہوں۔

مظہر:" تم نے یہ بہت جلدی میں فیصلہ کیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس کی زندگی کی طرف سے اسکے معالج بھی تقریباً مایوس ہو چکے ہیں۔ اور اتنا تو تم بھی سمجھ سکتے ہو کہ بستر مرگ پر پڑے پڑے دنیا کو دھوکہ دینے کا کسی کو خیال نہیں آیا کرتا!"

دبیر:" مظہر! تم اصلی حالات سے واقف نہیں ہو اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔ بدقسمتی سے مجھے اپنی بیوی کے متعلق یہ تمام باتیں کہنی پڑی ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ ایک بڑی چالاک اور مکار عورت ہے۔ اس نے تین سال میں میری زندگی تلخ کر دی۔ اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ صرف اسی وجہ سے اب مجھے اپنی زندگی میں کوئی لطف نہیں آتا۔ میں نے اسے خوش رکھنے کی انتہائی کوششیں کیں' اور ہمیشہ اپنی حیثیت سے زیادہ اس کے لئے خرچ کیا' صرف اسی امید پر کہ شاید وہ مجھ سے مانوس ہو جائے۔ اور محبت کرنے لگے۔ لیکن سب امیدیں بیکار ثابت ہوئیں۔ اور اس نے کبھی مجھے اپنا خاوند اور میرے گھر کو اپنا گھر نہ سمجھا!"

مظہر:" اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ میں ثریا کے حالات سے کسی طرح بھی باخبر نہیں ہو سکتا کہ جس قدر تم۔ لیکن مجھ سے خود ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے خاوند سے علیحدہ ہونے کا اس قدر صدمہ ہوا ہے کہ اس کی صحت بالکل خراب ہو گئی ہے۔ اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر صرف ثریا کے بھائی نے مجھ سے کہا ہوتا تو شاید میں تم سے اس قدر اصرار کے ساتھ درخواست نہ کرتا' لیکن خود ڈاکٹر نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اگر اس کا خاوند آ جائے تو اس کے مرض پر بہت ہی اچھا اثر پڑے گا۔ اور ممکن ہے کہ اس کی جان بچ جائے!"

دبیر:" (کچھ سوچ کر) بھئی مظہر تم مجھے معاف کرنا کہ میں تمہارے کہنے کو ٹال رہا ہوں۔ مگر میں کیا کہ میرا

دِل کِسی طرح بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس کی صورت دیکھوں' یا اس کو بلا کر پھر اپنے سر لگالوں۔

دبیر' ہندوستان کے بہترین پولو کھیلنے والوں میں سے تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس سال بھوپال کی پولو ٹیم نے اس سے درخواست کی تھی کہ ٹورنامنٹ میں ان کی طرف سے کھیلے۔ دبیر نے خوشی سے اسے منظور کر لیا اور چونکہ ٹورنامنٹ میں صرف پندرہ روز باقی تھے اس لئے وہ فوراً بھوپال روانہ ہو گیا۔ تاکہ اتنے عرصے میں کچھ مشق بھی کر لے اور کچھ نئے ساتھیوں کے ہمراہ کھیلنے کی عادت ڈال لے' آنکھ بند کرتے ہی پندرہ دن گذر گئے۔ اور دہلی میں مختلف مقامات سے پولو کی ٹیموں کی آمد شروع ہو گئی۔ بھوپال کی ٹیم ابتدائی دو ایک میچ جیت لینے کے بعد آخری کھیل میں آ گئی۔ اور اب اس کا مقابلہ انگریزوں کی ایک بڑی مشہور ٹیم سے تھا۔ جو اسی کی طرح شروع کے مقابلوں میں کامیاب ہوتی چلی آ رہی تھی۔ ہلکی آسمانی رنگ کی وردیاں پہنے ہوئے۔ صبا رفتار گھوڑوں پر سوار بھوپال کی ٹیم نکل کر میدان میں آئی۔ اور کھیل شروع ہو گیا۔ دونوں ٹیمیں کچھ اس قدر برابر کی کھیلنے والی تھیں کہ نصف وقت گذر گیا اور طرفین کی انتہائی کوشش کے باوجود کوئی ایک گول بھی نہ کر سکا دوسرے نصف گھنٹہ میں مقابلہ اور بھی سختی کے ساتھ ہوا گھوڑے بھی اپنے مالکوں کی تشویش میں برابر حصّہ لے رہے تھے اور گیندوں کے پیچھے کچھ اس طرح جاتے تھے۔ کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ خود کھیل رہے ہیں دس منٹ کے دو چکر ختم ہو چکے۔ لیکن کسی فریق کو کسی قسم کی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخری دس منٹ میں کھیل کا جوش اس قدر بڑھ گیا اور فریقین نے ایسی جان توڑ کوشش شروع کی۔ کہ تماشائیوں کو خوف معلوم ہونے لگا۔ سواروں کا اندازِ ہند گھوڑے دوڑانا' اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر پوری طاقت سے ایک دوسرے کو دھکیلنا ایسی چیزیں تھیں۔ کہ جنہیں دیکھ کر اکثر تماشائی ڈرے جا رہے تھے اور بار بار نہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب کوئی گرا' اور اب کسی کی جان گئی۔ کھیل ختم ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ کہ ایک مرتبہ گیند دبیر کے ہاتھ آ گئی۔ گھوڑا بھی اس کے پاس بہت تیز تھا' وہ گیند کو لے کر چلا' اور تماشائیوں نے شاباش شاباش کے فلک شگاف نعروں سے اس کی ہمت بڑھائی۔ پوری تیزی سے وہ گیند لیئے ہوئے فریق مخالف کی گول کے سامنے پہنچ گیا' اور ایک جچا ہوا بھرپور ہاتھ ایسا لگایا کہ گیند گول کے پار تھی۔ لیکن عین اس وقت کہ جب اس نے یہ ہاتھ لگایا اس کے گھوڑے نے کچھ اس بری طرح سے ٹھوکر کھائی کہ گھوڑا اور سوار دونوں لوٹ پوٹ ہو گئے' ہر شخص بے تاب و بے قرار ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر جب وہ بالکل نہ ہلا تو لوگ بھاگے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ اور معلوم ہوا کہ وہ بالکل بے ہوش ہے۔ نہایت احتیاط کے ساتھ اور جلد سے جلد اسے اسپتال پہنچایا گیا۔ جہاں ڈاکٹر نے یہ رائے دی کہ اس کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور اس کی جان سخت خطرے میں ہے۔

ہیلو ثریا بیگم صاحبہ، آج آپ اٹھ کر کیسے بیٹھ گئیں۔ ہم نے تو ابھی آپ کو اٹھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

ثریا۔ "(بڑی لجاجت کے ساتھ) ڈاکٹر صاحب! میرے خاوند زخمی ہوکر آپ کے اسپتال میں آئے ہیں اور میں آپ سے بڑی عاجزی سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ آپ مجھے اس کے پاس جانے اور اسکی خدمت کرنے کی اجازت دیں!"

ڈاکٹر۔ "کیا مسٹر دبیر آپ کے خاوند ہیں؟"

ثریا۔ "(شرما کر) جی ہاں!"

ڈاکٹر۔ "ان کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اور دماغ کو صدمہ پہنچا ہے۔ ان کے پاس جانے کی اجازت ہم نے انکے کسی دوست یا رشتہ دار کو نہیں دی ہے۔ کیونکہ ذرا سا شور وغل یا ذرا سی بے احتیاطی ان کے لئے مہلک ہوسکتی ہے۔ آپ بھی ان سے اسی وقت ملیئے گا جب وہ اچھی طرح ہوش میں آجائیں۔"

ثریا۔ "میں تو ان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر۔ "مگر آپ میں اتنی ہمت اور طاقت کہاں!"

ثریا۔ "میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھ میں اس کام کے لئے بہت طاقت ہے۔ اور اگر اس کام میں میں مر بھی جاؤں۔ تو اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے؟"

ڈاکٹر نے عزت وتعظیم کے ساتھ ثریا پر نگاہ ڈالی اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں ان کی حالت دیکھکر جواب دونگا۔

مسلسل سات روز بے ہوش رہنے اور بخار میں جلنے کے بعد آٹھویں دن خدا خدا کرکے دبیر کے دماغ پر صدمے کا اثر کسی قدر کم ہونا شروع ہوا۔ اور شام کے قریب اس کی پلکوں اور لبوں کو خفیف سی جنبش ہوئی۔ اسکے سرہانے جو نرس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے زندگی کی یہ علامات دیکھ کر فوراً ڈاکٹر کو مطلع کیا۔ ڈاکٹر آیا۔ مریض کی حالت دیکھی اور نرس کو ضروری ہدایات دے کر چلا گیا۔ رات کو ۹ بجے کے قریب دبیر نے آنکھیں کھولیں اور تھوڑی دیر تک دیوانوں کی طرح چھت کو دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ اسے پولو میں اپنا گرنا یاد آیا اور یہ سمجھکر کہ میں ابھی گرا تھا اس نے اٹھنا چاہا، نرس نے اٹھ کر آہستگی سے اسے اٹھنے سے روکا اور کہا کہ آپ کو بہت سخت چوٹ لگی تھی اب آپ اسپتال میں ہیں۔ اور حالت روبصحت ہے۔ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ آپ بالکل حرکت نہ کریں۔

دبیر۔ "تو میں کتنے گھنٹے بیہوش رہا؟"

نرس۔ "آپ آج آٹھویں دن ہوش میں آئے ہیں۔ اب آپ یہ عرق پی کر سو جائیے۔ صبح کو آپ کی طبیعت بہت اچھی ہوگی۔ اس وقت سب کچھ پوچھ لیجئے گا۔"

دبیر۔ "آپ کون ہیں؟"

نرس۔ "میں اس ہسپتال کی نرس ہوں!"

دبیر نے عرق پیا اور خاموش ہو کر پڑ گیا!

دوسرے دن صبح جب دبیر کی آنکھ کھلی تو پھر اس نے اسی نرس کو اپنے سرہانے بیٹھا پایا۔ اور اپنے مرض کے متعلق سوالوں کی بھرمار کر دی۔ بار بار وہ نرس کی صورت غور سے دیکھتا تھا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے حافظہ پر زور دیتا تھا کہ گویا کچھ یاد کر رہا ہے۔ ابھی دس بیس ہی سوالوں تک نوبت پہنچی تھی کہ ڈاکٹر مظہر کو اپنے ساتھ لیئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اور کہا:۔

ڈاکٹر۔ "کہئے مسٹر دبیر کیسا مزاج ہے؟"

دبیر۔ "مجھے تو ابھی یہی نہیں معلوم کہ میں کیا بیمار تھا اور کب سے بیمار تھا!"

ڈاکٹر۔ "نرس نے آپ کو بتا تو دیا ہوگا"

دبیر۔ "یہ تو کہتی ہے کہ میں آٹھ دن بیہوش رہا"

ڈاکٹر۔ "بالکل ٹھیک کہتی ہے آپ کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے تو بالکل امید نہ تھی کہ آپ بچ جائیں گے!"

دبیر۔ "آپ نے میرے لیئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

ڈاکٹر۔ "میری بجائے آپ کو اپنی اس مہربان نرس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ جس نے آپ کے لیئے رات، کو رات اور دن کو دن نہ سمجھا۔ اور برابر آٹھ راتیں جاگ کر آپ کی تیمارداری کی"

دبیر نے نرس کا شکریہ ادا کرنے کیلیئے سرہانے کی جانب نگاہ پھیری اور اسی کے ساتھ اور سب نے بھی اس طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ نرس وہاں سے غائب تھی۔

دبیر۔ "ثریا خدا کے لیئے میرا قصور معاف کر دو۔ میں نے تمہاری کچھ قدر نہ کی۔ مجھے ڈاکٹر صاحب سے تمام حالات معلوم ہو گئے ہیں مجھے یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ تم میری دشمن ہو اسی لیئے مجھے تم سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں کیا جانتا تھا کہ تم مجھ سے اسقدر محبت کرتی ہو۔ کہ خود اس قدر شدید مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود تم نے آٹھ راتیں میرے سرہانے بیٹھ کر کاٹیں۔ افسوس میں کس قدر بے وقوف تھا۔ خدا کے لیئے ثریا تم مجھے معاف کر دو۔

ثریا۔ "ایسی باتیں کر کے تم کیوں مجھے گنہگار کر رہے ہو تم میرے مالک ہو اور اگر کسی غلطی کی وجہ سے تم نے اتنے دنوں تک مجھ سے بے پروائی برتی۔ تو اس میں خطا اور قصور کی کونسی بات ہے اصل میں خطا تو میری ہے کہ میں نے کیوں تمہیں اصل حالات سے باخبر رکھا مجھے اگر تکلیف پہنچی ہے تو اسمیں سراسر میرا اپنا قصور ہے تمہارا کوئی الزام نہیں"

دبیر۔ "محبت آمیز نگاہیں ڈال کر تم انتہی حد سے زیادہ نیک اور شریف ہو"

آثارِ عرب

عہدِ اسلامی کی مشہور عمارتیں اور شہر

باختلاف سرزمین ہم عہد اسلامی کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مشرق مغرب

عربوں کی مشرقی عمارتیں اور شہر

ابتدائے اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سی عمارتیں، مساجد، دارالامارۃ بیت المال، قید خانے، اور مہمان خانے تعمیر کرائے گئے۔ یہ تعمیریں اس وجہ سے مشہور ہیں۔ کہ عہد اسلامی کی یہ سب سے پہلے پہل کی تعمیریں تھیں۔ عہدِ فاروقی میں مساجد کی تعداد بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام عمال کو حکم دیا تھا کہ ہر ایک شہر اور گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ یہ مساجد آج "جوامع عمری" کے نام سے مشہور ہیں۔ گو وہ اپنی اپنی اصلی حالت میں نہیں رہیں۔

جامع اقصیٰ

عہد فاروقی کی یہ مشہور مسجد بیت المقدس میں عین اس جگہ واقع ہے۔ جسے "ہیکل سلیمانی" کہتے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی متبرک ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس جگہ خود اپنے دستِ مبارک سے مٹی ہٹائی تھی، اور مسجد کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا، اس کی محرابیں نہایت ہی خوبصورت ہیں۔ اس مسجد میں ایک نہایت ہی خوبصورت لکڑی کا منبر ہے۔ جس میں ہاتھی دانت کا کام نہایت ہی عمدہ کیا گیا ہے چونکہ یہ مسجد بہت ہی مشہور ہے اسلئے کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔

"بصرہ"

عہد اسلامی کا یہ سب سے پہلا شہر ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آباد کرایا تھا۔ پہلے اسجگہ

بالکل میدان تھا۔ اس کی آبادی کا سبب یہ ہوا کہ اہل فارس اور اہل ہند کے درمیان سلسلہ مواصلت منقطع کر دیا جائے۔ کیونکہ بندرگاہ "ابلہ" کے قریب خلیج فارس میں اہل ہند اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔ سیاسی حیثیت سے اس جگہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوہ اس کام کے لئے مقرر کئے گئے۔ شہر نہایت ہی قاعدہ کے ساتھ آباد کیا گیا۔ مربد بصرہ مشہور جگہ تھی۔ جہاں بڑے بڑے شعراء اور ادباء جمع ہوا کرتے تھے۔ اور شعر و سخن پر طبع آزمائی کیا کرتے بڑے بڑے آئمہ فن اس سرزمین میں پیدا ہوئے۔ اور اسی زمین میں محو خواب ہیں۔ اس شہر کی عظمت اگرچہ بڑھی لیکن دار الخلافہ بننے کا شرف اسے حاصل نہ ہوا۔ تعجب تو یہ ہے کہ خلفاء نے ہمیشہ یہاں بہت ہی سخت عمال (گورنر) بھیجے۔ جیسے حجاج بن یوسف، زید بن ابیہ (امیہ)

کوفہ

اس شہر کو بھی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض فوجی مصالح کی بناء پر آباد کیا تھا اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ شہر کوفہ اس جگہ آباد کیا گیا جس کی آب و ہوا عربوں کی مزاج کے موافق حضرت سلمان اور حضرت حذیفہ لیئے جو کہ گویا محکمہ تعمیرات کے افسر تھے۔ اس کو حضرت عمر کے حکم سے آباد کرنا شروع کیا۔ نعمان بن منذر شاہ عرب کی اکثر عمارتیں اسی شہر کے گرد و نواح میں واقع تھیں یہاں کی زمین نہایت ہی سرسبز و شاداب اور سرخ رنگ کی ہے۔ دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ عربوں نے اس شہر کو اس قدر پسند کیا کہ وہ اسے خلد العلا (اعور خسارہ دوشیزہ) کہنے لگے۔ اس شہر نے بصرہ سے زیادہ ترقی کی۔ ابتداء یہاں کی فوجی آبادی تھی۔ لیکن بعد میں ترقی ہوئی اور یہاں بڑے بڑے ائمہ عصر گزرے۔ عہد فاروقی میں صحابہ اور تابعین کا ایک گروہ تعلیم و تعلم میں مصروف تھا۔

اس کی آبادی ۱۷ھ میں شروع ہوئی۔ حضرت عمر شہروں اور عمارتوں کا نقشہ خود بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ حکم دیا کہ چالیس ہزار آدمیوں کے لئے مکان تعمیر کئے جائیں۔ ہر قبیلے کے مکانات جدا جدا ہوں۔ شارع عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی ہو۔ چھوٹی چھوٹی سڑکیں تیس تیس ہاتھ یا بیس ہاتھ گلیوں کی چوڑائی سات ہاتھ۔ جامع مسجد ایک مربع چبوترہ پر تعمیر کی جائے۔ جس میں بیک وقت چالیس ہزار آدمی باجماعت نماز ادا کر سکیں۔ مسجد کے چاروں طرف ایک وسیع زمین چھوڑ دی جائے۔

جامع مسجد کے سامنے ذرا فاصلہ پر دو سو ہاتھ لمبا سائبان بنوایا گیا۔ جس کے ستون سنگ رخام کے تھے، یہ ستون نوشیروان کی عمارتوں میں سے نکال کر لائے گئے تھے۔ مسجد کے سامنے ذرا فاصلہ پر ایوان حکومت تعمیر کیا گیا تھا۔

فسطاط

فتح اسکندریہ کے بعد جتنے بھی یونانی وہاں آباد تھے۔ تمام نے ترک وطن کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے فاروق اعظم کو لکھا۔ کہ یونانی مکانات چھوڑ کر چلے گئے۔ چونکہ دریائے نیل راستے میں حائل تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے اسکندریہ کو صدر مقام بنانا پسند نہ فرمایا۔ حضرت عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں پھر واپس آئے۔ یہاں ان کا خیمہ اپنی اسی حالت میں موجود تھا۔ حضرت عمرو بن العاص وہیں ٹھہر گئے اور ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے قبلہ کی تعیین ۸۰ صحابہ نے کی۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ اس شہر نے بہت جلد ترقی کر لی۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں چالیس ہزار اہل عرب کے نام درج رجسٹر تھے۔ مورخ فضاعی لکھتا ہے۔ کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۶ مسجدیں، ۱۰ ہزار سڑکیں، ۴۰ حمام تھے۔ علامہ بشاری تو اسے بغداد سے بھی بڑھا دیتے ہیں

موصل

پہلے یہ مقام ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں ایک قلعہ اور چند عیسائیوں کے معبد تھے۔ اوائل عہد فاروقی میں اس نے ایک عظیم الشان شہر کی صورت اختیار کر لی۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے سنگ بنیاد رکھا۔ سب سے پہلے ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی اور پھر باقاعدہ اس کے چاروں طرف قبائل عرب آباد کئے گئے۔ یہ شہر سیاسی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ یہی مشرق و مغرب کا دروازہ اور جائے اتصال ہے اور غالباً اسی مناسبت سے اس کا نام "موصل" رکھا گیا۔ یاقوت حموی صاحب معجم البلدان لکھتے ہیں کہ دنیا میں سیاسی حیثیت سے اہم ترین شہر تین ہیں "نیشاپور" جو کہ مشرق کا دروازہ ہے۔ "دمشق" جو کہ مغرب کا دروازہ ہے۔ اور تیسرا موصل جو کہ مشرق و مغرب دونوں کا دروازہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص مشرق کی جانب یا مغرب کی جانب کہیں بھی جانا چاہے۔ اس کو یہاں سے ہو کر گذرنا پڑے گا۔

جزیرہ

یہ چھوٹا سا شہر دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص فتح

اسکندریہ کے بعد جب فسطاط واپس آئے تو تھوڑی سی فوج حفاظت کے لئے یہاں رہنے دی تھی۔ جب فسطاط آباد ہوا۔ تو حضرت عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلانا چاہا۔ لیکن ان لوگوں کو وہاں کا منظر اس قدر بھا گیا کہ اس مقام کا چھوڑنا پسند نہ کیا۔ آخر حضرت عمر کو اطلاع کی گئی۔ آپ نے مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجازت دیدی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ وہاں ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ ۲۲ھ میں قلعہ تعمیر ہوگیا۔ لیکن قبیلہ ہمدان نے کہا کہ "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتے۔ ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے" چنانچہ یہ لوگ قلعہ کے باہر ہی آباد ہوگئے۔ اور اس طرح یہ معمولی سی جگہ تھوڑے دنوں میں ایک بڑا مقام ہوگیا۔

"عہد اموی"

اس عہد میں دمشق نے خاص ترقی حاصل کی تھی۔ اور درحقیقت خالص عربی تمدن اسی شہر میں پایا جاتا تھا۔ اور اپنے انتہائی ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے اسی شہر میں دفن بھی ہوگیا۔ بغداد اور اندلس کے اسلامی تمدن کچھ کچھ تو ضرور خارجی اثر سے متاثر تھے۔

جامع اموی

حضرت امیر معاویہ نے جب شام کو مرکز قرار دیا۔ اس حصۂ ملک نے بہت ترقی کی۔ یہاں کی تلواریں تمام دنیا میں، آبنوس پر ہاتھی کے دانت کا کام نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ سونے کے پانی کا کام ایسا اچھا ہوتا تھا کہ دنیا میں کہیں بھی ایسا عمدہ نہیں ہوسکتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب تیمور لنگ نے دہلی مارا تو یہاں سے صنعت گروں کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔

ولید بن عبدالملک جب تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے ایک بے نظیر جامع مسجد کی بنیاد رکھی، جو کہ جامع اموی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مسجد ۵۰۰ فٹ لمبی اور ۱۵۰ فٹ چوڑی ہے۔ اس میں بہت ہی بڑے بڑے مختلف رنگ کے پتھروں کے ستون لگائے گئے ہیں۔ اس کی چھت میں قیمتی ۶۰۰ قندیلیں سونے اور چاندی کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ ماہ رمضان میں اس کی زینت دوبالا ہوجاتی، اس ماہ مبارک میں بارہ ہزار قندیلیں جلتی تھیں۔

مسجد میں اندر باہر کے چار محرابیں تیار کی گئیں۔ ۷۵ موذن بیک وقت اس کے تین بلند میناروں پر اذان دیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی تعمیر پر ۳۰ لاکھ دینار صرف ہوئے تھے۔ مسجد ۸۸ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ اور آج تک اسی شان و شوکت سے قائم ہے۔

"رملہ"

سلیمان بن عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا۔ القدس سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔

"رصافہ ہشام"

ہشام بن عبدالملک نے بنوایا تھا۔

حاشیہ

عبداللہ سفاح العباسی نے دولت بنی امیہ کے زوال کے وقت انبار کے قریب بنوایا تھا۔ جرہ کے بعد یہی مقام عبداللہ سفاح کا دارالسلطنت قرار پایا۔ (باقی۔ باقی)

(محمد عنایت اللہ۔ بی اے۔ جامعہ)

شہزادگان دکن کا عزم یورپ

جریدہ غیر معمولی کی پانچ مارچ کی اشاعت میں اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کا ایک فرمان شائع ہوا ہے جو اس بات کا مظہر ہے کہ شاہزادہ معظم جاہ ولی عہد سلطنت اور انکے برادر اصغر شاہزادہ معظم جاہ جنہوں نے گذشتہ سال ہندوستان کا دورہ کیا تھا سیاحت یورپ کا عزم رکھتے ہیں شہزادگان عالی وقار ۱۶ مارچ کو حیدرآباد سے بمبئی اور وہاں سے ۲۱ مارچ کو بذریعہ جہاز عازم انگلستان ہونگے مسٹر بینی مسٹر برنٹ نواب عثمان یار الدولہ (اعلیحضرت کے ملٹری سیکرٹری) اور نواب نصیر نواز الدولہ آنالیق کی حیثیت سے شہزادگان کے ہمراہ ہونگے شہزادگان بلند اقبال نظم ونسق مملکت کا مطالعہ کرنیکی غرض سے ۶ ماہ تک وہاں قیام فرمائینگے اور حضور ملک معظم سے ملاقات کرینگے۔ ؎

بسفر رفتنت مبارک باد ۔! بسلامت روی و باز آئی

بقیہ حاشیہ ۲ مولنا شوکت علی پختیار رہے ہیں اور انہی کے الفاظ کو دہرانے پر مجبور ہونگے کہ:

"مہاتما گاندھی کی حرکت نے ہم کو ہوشیار اور متنبہ کردیا کہ اُن (ہندو اکثریت) کی نیت اتحاد کی نہیں ہے بلکہ اسکے نام سے مسلمانوں کو اپنا غلام بنانا مدنظر ہے ان میں پنڈت مالوی اور ڈاکٹر مونجے میں کچھ فرق نہیں ہے صرف اتنا کہ آنرالڈ کھلے خزانوں مسلمانوں کیخلاف زہر اگلتے ہیں اور مہاتما میٹھی میٹھی باتوں سے مسلمانوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں"

دراصل مولنا محمد یعقوب نے کوئی نئی بات نہیں اور سچ پوچھو تو اب ہر مسلمانوں کی وہی رائے ہے جو مولنا شوکت علی کی ہے کاش

یادِ ایّام

(از جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔)

(۱)

اے مسلم اے جانِ وفا اے صاحبِ صدق و صفا
اے عاشقِ خیر الورا اے قبلۂ اہلِ ہدا
رہتا ہے کیوں اتنا حزیں
دل گیریاں اچھی نہیں

فطرت کا تو مقصود ہے یہ بے دلی بے سود ہے
تیرا خدا موجود ہے لا تقنطو پر رکھ یقیں
اے وارثِ دنیا و دیں

(۲)

یہ ذوق خواری تا کجے غفلت شعاری تا کجے
یہ اشکباری تا کجے یہ لالہ کاری تا کجے
یہ حسرتوں کا پھوٹنا
بن بن کے صورت ٹوٹنا

اے قاصدِ امید آ بن کر ہلالِ عید آ
اے سائل توحید آ کیا یاد اب تھوڑی نہیں
وہ تیری صبحِ عنبریں

(۳)

اسلام کا ہوتا عیاں تھا صبح صادق کا سماں
وہ نور کا تختِ رواں کرنوں کا رنگین کارواں
اک کیف برساتا ہوا
سینوں کو گرماتا ہوا

عرفان کا نور اس میں عیاں وجدان کا نور اس میں عیاں
ایمان کا نور اس میں عیاں عالم ہوا روشن جبیں
جاگ اٹھے سب اہلِ زمیں

(۴)

نورِ سحر کی ضو تھی یہ موجِ صفا کی رو تھی یہ
شمعِ ہدیٰ کی لو تھی یہ تمہید دورِ نو تھی یہ
عالم کو سرشار اس نے کیا
سینوں میں گھر اس نے کیا

جادو ہے یہ چلتا ہوا یا نور تھا ڈھلتا ہوا
لوگوں کے دل چھلتا ہوا ہسپانیہ سے تا بہ چین
سارا جہان زیر نگین

(۵)

عرفان کی وہ چھوٹی کرن باطل پہ لوٹنی کرن!
دامن کو آگے بھر گئی پل میں سنہرا کر گئی!
لعل و گوہر برسا گئی
ذروں کو بھی چمکا گئی
وہ حق کی باطل سوزیاں کرنوں کی وہ زردوزیاں
حکمت کی جاں افروزیاں تھا قلبِ مسلم بالیقیں
رشکِ جمالِ حور عیں

(۶)

کعبہ سے اک آئی گھٹا چاروں طرف چھائی گھٹا
رحمت برستی آگئی آنکھوں میں مستی آگئی
ذرّوں میں ہستی آگئی حکمت پرستی آگئی
سینوں کی سیرابی ہوئی دینوں کی شادابی ہوئی
کینوں کی نایابی ہوئی باطل ہوا غرقِ یمیں
روشن ہوا دینِ مبیں

(۷)

وہ ابرِ عرفاں آگیا گلشن بداماں آگیا
تختِ سلیماں آگیا جینے کا ساماں آگیا
غنچے چٹک کر کھل گئے
پھولوں کو موتی مل گئے

باطل کو بربادی ملی نغموں کو آزادی ملی
جنگل کو آبادی ملی! کلیاں شیاں ہونے لگیں
ہر گل سے ٹپکا انگبیں

(۸)

دیں سب کو بھاتا آگیا جی کو لبھاتا آگیا
جلوے دکھاتا آگیا دل میں سماتا آگیا
کوثر پلاتا آگیا ہمت دلاتا آگیا
پر چشم اڑاتا آگیا دھومیں مچاتا آگیا
باطل کو ڈھاتا آگیا رخشِ شہامت زیریں
حیراں ہوئے اہلِ یمیں

(۹)

ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا بندے کو آقا کر دیا
ذرّے کو صحرا کر دیا قطرے کو دریا کر دیا
کانپ اٹھے کسریٰ کی محل
سطوت میں جب آیا خلل
رومی و زنگی کانپ اٹھے مردانِ جنگی کانپ اٹھے
سارے فرنگی کانپ اٹھے مکڑے ہوئے حصنِ حصیں
اور شاہ خاکسر نشیں

(۱۰)

کچھ خاک سواروں کو لیا پھر تاجداروں کو کیا

ہسپانیہ زیرنگیں، رُومانیہ زیرنگیں،
ہندوستان زیرنگیں، سارا جہان زیرنگیں
کشورکشائی ہاتھ میں، ساری خدائی ہاتھ میں
لاانتہائی ہاتھ میں بن باسی اور صحراگزیں
ہونے لگے مسندنشیں

(۱۱)

وہ صبح صادق اب کہاں ہے اَور ہی اب تو سماں
اگلے زمانے ہوچکے قصّے پُرانے ہوچکے
شیریں ترانے ہوچکے رنگیں فسانے ہوچکے
اب ہیں کہاں گلپوشیاں عشرت کی نوشان نوشیاں
سوتی ہیں اب خاموشیاں اس باغ میں کچھ بھی نہیں
یورپ تھا جسکا خوشہ چیں

(۱۲)

وُہ مردِ غازی اب کہاں جوشِ حجازی اب کہاں
لگے نمازی اب کہاں سینا درازی اب کہاں
جو عشق تجھ میں عام تھا
اسلام جس کا نام تھا
اَب تیرے سینے میں نہیں مکّے مدینے میں نہیں
کچھ لطف جینے میں نہیں اے فاتحِ روما و چیں
جھکتی ہے کیوں تیری جبیں

(۱۳)

جوشِ اخوّت کیا ہُوا کیف محبّت کیا ہُوا
زورِ حمیت کیا ہُوا ذوقِ مودت کیا ہوا
نجدی کہیں صوفی کہیں
رومی کہیں کوفی کہیں
آپس کی کھینچا تانیاں گمراہیاں نادانیاں
تکفیر کی طغیانیاں ٹوٹا ترا حبل المتین
بکھرے سبھی درثمیں

(۱۴)

وُہ شوقِ روحانی ترے وُہ ذوقِ پنہانی ترے
وُہ شغلِ نورانی ترے جلسے شبستانی ترے
وہ رنگ پہلے کیا ہوئے
اور ڈھنگ پہلے کیا ہوئے
ایراں میں ہے ماتم بپا افغاں ہے آنکھیں ہیں گریا
موصل میں ہے شورِ دغا ہے شام کی خونیں جبیں
سوتے ہیں ہندی نازنیں

(۱۵)

سونے سے آخر فائدہ رونے سے آخر فائدہ
ہونا تھا جو کچھ ہوگیا کھونا تھا جو کچھ کھوگیا
وہ رات کالی ہوچکی
بزمِ خیالی ہوچکی

اٹھ کر خدا کا نام لے ہمت سے مسلم کام لے
گرتے ہوؤں کو تھام لے فطرت ہے تیری آتشیں
بن جا نہ دردِ تہ نشیں،

(۱۶)

تبدیل کر یہ زندگی! یہ زندگی شرمندگی
مقصد میں ہو تابندگی! اور عزم میں پابندگی
دل میں کلیمی شوق ہو،
جی میں خلیلی ذوق ہو!

بازو میں زورِ حیدری باتوں میں لطف دلبری
ہر حال میں جاں پروری بن رحمۃ للعالمین
اے قوم ختم المرسلیں

(۱۷)

یہ دین کے شیدائی سبھی آپس میں ہیں بھائی سبھی
دولت کے مستانے ہیں یہ رحمت کے پروانے ہیں یہ
کیوں تجھ سے بیگانے ہیں یہ تسبیح کے دانے ہیں یہ
لے تار جان ان کو پرو دل سے لگا جو ہو سو ہو
رشتہ محبت کا نہ کھو درد ان کا اور جاں جزیں
نام ان کا اور دل کانگیں

(۱۸)

اٹھ مانگ اب حق سے دعا اے خالقِ ارض و سما
لے خاکساروں کی خبر آفت کے ماروں کی خبر
ان بے قراروں کی خبر ان سوگواروں کی خبر
رحمت کو ارزانی ملے ہمت کو آسانی ملے
قلبِ مسلمانی ملے دے ذوقِ ایمان و یقیں
اے روح بخش ماطیں

(۱۹)

ان کو عطا وہ سینہ ہو جو نور کا آئینہ ہو
وہ روح جو جان تاب ہو وہ ہوش جو بے خواب ہو
وہ جوش جو سیماب ہو وہ عشق جو بے تاب ہو
وہ کیف جو مدہوش ہو وہ خندہ جو گل پوش ہو
وہ گریہ جو خاموش ہو وہ جان کہ ہو تیری رہین
وہ دل ہو تو جس میں مکیں

(۲۰)

سینوں میں ہوں تابانیاں ہوں شوق میں طغیانیاں
دے عزم کو جولانیاں تابندہ کر پیشانیاں
تو ایک ہے یہ ایک ہوں
یہ تیرے بندے نیک ہوں
پھر نور سینوں کو ملے برکت پسینوں کو ملے
رونق جبینوں کو ملے ایاک و بک نستعین
اے مالکِ جاں آفریں

قدرت کی انتقامی گرفت

چاہ کن را چاہ در پیش

اعظم گڈھ کی خبر ہے کہ ایک عورت جس کے ساتھ دو بچے اور زیورات و نقدی کا صندوق تھا ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لئے تانگہ پر سوار ہوئی۔ اثنائے راہ میں کسی جنگل میں گاڑی ان کی نیت بگڑ گئی اور وہ گھنے درختوں میں تانگہ ٹھہرا کر عورت اور بچوں کو اتار کر ایک درخت کے نیچے لیگیا اور عورت کی عصمت دری کے درپے ہوا۔ عورت نے ہر چند منت و سماجت کی۔ لیکن بدبخت کے سر پر بے حیائی کا بھوت سوار تھا اس نے ایک نہ مانی عورت کو مارا پیٹا اور اس قدر تنگ کیا کہ بیچاری نیم جان ہوگئی۔ آخرالامر ایک بوری [illegible] اور اس نیت سے کہ اُسے کنویں میں ڈال کر زیورات کے صندوق پر قبضہ کرے۔ ایک بڑے بھاری پتھر کی تلاش میں پھرنے لگا۔ یہ قدرت کے سوا عورت کا کون تھا کہ بیچاری کی اس مصیبت میں آڑے آتا۔ بے کسی و بے بسی میں امداد غیبی کا انتظار کر رہی تھی اور بوریا میں لپٹی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی بچے بلبلا رہے تھے اور ظالم کے ہاتھوں بچنے کیلئے ایک دلخراش کے نیچے کراہ رہے تھے۔ ظالم بے حیا نے پھرتے پھرتے ایک پتھر پایا اسے اُٹھانا چاہتا ہی تھا کہ اس کے نیچے سے ایک سیاہ فام سانپ نمودار ہوا اور فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھوں پر آہنی زنجیر کی طرح لپٹ گیا اور وہ مبہوت سا رہ گیا بے بس و بیچارہ ہوگیا ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کہ اتفاقاً کوئی افسر اثنائے دورہ میں ادھر سے گذرتا ہوا بچوں کے کراہنے کی آواز پاکر موقعہ پر آپہنچا۔ دریافت حال پر بوریا کو کھولا اور مظلومہ کا بیان قلمبند کیا۔ ظالم چاہتا تھا کہ فرار ہو جائے لیکن اس کا خون تجمد ہو چکا تھا اور جنبش تک کی سکت باقی نہ تھی راہ گزر وہاں پہنچا اور دیکھا کہ ایک پُر ہیبت سیاہ فام سانپ اس کے ہاتھوں سے لپٹا ہے اس لئے پکار کر کہا کہ اے سانپ میں اب مظلومہ کی امداد کو پہنچ گیا ہوں۔ تجھے اگر ظالم کی گرفت کے لئے خدا نے مقرر کیا ہے تو اب اسے چھوڑ دے یہ بھاگ نہیں سکتا۔ سانپ نے یہ آواز سنتے ہی اپنے بل ڈھیلے کئے اسکے ہاتھوں کو چھوڑا اور زمین پر چپا لانگ کر وہیں غائب ہوگیا۔ افسر مذکور نے ظالم و مظلوم اور بچوں کو موٹر پر سوار کر کے ضلع میں لے آیا۔ عورت ہسپتال میں داخل کی گئی۔ جہاں وہ تیسرے روز مر گئی۔ مجرم اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔ دیدہ بینا کے لئے یہ واقعہ بیحد عبرت انگیز ہے خلق خدا کو تنگ کرنا اور طرح طرح کے مظالم سے تنگ کرنا اسی دنیا میں بدلا کرنا ہی زندگی کا بہترین مقصد قرار دیئے ہوئے ہیں

اس واقعہ سے عبرت لیں اور قدرت کی سخت گرفت سے خوف کھائیں

ندوۃ القریش

۱۰ یکم مارچ ۱۹۳۱ء کو بعد حاضری ممبران اگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ سابقہ کارروائی پڑھی گئی اور کنفرم ہوئی سرکلر نمبر ۳ (انگریزی) سے متعلق خصیلدار صاحبان کے جوابی مراسلات پڑھے گئے۔ اور تجویز ہوا کہ کشنر صاحبان اور فنانشل کمشنر ہائے پنجاب کی خدمت میں ندوۃ القریش کا ڈیپوٹیشن جو کم از کم گیارہ ممبران پر مشتمل ہو اس مسئلہ کو باحسن وجوہ طے کرانے کے لئے حاضر ہو۔ مختلف اضلاع پنجاب کے سربرآوردہ قریشی حضرات جن میں زمیندار اور رئیس اور قانونی اصحاب بھی شریک ہوں۔ ترتیب دیا جائے۔ سیکرٹری صاحب ندوہ کو ہدایت کی گئی۔ کہ وہ بہت جلد اس کے لئے خط وکتابت شروع کر دیں اور زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ تک رپورٹ پیش کریں۔

"حافظ نسب رسولؐ" قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی گولڑوی الہ گولڑہ کو جو الزام کہ ان کی شخصیت وہیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۲۴ فروری ۱۹۳۱ء کو گورنر پنجاب کی طرف سے "ڈسٹرکٹ درباری" کی سند عطا ہوئی ہے اور ان کا یہ اعزاز ہمارے لئے قابل فخر ہے۔ اس لئے صدر جلسہ کی تحریک پر ان کے لئے الفاظ ذیل مبارک باد کا ریزولیوشن اتفاق رائے منظور ہوا:۔

"قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی گولڑوی مشہور رئیس اور علمی تبحر کے لحاظ سے ایک قابل قدر شخصیت رکھتے ہیں۔ ان کی قابلیت وہر دلعزیزی کا اقتضا تھا کہ انہیں سرکاری اعزاز عطا ہو ہم خوش ہیں کہ رائے صاحب (لالہ) بھیم سین کشنر کو ہز ایکسی لنسی مسٹر سی کی وساطت سے ان کیلئے "ڈسٹرکٹ درباری" کی سفارش کی اور اس پر حضور گورنر پنجاب نے انہیں اعزازی سند عطا فرمائی۔ لہذا ندوۃ القریش کا یہ جلسہ رائے صاحب کی خدمت میں اس اعزاز پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ اور ایسا بجا موصوف کی قدردان دیرینہ ذات ہستی کا شکریہ ادا کرتا ہے"

تجویز ہوا کہ ریزولیوشن کی مثل قاضی صاحب اور ترجمہ بالفاظ انگریزی رائے صاحب کی خدمت میں ارسال کیا جائے۔

اس کے بعد فارم ہائے ممبری پیش ہوئے جن میں سے گیارہ منظور کئے گئے اور دو زیر تجویز رکھے گئے۔ اسسٹنٹ سیکرٹری صاحب کو ہدایت ہوئی کہ وہ منظور شدہ ممبروں کا رجسٹر میں اندراج کریں۔ اور جن حضرات کے چندے ہنوز موصول نہیں ہوئے ان کو یاد دہانی کے خط لکھیں اور آئندہ اجلاس میں ایک

گوشوارہ مرتب کرکے پیش کریں۔ جس سے معلوم ہو کہ کتنے ممبران کے ذمہ کس قدر رقم واجب الوصول ہے۔

مراسلات آمدہ از بیرونجات پڑھے گئے۔ مولوی سلطان علی صاحب انسپکٹر اور قریشی حیدر نواز صاحب رئیس کی پیش کردہ تجاویز زیر غور رکھی گئیں۔ تجویز ہوا کہ باقی خطوط کا مناسب جواب دیا جائے۔ اور یہ دونوں سلسلے آئندہ اجلاس میں پیش ہوں۔

خزانچی صاحب ندوہ کو ہدایت ہوئی کہ آمد و خرچ کا مفصل گوشوارہ آئندہ اجلاس میں پیش کریں اور سیکرٹری صاحب امین صاحبان سے ۴ لغایت ۹ رسیدیوں کا مطالبہ کریں۔ تاکہ آمد و بقایا کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس کے بعد دفتر کے انتظامی کاروبار پر کچھ دیر گفت و گو ہوتی رہی۔ اور جلسہ چار بجے شام بخیر و خوبی برخاست ہوا۔

محمد طفیل حلیم فاروقی
جوائنٹ سیکرٹری "ندوۃ القریش"

بقیہ ص ۳۱ "میں بنیا ہوں اور میری حرص و آز کی کوئی انتہا نہیں میری ہمیشہ سے دلی آرزو اور خواہش رہی ہے کہ میں ۲۱ کروڑ کی طرف سے نہیں بلکہ تیس کروڑ ہندوستانیوں کی طرف سے گفتگو کروں"

یہ سچ ہے کہ وہ ۳۰ کروڑ ہندوستانیوں کی نمائندگی کے دعویدار ہیں اور ان کی کوشش رہی ہے کہ ان کو تمام ہند کا نمائندہ تسلیم کر لیا جائے۔ اسکے لئے انہوں نے کوششیں بھی کی ہیں لیکن یہ کوششیں چونکہ خود غرضانہ مقاصد پر مبنی تھیں اسلئے ان میں کبھی قبولیت کا یہ یابی نہیں ہوئی اور وہ مسلمان بھی پوجا دیوتا کی طرح کیا کرتے تھے انکے اصلی مقاصد سے آگاہ ہونے کے بعد یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ مہاتما ایک کٹر ہندو ہیں اور ہندوؤں ہی کے راہنما ہو سکتے ہیں چنانچہ مولانا شوکت علی جو ان مسلمانوں میں سے ہیں۔ جن کی امداد سے مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس میں ایک بڑی حد تک وہ عارضی طور پر کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ لکھنے پر مجبور ہوئے تھے:۔

"ہم صاف کہنا چاہتے ہیں کہ مہاتما گاندھی ضرور ہندوؤں کے رہنما ہو سکتے ہیں ہم کو اس سے کچھ اختلاف نہیں مگر ہرگز ہرگز مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہو سکتے مسلمانوں کو ان پر اعتبار نہیں۔ بلکہ سخت بیزاری اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے دوست بن کر مسلمانوں کو دھوکا دیا اور اب بالجبر مسلمانوں کو اپنے ساتھ گھسیٹنا چاہتے ہیں اور بھائیوں بھائیوں میں اختلاف کا باعث ہو رہے ہیں۔ (خلافت بمبئی ۱۳ جون ۱۹۲۰ء)

لیکن اگر مسلمان مہاتما گاندھی کی میٹھی میٹھی مگر خالی از معنی باتوں میں آگئے تو وہ اسی طرح پچھتائیں گے جس طرح

بزمِ قریش

(۱) قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی تحریر فرماتے ہیں :-

" ۸۶ عید مبارک

برادر محترم۔ السلام علیکم! ابھی ابھی القریش ملا، جس میں نصیب اعدا آپ کی علالت کا حال مندرج تھا، قوم قریش کی کشتی کی ناخدائی کا جو بارِ عظیم آپ کے کندھوں پر ہے اور اس وقت تک تحفظ اور نسب اور قوم قریش کے زراعت پیشہ قرار دیئے جانے کے متعلق آپ نے بذریعہ ندوہ جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ اور جو بہترین توقع آپ کے ذات کے ساتھ قوم قریش کو ہوسکتی ہیں۔ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ آپ کے عمر طبعی تک صحت و سلامتی کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے خدا تعالیٰ آپ کو جلد تر صحت کلی عطا فرمائے۔ تاکہ آپ بیش از بیش خدمتِ قوم سرانجام دے سکیں۔ آمین! مردم شماری کے موقعہ پر تحفظ قرشیت اور چند بقیہ اضلاع پنجاب میں قریش کے زراعت پیشہ قرار دیئے جانے کے متعلق آپ نے جس قدر عظیم الشان کام کیا ہے۔ اس کے بعد اگر ندوہ اور کوئی کام نہ بھی کرے تو بھی یہ بنیادی اور تعمیری کام اس قابل ہے کہ قریش کے موجودہ اور آئندہ نسلیں آپ کو شکرگذاری کے ساتھ یاد کرتی رہینگی۔ مژدۂ صحت سے جلد اطلاع دیجئے۔ تاکہ تسلی ہو والسلام۔

قاضی نظیر حسین فاروقی۔

ریٹائرڈ مستوفی۔ 18/2/36

آپ کی ہمدردی کا بدل مشکور ہوں۔ اب حالت روبصحت ہے خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ جلد کام کاج کے قابل ہوسکوں گا۔ نیازمند رونق

---

(۲) جناب شاکر اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

" بھائی رونق عفا اللہ عنکم

خدا کی قسم، حقیقی معنوں میں عدیم الفرصت ہوں۔ ہفتے گذر جاتے ہیں کہ حرف تک لکھنے کی نوبت نہیں آتی۔ بہرحال وعدہ کرتا ہوں کہ اگر توفیق ایزدی شاملِ حال رہی تو کبھی نہ کبھی القریش کیلئے

وقت نکال لیا کریں گا۔ اس کے علاوہ ایک بات جس کی وجہ سے میں خاموش ہوں وہ یہ ہے۔ کہ اب بفضل خدا القریش کی قلمی اعانت کیلئے آپ کو مجھ سے کئی گنا بہتر ناظم و ناثر ملے ہوئے ہیں میرے خیال میں ان کے مضامین کی اشاعت میرے فرسودہ خیالات سے ازبس ضروری ہے۔ والسلام"

وعدہ فرمانی اور حوصلہ افزائی کا بدل مشکور رہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل قلم احباب میری اعانت فرما رہے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہونے چاہئیں کہ آپ ایسے شاہکار اس قومی آرگن کی قلمی امداد فرمانے میں خاموشی اختیار کرلیں ۔ ۔ ۔

شذرات

ملکی آبادی کے صحیح اعداد و شمار معلوم کرنے کے لئے ہر دس سال بعد مردم شماری کی جاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے اس بات کا مکمل انتظام کیا جاتا ہے کہ ہر مذہب قوم اور ہر فرقہ کی صحیح صحیح تعداد معلوم ہو جائے۔ تاکہ ان کے حقوق میں مساوات کا بوجہ احسن لحاظ کیا جا سکے اور ہر گروہ کو حق حاصل ہو۔ کہ وہ شمار و اعداد کے لحاظ سے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کر سکے۔

ہندوستان کی نیم خواب آنکھیں جب سے سوراج کا بے تعبیر خواب دیکھنے لگی ہیں۔ ملکی مفاد کو دیکھنے سے عاری ہو گئی ہیں۔ ہر جگہ نفسی نفسی کا شور ہے اور ہر شخص دوسرے کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دینے کے لئے جائز و ناجائز وسائل اختیار کرنے پر آمادہ کھائے بیٹھا ہے۔

مردم شماری ۱۹۳۱ء کے رد سے یاران وطن کے کان جب ۵۶ فی صدی کے ناخوشگوار طبل نے بہرے کر دیئے اور ان کی زبان اس کے جواب سے عاجز آ گئی۔ تو جدید مردم شماری جو ۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی شب کو عمل میں آئی ہے کا بے تابانہ انتظار ہونے لگا۔ اور بہت عرصہ قبل اپنی تعداد بڑھانے کی کوششیں جاری کر دیں، چنانچہ وثوق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر مذہب، ہر فرقہ اور ہر گروہ نے تناسب بڑھانے کی غرض سے اس قدر غلط بیانی، اور دروغ بافی سے کام لیا ہے کہ مردم شماری کا اصل مقصد ہی فوت ہو گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ شہر امرتسر کی آبادی جو ۱۹۲۱ء میں تھی۔ اس سے اس قدر بڑھ گئی ہے کہ جدید مردم شماری کے متعلق میونسپلٹی کو عدم اعتماد کا ریزولیوشن پاس کرنا پڑا۔ بہت ممکن ہے کہ دیگر مقامات کی بھی یہی کیفیت ہو۔ دیکھیں مردم شماری کے ذمہ دار افسران کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

ہندوستانی سوراج اور آزادی کے لئے اگر ایک طرف مشغول بہ جہاد ہیں اور حصول مقصد کیلئے متفقہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ تو دوسری طرف ہنگامہ خیزی اور باہمی جنگ و جدل خونریزی اور سر پھٹول کا بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیتے۔ بنارس کا محشر خیز ہنگامہ ان جذبات کا کھلا ہوا ثبوت پیش کر رہا ہے جو برادران وطن اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ وہاں انسانی خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھی گئی۔ بے دریغ چیرہ دستیوں سے کام لیا گیا۔ زیردست زبردستوں کے ہاتھوں خاک و خون میں غلطاں ہو گئے۔ بچوں، بوڑھوں اور غریب و بیکس عورتوں کی لاشیں سر راہ رسوا کی گئیں۔ مساجد و مکانات جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیئے گئے۔ اگر یہی سوراج ہے اور اسی کا نام

کانگریسی حیلہ سازوں نے آزادی قرار دے رکھا ہے تو کوئی امن پسند ہستی اس آزادی کا خواہاں نہ ہوگا۔ مہاتما گاندھی اور وائسرائے میں صلح ہوگئی ہے۔ گاندھی کی چند شرائط تسلیم کر لی گئی ہیں۔ اور آئندہ گول میز کانفرنس میں اس کامل آزادی کی تمنا ہے جس سے ہندوستان کو صحیح معنوں میں ہندوستان بنانے کے ذرائع عمل میں لائے جائیں۔ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ تو لاریب اس آزادی کو مسلمان ہرگز ہرگز قبول نہ کرینگے۔ اور ملک کو امن و امان اور چین و آرام کبھی نصیب نہ ہوگا +

مہاتما گاندھی اور لارڈ اردن میں آخر صلح ہوگئی، مہاتما کی چند شرطیں تسلیم کر لی گئی ہیں اور آئندہ گول میز کانفرنس کے انعقاد تک مہاتما اور گورنمنٹ امور ذیل کے پابند رہیں گے :-

(۱) تحریک سول نافرمانی تمام صورتوں میں بند کر دی گئی۔ (۲) کسی بھی قانون کی اجتماعی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ (۳) ٹیکس ادا نہ کرنے کی تحریک ملتوی کر دی گئی۔ (۴) سول نافرمانی کی حمایت میں پمفلٹ اور پوسٹر شائع نہیں کئے جائینگے (۵) فوجی اور سول ملازموں کو استعفیٰ دینے کی ترغیب نہیں دی جاوے گی (۶) شراب اور بدیشی کپڑے پر پُرامن پکٹنگ جاری رہے گی۔ جہاں لوگوں نے تشدد دہشت زدگی۔ یا مخالفانہ مظاہروں سے کام لیا وہاں پکٹنگ بند کر دی جائے گی۔ (۷) گول میز کانفرنس میں شریک ہوگی۔ جو سکیم وہ چاہے گی پیش کر سکے گی۔

(۱) تمام آرڈیننس جو سول نافرمانی کے سلسلے میں جاری کئے گئے۔ واپس لے لئے گئے دہشت زدگی کی تحریک کے متعلق جو آرڈیننس (برہما آرڈیننس) بنایا گیا ہے وہ جاری رہیگا۔ (۲) ٹرینل لا امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت مختلف پولیٹکل انجمنوں کو خلاف قانون قرار دینے کے لئے جو احکام جاری کئے گئے تھے وہ واپس لے لئے گئے۔ (۳) تمام پولیٹکل مقدمات جو اس وقت عدالتوں میں ہیں واپس لے لئے گئے۔ (۴) تمام پولیٹکل قیدی رہا کر دیئے گئے ہیں۔ وہ جنکا تعلق تشدد سے نہیں۔ (۵) وہ جرمانے جو ابھی تک وصول نہیں ہوئے۔ منسوخ کر دیئے جائیں۔ (۶) مقدمہ سازش میرٹھ واپس نہیں لیا جائیگا۔ نہ دیگر مقدمات سازش۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے جلسہ دہلی میں مولانا محمد یعقوب نے مہاتما گاندھی کو مدعو کر کے انکے روبرو اس صداقت کا اظہار کیا۔ کہ مہاتما صرف اکیس کروڑ ہندوستانیوں کے نمائندہ ہیں۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

"گاندھی جی کی تشریف آوری اکیس کروڑ ہندوستانیوں کی تشریف آوری کے مترادف ہے"

مولانا محمد یعقوب نے ایک بالکل سچی بات صاف دلی سے کہدی۔ لیکن گاندھی جی کو بظاہر اس کی توقع نہ تھی وہ کہنے لگے :-

(باقی بر صفحہ ۲۸)

"القریش" کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یوپی، اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹۔ جون ۱۹۳۰ء سنہ کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر ہوا۔ اور "القریش" کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے اوغائے قریشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت، اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپکی خدمتیں قوم کی طرف سے

کم از کم ایک سو ایک

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

و نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ

"القریش"

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں ٭

(وزیر ہند پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

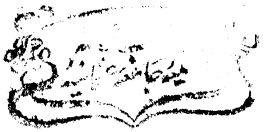

قولہ تعالیٰ

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

"تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور جیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے"

سادات قریش کا قومی آرگن

اَلقُرَیش

امرتسر

جو

بفرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائنس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ:

تین روپے

ایڈیٹر:

محمد علی رونق۔ صدیقی

تاریخ اشاعت

ہر انگریزی مہینے کی سترہ مقرر ہے

مناجات

بسوزد آتشِ غم استخوانم سخت حیرانم — بمن افتادہ مشکل المدد اے داور عالم
سکون صبر گم شد از دلم حالت دگرگوں شد — قرار ہستی من برقرار است و پریشانم
دعائے صبحگاہی ہم مرا سودے نمی دارد — بدل ضبطِ فغاں کردم مگر تن را بیازارم
توانم از حدیث غم اگر تو قصہ ام شنوی — زہائے من شدہ بیزار جملہ گوش خویشانم

طفیلِ سرورِ کونین اے داور پناہے دہ
نگونسارم بخاک افتادہ فرقم را کلاہے دہ

ترا اے حضرت یاری معین بے کساں دانم — توئی ماوائے دل شدگاں چنینم ہست ایمانم
فقیراں را مدد سازی غریباں را اماں بدہی — مدد کن خالقِ گیتی مکن محتاج دگرانم
تمامی اہل عالم بر من حال تبہ خندند — بیگانہ وار آیم بر درت از دھر بیگانم
نمی خواہی مزاج عاشقاں را تلخ فرمائی — خلاصی دہ مرا مولا ز قیدِ نفسِ شیطانم

بہ ارواح صحابۂ مقدس قبلہ گاہے دہ
شہنشاہِ شہنشاہا ر گدارا نیز شاہے دہ

ی زیبد مرا ہرگز اگر من شکوہ ات سازم — بمیدان عمل بازیچہ اطفال میبازم
توی مسجود جملہ اہل عالم مبدعِ رحمت — ز جود و فیض خود در دھر کن اے مولا مستازم
نمیدانم من انساعت کہ تو بر من کرم سازی — نمیدانم من آں وقتے کہ مے در ساغر اندازم

بفیضِ سید الشہداؑ کریما راست راہے دہ
مرا از رحمت مولا بعقبےٰ عز و جاہے دہ

(نذر محمد انور)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	مناجات	جناب نذر محمد صاحب انور	۱
۲	حقیقت کی راہ	از حضرت صاحبزادہ ظفر ہاشمی صاحب	۳
۳	دیوانی	از جناب سید طہور احمد شاہ صاحب	۵
۴	نکات (نظم)	از حضرت صاحبزادہ ظفر ہاشمی صاحب	۹
۵	سیاسی مجرم	از جناب واحد بخش صاحب حیدرآباد	۱۰
۶	آہ محمد سعید	از ایڈیٹر	۱۳
۷	انجم سے	از حضرت شاکر صدیقی	۱۴
۸	عرب کی مہماں نوازی	ماخوذ	۱۷
۹	رخصت سرما (نظم)	جناب محروم صاحب	۱۸
۱۰	حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی تعلیمی حالت	از عالیجناب میر علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات	۱۹
۱۱	خواب یوسف (نظم)	از حضرت طالب الہ آبادی	۲۱
۱۲	متاع غرور	از ایڈیٹر	۲۲
۱۳	ایک مسلم خاتون کی شجاعت	از "انقلاب"	۲۴
۱۴	میری سرگذشت	از جناب قاضی نصر حسین صاحب فاروقی	۲۵
۱۵	لغت	از حضرت نامی کوہ سوار نظامی	۲۸
۱۶	تقاریظ	از سید عامر عباس صاحب	۲۹
۱۷	بزم قریشی	از ایڈیٹر	۳۳
۱۸	شذرات	"	۳۴
۱۹	نامہ نما نغمہ	از حضرت راز چاندپوری	۳۶
۲۰	نکتہ چینی	ماخوذ	۳۷
۲۱	ندوۃ القریشی	جوائنٹ سکریٹری	۳۸
۲۲	نقد و نظر	ایڈیٹر	۳۹
۲۳	پچاس غیر مستطاب	مینجر	۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | بابت ماہ اپریل ۱۹۳۱ء | نمبر ۴

حقیقت کی راہ

(از جناب صاحبزادہ حضرت ظفر ہاشمی صاحب جائنٹ ایڈیٹر عالمگیر لاہور)

دنیا کا ہر متنفس اور ہر ایک چیز قدرتاً اور فطرتاً بالاستثناء "تنازع للبقاء" اور "جہد للحیات" کے لئے مصروف پیکار ہے اور یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری و ساری ہے اور اسی فشار سے جاری رہیگا اس زمین کے بسنے والے خواہ کسی نوع اور جنس سے ہوں، تقاضائے فطرت کے تحت وہ اپنے تحفظ و بقا کے لئے مسلسل جدوجہد میں مصروف عمل ہیں۔ ہاتھی سے لیکر چیونٹی تک ہر ذی روح اپنی اپنی قدرت و طاقت کے مطابق حفاظت خود اختیاری میں منہمک ہے۔ اسی انہماک میں "سر حیات اور رموز زندگی پنہاں ہے" ——!

آغاز کائنات سے لے کر لاکھوں اور کروڑوں قومیں بنی اور مٹ گئیں۔ لاکھوں قبیلے گروہ اور خاندان بنے اور مٹ گئے کئی قومیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور عدم آباد کو سدھاریں۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہیگا۔ یہ عروج و زوال جس طرح چلا آتا ہے چلا جائیگا ؎

آہ یہ دنیا یہ ماتم خانۂ برنا و پیر
آدمی ہے کس طلسم دوش فردا میں اسیر

اگر ہم مختلف اقوام کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ انکی "فنا و بقا" کا "اصلی راز" محض اسی احساس میں پنہاں ہے جسے "ایثار و جذبات" کہا جاتا ہے —— جہاں ایثار اور جذبۂ خدمت نہیں وہاں "خود غرضی" باقی رہ جائے گی ایثار کی قوتوں کے کم ہو جانیکا نام ہی "خود غرضی" ہے" —— اور خود غرضی ہی قومی ادبار و تنزل کا باعث ہوا کرتی ہے۔ ایثار کیا ہے۔ خود غرضی اور

اور خود طلبی کو مٹا کر بلا کسی خیالِ عوض و معاوضہ کے دوسروں کے کام آنا، حاجتمندوں کی حمایت و مدد کرنا۔ غریبوں اور بیکسوں کے کام آنا جس قوم میں ایثار نہیں وہاں ترقی نہیں، گویا ہر ایک قوم کی ترقی کی بنا محض "ایثار" ہے ــــــ

وہ مسئلہ جس کا حل ہم کو درپیش ہے اسی کے طرزِ عمل کی اصلاح کے لئے دو پہلو ہیں۔ جنکو شاید "اصطلاحی" اور "غیر اصطلاحی" یا "غیر اصطلاحی" پہلو کہنا بیجا نہ ہوگا، قوم کی ترقی کے اصطلاحی پہلو کا تعلق تو اس امر سے ہے کہ دیکھا جائے بمقابلہ دیگر اقوام کے ہماری کیا حالت ہے؟ اور ہم میں کس قدر ایثار باقی ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ ضروری ہے کہ ہم "ابتدائی" "وسطی" اور "انتہائی" مدارج میں اپنی کمی کی وجوہات کا مطالعہ کریں۔ اور موجودہ کمی کو پورا کرنے کی تجاویز سوچیں تاکہ ہم دیگر سربرآوردہ اقوام سے پیچھے نہ رہیں ــــ ہماری ترقی کے معنوی پہلو کا تعلق بالکل دیگر قسم کے حالات سے ہے، جنکا ظہور "شائستگی" اور "روشنخیالی" کے اس طاقت بخش کرۂ ہوا میں ہوا کرتا ہے جس کا موجود ہونا انسانی تمدن کی ثمر دار نیکیوں کی نشو و نما کے نہایت ضروری ہے اور ان حالات کو انفرادی اور قومی زندگی کے اعلیٰ اور لطیف مظاہر سے قریبی مناسبت ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہماری قوم کی موجودہ کوتاہیوں کی وجہ کیا ہے؟ تو میں جواب دونگا کہ محض "ایثار" اور "جذبۂ ہمدردی" کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ ہم میں تربیتِ نفس کا فقدان باعثِ فلاکت ہے ــــ! میں جانتا ہوں کہ انسانی تحریکات ایسی وسیع رنگا رنگ صورتیں اختیار کرتی ہیں کہ انکی نسبت کوئی تعمیم کرنا جو کسی ایک اور زندگی کے بیشمار مظاہر پر حاوی ہو نہ صرف گمراہ کن ہوگی، بلکہ واقعیت کے خلاف بھی! لیکن میرے خیال میں اس قدر ممکن ہے کہ کسی قوم کی اخلاقی اور مادی ترقی کے کسی مرحلہ میں اس قوم کی ان نمایاں خصوصیات کو معلوم کیا جاسکے، جو کہ اس کے افکار و افعال میں تواتر کے ساتھ ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور جو اس کو اسوقت دیگر اقوام سے ممیز کرتی ہیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو خاص طور پر "ایثار" اور "تربیتِ نفس" کا مرض لاحق ہے۔ اور چونکہ ہماری قوم کے خصائل میں یہ بڑا نقص ہے اسلئے ہماری خوبیاں بھی بعض اوقات عیوب بنکر ظاہر ہوتی ہیں۔ اسکی مثالیں بآسانی ہماری قوم کی "دینی" اور "دنیوی" زندگی میں ملسکتی ہیں۔ مراسم مذہبی کی پابندی میں انتہائی سرگرمی مسلمانوں کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت خاندانِ قریش کے لئے ایک طرۂ امتیاز چلا آتا ہے ــــ احکام مذہبی کے صریح منشاء کے خلاف انکا ارتقا بسا اوقات بے معنی صورتیں اختیار کرلیتا ہے وہ فراموش کر دیتے ہیں کہ اسلام کے تمام احکام میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ دینی اور دنیاوی فرائض کو ایک معقول مناسبت سے مربوط کیا جائے اور وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ اسلام رہبانیت اور معاملاتِ اُخروی میں بیجا انہماک کے خلاف ہے بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلقات میں خیر الامور اوسطہا کے پابند رہیں ــــ!

کیا میرے سادات و قریش بھائی اسپر عمل کرتے ہیں؟

غزل

خدا جانے کوئی نقشِ جبیں ہیں — مٹانے سے بھی ہم مٹتے نہیں ہیں — یہی ہے سرگذشتِ منزلِ دل — جہاں سے ہم چلے تھے وہیں ہیں

شبِ غم اور دردِ بے تابیٔ تمنا — یہی دو چار اپنے ہمنشیں ہیں — خوشی میں ہم پلٹ دیتے زمانہ — کبھی انکی بھی نعت عرش تک تھی — مبارکباد ہم اندوہگیں ہیں!!!

(ظفر ہاشمی)

دیوانی

(از سید ظہور احمد صاحب شاہ جہان پوری)

سرآمد خواجگان چشت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو مجھے نیند نہیں آتی تھی، دل ایسا بیچین تھا کہ کسی پہلو کسی صورت تسکین پذیر نہیں ہوتا تھا اس اضطراب وقلق کا نتیجہ یہ ہوا کہ نماز تہجد سے بھی محروم رہا فجر کی نماز پڑھ کر گھر سے نکلا اور باغ وصحرا میں گشت کرنے لگا تاکہ دل کو سکون ہو اور طبیعت کا انقباض دور ہو لیکن کسی جگہ آرام وانبساط میسر نہ ہوا آخر کار شفاخانہ میں پہونچا تاکہ بیماروں کے معائنہ سے دل بیمار کو کچھ تسلی ہو چنانچہ اس خیال میں کامیابی ہوئی اور میں نے دل میں شگفتگی اور سینہ میں کشادگی محسوس کی میں بیماروں کو دیکھ رہا تھا کہ میری نگاہ ایک حسینہ پر پڑی سبحان اللہ کیا صورت تھی

روئے او مکسے از چراغ حزم قد او گلبن زباغ ارم زلف او دام راہ رہ طلبیاں لعل او کام جاں خشک لباں
چشم او چشمۂ خیز فتنۂ ناز خال او تخم شوق اہل نیاز

لباس فاخرہ اور زیورات بیش بہا نے حسن وجمال میں اور بھی چار چاند لگا دئے تھے لیکن ان تمام قدرتی عطیوں کے باوجود پھول سے رخسارے زرد اور نرگسی آنکھیں پُرآب تھیں گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں زنجیریں ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ حسن بمثال جنون محبت میں گرفتار ہے۔ یہ حالت دیکھکر حضرت سقطی حیران رہ گئے اور آپ نے بیمارستان کے داروغہ سے اس حسینہ کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ ایک کنیز ہے چند روز سے دیوانہ ہوگئی ہے اس کے مالک نے شفاخانہ میں مقید کیا ہے تاکہ علاج وغیرہ سے اس کی حالت میں تغیر پیدا ہو" حضرت سقطی داروغہ کی یہ گفتگو سنکر مجنونہ بے اختیار رو پڑی اور جب گریۂ گلوگیر سے مہلت پائی تو غمگین سُروں میں یہ اشعار گانے لگی۔

معشر الناس ما جننت ولکن
انا سکران ته وقلبی صاحی

(لوگو! میں دیوانی نہیں ہوں میں تو اس امر کی سرشار ہوں اور میرا دل فریاد کناں ہے)

اغلتم بیدی ولمعات زنبا
غیر جهدی فی جهدی وافتضاحی

(تم نے مجھے ہتھکڑی پہنا رکھی ہے۔ حالانکہ اس کے سوا میں نے کوئی گناہ نہیں کیا کہ اسکی محبت میں سرگرم وسرگشتہ ہوں)

فصلاحی الذی زعمتم فسادی وفساد الذی زعمتم صلاحی

دتم جس بات میں میری بھلائی سمجھ رہے ہو وہ میرے حق میں برائی ہے۔ اور جس بات میں تم برائی سمجھ رہے ہو وہ میرے حق میں بھلائی ہے۔

حضرت سقطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دردناک اشعار سنکر میرا دل بیتاب ہوگیا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس حسینہ نے جب میری آنکھوں کو پرآب دیکھا تو کہا

حسینہ اے سقطیؒ یہ رونا اس کی صفت پر ہے کہ اگر کہیں اسکی ذات کو تم پہچانتے تو کیا ہوتا؟

حسینہ اتنا کہکر بیہوش ہوگئی جب کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئی تو حضرت سقطی نے کہا

حضرت سقطی "لڑکی"!

حسینہ "ارشاد"؟

حضرت سقطی تم مجھے کیونکر جانتی ہو"؟

حسینہ۔ میں اس سے واقف ہوئی تو پھر کسی سے ناواقف نہیں رہی"

حضرت سقطی میں نے سنا ہے کہ تم محبت کا نام لیتی ہو آخر کس سے محبت کرتی ہو؟

حسینہ میں اس سے محبت کرتی ہوں جس نے مجھے اپنی نعمتوں سے آگاہ کیا اور اپنی نوازشوں سے شکرگذار بنایا جو دلوں سے قریب ہے اور جو سوالی کرنے والوں کو جواب دیتا ہے"

حضرت سقطی تمہیں یہاں کس نے قید کیا؟

حسینہ۔ سقطیؒ حاسد باہم مل گئے

یہ کہکر اس نے ایسا نعرہ مارا کہ دیکھنے والے اسکی زندگی سے مایوس ہوگئے دیر کے بعد ہوش میں آئی اور اپنے حسب حال اشعار پڑھنے لگی۔

حضرت سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شفاخانہ کے داروغہ سے کہا کہ اسے رہا کردو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب طوق و زنجیر کو دور کر دیا گیا تو حضرت نے فرمایا:۔

حضرت سقطی لو اب تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جاؤ

حسینہ اے سقطیؒ میں کہاں جاؤں۔ میرا کہیں ٹھکانا نہیں۔ جو شخص میرا محبوب ہے اس نے مجھے اپنے ایک غلام کا ایک مملوک بنا رکھا ہے۔ اگر میرا مالک رضامند ہو تو جا سکتی ہوں۔ ورنہ صبر کے سوا چارہ کار نہیں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یکایک کنیز کا مالک شفاخانہ میں آگیا اور اس نے داروغہ سے پوچھا۔ کہ تحفہ (اس حسینہ کا نام) کہاں ہے۔ داروغہ نے کہا کہ شفاخانہ میں موجود ہے۔ اور حضرت سری سقطی کے روبرو حاضر ہے۔

مالک یہ سنکر خوش ہوا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کمال تعظیم و احترام کا اظہار کیا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا کہ تم نے

میری تعظیم میں اس قدر مبالغہ کیا۔ حالانکہ یہ کنیز مجھ سے بہتر ہے۔ مجھ سے زیادہ تعظیم و تکریم کی مستحق ہے تم نے اسے کیوں مقید کر رکھا ہے۔

مالک جناب عالی یہ دیوانی ہوگئی ہے۔ عجیب عجیب باتیں کہتی ہے۔ جو عقل میں نہیں آتیں۔ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے نہ سوتی ہے ہر وقت روتی ہے۔ اور ہم لوگوں کو مصیبت میں ڈالدیا ہے۔ افسوس یہی میرا تمام سرمایہ ہے۔ میرے پاس جو کچھ تھا اُس اسکی قیمت میں صرف ہوگیا۔ حضرت میں نے بیس ہزار درم میں خرید کیا تھا اور امید تھی کہ اس کے اوصاف کی بنا پر کافی منفعت کے ساتھ اسے فروخت کروں گا لیکن اب نظر آرہا ہے کہ منافع تو درکنار اصل رقم سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔

حضرت سقطی اس میں اوصاف کیا ہیں؟

مالک جناب عالی یہ اعلیٰ درجہ کی گانے والی ہے۔

حضرت سقطی اس کی یہ حالت کب سے ہے؟

مالک ایک سال سے

حضرت سقطی اس حالت کی ابتدا کیونکر ہوئی؟

مالک حضرت ایک دن عود اس کے ہاتھ میں تھا اور اپنے مستانہ انداز میں اشعار گا رہی تھی جب اس شعر پر پہنچی

فیا من لیس لی مولا سواہ انا لک ترکتنی فی الناس عبدًا

(اے وہ شخص جس کے سوا میرا کوئی آقا نہیں میں دیکھتا ہوں کہ تو نے مجھے لوگوں میں غلام بنا کر چھوڑ دیا ہے)

اس شعر کا ختم کرنا تھا کہ اس کا حال متغیر ہوگیا۔ عود توڑ کر پھینک دیا اور زار زار رونے لگی۔ چند روز تک ہم یہ سمجھتے رہے کہ شاید کسی نوجوان پر فریفتہ ہے لیکن یہ بات غلط ثابت ہوئی۔

حضرت سقطی اچھا اس کی قیمت میرے ذمہ ہے اور منافع بھی میں دونگا۔

مالک (متحیر ہو کر) آپ درویش ہیں۔ آپ کے پاس روپیہ کہاں سے آیا کہ اسکی قیمت ادا کریں۔

حضرت سقطی تم گھبراؤ نہیں۔ اس جگہ موجود ہو میں اس کی قیمت لے کر آتا ہوں۔

یہ کہکر حضرت سری سقطی شفاخانہ سے واپس چلے آئے۔ حضرت کے پاس ایک بھی درم نہ تھا۔ تمام رات گریہ وزاری اور مناجات و دعا میں بسر کی۔ ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا کہ کسی شخص نے دروازہ پر دستک دی۔ حضرت نے دروازہ کھول دیا اور آنے والے سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام احمد بن مثنیٰ ہے۔ میں نے غیب سے آواز سنی پانچ بدرے سری سقطی کے پاس پہنچاؤ چنانچہ میں رقم مذکور لیکر حاضر ہوا ہوں۔ حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور روپیہ لیکر شفاخانہ پہنچا۔ داروغہ نے مجھے مرحبا کہا اور کہا کہ میں نے صدائے غیب سنی جس سے تحفہ کی مقبولیت اور عظمت کا حال مجھے معلوم ہوا اسی اثنا میں کنیز کا مالک آپہنچا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں دیکھکر سقطی نے فرمایا کہ تم غمگین نہو

میں کنیز کی قیمت ہمراہ لایا ہوں اور ہزار درم قیمت کے علاوہ بطور منافع بھی ہے لیکن اس شخص نے انکار کیا حضرت نے فرمایا کہ دس ہزار درم منافع لو لیکن بدستور انکاری رہا آخر حضرت نے کہا کہ اچھا قیمت کے برابر منافع لے لو۔ یہ سنکر مالک کنیز نے کہا کہ اگر ساری دنیا مجھے اس کے معاوضہ میں دیجائے تو میں نہ لونگا میں واقف غیب سے اسکا حال سُن چکا ہوں میں اسے خالصتاً وجہ اللہ آزاد کرتا ہوں اور خدائے رازق پر بھروسہ کرتا ہوں" یہ حالت دیکھکر احمد بن مثنیٰ نے بھی اپنا تمام مال راہ خدا میں دے ڈالا اور فقیر ہو گئے۔

الغرض جلوۂ یزدانی کی ایک دلربائی نے کئی بندگان خدا کو واصل بحق کر دیا۔ تحفہ نے ان واقعات کے بعد لباس فاخرہ اتار دیا اور ٹاٹ کے کپڑے پہن کر شفاخانہ سے باہر چلی گئی۔ اس کے بعد عرصہ تک اسکا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ ایکدفعہ حضرت سقطی احمد مثنیٰ اور مالک کنیز کے ہمراہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو اسے حرم میں مشغول بحق پایا اور اسی دن وہ راہیٔ ملک بقا ہوئی۔ عبرت! عبرت!!

ایں صفتہا وحالہائے شریف ✤ کردہ اند ہا کتب شدہ تصنیف ✤ ہمہ از بہر عشق بازی تست ✤ کہ شوی در طریق عشق درست

نعت مبارک

تراوصف ہے بکمالہ ۔۔۔ تری شان ہے بجمالہ
تو بنا تو سارا جہاں بنا ۔۔۔ ترا مرتبہ بے مثالہ
ہے ہر ایک دل سے خدا ترا ۔۔۔ تری ذات حسن خصالہ
ترا وصف کیا میں بیاں کروں ۔۔۔ بلغ العلےٰ بکمالہ
ترے حسن کا ہو جو تذکرہ ۔۔۔ کشف الدجےٰ بجمالہ
تری ذات مجمع فضل ہے ۔۔۔ حسنت جمیع خصالہ
تجھے دیکھتے ہی پڑھیگا دل ۔۔۔ صلو علیہ و آلہ
تو غضب ہیں لطف کا کام ہے ۔۔۔ تری شان جل جلالہ
ترے ہجر میں ہوں میں غمزدہ ۔۔۔ بہ طلب مرا بوصالہ
ترے در پہ میں بھی ہوں بینوا ۔۔۔ بخدا زعمہ نوالہ

ترا ایک نامیٔ خستہ ہے
کہ ہو اک نظر بکمالہ

(از نامی کوہ سوار)

نکات

(حضرت ظفر ہاشمی کے قلم درر رقم سے)

اپنی ہستی کو فنا کر چاہتا ہے گر ثبات!
"موت" ہی گویا حقیقت میں ہے پیغام حیات!
تھا یہاں تسلیم خاموشی سکوتِ گل کا راز،
آہ بلبل نے کیا برہم سکون کائنات!
ہر نفس میں میرے پوشیدہ ہے "رازِ ہست و بود"
دل کے ہر گوشہ میں ہے اک اک جہانِ بے ثبات!
دل ہی پہلو میں نہ ہو تو کیا کریں اظہار درد،
کیا مؤثر ہو کسی دل پر کسی بے دل کی بات!
چار دن کی ہیں بہاریں چار دن کا ہے ثبات!
چار دن کے واسطے انساں ہے مہمانِ حیات!
تیری خاکستر میں پوشیدہ ہے سامان وجود!
مر کے کھلتے ہیں جہاں میں زندگانی کے نکات!
ابتدا والے ہیں اس نقطے سے ابتک بے خبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات!
(اقبال)

ہے حقیقت میں ظفر وہ صبح فردا کی نوید
چشم ظاہر بیں جسے کو دیکھ کر کہتی ہے "رات"

سیاسی مجرم

شاہجہاں بادشاہ اپنی خلوت گاہ میں متفکر و مغموم بیٹھا ہے اور ندام سر جھکائے حکم کے منتظر کھڑے ہیں ..... بادشاہ کے چہرہ سے تفکرات کے آثار نمایاں ہیں۔ کچھ دیر تک کسی غیر معمولی ادھیڑبن میں مستلا رہا پھر ایک خادم کو حکم ہوا کہ داراشکوہ کو ہماری جناب میں حاضر کرو۔ خادم حکم پاتے ہی رفوچکر ہوگیا اور شاہزادہ کو اسکی اطلاع دی۔ شاہزادہ کا اچانک یہ حکم سنتے ہی رنگ فق ہوگیا اور گھبرا گیا اور دل میں کہنے لگا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کی وجہ سے بادشاہ نے بیوقت مجھے طلب کیا ہے شاہزادہ خلوت گاہ میں داخل ہوا اور ادب سے ہاتھ باندھکر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ بادشاہ کے اشارہ سے سب خادم وہاں سے چلے گئے اور خلوت گاہ میں بادشاہ اور شاہزادہ داراشکوہ حاکم ملتان و پنجاب رہ گئے۔ بادشاہ نے اپنے چاہتے بیٹے کو گلے سے لپٹا لیا پھر کچھ دیر تک سکوت رہا۔ شہزادہ نے ٹھہر سکوت توڑی اور ادب سے کہا! ابا جان! میں حاضر ہوں اور آپکے حکم کا منتظر۔ بادشاہ نے اپنا پھر شاہزادہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا تم جانتے ہو کہ اس پُرآشوب زمانہ میں میری سلطنت کے قوت بازو ہمیشہ کے لئے مجھے داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ ان عمائد سلطنت کی جانشینی کے لائق میری نظر میں کوئی نہیں جچتا۔ اسی صدمۂ جانکاہ اور فرط غم سے مجھے امید نہیں کہ میں زیادہ عرصہ تک زندہ رہوں شاید یہی خفیف سا بخار ہی موت کا سبب ہو؟ اتنا کہکر بادشاہ خاموش ہوگیا شہزادہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ بادشاہ کچھ دیر بعد یوں گویا ہوا میری یہ دلی خواہش ہے کہ میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو تمہارے سوا میں کسی کو بادشاہی کے لائق نہیں پاتا اب تم میری بیماری تک بھی تم میری بجائے کام کرو گے اب تمہیں چاہیئے کہ نہایت استقلال و فراست سے سلطنت کا کام انجام دو۔ خوب یاد رکھو کہ بادشاہی کا زمانہ نہایت کڑی منزل ہے اسے مستقل مزاجی سے طے کرنا ہوگا۔

شاہزادہ! ابا جان خدا آپ کے سایۂ عاطفت کو ہم پر تا دیر رکھے۔ میں آپکی ہدایت و حکم کے بموجب سلطنت کا نظم و نسق کرونگا۔ اطمینان رکھئے یہ کڑی منزل نہایت خوبی سے طے ہوگی۔ شاہزادہ باپ کا اشارہ پاتے ہی وہاں سے رخصت ہوگیا۔ بادشاہ خلوت گاہ سے خوابگاہ میں گیا۔ اور پھر انہیں خیالات میں مستغرق ہوگیا۔ دو تین دن میں بادشاہ کی بیماری میں بہت اضافہ ہوگیا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ بادشاہ اس بیماری سے جانبر نہو سکیگا۔ داراشکوہ نے سلطنت کے کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لئے بھائیوں کے نام سخت احکام جاری کئے ان کے سفیروں کو قید کر دیا بھائیوں کو باپ کی بیماری سے بے خبر رکھنے کے لئے ناکہ بندی کرادی۔ درباد کی خبروں کو مخفی رکھنے کے لئے قاصدوں اور سوداگروں کو دارالسلطنت میں روک لیا گیا۔ ان سب قیود کا یہ اثر ہوا کہ عوام کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ انتقال کر گئے ہیں اور بعض نے تو یہ کہنا شروع کیا کہ داراشکوہ نے بادشاہ کو زہر دلوا کر مار ڈالا ہے۔ شاہزادہ شجاع حاکم

بنگالہ یہ خبر سنتے ہی مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا اور بنارس کے قریب مُنہ کی کھائی اسی عرصہ میں بادشاہ کی بیماری میں افاقہ ہوگیا۔ دیکھا تو سلطنت کا نظم و نسق تہہ و بالا تھا اپنے بیٹوں کے اپنے دستخط سے احکام بھیجے کہ اپنے اپنے صوبہ کو چھوڑ جائیں۔ بھوں نے باپ کے احکام کو جعلی سمجھا شجاع شکست کھا کر اپنے صوبہ کو واپس چلا آیا۔ اورنگ زیب بھی ابھی تک دکن تک خاموش بیٹھا تھا کہ شاہزادہ مراد حاکم گجرات کا ایک خط ملا جس کا مضمون یہ تھا کہ داراشکوہ ہماری تخریکی کے سامان کر رہا ہے۔ شجاع کو بھی وہ شکست دے چکا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں متحد ہو کر اسکا مقابلہ کریں اور اپنی اپنی قسمت آزمائی کریں۔ اورنگ زیب نے اس کے جواب میں مراد کو لکھکر بھیجا کہ حقیقت میں داراسکوہ سلطنت کے قابل نہیں ہے۔ وہ عیش و تنعم میں پلا ہے۔ نازوں پلے شہزادہ سے سلطنت کا نظم و نسق کیا ہوسکیگا اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجوں نے سب سے پہلے اختتام ماہ رجب ۱۰۶۸ھ پر چمبل کے قریب داراشکوہ کی فوجوں کا مقابلہ کیا فتح و نصرت نے اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔ اس شکست کی اطلاع جب بادشاہ کو ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوئے دارا کو اپنے حضور میں بلا بھیجا اور کہا اب مناسب یہی ہے کہ مصالحت کرلی جائے مبادا کوئی حادثہ پیش آئے شہزادہ بھلا بھلا تھا۔ بادشاہ کے ان الفاظ سے متاثر ہو کر کہا۔ جہاں پناہ اگر برا نہ مانیں تو میں فدوی عرض کرونگا کہ مصالحت ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ اب مصالحت کرنا گویا اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرنا ہے۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہوسکیگا۔ میں ان دونوں سے خاطر خواہ بدلہ لونگا۔ اور ان کو دنیا میں ذلیل کر کے چھوڑونگا شاہجہاں نے شاہزادہ کو بہت سمجھایا کہ وہ مصالحت کرے مگر ناپرور وہ شاہزادہ بادشاہ کی باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا فوج کی از سر نو تنظیم ہوئی اور دو ماہ کے عرصہ میں شاہزادہ داراشکوہ نے ایک لاکھ کی زبردست فوج مہیا کرلی۔ ماہ رمضان کے ابتدائی عشرہ میں فریقین کا آگرہ کے قریب میدان لوگڑھ میں مقابلہ ہوا۔ شاہزادہ میدان جنگ کا مشاق نہ تھا تاہم ہاتھی کے اوپر بیٹھکر اپنی فوج نہایت جانبازی سے لڑا رہا تھا شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ شاہزادہ کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ وہ ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار اور میدان جنگ سے رفوچکر ہوگیا۔ اسکی فوج نے بھی اپنے سپہ سالار کو نہ پاکر میدان خالی کردیا۔ داراشکوہ مضطرب اپنے محل میں پہنچا شکست کی خبر پہلے سے حرم شاہی اور شاہ جہاں کو پہنچ چکی تھی شاہزادہ کے داخل ہوتے ہی حرم شاہی میں شور و غل بپا ہوگیا آہ و زاری کی صدائیں بلند ہوئیں۔ داراشکوہ کی بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شاہجہان نے اپنے چہیتے بیٹے کو بلا بھیجا مگر شاہزادہ نے جواب دیا کہ اب میں جہاں کی حضور میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ میں نے جیسی رائے پر عمل نہ کیا جس کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو پھر کبھی آپ سے مل لونگا۔ اب میں پنجاب جاتا ہوں۔ فوج مہیا کرتا ہوں اگر قسمت نے یاوری کی تو پھر تخت جیت لونگا" یہ لکھکر قاصد کو دیا اپنی بیوی کے زیورات لیکر اس کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور آگرہ سے فرار ہوگیا۔ پنجاب پہنچا وہاں کی فوج نے اس کی حمایت کا دم بھرا۔ اس کو ایک گونہ اطمینان ہوا اورنگ زیب بھی اس سے غافل نہ تھا فوراً ایک لشکر کے ساتھ لاہور کی طرف کوچ کیا۔ جب اس کی اطلاع داراکو ہوئی تو وہ گھبرا کر ملتان پہونچا لیکن جب وہاں بھی اورنگ زیب کی فوجیں پیچھا کرتی ہوئی چلی گئیں تو وہ سندھ کی طرف ہٹ گیا۔ راجہ جسونت سنگھ کو لکھا کہ میں لاچار اور مجبور ہوں ایسے آڑے وقت تمہاری مدد کی اشد ضرورت ہے۔ تم پہلے بھی میری رفاقت کا دم بھر چکے ہو اور مجھے امید ہے کہ اب بھی میرے

ہوکر مجھے دہلی کا تخت دلواؤ گے۔ جسونت سنگھ شکست خوردہ شاہزادہ کی رفاقت پر آمادہ ہوگیا اور اس کو اپنے یہاں بلوا بھیجا مگر جب دارا شکوہ جودھپور کے قریب پہنچا۔ راجہ نے بے وفائی کی اور مدد سے بالکل ہاتھ اٹھالیا۔ شاہزادہ نے صوبہ دار احمد آباد کی مدد سے اجمیر کے مقام پر شاہی افواج کا مقابلہ کیا شکست کھائی اور چند جاں نثاروں کے ہمراہ احمد آباد کا رخ کیا۔ راستہ میں ڈاکٹر برنیر سے ملاقات کی جو شہزادہ کی موجودہ حالت دیکھکر خون کے آنسو رویا۔ احمد آباد میں بھی چین نہ ملا تو گجرات کے راستے سندھ پہنچا۔ ملک جیون نامی ایک رئیس نے ظاہرا اس کی خاطر کی مگر درپردہ کی تباہی کے پورے سامان کئے یہیں دارا کی بیوی بھی چل بسیں۔ اور دارا کو تنہا غمزدہ چھوڑ گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ملک جیون نے دغا کی اور شاہزادہ کے بعد اس کے بیٹے کو گرفتار کرلیا۔ اور اسکی گرفتاری کی اطلاع اورنگ زیب کو دی۔ اورنگ زیب نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا مگر ملک جیون معہ شاہزادہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اورنگ زیب نے اسے خلعت وخطاب سے سرفراز کیا۔ دوسرے دن دہلی کے بازاروں میں دارا شکوہ کی تشہیر کی گئی۔ شہر کے لوگ اس کو اس حالت میں دیکھکر زار زار روتے تھے۔ اور اسکی قسمت پر افسوس کرتے تھے۔ ملک جیون پر شہر میں لعن طعن کیگئی۔ اور اسپر اینٹ پتھر برسائے گئے۔ کہ اسکا باہر نکلنا بند ہوگیا۔ دارا شکوہ کو پرانے قلعے میں نظر بند کردیا گیا۔

ایک دن اورنگ زیب اپنے دیوانخانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ خدام نے اطلاع دی کہ شہزادی روشن آرا حاضر ہیں۔ حکم ہوا کہ اندر آنے کی اجازت دی جائے شہزادی داخل ہوئی اورنگ زیب کھڑا ہوگیا۔ اور اس کو اپنے پاس بٹھالیا اور شہزادی روشن آرا کے چہرے کو غور کی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ مسکراتے ہوئے کہا خدا کے فضل سے آج میں ہندوستان جیسے وسیع ملک کا واحد حکمراں ہوں۔ حقیقت حال پوچھو تو میں سب سے زیادہ آپکا رہین منت ہوں۔ آپ نے میری ہر زمانے میں ہر موقع پر امداد کی۔ ان احسانات کو میں اپنی عمر میں بھول نہ سکونگا اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ بدقسمت دارا بھی پرانے قلعہ میں قید ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس بدقسمت کو زندان گوالیار میں بھیجدوں۔

شہزادی آخری جملہ سنکر چونک پڑی اور کہا کیا آپ سے قید میں رکھنا چاہتے ہیں۔

اورنگ زیب میرا تو یہی ارادہ ہے

شہزادی سیاسی نقطۂ نظر سے آپ غلطی پر ہیں آپ کو چاہئے کہ اپنے حریف کا قلع قمع کریں تاکہ آئندہ کے لئے کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔

اورنگ زیب آپ بالکل بجا کہتی ہیں کہ سیاسی نقطۂ نظر سے اس کا زندہ رہنا خطرہ سے خالی نہیں لیکن میرا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے بھائی کی گردن پر تلوار چلاؤں۔ اگر قید میں اسکی سختی سے نگرانی کیجائے تو پھر ممکن نہیں کہ وہ فرار ہوسکے

روشن آرا۔ بھائی جان! یہ سچ ہے۔ یہی دارا اگر بادشاہ ہوجاتا اور آپ خدانخواستہ گرفتار ہوجاتے تو پھر میں آپ کو بتاتی کہ اسکا سلوک آپ کے ساتھ کیا ہوتا۔ سیاسیات میں کچھ حقیقت نہیں۔ کیا جہاں پناہ نے تخت نشین ہوتے ان سب کو قتل نہ کرادیا تھا

بوتخت کے دعویدار ہوسکتے تھے۔ آپ خود کیجئے کہ دارا آپکا اصلی حریف ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت باقی ہے۔ اگر ذرہ بھی موقع ملا تو آپ کی خیر نہیں۔ آپ کو جلد اس طرف متوجہ ہونا چاہئے غافل مت ہوجائیے آپ

اورنگ زیب میری پیاری دانا بہن۔ آپ کی رائے معقول ہے لیکن یہ تو بتائیے کیا اسپر کوئی اور الزام بھی عائد ہوسکتا ہے؟

روشن آراء۔ ہاں بیشک ہوسکتا ہے اس کے عقائد سنیوں ایسے نہیں ہیں گویا وہ اپنے پردادا کا چیلہ ہے علمائے شریعت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور ان کے ایماء سے جو تصوف کی کتابیں عربی فارسی سنسکرت میں شایع ہوئی ہیں۔ وہ بھی پیش کیجائیں اور ان سے قتل کا فتوے حاصل کیا جائے اس طرح آپ الزام سے بالکل بری ہوجائیں گے۔

اورنگ زیب۔ یہ بالکل مناسب ہے۔ میں کل ہی اس مسئلہ کو علما کے سامنے پیش کرونگا اور ان سے قتل کا فتوے حاصل کرلونگا"

دوسرے دن دربار میں یہ مسئلہ علمائے شریعت کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سوال کیا گیا کہ جس شخص کے عقائد یہ ہوں اسکی کیا سزا ہونی چاہئے۔ علمائے کرام نے داراشکوہ کی تصنیف کرائی ہوئی تصوف کی کتابیں دیکھکر متحد ہوکر یہ فتوے دیا کہ وہ شخص جو اسلامی تصوف کو اس طرح بدنام کرے اس کا قتل واجب ہے۔ قتل کے بعد اسکی لاش کی تشہیر کی گئی اورنگ زیب نے خود بھی لاش کا ملاحظہ کیا تو آبدیدہ ہوگیا۔ ایک آہ سرد بھری اور کہا آہ بدقسمت!

(واحد بخش حیدرآباد)

آہ محمد سعید

یہ خبر نہایت رنج واندوہ اور کرب وملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ "القریش" کے مربی ومحسن اور قوم کے بی خواہ حضرت مولانا کفیل شاہ صاحب نظامی کے عزیز محمد سعید چند روزہ علالت کے بعد داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمیں آپکے اس صدمۂ جانکاہ سے دلی رنج ہوا دعا ہے کہ اللہ تعالے مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور حضرت مولانا کو صبر جمیل عطا کرے۔ ناظرین دعائے مغفرت کریں۔ (ایڈیٹر)

انجمن سے!

(۱)

اے آسمان کے تارو قدرت کے ماہ پارو
تم نے شب سیاہ میں
ڈوبا ہوا گناہ میں
خون ضمیر کرتا، مجھکو فلک سے دیکھا!
ہو جاؤں میں مبادا چرخ بریں پہ رسوا،
شمس و قمر سے صحلا کہنا نہ راز میرا
کہیں انسے مل کے آہیں
دم شام یا بگاہ میں
قدرت کے ماہ پارو اے آسمان کے تارو

(۲)

اے مسافران گردوں یہ خراج اشک گلگوں
مرے پاپ کا فسانہ
ہے شکست جاودانہ
مرے دیدۂ ندامت رونا ہے جنکی جنت!
لائے ہیں ایسی دولت کہ نعیم کی ہے قیمت،
رکھنا ذرا امانت تم نے پئے قیامت
اس کا ہر ایک دانہ
انمول ہے خزانہ،

یہ خراج اشک گلگوں اے مسافران گردوں

(۳)

موتی زمیں میں بو کر میں سکوت شب میں رو کر
ہوں قمر کی جستجو میں
مرے باغ آرزو میں
تسکین کے پھول آئیں قدسی فلک سے لائیں
جنت کی ہوں ہوائیں غنچہ مرا کھلائیں
نغمہ بھری فضائیں مژدہ مجھے سنائیں
کہ جہان رنگ و بو میں
ہوں آب آبرو میں
میں سکوت شب میں رو کر موتی زمیں میں بو کر

(۴)

اے آسماں نشینو انوار کے خزینو،
ظلمت سے دور تم ہو
معمور نور تم ہو!
کبھی میں بھی تھا منہ مرا دل بھی تھا صبح منظر
عصیاں کی شام آکر اسے کر گئی مکدر
روشن جو ہو مقدر چمکے مرا بھی اختر

نوری بوں پہ قسم ہو
ظلمت تمام گم ہو
انوار کے خزینو اے آسماں نشینو

(۵)

تم کانپتے ہو تھر تھر انجام کا تصور،
اسکا سبب مگر ہے
کیا تابش نظر ہے
نہ ہے پرسش قیامت نہ ہے خطرۂ عقوبت،
پھر بھی تمہاری حالت ہے سر بسر اطاعت
دونوں میں میری قسمت صد وائے پھر بھی رغبت
عصیاں سے اس قدر ہے
مجھے فکر بے ثمر ہے
انجام کا تصور تم کانپتے ہو تھر تھر،

(۶)

از خود چمکنے والو، بہر خدا بلا لو،
مجھکو رہ کرم سے
اس عالم الم سے
گردوں کی بستیوں میں پر نور ہستیوں میں،
دن رات مستیوں میں بے باک دستیوں میں،
عصیاں پرستیوں میں دنیا کی پستیوں میں
پامال ہوں میں غم سے
مجھکو رہ کرم سے
بہر خدا بلا لو! از خود چمکنے والو،

(۷)

میری منتوں کی پرواہ تم کو نہیں ورینا
میں کب سے رو رہا ہوں
دامن بھگو رہا ہوں
اے زُہرہ ثریا! دل درد آشنا کا!
جام جہاں نما کا تمہیں کاش پاس ہوتا
چھپکر جہاں سے تنہا دیکھے دل پہ ہاتھ دردا
میں چین کھو رہا ہوں
بیتاب ہو رہا ہوں
تمکو نہیں ہے ورینا مری منتوں کی پرواہ

(۸)

تم نور میں ہوں ظُلمت عالم کا ہے تفاوت
تابش پہ تم ہو نازاں
میں عشق سے فروزاں
روشن تریں ہوں نغمے تم گرچہ ساز کُن کے
تمہیں جہان ظلمتوں کے صورت نہیں دکھاتے
انوارِ زندگی سے یکسر مگر ہو کورے
مرا دل سے اُٹھتے تاباں
عریاں ہو تم وہ پنہاں
عالم کا ہے تفاوت تم نور میں ہوں ظُلمت

(۹)

ہے عبث یہ راز داری اس کو خبر ہے ساری
تمہیں جس نے نور بخشا

نزدیک و دور بخشا!
ہر اک کا خود ہے نگراں اے روز و شب ہے نگراں
اس سے نہیں ہے پنہاں میری حدیث عصیاں
ظالم ہوا میں نادان اس سے رہا گریزاں
جس نے شعور بخشا
سو سو قصور بخشا
اس کو خبر ہے ساری ہے عرش پہ راز داری

(۱۰)

میں کیوں نہ اسی کے در پر ہمہ تن نیاز ہو کر
شب بہر سجود صورت
رکھکر سر ندامت
اپنے کئے پہ رو لوں لعل و گہر پرو لوں،
عصیاں کے داغ دھو لوں نیکی کا بیج بو لوں،
ہر ماسوا ڈبو لوں، بندہ خدا کا ہو لوں،
جاؤں اسیر رحمت
بہر نوال رحمت
ہمہ تن نیاز ہو کر میں نہ کیوں کے در پر

(۱۱)

مجھے اس کا آسرا ہے میں ہوں بندہ وہ خدا ہے
پس عصیاں شرمساری
ہے قبول لطف باری
رہ ماسوا سے نفرت ہے وہ جادۂ عبادت
ملے جس پہ خود شفاعت آسائش قیامت
انعام دست قدرت گلہائے باغ جنت
مجھے فضل کردگاری
ہے نوید رستگاری
میں ہوں بندہ وہ خدا ہے مجھے اُس کا آسرا ہے

(شاکر صدیقی)

اطلاع

جن برادران قریش کا سال خریداری ختم ہو چکا ہے ان سے برادرانہ درخواست ہے کہ وہ سال آئندہ کیلئے اپنا اپنا زرچندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور فرمائیں اور جو احباب کسی وجہ سے آئندہ اسے جاری نہ رکھنا چاہیں وہ خاموشی اور اس کے بعد وی پی واپس کرنے کی بجائے بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیں تاکہ دفتر کو اجرائے وی پی کی تکلیف اور کارپردازان رسالہ کو انکی واپسی پر مالی نقصان نہو۔ یہ ایک اخلاقی فرض ہے امید ہے احباب اس کا احساس کرینگے

"نیازمند مینجر"

عرب کی مہمان نوازی

ہیثم بن عدی بحتری ثعلبی جو دوسری صدی ہجری کا بہت بڑا عالم اور با سر تاریخ وہیئت مانا جاتا ہے۔ آپ بیتی کے سلسلہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کرتا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

"خلیفہ مہدی کے دربار میں عرب کی تواضع وسخاوت اور ساتھ ہی انکی بخل وخلقی اور بخیل کے متعلق چند متضاد حکایتیں بیان کیجارہی تھیں کہ ہیثم بولا حضور! میں ایک چشم دید واقعہ عرض کرتا ہوں جسمیں عرب کی مہمان نوازی کے علاوہ قدرت کے ایک عجیب راز پر بھی روشنی پڑتی ہے امید ہے کہ آپ بھی میری طرح یہ واقعہ سنکر تعجب فرمائیں گے۔

اس کے بعد ہیثم نے بیان شروع کیا کہ ایک دفعہ میں ایک دوست کی ملاقات کے لئے چلا ناقہ پر سوار تھا۔ دن بھر کی مسافت کے بعد مجھے جنگل میں ہی رات پڑ گئی میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک خیمہ نظر آیا۔ میں وہیں چلا گیا خیمہ میں ایک عورت تھی اس نے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا مہمان! بولا مہمان کا یہاں کیا کام ہے۔ تمام جنگل کھلا موجود ہے۔ اس کے بعد اٹھی۔ آٹا گوندھا۔ روٹی پکائی خود ہی کھا کر بیٹھ رہی اور میری بات تک پوچھی

تھوڑی دیر کے بعد تازہ دودھ کا بھرا ہوا برتن لئے ہوئے اسکا شوہر آپہنچا۔ پہلے سلام کیا پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو میں نے کہا مہمان۔ کہا مرحبا خوب تشریف لائے پھر بیوی کو پوچھا کہ مہمان کو کھانا کھلایا یا نہیں؟ بولی نہیں۔ سنکر مرد خیمہ میں گیا اور دودھ کا بھرا ہوا گلاس میرے لئے لے آیا۔ پھر خیمہ میں جاکر عورت کے ساتھ لڑنے لگا کہ تو نے خود تو روٹی کھائی اور مہمان کو بھوکا رکھا آپس میں خوب تکرار ہوئی مرد نے عورت کو پیٹا پھر اندر سے چھرا لے کر باہر نکلا اور میری سواری کے ناقہ کو ذبح کر ڈالا میں نے نرمی سے کہا۔ بھائی صاحب آپ نے یہ کیا کیا۔ کہا بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے گھر میں آکر مہمان بھوکا رہے۔ غرض گوشت صاف کیا لکڑیاں جمع کر لایا۔ بھونتا جاتا تھا اور ادھر ادھر کی مزیدار باتیں سناتا جاتا تھا گوشت مجھے بھی کھلاتا تھا اور خود بھی کھاتا تھا۔ ہم کھا چکے تو تھوڑے سے کباب عورت کے پاس لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو چلنے سے اٹھ کر جلدی میں نہایت حیران تھا کہ اب سواری کے بغیر کیا ہوگا۔ تھوڑا سا دن چڑھ آیا تھا کہ ایک تیز رفتار اونٹ لیکر وہی شخص آگیا۔ اور کہا کہ ناقہ کے عوض یہ اونٹ قبول فرمائیے پھر مجھے سوار کرایا اور کچھ گوشت زاد راہ کے لئے میرے ساتھ کر دیا۔

چلتے چلتے رات پھر جنگل میں ہی ہو گئی۔ مجھے ایک خیمہ نظر آگیا جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا پوچھا کون؟ میں نے کہا مہمان بولی مرحبا، تشریف لائے پھر اٹھ کر آٹا گوندھا تندور جھانک بنا کر اسے تھپ تھپایا روٹی اور دودھ کا برتن سامنے لاکر رکھا اور مدر بھی کیا اتنے میں ایک بدو اعرابی آیا۔ سلام علیک کے بعد مجھ سے پوچھا تم کون؟ میں نے کہا مہمان کہا ہمارے ہاں مہمان کا کیا کام ہے؟

پھر عورت کے پاس گیا اس سے روٹی مانگی بولی میں نے مہمان کو کھلادی ہے۔ مرد سنکر نہایت خفا ہوا اور آپس میں خوب جھگڑا ہوتا رہا۔ وہ اندر جھگڑتے رہے اور میں باہر ہنستے ہنستے بیخود ہوا جاتا تھا۔ مرد باہر نکلا مجھ سے ہنسنے کا سبب پوچھا میں نے کہا کچھ نہیں کہا نہیں نہیں خدا کی قسم ضرور بتلاؤ میں نے اسے کہا کہ کل میں ایک بادیہ نشین کے خیمہ میں مہمان ہوا وہاں مرد متواضع ملا تھا یہاں عورت مہمانوار ہے اور وہاں بیوی میں دونو جگہ لڑائی ہوئی ہے کہا میری عورت اس مرد کی بہن ہے اور اسکی عورت میری بہن ہے۔ میں تمام شب اس حسن اتفاق پر تعجب کرتا رہا۔"

رُخصتِ سرما

ہیں نکلتی سردیوں کی دھوپ میں کلیاں نظر — کہ پلٹتا مہرباں بھی سوئے شمال آیا — کہیں پھولتی ہے سرسوں کہیں پھوٹتا ہے سبزہ — کہیں کونپلیں نکلتی ہیں کہیں کسی شجر سے
گھٹتی جاتی ہے نظر میں کہ ہوا لگی ہے پیچر — یہ بدلتا ہے موسم کہ پلٹ رہی ہے کایا — وہ شباب آئیگا چمن میں مجھے جسکی ہے تمنا — کہیں کر رہی ہے بلبل یہ سوال برگ تر سے

نظر آیا کہ سرما کا شباب ڈھل چکا ہے — نظر آئی دشت و بر میں سرکو کیوں نکہت — گل و غنچہ سے بھریگا دامن جیب والیاں
جو تھما ہوا تھا پانی وہ سمک کہیں چلا ہے — جو ندی جمی ہوئی تھی وہ نہ اب ہے جو تھی پہلے — ہے نہیں تیاریوں میں ابھی باغبان قدرت
پس پردہ ہو رہی ہیں جو بہار کی تیاریاں — دل و دیں کو لوٹ لیگا وہ دکھا شان قدرت

نہ صبا میں وہ خنکی نہ نسیم میں ہے ٹھنڈک — کہ دل و جگر کو لگتی ہے یہ خوشگوار ایسی — نکل آئے نصل گل کے وہ طیور گھونسلوں کے
وہ اکڑ کڑاتا جاڑا نہ وہ سردیاں ہیں بیشک — یہ بسنت کی ہوا ہے یہ ہے رت بہار ایسی — جلی آتی ہے مسرت کی صدا میں جگہ جگہ سے — کوئی دن میں گونج اٹھینگے بہار کے ترانے

نہ چمن کے رہنے والوں کی وہ زرد رنگ یاں ہیں — کہ اتر رہا ہے تن سے جو بہار کا خزانی — مگر آہ جس چمن کا میں ہوں عندلیب نالاں
نہ بدن کی لاغری ہے نہ وہ رنج کی نشانیاں ہیں — کہ ہر اک شجر کا جوڑا نظر آرہا ہے دھانی — جو گری فلک سے شبنم بنی سحر وہ گریاں — ہوئیں نہ تیں ہمیں یہ کبھی بہار آئی — جو صبا کہیں سے آئی تو لئے غبار آئی

(محروم)

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی تعلیمی حالت

(عالیجناب میر علی اکبر صاحب ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات کے قلم سے)

حیدرآباد ہندوستان کی بڑی دیسی ریاست ہے جس کا رقبہ (۸۲۶۹۸) مربع میل اور آبادی (۱۲۴۷۱۷۷۰) ہے۔ موجودہ فرمانروا ہز اگزالٹڈ ہائینس نواب میر عثمان علیخاں بہادر کے روشن خیال مسلک اور تعلیم میں جس گہری دلچسپی کا اظہار فرماتے ہیں اسکا مشکور ہونا چاہیئے جس کی بدولت ان چند سالوں میں حیدرآباد نے تعلیم میں تیزی کے ساتھ ترقی کی گزشتہ بیس سال کے دوران میں پبلک تعلیمی ادارات کی تعداد بڑھکر (۹۳۰) سے (۴۴۲۴) طالبعلموں کی تعداد (۶۱۶۲۲) سے (۲۸۱۴۶۸) اور راست اخراجات (۸۴۰۴۳۲) سے (۵۳۲۰۷۴۷) ہو گئے۔ اس کے علاوہ یہاں (۴۰۰۰) سے زائد خانگی مدارس ہیں جن کے طلبا کی تعداد تقریباً (۸۰۰۰۰) ہے۔ مدرسہ جانے کے قابل آبادی سے زیر تعلیم لڑکوں کا تناسب دیکھا جائے تو ۱۷ ½ فیصدی ہے

انگریزی تعلیم کی ابتدائی تاریخ

حیدرآباد میں ۱۸۵۴ء پہلا انگریزی مدرسہ کھولا جو مدرسہ کہلاتا تھا۔ اس نے جامعہ مدراس کی میٹرک جماعت کے امتحان کے لئے طالب علم تیار کئے اور ۱۸۷۶ء میں ایک امیدوار کامیاب ہوا یہ ( ) مدرسہ انگریزی بائی سکول بادگھاٹ ہو گیا جس کے پرنسپل ۱۸۷۷ء میں ڈاکٹر اگوری ناتھ چٹوپادیا تھے۔ اس کے بعد ازاں دوم درجہ کے کالج کے مرتبہ پر پہنچایا گیا اور جامعہ مدراس سے اسے متعلق کیا گیا۔ ۱۸۷۹ء میں فنون کے امتحانات میں ایک طالب علم بدرجہ اول کامیاب ہوا اور کالج درجہ اول کا دیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں ڈاکٹر اگوری ناتھ چٹوپادیا نے حیدرآباد چھوڑ دیا اور کالج کی جماعتوں کو مدرسہ عالیہ سے متعلق کیا گیا جس کے بعد یہ کالج نظام کالج کے نام سے مشہور ہوا ان پچیس سال میں جب تک کہ یہ جامعہ مدراس سے متعلق تھا اعلیٰ تعلیم کی ترقی تسلی بخش نہ تھی اس دوران میں کالج کی جملہ تعداد اوسط (۵۰) لڑکوں سے کبھی نہیں بڑھی دوسرے کلیوں کی حالت بھی جو جامعہ مدراس سے متعلق تھے بعینہٖ یہی تھی اس معمولی ترقی کا اصلی سبب میٹرک کے امتحان کی سختی تھی۔ سال ۱۹۰۸ء میں یہ امتحان اٹھا دیا گیا۔ اس کے بجائے امتحان ہائی سکول یونگ سرٹیفکیٹ مقرر کیگئی جو ایک بورڈ کے تحت ہے جس کا صدر ناظم تعلیمات حیدرآباد ہے۔ اس ردوبدل نے طالب علموں کی ایک کثیر تعداد کو نظام کالج میں شریک ہونے اور آسانی کے ساتھ جامع ڈگری لینے کی ہمت دلائی۔ ۱۹۱۱ء میں نظام کالج کی تعداد (۱۰۰) تک پہنچگئی اور ۱۹۲۰ء میں متقریباً (۲۰۰) تک اور ۱۹۲۸ء میں (۳۰۰) تک پہنچگئی۔ یہ کالج تاریخ میں بی اے آنرز اور تاریخ معاشیات حساب اور سائنسیات میں صرف بی اے تک اور صرف بی ایس سی تک

حساب طبیعات اور کیمیا میں جامعہ مدراس سے متعلق کیا گیا۔ اس میں ایک بہت ہی بہتر معمل، ایک اچھا کتب خانہ اور وسیع کھیل کود کے میدان ہیں

جامعہ عثمانیہ ۱۹۱۹ء سے پیشتر بعض اوقات حیدرآباد کی روشنخیال پبلک کی رائے جامعہ مدراس کے ذریعہ جو اس قسم کی اعلیٰ تعلیم دیجاتی تھی اس کی نسبت اطمینان بخش نہ تھی کیونکہ ۱۹۱۲ء تک یہ بالکل امتحان لینے والا ادارہ تھا جس کے زیر انتظام ایک وسیع رقبہ تھا۔ انگریزی معیار کا بے ضرورت اونچا تھا اور نصاب تعلیم میں ہندوستانی اور مشرقی مضامین پر کافی زور نہ دیا تھا ۱۹۱۷ء کے اوائل میں نواب سر حیدر جنگ بہادر نے جو اسوقت مملکت آصفیہ کی حکومت کے محکمہ تعلیمات کے معتمد تھے ہز اگزالٹڈ ہائی نس نے اس رائے سے اتفاق فرمایا اور اپریل ۱۹۱۷ء میں ایک جامعہ عثمانیہ کے قایم کرنے کے لئے ارشاد فرمایا جس میں اردو ذریعہ تعلیم اور انگریزی لازمی دوم زبان قرار دی گئی اس جامعہ کے مقاصد جو فرمان میں صاف طور پر واضح ہیں وہ یہ ہیں۔

جدید و قدیم شرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جس میں دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلباء کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو۔ اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام بھی جاری ہے اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیئے۔ کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دیا جائے۔ مگر انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے۔ اگرچہ اردو ممالک محروسہ کی ایک کثیر آبادی کی مادری زبان نہیں لیکن یہ ریاست کی سرکاری زبان ہے۔ اور بہت وسیع طور پر سمجھی جانے والی زبان ہے۔

۱۹۱۹ء کلیہ جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ہوا۔ اور فنون سائنس اور دینیات کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اسوقت دو اول درجہ کے ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے اور تین انٹرمیڈیٹ کالج موجود ہیں جو جامعہ سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ ایک کلیہ قانون۔ ایک کلیہ طب اور ایک کلیہ انجینیرنگ بھی جامعہ سے متعلق موجود ہے۔ کلیہ زراعت کے جاری کرنے کی کارروائی جاری ہے اور افتتاح کے وقت جامعہ کی اس بات پر مخالفت کیگئی کہ اردو میں اچھی کتابوں کا فقدان ہے لیکن ایک دارالترجمہ قایم کرنے سے جامعہ نے اردو میں ضروری درسی کتابوں کے فراہم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس دفتر کا کام جامعاتی تعلیم کے تمام مضامین تاریخ، سیاسیات، معاشیات، فلسفہ، قانون، ادب، طب، سائنس، حساب اور انجینیرنگ پر مشتمل ہے۔ گزشتہ دس سال کے عرصہ میں (۳۰۰) کتابوں کا ترجمہ ہوا۔

تمام کلیوں میں جو جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہیں (۹۰۰) سے زائد طالبعلم ہیں۔ جامعاتی تعلیم کے جملہ اخراجات تقریباً (۱۰۰۰۰۰) ہیں باقی طالب علم اوسط (۴۵۲) روپیہ کا خرچ ہے۔ حیدرآباد میں ایک بہترین رسدگاہ ہے جو ۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ کے انتظامات کے تحت کر دی گئی۔

جامعہ عثمانیہ کے افتتاح سے حیدرآباد کی تعلیم کی تاریخ میں نیا دور شروع ہوا۔ اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے سے خیالات کی روانی اور اظہار میں بڑی سہولت ہوئی کیونکہ جامعہ عثمانیہ نے دیگر جامعات ہند کی طرح واقعتاً انگریزی کے اعلیٰ معیار کو جاری رکھا اس حقیقت کی کسی طرح تردید نہیں کیجاسکتی۔ کہ اس جامعہ کے طالب علموں کو بہ نسبت ہندوستان کے دیگر جامعات کے طالبعلموں کو بہ نسبت ہندوستان کے دیگر جامعات کے طالبعلموں سے تحصیل علم میں اور مختلف مضامین کے اچھی طرح سمجھنے میں زیادہ سہولت حاصل ہے۔

خوابِ یوسفؑ

ایک دن یوسف یہ اپنے باپ سے کہنے لگے
مجھ کو حیرانی بہت ہے رات کے اک خواب سے

سجدہ کرتے تھے مجھے گیارہ ستارے بار بار
حضرت یعقوب یہ سنکر گہر افشاں ہوئے

تم نہ اپنے بھائیوں سے خواب یہ اپنا کہو
شائد ان میں سے دغا بازی کوئی تم سے کرے

بھائیوں نے کچھ دنوں کے بعد بھیرائی صلاح
لیگئے یوسفؑ کو بھی بکری چرانے کے لئے

حضرتِ یوسف کو اک اندھے کنوئیں میں ڈال کر
خاک اڑائے اور روتے پیٹتے واپس ہوئے

باپ نے پوچھا مرے نورِ نظر کو کیا کیا؟
خوں بھرے کپڑے دکھا کر سب کے سب کہنے لگے

ہم چرا کر بکریاں سامان کے پاس آئے جب
ہائے اسکو پھاڑ کر کیا کھا چکے تھے بھیڑئے

گوشِ دل سے اب ادھر کا حال سنئے اک ذرا
جارہے تھے مصر کو سوداگروں کے قافلے

رحمتِ حق جوش زن تھی حالتِ معصوم پر
اک پیاسا قافلہ گذرا کنوئیں کے پاس سے

ڈول پانی کا غلام شیخ نے لٹکا دیا
یوسف اس میں بیٹھ کر چپکے سے باہر آگئے

شیخ نے لیجا کر اس کو بیچ ڈالا مصر میں
رفتہ رفتہ خود عزیزِ مصر یوسف ہوگئے

ایک مدت تختِ شاہی پر سے جلوہ فروز ہا
خشک سالی جب ہوئی کنعان سے آئے قافلے

باپ نے دربار میں بیٹے کی خود تعظیم کی
گیارہ بھائی آتے ہی سجدے میں سرنگوں ہوئے

مسکرا کر تب کہا یوسف نے اپنے باپ سے
آج معنی خواب کے میری سمجھ میں آگئے

(طالب الہ آبادی)

بصائر و عبر

متاعِ غرور

دولت و ثروت، عزت و حشمت، جاہ و جلال، عروج و اقبال، صحت و سلامتی، آل و اولاد اور تمام کی تمام وہ چیزیں جو بلندی و برتری اور آرام و آسائش سے متعلق ہوں اپنے قبضۂ قدرت میں لینے کے لئے انسان اس قدر بیقرار رہتا ہے۔ کہ اسے قانون الٰہی کی پروا تک نہیں رہتی۔ خدائی طاقت کو وہ اپنی اس بے بضاعتی کے باوصف بھی کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق اس کے سامنے جھکے، سر نیاز خم کرے اور اسکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی کسے مجال نہ ہو

ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، غریب ہو یا تونگر، فقیر ہو یا دنیا دار، غلام ہو یا آزاد، رذیل ہو یا شریف، فرمان فرما ہو یا فرمانبردار اپنی تمناؤں کا شکار اور بزعم خود ذاتی بڑائی کے نشہ میں چور ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو شہنشاہوں میں لڑائی، تاجداروں میں چھیڑ چھاڑ، صوفیوں میں جنگ اور دنیا داروں میں کشمکش کا سبب ہوتی ہے۔ یہی ایک ولولہ ہے جو تا دم زیست انسان کو سکون و اطمینان اور چین و آرام نصیب نہیں ہونے دیتا۔

انسان اس تم کی ناکام تمناؤں کے حصار میں محصور اور خام خیالیوں میں گھرا ہوا ہے مگر کس قدر ذلیل و رزیل ہے وہ شخص جو دوسروں پر اثر ڈالنے، رعب جمانے اور انہیں مرعوب اور زیر دست کرنے کے لئے اپنی قوتیں صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ قدم قدم پر ٹھوکر منزل منزل پر پچھاڑ کھانے کے باوجود بھی خدائی وعید اس کے کانوں میں نہیں پڑتی۔ اور اپنی ضد اپنی ہٹ اور اپنی کد پر قایم رہ کر اپنے ہمجنسوں کو نقصان پہونچانے کے منصوبوں سے باز نہیں آتا۔ ذرا ذرا سی بات پر برہم ہونا اور بگڑ جانا وہ انسانی زندگی کا بہترین مقصد سمجھتا ہے۔ کوئی بات طبع عالی کے خلاف پائی اور ولولوں کے سمندر میں تلاطم بپا ہوا۔ سر پر غرور میں ایک ہیجان اور کھوپری میں ایک جوش پیدا ہوا۔ آنکھوں میں تیرگی اور کانوں میں سناٹا چھا گیا۔ اب حیوانیت سر پر سوار ہے اور انتقامی ولولوں میں خدائی ٹھیکیدار بنکر مارا مارا پھرتا ہے۔ مغضوب الغضب اپنا سر اگلنے کے لئے جائز و ناجائز ہر پہلو اختیار کرتا ہے۔ دوڑتا ہے، بھاگتا ہے، ہانپتا ہے، کانپتا ہے۔ مگر واہ ری قدرت کا لہ تو اس دیوانے کی ایک نہیں چلنے دیتی۔ اس کی تمام دوڑ دھوپ رائیگاں، اور سعی و کوشش اکارت، وہ کسی کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ کڑھنے، جلنے اور کوسنے دینے کے سوا اب اسکی تسلی کا کوئی سامان نہیں اور اس امید پر زندہ ہے۔ کہ اچھا آج نہیں کل سہی اپنی ہستی مٹا کے چھوڑونگا۔ یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوّٰک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک کلا بل تکذبون بالدین وانا علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون منیر دلے انسان تجھکو اپنے پروردگار کریم گستر کے باب میں کس چیز نے دھوکہ دیا۔ وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور تیرے اعضا کو ٹھیک کیا اور تیرے قامت کو معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے چھوڑ دیا مگر ہیہات تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو

حالانکہ تمہر نگہبان مقرر ہے۔ عالی قدر، ساری باتوں کے لکھنے والے جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں)

(۲)

اچھا بھلا تھا اسے کیا ہوگیا، تلملاہٹ ہے اور بیزاری۔ ڈاکٹر بلایا گیا۔ دوائی پلائی گئی مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا، درد ہے، اور شدت کا بخار، تکلیف سے کسی پہلو چین نہیں غشی ہو جاتی ہے۔ آنکھیں کھلی رہجاتی ہیں تین دن رات سے جان توڑ رہا ہے۔ مرض بڑھ رہا ہے اور مایوسی و ناامیدی کا عالم۔ ڈاکٹر صاحب لاعلاج قرار دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کیا کرینگے۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے اپنا فضل کرے شفا دے مایوس نہیں ہونا چاہئے لیکن عنوان اچھے نہیں، کوئی دم کا مہمان ہے، رات بڑی مصیبت سے کٹی۔ مریض بے حس و حرکت پڑا رہا، اب وہ کسی کو شناخت نہیں کر سکتا۔ پانی منہ میں ڈالو، ڈاکٹر کو بلاؤ، یہ کیا ہوگیا۔ بدن سرد ہے اور نبض ساکت اس نے دیکھا اس نے پوچھا۔ موت کا گمان، کرب و بلا کا عالم۔ گھر ماتکدہ ہے۔ یہ آہ و آ۔ ایک مجمع ہوگیا۔ وہ سرکش ہستی، اور سر پُرغرور جو کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور دنیا کی ہر شئے پائے حقارت سے ٹھکرا رہا تھا تختۂ زمین پٹ دینا بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتا اور مخلوق کی روزی چھین لینے پر زعم خود قادر تھا وہ جو اپنے تئیں خدائی فوجدار سمجھتا تھا بے بس اور مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔

دم واپسیں رُک رُک کر آتے ہیں۔ اور جان توڑ رہا ہے۔ اب نہ وہ شیخی ہے اور نہ وہ غرور، وہ جوش میں نہ ولولے، نہ کوئی یار و ہمجلیس ہے نہ مشیر و ہمنوا احباب و اقارب اسکی اس تکلیف کو اس کے کردار و اطوار، عادات و خصائل اور اعمال و افعال کی وجہ قرار دیتے ہوئے عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہیں

کئی روز ہو گئے۔ حالت میں فرق نہیں آیا، کوڑی کوڑی خرچ ہوگئی۔ علاج جاری ہے، دنیا بامید قایم عجب نہیں کہ جان بخشی ہو جائے۔

(۳)

شان ایزدی اب راضی ہے، صحت عود کر رہی ہے۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی، ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ۴۲

(خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت معین تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں)

مگر کشمکش موت و حیات نے خیالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے، وہ اپنی گذشتہ کارگذاریوں پر نادم و خجل ہے اور اپنی زبان سے جسے کمزوری کی وجہ سے ابھی قوت گویائی حاصل نہیں خدا کی ضمانت و یکرنیمار داروں سے کہتا ہے۔ توبہ توبہ بڑی زحمت اور مصیبت تھی۔ شکر ہے کہ جان بچی، انسان اپنے کئے کی سزا پاتا اور ضرور پاتا ہے میں نے دنیا کو دنیا نہ سمجھا۔ انسان میری آنکھوں میں چیونٹی سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ جھوٹ، جعل سازی، دغا و فریب اور دل آزاری میرا قماش اور یہی وجہ معاش بنا رکھی تھی۔ خدا کی خدائی کو بھولا ہوا شیطانی وسوسوں کا شکار ہمہ وقت فتن و فساد میں گذرتی، بیماری و موت کا خیال تک نہ تھا مگر چھ ماہ کے اس عرصہ

میں میرا تمام عجب وغرور اور کبر ونخوت خاک میں مل گیا ہے۔ اب خدا کی عبادت کرونگا۔ افعال قبیحہ سے اجتناب اور اعمال شنیعہ سے بچتے زندگی بسر کرنا میرا فرض ہوگا۔

قادر وتوانا عزاسمہ سرکش وکجرو مبتیوں کو ڈھیل دیدیتا ہے۔ واملی لھم انا کیدی متین ۲۹/۴ (اور میں انکو مہلت دئے جاتا ہوں میری تدبیر قوی ہے) تاکہ وہ اپنے مکروہ حالات کی اصلاح کریں۔ اس کے عذاب سے ڈریں اور حیات انسانی کے مقصد وحید کو پاکر سلامتی کی راہ اختیار کریں۔ لیکن جن کی تربیت صحیح اور صحبت کامل نہ ہو اور جنکی جبلت وفطرت اس رعائت سے مستفیض ہونے کی اہلیت نہ رکھتی ہو، صراط مستقیم پر نہیں آسکتے۔ مریض اس وقت تک جب تک کہ امراض مہلکہ کے اثرات باقی رہے شرافت ونجابت سے زندگی بسر کرنے کا اقرار کرتا ہے لیکن جونہی کہ ذرا ہاتھ پاؤں سیدھے ہوئے، چلنے پھرنے کی طاقت ہوئی، ہم جلیس دوستوں کا منہ دیکھا۔ ان تمام باتوں کو بھول گیا، اب پھر وہی شیطنت وفسق وفجور اور وہی جور وتظلم، وہی شر وفتن اور وہی حرکات مذبوحی مردم آزاری اسکی قویہ اور قویہ شکنی اسکی عبادت، رسی دراز اور بچھوا دیگر ہے نیست کا مصداق نہ خوف خدا نہ شرم پیمبر، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ❊ گر کافر گبر وبت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ❊ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ایک مسلم خاتون کی شجاعت

فسادات کانپور کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر واقعہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"فسادات کے آغاز میں گوالٹولی کے بزدل [redacted] نے ایک ایسی عورت کے مکان پر حملہ کیا جو تنہا تھی۔ خاتون موصوفہ ایک انسر کی اہلیہ ہیں جو دورہ پر گئے ہوئے تھے۔ جب حملہ آور تمام محلے کے مکانوں کو آگ لگا چکے تو ان کے مکان کو بھی نام نہاد ہندو سورماؤں نے آگ لگادی۔ جب اس بہادر خاتون نے دیکھا کہ اب اس کی جان پر آبنی ہے تو اس نے فوراً اپنے شوہر کی بندوق اٹھائی اور ایک ہوائی فائر کردیا مگر حملہ آوروں نے اس کی پروا نہ کی اور دروازے توڑ کر اندر گھسنا چاہا اسپر موصوفہ نے فائر کرکے سات آٹھ بزدلوں کو زخمی کیا پھر کیا تھا بزدلوں کے ہجوم میں بھاگڑ پڑگئی۔ اور انہوں نے دنیا دم بھاگنا شروع کردیا اس گئے گذرے زمانہ میں اس مسلم خاتون نے قرون اولے کی مسلم خواتین کی داستان شجاعت کو زندہ کردیا

(انقلاب)

میری سرگذشت

نمبر ۹

موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے نومبر ۱۸۹۴ء کے وسط میں ہم کوئٹہ سے واپس زیری جانے کے لئے براہ درۂ بولان روانہ ہوئے جس کا موسم اندنوں کچھ خوشگوار سا ہے اس درہ کی تاریخی اہمیت اور تفصیلی کیفیت نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کیونکہ یہ ہندوستان اور وسط ایشیا کے ملنے کا دروازہ ہے اور زمانہ ماضیہ میں متعدد شاہان زمانہ مع اپنے لاؤلشکر کے اس درہ ہی کی راہ سے گذرے۔ ہندوستان اور افغانستان کی تجارت کے لئے یہ نہایت مفید اور ضروری راستہ ہے۔ ایام ماسبق میں قندھار، ہرات اور نیشاپور وغیرہ کے سوداگر اس درہ ہی سے آمدورفت رکھتے تھے کیونکہ اکثر لین دین عموماً شکارپور اور سکھر (علاقہ سندھ) کے ساہوکاروں کیساتھ تھا اور شکارپور کے اکثر سوداگر بھی قندھار اور بخارا میں تجارت کا کام کیا کرتے تھے۔

کوئٹہ سے لیکر ڈھاڈہر تک اس درہ کا تمام تر فاصلہ ۹۰ میل ہے۔ جس کے حصص بقرار ذیل ہیں۔ کوئٹہ سے سری بولان تک قریباً چالیس میل یہ علاقہ سردار کورو اور سردار سہتک زئی وغیرہ سے متعلق ہے۔ سری بولان سے ڈھاڈہر کی حدود تک قریباً پچاس میل۔ یہ حصہ اقوام مری کے متعلق ہے جو درۂ بولان میں موقعہ پانے پر قافلوں کو عموماً لوٹا کرتی تھیں۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء میں مردم مری ہی کی غارتگری کی وجہ سے اس درہ کی آمدورفت چند سالوں کے لئے مسدود ہو گئی تھی اور قافلہ درۂ بولان کی بجائے جھالاوان کے علاقہ سے گذر کر براہ درۂ مولہ آیا جایا کرتے تھے۔ جس میں سوداگروں کو بُعد مسافت کی تکلیف کے علاوہ زیربار اخراجات بھی ہونا پڑتا تھا۔

۱۸۷۳ء سے پیشتر بعہد میر خداداد خاں والئے بلوچستان کوئٹہ سے ڈھاڈہر کو آنیوالے اور ڈھاڈہر سے کوئٹہ کو جانے والے قافلوں پر محصول بالترتیب کوئٹہ اور ڈھاڈہر ہی میں وصول کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ ہر دو مقام اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے درۂ بولان کے دو نوسروں پر واقع ہیں۔

کوئٹہ اور ڈھاڈہر میں انتظام حفاظت قافلہ جات اور وصولی محصول کے لئے نائبان خان قلات بمعہ دستہ ہائے خود تعینات رہتے تھے۔ اور پانچ روپے فی بار شتر سنگ یعنی محصول اور ڈیڑھ روپیہ فی بار بدرقہ وصول کیا جاتا تھا۔ رقم محصول خلاصۃً حق خان قلات تھی اور رقم بدرقہ میں سے دو ثلث سردار کورو اور ایک ثلث سردار سہتک زئی لیتا تھا۔

بولان ہی وہ درہ ہے جسے تجارت کی غرض سے کھلا رکھنے کی بنا پر ۱۸۷۶ء سے بلوچستان کے متصرف انگریز ہی ہیں آئے تھے آنا جُوا دو چند ہو جانا مدِ مستونگ کے رو سے مستقل طور پر اس ملک میں انگریزوں کے قدم جم گئے۔

اس درہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۷۹ء میں باعث جنگ افغانستان جب افواج انگلشیہ سامان رسد اور تجارت کی آمدورفت اس درہ سے ہوئی تو مبلغ تیس ہزار روپیہ سالانہ عوضانہ سنگ دمدلی بحق خانصاحب والئے قلات اور تو ہزار روپیہ عوضانہ بدرقی بقرار بالا سردار کورو اور سردار سہتک زئی کے لئے منجانب گورنمنٹ انگلشیہ مقرر کیا گیا۔ اور پھر درۂ مذکور کلیتہً افسران انگلشیہ

زیر انتظام اور زیر تحت ہوگیا جس کے بعد وصولی سنگ اور بدرقی کا رواج یکسر موقوف کر دیا گیا۔ جس سے قافلہ جات اور عوام کی آزادانہ آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بعد ازاں کئی لاکھ روپیہ کے مصارف سے گورنمنٹ انگریزی نے آمد و رفت کی سہولت کے لئے ایک پختہ سڑک جسے جرنیلی کہتے ہیں کوئٹہ سے رندلی متصل ڈھاڈر تک طیار کرائی اور اب اس میں کئی کروڑ روپیہ کے خرچ سے ریلوے لائن بچھائی جا رہی ہے۔ جسے بنتے ہوئے میں نے بچشم خود دیکھا۔

۱۸۷۶ء سے پیشتر یہ کیفیت تھی کہ مردم بروہی سردی میں خراسان سے علاقہ کچھی اور گرمی میں کچھی سے خراسان کو آتے جاتے وقت جب تک چار پانچ سو سفری کی تعداد میں اور مسلح صورت میں جمع نہیں ہو جاتے تھے۔ اس وقت اس درہ سے بآسانی نہیں گذر سکتے تھے۔ کیونکہ مردم مری کی طرف سے تاخت و تاراج اور غارتگری و ڈاکہ زنی کا ہر وقت اندیشہ رہتا تھا۔ اور اب وہ مذکور بمثل بازار کے ہے جہاں صدہا غیر مسلح ہندوستانی بھی دنرات بآسانی آتے اور جاتے ہیں۔

ہماری داستان سفر کا سلسلہ بقرار ذیل ہے کہ کوئٹہ سے چل کر ہم "دشت" میں پہونچے جسے اس لحاظ سے کہ یہ ایک وسیع بے آب و گیاہ چٹیل میدان ہے "دشت بیدولت" بھی کہتے ہیں۔ یہ کوئٹہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اس کے دو حصے ہیں (۱) دشت کلاں جس کا طول قریباً چالیس میل اور عرض قریباً چالیس میل (۲) دشت خورد۔ طول قریباً ۳۰ میل اور عرض قریباً تین میل۔ موسم سرما میں یہاں تند ہوائیں چلتی ہیں۔ اور شدت کی برفباری ہوتی ہے۔ اور سردی پڑتی ہے۔ اسی مقام کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ سابق ایام کے موسم سرما میں یہاں ایک قافلہ شب باش ہوا جس کا بار دانہ مجیٹھ پر مشتمل تھا۔ رات کو اچانک برفباری شروع ہوگئی۔ قافلہ کے جن افراد نے اپنی جانوں کا بچاؤ مقدم جانا اور مجیٹھ سے اپنے جسم کا کام لیا۔ وہ تو بچ گئے اور جنھوں نے اپنی جانوں کے مقابلہ میں مجیٹھ کا بچاؤ مقدم سمجھا وہ سردی سے اکڑ کر مر گئے۔

سارے درہ بولان میں بلحاظ سردی یہی ایک خطرناک مقام ہے اور باقی حصہ درہ میں سردی مثل علاقہ کچھی کے ہے۔ قوم بروہی کے سرکردہ افراد دشت خورد میں رہتے ہیں جنکا قومی سردار نوروز خان یار محمد ہے۔ ہم نے یہاں بہت زیادہ قیام نہ کیا۔ اور چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد غروب آفتاب پر مقام "مچ" (Mach) پہونچے جو دشت سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر برسبیل سڑک دامن کوہ کے نیچے واقع اور مجسٹریٹ بولان کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور سطح سمندر سے ۵۷ء۵۱۲ فٹ بلند۔ یہاں کی سردی معتدل ہے۔ اور یہ مقام علاقہ کچھی اور علاقہ خراسان کی حد فاصل ہے۔

مچ سے موضع رندلی تک کرایہ کے ٹانگہ مل گئے۔ اس لئے سواری کے گھوڑے راتوں رات رندلی بھجوا دئے گئے اور صبح پو سے رندلی تک قریباً ۱۲ میل کا سفر بذریعہ ٹانگہ طے کیا گیا۔

ڈھاڈر سے کوئٹہ کو جاتے ہوئے درہ بولان وادی رندلی کی پہاڑیوں سے نکلتا۔ اور دو رویہ پہاڑوں سے گھرا ہوا چلن میل تک پانچ ہزار فٹ کی بلندی تک پہونچتا ہے۔ جس میں جابجا آب رواں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں اور چشمے ہیں۔ پانی میٹھا اور خوشگوار ہے۔ لکڑی اور چارہ بھی مل سکتا ہے۔

رندعلی سے قریباً دو میل کے فاصلہ پر شہر ڈھاڈھر ہے اور خان قلات کے نائب کا ہیڈ کوارٹر۔ درۂ بولان کے دہانہ پر واقعہ ہونے کی وجہ سے اصل نام "دھان در" ہے جو بگڑتے بگڑتے ڈھاڈھر ہو گیا میں نے دور سے ایک نگاہ دیکھا اسوقت یہ بات کاربردازان قدرت ہی کے علم میں تھی۔ کہ اس سے سوا چودہ سال بعد بحیثیت مستوفی نیابت ڈھاڈھر کا اعلیٰ افسر مقامی کیا جاؤنگا ــــــ رندعلی سے روانہ ہو کر ہم قریہ سنی میں پہونچے جو معتبرین قوم جتوئی کا مسکن ہے۔ ۲۹ درجہ ۹ دقیقہ شمالاً ۶۷ درجہ ۴۳ دقیقہ شرقاً شہر بھاگ کے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ یہ گندم کی کانوں کیلئے مشہور ہے۔ جو اس سے بارہ میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب کی طرف واقعہ ہیں۔ قریہ کے مرکز میں گنبد عالی مسجد ہے یہاں کا پانی بلحاظ عمدگی علاقہ کچھی میں مشہور ہے۔ گاؤں کے قریب ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں ایک لاکھ کے قریب قبریں بیان کیجاتی ہیں موضع سنی جتوئیوں کی جاگیر ہے اور اس کے گرد و نواح میں تاریخی دلچسپی کا خاصہ مواد موجود ہے۔ چنانچہ شہر خانپور کے پرانے کھنڈرات سنی کے شمال مغرب کی جانب چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اور خانپور کی بڑی بڑی پرانی گلیوں کے نشانات اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔ چونے کی بنی ہوئی ایک پرانی مسجد کے کچھ کھنڈرات بھی شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ خانپور اس علاقہ میں ایک مشہور شہر تھا جسے سندھ کے خاندان کلہوڑہ کے عہد حکومت میں ہاکڑی دمیال ابی اور جاٹ وغیرہ اقوام نے آباد کیا تھا۔ اب اسے خانپور کہنہ کہا جاتا ہے جس کے شمال مغرب کی جانب دو میل پر "جاندری ہر" کا مشہور تاریخی میدان جنگ واقعہ ہے جہاں ۱۷۳۱ء و ۱۷۲۷ء میں سندھ کے مردم کلہوڑہ اور بلوچستان کے مردم بروہی کے درمیان جنگ عظیم واقعہ ہوئی۔ اور اس لڑائی میں میر عبداللہ خاں خان قلات مارا گیا۔ اور پھر اس کے خونبہا میں بحکم نادر شاہ بادشاہ افغانستان علاقہ کچھی صوبہ سندھ سے جدا ہو کر خان قلات کو دیا گیا نادر کا پولٹیکل مقصد اس سے سندھ کے فرمانروا خاندان کلہوڑہ کی ملکی اور جنگی طاقت کو اس طریق پر کمزور کرنے اور خان قلات کو اپنی حمایت میں لینے کا تھا۔ چنانچہ وہ مقصد بالآخر پورا ہوا

اس مقام پر ایک مسجد کا نشان نظر آتا ہے۔ جو ایک باغ سے محدود ہے۔ جسے میر باغ کہتے ہیں میر نصیر خان اعظم خان قلات نے اپنے مرحوم باپ میر عبداللہ خان کی یادگار میں یہ مسجد بنوائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ میر عبداللہ خان کی لاش میدان جنگ سے نہیں ملی تھی اب مسجد کھنڈرات کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اور باغ کسمپرسی کی حالت میں ہے۔

سنی سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک اور مقام موسومہ "چاکر ماڑی" آثار قدیمہ کے لحاظ سے دلچسپی کے قابل ہے جہاں ان مکانات کے کھنڈرات ہیں جنہیں میر چاکر رند اقوام رند بلوچ رہا کرتا تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی میں جب قوم رند کرمان سے اور قوم لاشاری بھنبور سے اس ملک میں داخل ہوئی۔ تو میر جتوئی سردار شہک تھا۔ اور لاشاری کا سردار گہرام شہک کے بعد اس کا بیٹا میر چاکر سردار قوم رند ہوا جو بلوچوں میں بہت مشہور اور نامور سردار ہو گذرا ہے۔ سیوی میں جسے اب سبی کہا جاتا ہے اب تک ایک پرانا قلعہ موجود ہے جسے میر چاکر ہی نے بنوایا تھا۔

سنہ ۱۵۴۱ء میں جب ہمایوں نے ہندوستان پر براہ دریائے بولان فوج کشی کی تو اس نے میر چاکر کو بھی مع جمعیت شکر بلوچی ہمراہ

اور اس کی حسن خدمات کے صلہ میں علاقہ ستگڑہ (دست گھرہ) واقع منٹگمری اسے بطور جاگیر عطا کیا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کرلی۔ اور وہیں فوت ہوا۔ چنانچہ مقبرہ میر چاکر بطور نشان وہاں موجود ہے

بلوچستان کے مختلف حصص کے پرانے زمانہ کے تاریخی نشانات اب مٹے چلے جارہے ہیں۔ کاش کہ بروہی اور بلوچ اپنے اپنے نامور آبا و اجداد کی یادگار زمانہ یادگاروں کے برقرار رکھنے کے لئے کوئی سنجیدہ توجہ دے سکتے۔ اور وہ حوادث روزگار دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ سکتیں۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی۔ مستوفی (ریٹائرڈ)

"نعت"

رتبہ ہے کس کا اب ترے رتبہ کے سامنے
جب عرش پست ہے ترے روضے کے سامنے

روضہ ہے اب تو روکش صد لامکاں ترا
کعبہ ہے ایک اور یہ کعبے کے سامنے

جنگ بدر میں زلزلہ کفار میں پڑا!!!
ٹھیرا نہ ایک بھی ترے جذبے کے سامنے

پیش خدائے پاک شفاعت تری قبول
کس کی چلیگی تیرے وسیلے کے سامنے

بہر خدا ادھر بھی ہو الطاف کی نظر
در پہ کھڑا ہوں کب سے میں پردے کے سامنے

محشر میں عاصیوں کا بجز تیرے کون ہے
ہے فخر ہم کو اپنے نصیبے کے سامنے

کیا نالہ و فغاں میرے بیکار جائیں گے
ہوں اشکبار کب سے دریچے کے سامنے

وہ مرجع عوام یہ مجموع خاص و عام
مکے کی شان کیا ہو مدینے کے سامنے

نامی قصیدہ خوانوں میں ہلچل سی ہے مچی
کس کی چلیگی تیرے قصیدے کے سامنے

(نامی کوہ سوار نظامی)

تعارف

(گذشتہ سے پیوستہ)

حالات ریاست مذکور } پالن پور کا ریاستی خاندان بکسریہ پٹھان نامور اور بہادر نسل سے ہے۔ پانسو سال قبل مقام بکسر واقع بنگال سے جہاں وہ ابتدائے عہد اسلامی سے متمکن تھے۔ راجپوتانہ میں وہاں کے انقلابات سے موقع پاکر مقام جالور واقع جنوبی مارواڑ میں قابض ہوکر رئیسان مارواڑ سے معرکہ آراء رہے۔ اور اپنی مقبوضہ جگہ معہ علاقہ کو ہاتھ سے نہ دیا اور حمایت وخدمات سلاطین مغلیہ سے شرفیاب ہوتے رہے۔ عالمگیر بادشاہ کے وسط عہد میں جبکہ وہ ریاست جودھپور کو ضبط کرکے فسادات دکن کے دفعیہ کو اس طرف مع افواج کثیرہ عازم ہوا۔ تو میدان خالی پاکر راجہ اجیت سنگھ پسر راجہ جسونت سنگھ سابق والئی جودھپور نے جو ملک مقبوضہ کی بازگیری کو حملات کرتا پھرتا تھا قلعہ جالور پٹھانوں سے رزم آرائی میں چھین لیا۔ ان لوگوں نے شاہی امداد طلب کی جو عالمگیر کے دکن میں مصروف جدال وقتال ہونے سے نہ مل سکی۔ لیکن عالمگیر نے نواب مجاہد خاں جالوری کو بمراحم خسروانہ پرگنہ پالن پور واقع شمال گجرات عطا فرمایا۔ اسوقت سے تاحال یہ خاندان اس علاقہ پر قابض وحکمران ہے۔ سرکار انگریزی سے کل اختیارات حکمرانی حاصل اور گیارہ توپ سلامی مقرر ہے۔ ریاست کی خالص سالانہ آمدنی بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ یہاں کا حکمران خاندان دیگر جملہ مسلمان رئیسان ہندوستان سے قدیم تر ہے اور پانسو سال سے اول جالور پھر پالن پور پر ریاست کررہا ہے۔

واپسی از پالن پور وداخلۂ جاؤرہ } نواب صاحب بہادر پالن پور اپنے یہاں مؤرخ صاحب کے زائد قیام کے خواہاں تھے۔ لیکن آپ بوجہ بعض ضروریات کے چوتھے روز وہاں سے راہی ہوئے قبل روانگی نواب صاحب نے گراں بہا خصتی خلعت عطا فرمایا۔ جب آپکی بگی ریاستی محلات کے قریب سے گذری تو نواب صاحب بہادر نے محل کی سقف سے رخصتی سلام علیک فرمایا۔ آپ نے سواری سے ایستادہ ہوکر جواب میں آداب عرض کیا اور روانہ ہوئے۔ گلاب میاں نے اسٹیشن تک مشائیت کی۔ نواب صاحب بہادر مرحوم والئی پالن پور کی مثال خلق مجسم ومنکسر المزاج رئیس کم دیکھے گئے۔

ملاقات نواب صاحب جاؤرہ } پالن پور سے واپس آکر ایک روز بسواری بگی جو سرکار جاؤرہ کیطرف سے بھیجی گئی تھی آپ نواب صاحب افتخار علی خاں کی ملاقات کو مردانہ محل پر تشریف لیگئے۔ نواب صاحب کرسی نشین تھے۔ آپکو بھی بعد اداء آداب وجواب کے دوسری کرسی نشست کو عطا ہوئی۔ ملاقات

سفر و عزم روانگی کا تذکرہ ہو کر آپ رخصت ہوئے۔ چلتے وقت آپ کو نواب صاحب نے انعام عطا کیا۔ نواب صاحب جاورہ بھی ملاقات و مکالمت میں بہت خلیق و سادہ مزاج ہیں لیکن بعد وفات خان بہادر یار محمد خاں دیوان کے جو مورخ صاحب کے بھی عنایت فرما تھے کوئی قابل شخص ریاست میں نظر نہ آیا۔

واپسی وطن و ولادت فرزند عامر عباس } گست ۱۹۱۵ء میں جاورہ سے مورخ صاحب امروہہ تشریف لائے اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۵ء بروز یکشنبہ بعد از غروب آفتاب فرزند نامی عامر عباس پیدا ہوا، بمزید احتیاط کچھ عرصہ بعد جبکو مع میری والدہ ماجدہ کے جاورہ میں میری ننہال میں پہونچایا گیا۔ اور مورخ صاحب ملازمت پر روانہ ہوئے۔

تبدیلی جسرانہ ضلع مین پوری } ۱۰ نومبر ۱۹۱۹ء کو آپ کی تبدیلی نامرغوب مقام لاہور سے مقام جسرانہ ضلع مینپوری کو ہوئی۔ یہاں کی آبادی مختصر لیکن دل پسند تھی۔ تحصیلدار عبید الحق آنجہانی قدیم دوست منشی امین الدین سابق تحصیلدار کے فرزند۔ آپ کے ساتھ نہایت خلوص و اتحاد برتاؤ کرتے ہے اور ضلع جج پولن صاحب بھی بڑے قدر فرما تھے۔ لیکن راصاحب ( ) انسپکٹر جنرل رجسٹری نے بقاعدہ پچین سالگی آپ کی پنشن کی رپورٹ گورنمنٹ کر دی۔ آپنے اس کے خلاف اپنے قابل کا ہونے کے باعث ہوم صاحب لفٹنٹ گورنر کو اپیل کی۔ جس کا جواب انہوں نے عدم مداخلت سے انسپکٹر جنرل کی بنا پر دیا۔ بہرحال یکم اپریل ۱۹۲۱ء کو سب رجسٹراری کا چارج تحصیلدار صاحب مقام کو بحکم انسپکٹر جنرل دیکر آپ وطن تشریف لے آئے۔ آپکا جانشین کچھ عرصہ بعد وہاں گیا۔ مقام جسرانہ ریلوے اسٹیشن شکوہ آباد سے بارہ میل فاصلہ پر واقع ہے۔

گشت دہلی و مراسم خاندان لوہارو } چونکہ آپکی زوجہ ثانیہ کا رشتہ مادری ارکان خاندان لوہارو سے ہے بایں تعلق ۱۹۱۳ء میں آپ مع زوجہ و فرزند راقم دہلی جا کر دولتکدہ ہمشیرہ صاحبہ مرزا سعید الدین خاں صاحب پر جو نواب صاحب لوہارو۔ امیر الدین احمد خاں صاحب کے چچا ہوتے ہیں۔ قیام ہوا اسوقت نواب صاحب لوہارو بھی وہاں رونق افروز تھے۔ ان سے آپکو شرف حصول نیاز کا موقع ملا۔ نواب صاحب موصوف بڑے خوش خلق و خوش کلام رئیس ہیں۔ اُن کے برادر خورد مرزا فصیح الدین احمد خانصاحب کے یہاں بھی جو آپکی زوجہ اور میری والدہ کے خالو ہوتے ہیں بتواضع تمام مہمانداری عمل میں آئی۔ اس کے علاوہ نواب صاحب کے ہمجدی برادر مرزا شجاع الدین خانصاحب کے دیوانخانہ پر جو خوش طبع اور با اخلاق بزرگ تھے۔ بارہا بے تکلفانہ قیام رہا۔ ان کے برادر خورد مرزا سراج الدین احمد خانصاحب تخلص سائل سے بھی متعدد بار ملاقات کا موقع ملا۔ وہ نہایت فصیح البیان شاعر ہیں۔ اور مشہور شاعر مرزا خاں داغ کی دختر انکی زوجیت میں داخل ہے۔

خانہ نشینی وطن و املاک } مورخ صاحب نے کار سب جسٹراری چار مقامات گنور رنگینہ۔ سدھور۔ جسرانہ میں

پندرہ سال آٹھ ماہ انجام دیکر سرکاری پنشن پائی۔ بوجہ عدم مصروفیت کار وسط ۱۹۱۸ء میں ایک باغ انبہ قلمی وامرود وغیرہ جنوبی سواد شہر امروہہ میں سوت ندی کے نواحی میں نصب کیا۔ جو تا ایندم سرسبز اور بارآور ہے۔ علاوہ آٹھ بسوہ معافی موضع یعقوب پور بلوچ کے جو زوجہ سابقہ مطلقہ کے قبالہ نان ونفقہ میں فیصلہ ثالثی سے دیا گیا ہے۔ ایک ثلث موضع شیخوپورہ ایہ کی زمینداری جسکا بعد کو محال سفید قایم ہوگیا ہے۔ جسکو راقم کے نام مورخ صاحب نے خرید کیا۔

تعلق ٹھکانہ سونکھیڑہ ایک ٹھکانہ یعنی جاگیر ساڑھے ہزار سالانہ کی ماتحت ریاست گوالیار کے ریاست جاورہ سے پندرہ میل فاصلہ پر بنام سونکھیڑہ واقع ہے وہاں کے ٹھاکر صاحب نے مورخ صاحب کے نام دو تین تار روانہ فرمائے جنمیں عہدۂ سکرٹری دینے کا بیان تھا۔ آپ نے اس وجہ سے کہ فریسندۂ تار سے مطلق آشنا نہ تھے۔ وہاں جانے میں پس وپیش کیا۔ آپکے بڑے قدرشناس دوست رائے بہادر منشی شیونرائن کائستھ ماتھر نے جو عہد اکبر شاہی سے دیرینہ رئیس ہیں اور جو اول درجہ کے مجسٹریٹ سرکار انگریزی کے حکم سے تھے۔ اور بعد وفات مذکور الصدر کے انکے فرزند سعادتمند بابو کاشی نرائن آجکل اسسٹنٹ کلکٹر اعزازی کام کرتے ہیں فرمایا کہ آپکی شہرت بیرونی مقامات خصوصاً ریاسات خودمختار میں زائد ہے۔ آپکو ضرور جانا چاہئے بمطابق رائے بہادر کے آپ جاورہ تک پہونچے تو ریلوے اسٹیشن پر منشی عثمان خاں اندوری جو آپ کے زمانہ کامداری ریاست سیتامئو میں وکیل اکینسی تھے۔ آپ کے لینے کو نظر آئے۔ اور یہ جملہ کاروائی انہیں کی تحریک سے تھی۔

واپسی از سونکھیڑہ بوطن جو ملاقات ٹھاکر صاحب سونکھیڑہ نے کارعدالت مال وفوجداری مورخ صاحب کو سپرد کیا جسکی بابت اول درجہ کے اختیارات ریاست گوالیار سے حاصل تھے۔ کام بموجودگی اہلکاران ماتحت کے مورخ صاحب انجام دیا کرتے تھے اور کاغذات پر حاکمانہ دستخط ٹھاکر صاحب کے ہوتے تھے چونکہ سونکھیڑہ میں لحمی غذا میسر نہ تھی اور علی الدوام دال ترکاری زیادہ کھانا آپکو مرغوب نہ تھا نیز وطن میں مقدمات جایداد رائے تھے جنکا سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے ٹھاکر صاحب سے بہ حجت تمام رخصت حاصل کی۔ انہوں نے یکصد وپنجاہ روپیہ ماہانہ کے طور پر آپکو عطا فرمایا۔ ماہ نومبر ۱۹۲۴ء کو آپ وطن واپس آگئے۔

ضعف بصارت وقدح چشم بوجہ تصانیف کثیر چونکہ ابتدائے عمر سے مورخ صاحب کو دوشت خوانی کی مصروفیت زائد رہی مسودہ نویسی۔ و مضامین نگاری کا مشغلہ بہم درپیش رہا۔ اودھ اخبار لکھنؤ۔ اخبار خیرخواہ عالم دہلی۔ راجپوتانہ گزٹ اجمیر۔ سجن کیرتی اودیپور البشیر اٹاوہ مسلم پونہ اور صحیفہ القریش امرتسر کے صفحات سنین ماضیہ اس امر کے شاہد حال ہیں۔ تاریخ تحفۂ راجستان۔ تاریخ مغربی مالوہ۔ تاریخ بہنائے۔ تاریخ ہندوستان وسوانح عمری رسول مقبول وابوبکر مندرجہ رسول نمبر اور صادق نمبر ومسلول تقریظ تاریخ پالن پور ودیوانہائے مکمل اردو وفارسی آپکے نادر تاریخی واقعات سے پُر ہیں۔ بوجہ ملازمت گورنمنٹ

خضابات کے بستہ سالہ استعمال کیوجہ سے آنکھوں سے سیلان رطوبت متواتر ہوتا رہا۔ ستر سال کی عمر تک بلا عینک کار نوشت وخواند انجام دیتے رہے جب بصارت از حد مکدر و ناقابل کار ہوگئی تو دہلی جاکر ۳۰ راکتوبر ۱۹۲۹ء کو سول ہسپتال کے ماہر چشم ڈاکٹر محمد بشیر امرتسری سے عمل قدح چشم کرایا۔ ایک گھنٹہ تک خاص ادویہ ڈالکر آنکھ بے حس کیگئی پھر آلہ قادح سے ایک منٹ میں غدود چشم نکالکر پٹی باندھ دیگئی۔ عمل قدح میں مطلق تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ گویا سلائی سے سرمہ لگا دیا گیا۔ دو ہفتہ ہسپتال رہنے کے بعد رخصت روانگی ملگئی۔ ڈاکٹر صاحب نہایت اخلاق مجسم اور سادہ مزاج شخص ہیں۔ دوران معالجہ میں منشی سید محمود رضا امروہوی نے جو آپکی جاگیر کی داصلات کا بھی کام کرتے ہیں جو کچھ مؤرخ صاحب کی تیمارداری خدمات خلوص دل سے کیں وہ ہرگز قابل فراموشی نہیں۔ آپ چشمۂ خاص کے ذریعہ سے کسی قدر لکھ لیتے ہیں۔ پہنا دشوار طلب ہے دوسرے چشمہ سے بازار و باغ تک ضرورتاً جاتے رہتے ہیں۔

بہار زندگی

افسوس آجکل اشتہاری دنیا پر کسی کو بھی اعتبار نہیں رہا اور ہو بھی تو کیسے جبکہ تختۂ دنیا پر اتنے مریض نہیں جتنے کہ اشتہاری حکیم ہیں تو ایسی حالت میں کس کو سچا سمجھا جائے۔ یہ بات محض آزمایش سے تعلق رکھتی ہے۔ ہماری تیار کردہ بہار زندگی مندرجہ ذیل امراض کے لئے اکسیر ہے مثلاً جریان، قبض، ہاضمہ، دل و دماغ، جگر، معدہ۔ گردہ جملہ اعصابی کمزوریاں۔ بس ان تمام امور کا فیصلہ صرف آزمائش پر ہی ہے۔ آپ ضرور آزمادیں۔

قیمت فی بکس ۲ے

ایم محمد عبداللہ غلام رسول اینڈ کمپنی امرتسر کوچہ رنگریزان امرتسر

بزمِ قریش

خدمات کا عملی اعتراف نہ ہو تو حوصلہ افزائی نہیں ہو سکتی معترف کی قدر دانی اس وقت تک بے سود و بے معنی ہے جبتک کہ وہ اپنے اعتراف کا کوئی عملی ثبوت پیش نہ کرے ،

موقت الشیوع جرائد و اخبارات اور بالخصوص وہ رسائل جو کسی قوم یا فرقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مجوزہ پیسہ پیٹنے پر مجبور ہیں طباعت و اشاعت کے اخراجات کی پریشانیوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جب تک کہ متعلقین اسکی امداد و یار گیری نہ کریں ۔

"القریش" کی خدمات کا زبانی و کلامی اور لفظی اعتراف تو بہت ہو رہا ہے لیکن اس کا اسوقت تک کچھ فائدہ نہیں جب تک معزز حضرات اس کی توسیع اشاعت کی جانب خاص توجہ نہ دیں ۔

ہم افسوس سے ہی نہیں بلکہ رنج و ملال سے اس حقیقت کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے بعض مہربان اور کرم فرما ہماری خدمات کے اعتراف میں لفظی حدود سے نکلنا گوارا نہیں کرتے توسیع اشاعت کی جانب توجہ تو وہ کیا دیں گے اپنا زرِ چندہ بھی نہیں بھیج سکتے ۔ اور اگر دفتر اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر اجرائے وی پی کی غلطی کا مرتکب ہو جائے تو اسے بے دریغ واپس کر دیتے ہیں انہیں اپنے قومی خادم کے مالی نقصان کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا جس قوم کے دردمندوں اور بہی خواہوں کی حساس قومی کا یہ عالم ہے اس کی موت و حیات کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں

بعض احباب نے وسط دسمبر میں اطلاع دی کہ وی پی بکیا جاوے چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیا جائے گا ۔ تعمیل کیگئی اور تقاضا ہونے لگا ۔ ۱۵ مارچ تک ۳ ماہ کے عرصہ میں بھی جب وہ روپے وصول نہ ہوئے تو وی پی کئے گئے جو انکی قومی حمیت کا نمونہ کرتے ہوئے بخیر و خوبی واپس آ گئے ۔ تین روپے سالانہ چار آنے ماہوار پاکٹ میں پائی یومیہ کے مقابلہ میں نہ اپنے عہد کا پاس اور نہ ہماری خدمات کا لحاظ فاعتبروا یا اولی الابصار ؛

ہم ان برادران حمیت کے اسم گرامی پر بطیب خاطر خط نسخ کھینچتے ہیں اور کارساز مطلق پر بھروسہ کرتے ہوئے ان حضرات کی دردمندیوں سے ہاتھ اٹھاتے ہیں ۔ رفع حجت کے لئے باقیماندہ حضرات کے نام وی پی کئے جا رہے ہیں ۔ اگر انکی طرف سے بھی خیر اندیشی کا یہی ثبوت پایا تو اس پر بھی بادل ناخواستہ یہی عمل کیا جائے گا

ناظرین جرائد و رسائل کو اپ ٹو ڈیٹ دیکھنے کے متمنی ہیں ۔ کاتب کی بیماری ، ایڈیٹر کی علالت یا کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے اگر پرچہ بروقت نہیں ہوتا تو طعن و تشنیع کے پہاڑ سر پر گرنے شروع ہو جاتے ہیں ۔ اس قسم کی جلی کٹی سنائی جاتی ہیں کہ زندگی تلخ ہو جاتی ہے ۔ لیکن اپنی کمزوریوں اور خامیوں پر کوئی توجہ نہیں دیجاتی وی پی کسر شان سمجھا جاتا ہے منی آرڈر کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا ۔ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیا جائے لکھ کر خاموش ہو جانا فیشن قرار دے رکھا ہے مگر اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ سینکڑوں روپے ماہوار کا خرچ آخر کہاں سے سوار ہوگا کارپردازان جرائد مقاروں کا خزانہ تو رکھتے نہیں ۔ پھر اگر ہم زرِ چندہ دینے کی توفیق نہیں رکھتے تو بے لفظ بھی کیوں سنا کریں ۔

بہر حال مخصوص احباب کے اس رویہ سے ہم تنگ آ گئے ہیں اور

یہ اعلان کرنے پر مجبور ہیں کہ جو احباب بروقت اور اپ ٹو ڈیٹ چندہ وانہیں کر سکتے وہ قبل اس کے وی پی کی واپسی سے ہمیں مزید نقصان پہونچا کر ہماری دل آزاری کا موجب ہوں اطلاع دیدیں تاکہ ہم ان کا نام رجسٹر سے کاٹ دیں۔ اور فضول توقعات کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور ہم دیگر سے کسی نتیجہ پر پہونچ سکیں۔

خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے القریش کے معاونین میں ایسے زندہ دل اور حساس بزرگ بھی موجود ہیں جو القریش کی خدمات کا عملی اعتراف کرتے ہیں اور قومی ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے اسکی امداد و اعانت میں نذر نقد قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور سچ پوچھئے تو حضور نظم عالی مقام کے ملطفات خسروانہ کے بعد یہی حضرات کی توجہ اور کرمفرمائی ہر اس پرآشوب زمانہ میں القریش جاری ہے۔

مولانا مسعود الرحمن صاحب ہاشمی رئیس ایک علم دوست اور مخیر بزرگ ہیں آپ نے ماہ جنوری میں بلا طلب و تحریک از خود ایک نشستی گرانقدر رقم ارسال فرمائی تھی اور اب برادر محترم مولانا کفیل شاہ صاحب نظامی نے پچاس روپے اور قریشی انوار الحق صاحب عباسی نے پچاس روپے کی رقم ارسال فرما کر اپنی حمیت قومی ملت و ستی کا عملی ثبوت پیش کیا ہے فجزاھم اللہ احسن الجزا

یہ ہے احساس و اعتراف، اور یہ ہے حمیت و حمایت مگر

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

جناب کشتی خدا انہیں اپنے حفظ امن میں رکھے، نیک دل، نیک سرشت، اور نیک طینت واقع ہوئے ہیں۔ اسلامی درد دل میں کوٹ کوٹ بھرا ہے، آپ نے خدمت اسلام۔ خدمت خلق اللہ اپنی زندگی کا بہترین مقصد قرار دے رکھا ہے۔ یوم اجراء سے ہی آپ القریش کے مربی و محسن ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ سے اسکے خیر اندیش بھی خواہ رہے ہیں جس کے لئے ہم سپید مشکور و ممنون ہیں اللہ کرے ہو حسن عمل اور زیادہ "

شذرات

بنارس میں ہندو مسلم فساد اور سخت فساد ہوا انسانی خون سے ندیاں بہہ گئیں، گاؤں کے گاؤں کی گردنیں اڑا دیں اور وہ کیا کچھ نہ کیا جو ان کے امکان میں تھا۔ ایک اندازہ کی بیان ظہر ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ انسان خاک و خون میں غلطاں و پیچاں ہو گئے۔ آگرہ میں فتن و فساد کا سیلاب اٹھا اور خطہ امن امن بہا لے گیا۔ مرزاپور میں قتل عام اور لوٹ مار میں طوفان بے تمیزی برپا ہوا امرتسر کے ایک گاؤں کوٹ دھرمچند میں خون خرابہ ہوا۔ یہ اسوقت کے حالات اور کوائف اور

کاٹ دیں۔ اؤں کے اکلوتوں کی گردنیں اڑا دیں اور وہ کیا کچھ نہ کیا جو ان کے امکان میں تھا۔ ایک اندازہ کی بیان ظہر ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ انسان خاک و خون میں غلطاں و پیچاں ہو گئے۔ آگرہ میں فتن و فساد کا سیلاب اٹھا اور خطہ امن امن بہا لے گیا۔ مرزاپور میں قتل عام اور لوٹ مار میں طوفان بے تمیزی برپا ہوا امرتسر کے ایک گاؤں کوٹ دھرمچند میں خون خرابہ ہوا۔ یہ اسوقت کے حالات اور کوائف اور

کہ ایکہزار سے زیادہ انسان خاک و خون میں غلطاں و پیچاں ہو گئے۔ آگرہ میں فتن و فساد کا سیلاب اٹھا اور خطہ امن امن بہا لے گیا۔ مرزاپور میں قتل عام اور لوٹ مار میں طوفان بے تمیزی برپا ہوا امرتسر کے ایک گاؤں کوٹ دھرمچند میں خون خرابہ ہوا۔ یہ اسوقت کے حالات اور کوائف اور

ہیں بہہ گئیں، گاؤں کے گاؤں کی گردنیں اڑا دیں اور وہ کیا کچھ نہ کیا

اور پیش آمدہ واقعات ہیں جبکہ "سوراج" کا پرتو نہیں پڑا آزادی سے ہمکنار نہیں ہوئے اور جب یہ سب کچھ ہو گیا خدا نہ کرے حکومت اختیاری کی محبوبہ طنناز ہاتھ آگئی۔ تو پھر کیا ہوگا ہر ذی ہوش، ہر ذی شعور، نکتہ سنج اور دقیقہ رس انسان اسکا اندازہ بلا تکلف کر سکتا ہے۔ یہ ان ہاتھوں کی شمشیر زنی ہے۔ یہ ان ٹانگوں کی دوڑ دھوپ ہے جو بقول شخصے ہنوز قانون انگریزی کی آہنی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان دماغوں کی اختراع ہے جو ملکی حکومت نے مختل کر رکھے ہیں اور جذبات رقابت کے اظہار کی تدابیر پر غور کرنے کے قابل ہیں۔ یہ ان لوگوں کی سفاکیاں ہیں جو ہنوز غلام ہیں اور آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ایک پابہ زنجیر مختل دماغ۔ غلام اگر اس طرح بے خوف و خطر اور بیباکانہ خون کی ندیاں بہا سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ آزاد ہو کر کیا کچھ نہ کریگا۔

ایک طرف یہ فتنہ آلائی ہے تو دوسری طرف مطالبات کا ہنگامہ، ہر شخص بجائے خود دامن پھیلائے، درِ مدعا کھولے کھڑا ہے اور وطن کے مفاد و مصالح کا کسی کو بھی خیال نہیں

ہندو مہاسبھا کی خواہش ہے کہ:-

فہرست رائے دہندگی واحد، انتخاب مشترک نشستیں مخصوص طریق رائے دہندگی یکساں اور مذہبی و معاشرتی تحفظات لیگ اقوام کے منظور کردہ قوانین کے مطابق ہوں اکثریتوں کے تحفظ کا سوال کسی صورت میں بھی سامنے نہ آئے مگر سکھ پنجاب میں فرقہ وار اکثریت اور مخصوص نشستوں کے مخالف ہیں وہ اپنی قومی قربانیوں کی بنا پر ۳۰ فیصدی مطالبہ میں مسلمان ان دونوں سے جداگانہ نقاط رکھتے ہیں اور معرکہ خیزی ہو رہی ہے۔ سلیم العقل اور صحیح الدماغ لوگ حیران ہیں کہ یہ جھگڑے کیوں اور کس لئے ہو رہے ہیں خونابہ فشانی کی دھار بنارس سے اٹھ کر آگرہ، کان پور، مرزا پور اور اناؤ وغیرہ سے ہوتی ہوئی عالمگیر ہو گئی تو میدان صاف ہے نہ کوئی رہیگا اور نہ جھگڑے ہوں گے اور اگر تقسیم سوراج کے لئے اس قدر بے تابی ہے کہ اس وقت کا انتظار نہیں ہو سکتا تو سرغنۂ حوادث جناب گاندھی اس مذہبی رقابت کے آخری اور حتمی فیصلہ کے لئے ایک دن مقرر کر دیں اور خود تماشہ دیکھنے کے لئے لب بام بیٹھ جائیں۔ اگر دس بیس یا سو پچاس نفوس بچ جائیں گے تو انہیں پاؤ پاؤ بھر تقسیم کر دیں۔ ملکی ہمدردی مقصود ہے تو اس سے آسان اور بہتر نسخہ تلاش کرنے کی کوشش میں وقت ضائع نہ ہونا چاہئے۔

پنجاب مسلم تعلیمی کانفرنس بہترین خدمات انجام دے رہی ہے اس کا امسالہ اجلاس وقار الملک خان بہادر نبی بخش وزیر اعظم دوست عباسیہ (بہاولپور) کی صدارت میں نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہو کر ہزاروں کامیابیوں کے ساتھ ختم ہوا محترم صدر کے ملی جذبات تحسین و ستائش کے درجہ سے بلند و بالا ہیں آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں جن دردمندانہ خیالات کا اظہار کیا وہ آپکی خلوص قلبی اور اسلامی ہمدردی کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کاش مسلمانان پنجاب عموماً اور اراکین تعلیمی کانفرنس خصوصاً آپ کے پر حکمت مشوروں کو لائحہ عمل قرار دیتے ہوئے غفلت و سہل انگاری کے پردوں کو چاک چاک کر دیں۔ فرماتے ہیں

یہ ایک ناقابل رد حقیقت ہے کہ مسلمانان ہند نے بحیثیت قوم مغربی مسائل تعلیم سے استفادہ کرنے میں بہت کوتاہی کی ہے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں جن میں ہماری غفلت شعاری اور افلاس کے علاوہ سب سے زیادہ امتیاز عدم تنظیم اور باہمی نفاق کو حاصل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ افلاس مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی راہ میں سنگ گران بنا ہوا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اگر مسلمان اپنے باہمی اختلافات نزاعات کو پس پشت ڈال دیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ جلد خاطر خواہ ترقی حاصل نہ کر لیں۔

اس کے بعد آپ نے موجودہ تعلیم کے خاص خاص نقائص بیان فرمائے ہیں اور بتلایا ہے کہ موجودہ تعلیم بہت زیادہ پُر مصارف ہونے کے علاوہ ناقص ہے۔ چنانچہ ملک میں بکثرت ایسے تعلیم یافتہ اشخاص موجود ہیں جو بیکار ہیں آپ نے اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عورتوں کی تعلیمی ترقی کے لئے انکی مخصوص ضروریات کو مدنظر رکھ کر مناسب کوشش کیجائے۔ اور شہری و دیہاتی علاقوں میں ابتدائی تعلیم کو رواج دیکر جہالت کا خاتمہ کیا جائے۔

نابینا

(راز جانپوری)

للہ آنکھ والو مجھ کو بھی یہ بتا دو — کیا کام ہے نظر کا کس کام کی نظر ہے
میں بے بصر ہوں مجھکو آتا نہیں نظر کچھ — کیا چیز روشنی ہے کیسی ہے وہ کہ بصر ہے
سنتا ہوں ذکر تم سے اکثر اوہر اودہر کا — کہتے ہو تم کہ سورج روشن ہے بے محابا
محسوس اس کی گرمی کرتا ہوں دن تو میں بھی — لیکن وہ کس طرح پر خالق ہے روز و شب کا
قبضہ میں میرے خیر سے دن اور رات میرے — جب جاگتا ہوں دن ہے سوتا ہوں جب تو شب ہے
ممکن اگر یہ ہوتا میں جاگتا ہی رہتا — پھر دن ہی دن جو ہوتا دنیا میں کیا عجب ہے
محرومیوں کے میرے ماتم گسار ہو تم — ناکامیوں کا میری افسانہ بن گیا ہے
لیکن ملال مجھکو اس چیز کا نہیں کچھ — واقف نہیں میں جس سے جو فطرتاً جدا ہے
میں بے بصر ہوں تو بھی اللہ کی ہے رحمت — حاصل سکون دل ہے پُر لطف زندگی ہے

پھر چھیڑ کر فسانہ محرومیوں کا میری
تکلیف مجھکو دینا کیا حق دوستی ہے

(ہمایوں)

نکتہ چینی

اے انسان تو اپنے گریبان میں منہ ڈال تجھے دوسروں کے افعال سے کیا غرض۔

دوسروں کے افعال پر رائے زنی کرنے میں انسان اکثر غلطی کرتا ہے۔ ہمیں دوسروں کے افعال کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے بہتر ہے کہ انسان افعال پر رائے زنی کرے۔

جیسا ہمارے دل میں ہوتا ہے ویسے ہی ہم دوسروں کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں

ہر ایک آدمی اپنے اپنے خیال کے مطابق کام کرتا ہے اور جو کام اچھا سمجھتا ہے کرتا ہے ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ جان بوجھ کر برا کام کر رہا ہے

غلط فہمی اور اختلاف رائے سے دنیا میں تمام جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اس لئے دوسرے کے خیالات کو پہلے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اے انسان تو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ جان بس پھر دنیا میں کوئی جھگڑا نہ ہوگا

اے انسان تجھ میں چند عیوب ہیں جن کو تو رفع نہیں کرتا۔ لوگ تیرے عیبوں کو دیکھتے ہیں اور برداشت کرتے ہیں تو بھی جب دوسروں کے عیب دیکھے تو برداشت کر۔

اگر تو اپنے آپ کو درست نہیں کر سکتا دوسروں کی اصلاح کیسے کر سکتا ہے۔ ہم دوسروں اصلاح چاہتے ہیں اور خود اصلاح پذیر نہیں ہوتے۔

اگر تو کسی گمراہ کو ایک یا دو بار راہ راست پر لانے کے لئے پند و نصائح کرے لیکن وہ نہ مانے پھر تو اس کے ساتھ جھگڑا نہ کر۔ خدا کے حضور میں اس کی اصلاح کے لئے دعا مانگ۔

ہم سب نقائص سے پر ہیں ایک دوسرے کے نقائص کو دیکھ کر غصہ میں آجانا مناسب نہیں۔ بردباری اور حلم سے کام لینا چاہیئے اگر کسی شخص کے وجود سے بغیر ہمارے اپنے کسی قصور کے تکلیف پہونچے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم خدا کی خاطر تکلیف اٹھا رہے ہیں اور یہ کہ تکلیف خدا کی طرف سے ہی نازل ہوئی ہے۔

ندوۃ القریش

مورخہ ۳ اپریل کو بحاضری ممبران، اگزکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوا بعد رپورٹ کنوینر ہونیکے بعد رپورٹ خزانچی پیش ہوئی مدخرچ کا جائزہ لیا گیا اور تجویز ہوا کہ روپیہ زائد از پچاس روپیہ بنک میں جمع کر دیا جائے اور جسٹر بالکل صاف اور اپ ٹو ڈیٹ رکھے جائیں

(۲) مراسلات موسومہ پڑھے گئے جن احباب کے چندے موصول ہوئے ہیں اور جنہوں نے رقوم بطور عطیہ ارسال کی ہیں ان کی خدمت میں شکریہ کے خطوط لکھے جائیں۔

(۳) احباب ذیل کے فارم ہائے ممبری تصدیق ہوئے اور اسمائے گرامی ممبران میں درج کئے گئے۔ قریشی سلطان علی صاحب منظور علی شاہ صاحب سب پوسٹماسٹر شیخ خدا بخش صاحب۔ بابو غلام رسول صاحب اور بابو محمد طفیل صاحب۔ چندہ ہائے وصول ہو چکے ہیں۔ رسیدات حسب ضابطہ بھیجی جائیں۔

(۴) حقوق زراعت سے متعلقہ سرکلروں کے جواب میں فیروزپور۔ گورداسپور، رہتک، حصار کے افسران کے آمدہ مراسلات پڑھے گئے۔ ان اضلاع سے حسب توقع سفارشیں ہو چکی ہیں۔ لہذا صاحبزادہ کنور بہادر امرتسر اور لدھیانہ کی خدمت میں یاددہانی ارسال کی جائے کہ وہ بھی پرزور سفارش سے اپنے اپنے ضلع کے قریشیان کی حق رسی فرمائیں۔ تجویز ہوا کہ صاحب فنانشل کمشنر بہادر کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مجوزہ وفد کی ترتیب کی کارروائی فوراً شروع کر دی جائے۔

(۵) حکیم شہاب الدین صاحب کی تجویز دربارہ سفیر بحث و مباحثہ کے بعد نامنظور ہوئی۔

(۶) تجویز ہوا کہ منظور شدہ بجٹ ہذا سال کیوجہ سے منسوخ تصور ہو۔ اور آئندہ سال کے لئے آئندہ کمیٹی میں نیا بجٹ پیش کیا جائے جلسہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ۴ بجے شام برخاست ہوا

جوائنٹ سکرٹری)

مقاصد } تبلیغ و اشاعت اسلام۔ انسداد رسومات قبیحہ۔ تعلیمی معاشری۔ اقتصادی و زراعتی ترقی کے مسائل پر عمل۔ اتحاد و یگانگت۔ اخوت و مروت۔ صلہ رحمی و ایثار۔ استقلال و ثبات۔ حسن اخلاق احسان و ہمدردی۔ رواداری کی خو پیدا کرنا۔ اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہم مستحکم و استوار کرنا۔ قومی تنظیم۔ غیر مستطیع و مستحقین کی مناسب امداد و اعانت۔

نقد و نظر

سالگرہ نمبر } نظام گزٹ حیدرآباد دکن سید وقار احمد صاحب ایم اے ایل ایل بی اور محمد حبیب اللہ صاحب وشدی ایم اے مدیران کی ادارت میں ہفتہ وار شائع ہوتا ہے جس کی تازہ اشاعت "سالگرہ نمبر" کے نام سے شائع کی گئی ہے جو دس سادہ رنگین عکسی تصاویر سے مزین ہے۔ مضامین منظوم و منثور کا معیار بلند ہے۔ تاریخی واقعات و کوائف نہایت محنت و کاوش اور عرقریزی و دماغ سوزی سے جمع کئے گئے ہیں جنہیں بعض خصوصاً سوانح حیات مبارک جہاں پناہی کی اہم اصلاحیں۔ سلطان العلوم ظل اللہ تعالےٰ نے دست مبارک سے کی ہیں۔ نمبر خاص اہتمام و التزام سے شائع کیا گیا ہے۔ مدیرین کی محنت قابل تعریف ہے۔ حجم ۱۰۰ صفحات علاوہ سرورق۔ تقطیع کلاں۔ قیمت سرورق پر درج نہیں۔ منیجر صاحب "نظام گزٹ" حیدرآباد دکن سے منگائیے

الہلال } اسلامی شان کا یہ ہفتہ وار اخبار علی احمد خاں صاحب بی اے اور خلیل احمد صاحب فاضل دینیات کی پبلیشری میں حال ہی میں رنگون سے جاری ہوا ہے۔ پہلی جلد کا تیسرا نمبر اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ محنت و کوشش سے ترتیب دیا جاتا ہے سرورق پر تاریخی مقام کا رنگین فوٹو دیا جاتا ہے۔ مضامین دلچسپ و قابل قدر ہیں دعا ہے کہ علم و ادب کا یہ گلدستہ فاضل ایڈیٹر ہاروں کے ہاتھوں میں پھلے پھولے اور خدمت اسلام بیش از بیش انجام دینے کی توفیق ہو۔ قیمت سالانہ تین روپے

منیجر صاحب "الہلال" رنگون سے طلب کیجئے۔

پیام اسلام } انجمن اشاعت اسلام جالندھر کا علمی و تبلیغی ماہوار رسالہ ہے اور بڑی محنت سے ترتیب دیا جاتا ہے منظوم و منثور مضامین قابل قدر ہوتے ہیں۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ قیمت سالانہ تین روپے۔ نمونہ کا پرچہ منیجر صاحب "پیام تعلیم" جالندھر سے منگائیے۔

میخانہ } اس نام سے چھوٹی تقطیع کا ایک خوشنما ماہوار رسالہ مسٹر اسد انصاری کی ایڈیٹری میں حال ہی میں لکھنؤ سے جاری ہوا ہے مضامین اچھوتے اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ ہر اشاعت میں ایک عکسی فوٹو دیا جاتا ہے کاغذ و طباعت و کتابت عمدہ۔ حجم علاوہ سرورق ۳۲ صفحات۔ چندہ سالانہ غیر ممالک سے عہ رنی پرچہ ۲ر

منیجر صاحب "پیمانہ" پارچہ والی گلی لکھنؤ سے منگائیے۔"

خط و کتابت میں نمبر خریداری کا

حوالہ ضرور دیں۔

صرف پچاس غیر مستطیع

قریشی برادران

کے نام ایک سال کے لئے **القریش** بالکل مفت اور بلا قیمت جاری کیا جائیگا بشرطیکہ وہ علم دوست ہوں اور قوم کی اصلاحی امور سے دلچسپی رکھتے ہوں اور چالیس روپے ماہوار سے زیادہ آمدنی نہ رکھتے ہوں۔ جو احباب اس انتہائی رعایت سے مستفید ہونا چاہیں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ خرچ ڈاک کیلئے اپنی علمدوستی کے ثبوت میں صرف آٹھ آنہ کے ٹکٹ بھجوا دیں۔"

مینجر "القریش" امرتسر

القریش کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یوپی اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۹ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے لوعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت بوجہ احسن انجام دی ہیں خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپکی خدمت میں قوم کی طرف سے

کم از کم ایک سو ایک روپیہ

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

و نیز یہ اجلاس بردران قریش سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ

القریش

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں"

(طبع ہندو پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر "القریش" شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

قولہ تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

"تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے"

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش امرتسر

جو

بفرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائنس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ:-

تین روپے

ایڈیٹر:

محمد علی رونق - صدیقی

تاریخ اشاعت

ہر انگریزی مہینے کی سترہ مقرر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت شریف

حق سے جو کچھ بھی لیا رحمت داور تو نے
اہل عالم پہ کیا سب وہ نچھاور تو نے

جلوہ توحید کا خود اس میں فلک نے دیکھا
بخشے آئینۂ ہستی کو وہ جوہر تو نے

تیرے اعجاز کے قرباں کہ بیک نکتہ کرم
کر دیا مور سلیماں کے برابر تو نے

صبغۃ اللہ کا ملا اُن سے جہاں کو پیغام
کیا ہی یکرنگ کیا اسود و احمر تو نے

ہو کے محبوب خدا آپ نوائے حق سے
خفتہ بختوں کے جگائے ہیں مقدر تو نے

مہر وحدت کی ضیا سے سرِ فاراں آ کر
کر دیا دم میں جہاں بھر کو منور تو نے

سارے نبیوں کو ملے حق سے جو فرداً فرداً
پائے سب کان رسالت کے وہ گوہر تو نے

حق کو تنویر سے اس عالم ظلمت زا میں
مثل آئینہ، کئے قلب مکدر تو نے

ڈبکیاں کھاتے تھے جو قلزم عصیاں میں غریق
بحر عرفاں کا کیا ان کو شناور تو نے

اللہ اللہ یہ نظر مہر کی تیری - پل میں
غیرت لعل بدخشاں کئے پتھر تو نے

مایۂ ناز ہے تو شاکر عاصی کے لئے
گنج ایماں سے اُسے بخشے ہیں گوہر تو نے

(شاکر صدیقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۷ | بابت ماہ مئی و جون ۱۹۳۱ء | نمبر ۵ و ۶

طوائف الملوکی کی بدعت

ایک نئی انجمن کا ظہور

قومیں جب بیدار ہوتی ہیں تو اصلاح و ترقی کی جانب رجوع کرتی ہیں۔ منتشر اجزاء کو مجتمع کرنا وہ اولین فرض سمجھتی ہیں اور متحدہ سعی جو سے شاہراہ عمل پر جادہ پیما ہو کر مقصد شہود پر پہونچنے اور شاہد مقصود حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیتی ہیں۔ لیکن قوم قریش کا بابا آدم ہی نرالا ہے۔ وہ اول تو خواب غفلت اور نوم راحت سے بیدار ہونا ہی اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے۔ اور اگر زمانہ کی ٹھوکروں سے تنگ آ کر کبھی اٹھنے پر مجبور ہو بھی جائے تو ڈیڑھ چاول کی کھچڑی الگ پکانے پر کمر باندھ لیتی ہے۔ اور یہی وہ بیداری ہے جو نیند و بدمستی بھی بدتر ہے۔

مسلم راجپوت، کشمیری، اگرہ زئی، ارائیں، آوان اور راول وغیرہ تک جس قدر قومیں بیدار ہوئیں اور ہو رہی ہیں وہ اپنی قومی اصلاح و فلاح اور ترقی و ارتقاء کے لئے متحدہ مساعی سے کام لے رہی ہیں۔ اپنے بچوں کی اعلےٰ تعلیم کے لئے اعلےٰ مدارس و وظائف کے اجراء کے لئے بہترین انتظامات بہم پہنچانے کے علاوہ انہوں نے اپنے پراگندہ شیرازہ کو اس قدر مجتمع کر لیا ہے کہ ہر فرد واحد کی صدا قوم کی آواز سمجھی جاتی ہے۔ اور ہر امداد کے لئے اعلےٰ اور بچے اور بوڑھے تک تمام اسی پر لبیک کہنے کو تیار رہتے ہیں۔ یہی ایک سبب ہے کہ وہ جہاں تراکم ذلت کو عبور کر رہی ہیں خواب راحت کے مزے لینے والوں کو پچھاڑ پچھاڑ کر

اوج عروج پر پہونچ رہی ہیں لیکن قریش کی بیداری بالکل نرالی اور بالکل انوکھی ہے۔ کبھی اُٹھنے کا خیال کریں گے بھی تو حضیض مذلت میں گرنے کے لئے اور اپنے ضرب المثل افتراق و نشست کے لئے۔ ہر کنبہ، ہر قبیلہ، ہر فرد یہاں اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا ڈھول کا مصداق ہے۔ کسی ادارہ کسی انجمن اور کسی سوسائٹی کی ان کے دل میں قدر ہے اور نہ اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس اور یہی وہ مصلیبت ہے جو ایک کو ایک سے جدا کئے ہوئے ہے۔ اور اعتماد و اعتبار اور اتفاق و محبت کے فقدان کا سرچشمہ ہو رہا ہے اور قریش کو اتحاد و یگانگت و اخوت و مودت کی سطح پر آنے نہیں دیتی۔ ہم یہ جانتے ہوئے کہ حصار مشکلہ متفقہ سعی و جہد ہی کی قوت سے سر ہو سکتے ہیں اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اقوام عالم اسی کی بدولت بام رفعت پر کامیابی کا پرچم لہرا رہی ہیں۔ جداگانہ سروں میں اپنا اپنا راگ الاپ رہے ہیں

قریش میں بیداری کی صلاحیت ہوتی تو اس کی اصلاح و تنظیم کے لئے ہندوستان بھر کے لئے ایک ہی مرکز۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک ہی انجمن نہایت معقولیت اور عمدگی کے ساتھ حق نمائندگی ادا کر سکتی تھی۔ لیکن یہاں حالات الگ اور خیالات جدا تھے اس لئے ایک مرکز کو کافی نہ سمجھا گیا اور جالندھر، ہوشیارپور، لاہور، گجرانوالہ، ملتان، مری اور مراد آباد وغیرہم مقامات پر مختلف انجمنیں قایم کی گئیں جو نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ کا مصداق ہو کر بدنظمی کی نذر ہو گئیں اور کوئی بہترین نتیجہ اخذ نہ ہو سکا اب ضلع امرتسر کے ایک دور اُفتادہ مقام پر "انجمن اصلاح القریش" کا وجود معرض شہود میں آیا ہے۔ جس کی مطبوعہ روئداد ہمارے سامنے ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "انجمن اصلاح الرسوم" اور "حصول حقوق زراعت" وغیرہ اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے کتم عدم سے عالم وجود میں لائی گئی ہے۔ انجمن کی مجلس مقننہ کا وضع کردہ قانون اور لائحہ عمل بھی اسی روئداد میں شائع کر دیا گیا ہے جو انجمن کی ضرورت و اہمیت کا مظہر ہے۔ حمد باری تعالےٰ کے بعد سکرٹری انجمن نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے جو ابتدائی سپیچ قلم کئے اور زیور قرطاس بنے وہ دردمندان قوم خصوصاً اہل ذوق اور علماء و صلحاء حضرات کی توجہ کے محتاج ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"جملہ برادران قریش!"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عرض پرداز ہوں کہ میری قوم منسوب بہ نسبت قریش ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس قوم کو برگزیدہ کیا ہے۔ چونکہ یہ قوم ہر ایک قوم کی راہبر ہے اور اسی قوم نے پرچم اسلام بیادری خدائے وحدہٗ لاشریک ہر مملکت و دیار میں چمکایا اور یہی قوم قدم بقدم شی علیہ الصلوٰۃ والسلام چلنے والی تھی مگر اس وقت اس قوم نے خواہش نفسانی کے تابع ہو کر ہر ایک رکن اسلام سے پہلوتہی کی ہے۔ اور خصوصاً برصغیر شاہی اعراف کو ترقی دے رہی ہے اس لئے بحکم انّ المبذرین کے عذاب میں گرفتار ہو رہی ہے۔ اس لئے بندہ نے اور۔ ۔ ۔ ۔

کر کے جس کا نام انجمن اصلاح القریش ہے ایک قانون مرتب کیا گیا تاکہ میری قوم ہمہ اسراف سے بچکر ثواب دارین حاصل کریں۔

اے میری قوم! میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان قواعد وضوابط کے پابند ہو کر ثواب دارین حاصل کریں گے۔ اور انجمن اصلاح القریش کو عزت بخشیں گے" فقط والسلام۔

کارروائی کی ترتیب میں سکرٹری صاحب نے جو محنت شاقہ برداشت کی ہے اور جس دماغ سوزی وعرقریزی سے کام لیا ہے اس کا اندازہ ان کے اصل الفاظ کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ قارئین کرام اس سے لطف اندوز نہ ہوں اور ان علمی جواہر ریزوں کی درخشانی وتابانی سے اُن کی آنکھیں محروم رہیں۔ فلہٰذا ذیل میں اسے بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے:-

"پروگرام کے مطابق سب سے پہلے تلاوت قرآن شریف مولوی ..... صاحب سکنہ ..... نے بڑی خوش الحانی اور دلآویز طرز پر کی:

اس کے بعد مولوی ..... صاحب سکنہ ..... نے نعت شریف پڑھی۔ ازاں بعد مولوی صاحب ..... نے تقریر انجمن ہذا پر ایک موثر اور دردبھری تقریر سے مجلس کو محظوظ کیا۔ یہ ایک قریش برادری سے مقرر وارکن ہیں جو اپنے دل میں قومیت کا احساس رکھتے ہیں۔ آنجناب کی پورا ایک گھنٹہ تقریر کے بعد مسٹر ..... صاحب سکنہ ..... نے تائید فرمائی اور موثر تقریر فرمائی۔ پھر ان صاحبان کے بعد مولوی ..... صاحب نے ایک تقریر بر مضمون کہ انجمن کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے فرمائی۔ اور حاضرین جلسہ کو موثر تقریر سے محظوظ فرمایا۔ پھر مولوی ..... نے اسی سابقہ مضمون پر ایک زبردست تقریر بطرز وعظ فرمائی اور مولوی سراج الحق صاحب سکنہ ..... نے انکی تائید فرمائی۔ نیز مولوی ..... نے ایک تقریر کہ سابقہ اور مجوزہ انجمنوں کے آپس میں تعلقات کیا ہونے چاہئے فرمائی۔ اور بعد ازاں مولوی ..... صاحب ..... نے انجمن کی کامیابی پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے حاضرین کو پند و نصیحت سے آگاہ فرمایا۔ اور پھر جناب مولوی ..... صاحب سکنہ ..... نے انجمن کی ذمہ داریاں بتلائیں اور مولوی صاحب نے نمائندوں کی ضرورت اور ان کے فرائض پر گوہر افشانی کی۔ پھر اصراف اور فضولیات ورسومات بد کی تردید کرتے ہوئے تقریر کو ختم کیا۔ بعد ازاں کارکنان انجمن کا انتخاب بذریعہ ووٹس کیا گیا۔ جس میں حکیم ..... صاحب سکنہ ..... پریذیڈنٹ اور مولانا ..... صاحب سکنہ ..... وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔

اس کے بعد ایک نظم برائے بیداری قوم مولوی ..... صاحب ..... نے پڑھی اور جلسہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ نیز رسومات کے تدارک کے لئے ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ جو کہ ضمیمہ میں درج کیا جائے گا

اجلاس دویم

"تلاوت قرآن شریف مولوی ..... نے فرمائی - ایک تقریر منشی ..... صاحب نے اپنی معذوری کو پیش کرتے ہوئے کہ میں پہلے جلسہ میں بوجہ چند وجوہات کے حاضر نہیں ہوسکا - فرمائی - بعد ازاں مولوی ..... صاحب نے انجمن کے اخراجات کی سبیل تسہیل اور تخصیص پر تقریر فرمائی جس سے تمام حاضرین جلسہ پر اثر ہوا کہ فوراً چندہ جمع ہونا شروع ہوگیا - بعد ازاں مسٹ ..... صاحب نے رپورٹ کی خرابیاں اور فضول خرچی پر فرمائی - پھر مولانا ..... صاحب نے انحراف و بازگشت انجمن پر تقریر فرمائی - پھر اس کے بعد پریذیڈنٹ صاحب نے مختصر سی تقریر فرما ہی چندہ کے متعلق کی - اور چندہ فراہم ہونا شروع ہوگیا - جو کہ حسب ذیل ہے - بعد ازاں اختتامی ..... صاحب ساکن تمووال نے مستورات کے بارے لباس پر نکتہ چینی کی اور ماسٹر ..... صاحب کی تقریر پر زبان نمایندوں کی تقریری پر ہوئی - اور حسب ذیل ریزولیوشن پاس ہوئے"

مجلس مقننہ نے اصلاح رسوم کے ضمن میں پیدائش، عقیقہ، ختنہ، منگنی (منگائی) ورنہ، تیور شادی - وری اور متعلقہ لوازمات شادی وغمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون وضع کیا ہے اور جواز و عدم جواز پر احکام قطعی صادر فرمایا ہے۔

رسومات قبیحہ کا انسداد اور اسراف بیجا کا سدباب انجمن اللہ! اس سے زیادہ کار خیر اور نیک کام کیا ہوسکتا ہے۔ ہاں عمل شرط ہے خدا ہمیں توفیق عطا کرے۔

قانون اور تعزیر۔ لازم ملزوم چیزیں ہیں لیکن تعزیر اسی حالت میں جبکہ قانون کامل ہو۔ اور دیدہ و دانستہ اس پر عمل کرنے سے احتیاط کی جائے اور جہاں قانون ہی قانون نہ ہو اور مجلس مقننہ کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس نہ ہو وہاں قانون کیا اور تعزیر کیسی تفصیلی تذکرہ کی تو اس وقت گنجائش نہیں کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا جائیگا۔ ہاں اسوقت دو تین وضاحت پیش کی جاتی ہیں جس کے مطالب و معانی اور مفہوم کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔

روئداد متذکرہ کے صفحہ ۹ پر ارشاد ہوتا ہے کہ "سٹ قطعی بند" اور صفحہ ۱۰ پر فرمایا گیا ہے کہ "ڈولی پر سٹ تھوڑی سی کیجاوے" معلوم نہیں کہ اس "تھوڑی سی" سے کیا مراد ہے - اور جواز ہے یا عدم جواز - صفحہ ۱۱ پر حکم ہوتا ہے "نقارں کو قطعاً بند کیا جاوے اگر اتفاقیہ آجاویں تو مضائقہ نہیں" "قطعاً بند" اور "مضائقہ نہیں" دو متضاد حکم۔ ایک پابند قانون کس پر عمل کریگا۔ اور مضائقہ نہیں سے کیا مراد ہے۔ جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ قوم قریش میں نقاروں کو گروہ بھیج کر دعوت دینے کا رواج ہے نہیں "پھر اتفاقیہ آجائیں" تو مباح کیونکر قرار دیا جائیگا۔ تاوان خلاف ورزی کے کتنہ رقوم تاوان مقرر کر دی گئی ہیں جو اس ممبران کو ادا کرنی ہونگی جو شادی وغمی کی تقاریب پر قانون مجوزہ کی تکریم میں سرتابی کرینگے۔ یعنی سٹ بند بھی ہے اور مباح بھی) تاہم "تھوڑی سی" سے تجاوز کرنے پر دس روپے فیشن پر دس روپے۔ اور دختر فروشی پر پچاس روپے۔ علیٰ ہذا ہر ضمن کی خلاف ورزی پر کچھ نہ کچھ رقم بطور جرمانہ یا تاوان مجرم کو ادا کرنا ہوگی

قوم کی اہم ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس انجمن نے ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"کہ جملہ ممبران اور قوم قریش کو زراعت پیشہ قرار دینے کے لئے ایک درخواست بخدمت صاحب فنانشل کمشنر بہادر معرفت انجمن ندوۃ القریش روانہ کیجائے اور گذارش کیجاوے۔ کہ ماسوائے چند ایک اضلاع کے قوم قریش تمام پنجاب میں زراعت پیشہ تصور کیجاتی ہے۔ براہے مہربانی اس کو ضلع امرتسر و گورداسپور میں زراعت پیشہ قرار دیا جاوے۔"

یہ مجوزہ الفاظ ہیں۔ اس ریزولیوشن کے "حقوق زراعت کے لئے صاحب فنانشل کمشنر کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔ معلوم نہیں اس ریزولیوشن کی کیا ضرورت سمجھی گئی تھی جبکہ سکرٹری صاحب اور دیگر کارکنان انجمن خوب جانتے تھے کہ "ندوۃ القریش کی تحریک و خواہش پر حکومت کی طرف سے اسپر باقاعدہ کارروائی ہو رہی ہے۔ کاغذات ڈپٹی کمشنران اضلاع متعلقہ کے دفاتر سے نکلکر کمشنری میں بھی پہونچ چکے ہیں۔ ایک ریزولیوشن اور بھی پاس کیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب ہے اور اس قابل ہے کہ ناظرین القریش اس کی گوناگوں دلچسپیوں سے محظوظ ہوں۔ ریزولیوشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ کسی اعلیٰ دماغ کی اختراع ہے اور قابل داد ہے کہ "جملہ ممبران کی طرف سے ایک مبارکبادی نامہ" بخدمت گورنر صاحب بہادر پنجاب ارسال کیا جاوے کہ خداوند تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں ہمارے سر پر قایم رکھے۔"

فہرست ممبران کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بڑے بڑے دانا، مدبر، دانشمند اور عقیل و فہیم بزرگ موجود ہیں۔ پر سمجھ نہیں آتی کہ انہیں ایک مسلمہ قومی مرکز کی موجودگی میں اس انجمن کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور طائفہ لملوکی کی بدعت کی ترویج میں کیا فائدہ دیکھا۔ مناسب و مدبرانہ ترین صورت یہ تھی۔ کہ وہ اپنی مسلمہ قومی مرکز کیساتھ ملکر متفقہ و متحدہ طور پر اصلاحی قدم اٹھاتے اور اپنی قوت کو منتشر و کمزور کرنے کی بجائے اور تقویت دیتے۔ قومی آواز میں گونج پیدا ہوتی۔ اور منزل مقصود قریب تر ہو جاتی۔ کاش ہم ذاتیات اور نفسیات سے بالاتر رہ کر کوئی بے لوث خدمت انجام دے سکیں۔

جذباتِ عالیہ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گذر گیا ہے وہ دور ساقی کہ چھپکے پیتے تھے پینے والے
بنیگا سارا جہاں میخانہ کہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خار زار ہوگا

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صہبائیوں سے باندھا گیا وہ استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جسنے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

ندوۃ القریش

یکم مئی ۱۹۳۸ء بوقت ۴ بجے شام بحاضری ممبران اگزکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ سابقہ کارروائی کنفرم ہونیکے بعد مسل دربارہ زراعت پیش ہوئی۔ سکرٹری صاحب نے کہا کہ مستر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ضلع گورداسپور کے کاغذات اسوقت تک معلق ہیں اور کوئی کارروائی نہیں ہوئی اسپر تجویز ہوا کہ ندوہ کی طرف سے حکیم شہاب الدین اور قریشی محمد علی صاحب رفیق خود گورداسپور جاکر تکلیف گوارہ کریں اور اگر فی الواقعی کوئی کارروائی نہ ہوئی ہو تو شیخ چراغ الدین قریشی قریشی شیخ محمد اور قاضی عبدالعزیز صاحبان کو تاکید کریں کہ وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں جاکر یاد دہانی عرض کریں اور کاغذات جلد بالا میں بھجوانے کے لئے پوری پوری کوشش کریں۔ تجویز ہوا کہ چونکہ کاغذات عنقریب کمشنر صاحب کی خدمت میں پیش ہونیوالے ہیں اس لئے شیخ محمد عظیم صاحب بمعہ ایک رکن ندوہ کمشنر صاحب سے جلد از جلد ہر ممکن کوشش عمل میں لائیں۔ گورداسپور اور لاہور کے آمد و رفت کے اخراجات ندوہ ادا کرے جسکی منظوری اسی وقت دیدی گئی۔ تاریخ پیشی پیش ہونے پر اوا کردیجائے۔ اسکے بعد حسب ذیل درخواستہائے ممبری جو قاضی مظفر الدین صاحب مبین کے توسل سے بمعہ زر چندہ موصول ہوئیں منظور کی گئیں۔

(۱) قریشی غلام رسول صاحب صدیقی پٹواری حلقہ دھونکل سنگھ

(۲) قاضی مظفر الدین صاحب مبین نائب تحصیلدار

(۳) قریشی محمد طفیل صاحب پٹواری تحصیل بہاولپور

(۴) قریشی محمد فضل احمد صاحب مجرد نائب تحصیلدار

(۵) بابو محمد فخر شاہ صاحب سب پوسٹ ماسٹر بٹالہ

تجویز ہوا کہ خواجہ غلام صادق صاحب رئیس امرتسر اپنی ہر دلعزیزی کی وجہ سے باوجود سخت مقابلہ امسال پھر صدر بلدیہ منتخب ہو گئے ہیں لہٰذا انہیں اس کامیابی پر مبارکباد دیجائے۔ اسکے بعد جلسہ مشاورہ کی پہلی تاریخ کمیٹی اور صاحب ڈنائنل کمشنر بہاولپور پنجاب کیخدمت میں حاضر ہونیوالے وفد کی ترتیب پر غور ہوتا رہا اور جلسہ برخاست ہوا۔

(۲)

۱۰ مئی ۱۹۳۸ء بوقت ۵ بجے بموجودگی ممبران اگزکٹو کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا سابقہ کارروائی کنفرم ہوئی۔ حکیم شہاب الدین صاحب نے فرمایا کہ ۸ مئی کو بمعہ رفیق صاحب میں صبح کی ٹرین میں گورداسپور پہونچا۔ قاضی عبدالعزیز صاحب کا شکریہ ہے کہ انہوں نے ہمارے پاس خاطر یا قوی ضرورت کے خیال سے اپنا بہت سا قیمتی ۔ ۔ ۔

چشم و چراغ ہیں پان دھقہ سے بھی شغف اور اسا یسٹ و سحر بیانی میں ۔ بدطولے حاصل ہے ۔ خدا مغفرت کرے آپکے والد محترم ایک سلیم الطبع اور نیک سرشت بزرگ تھے ۔ فرشتیت پر آپکو اعتقاد فخر و ناز تھا کہ درجہ نجات ہی اسے سمجھتے تھے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی خاندانی نسبت ذریعہ موجب فخر نسبت ہے اور ایک حد تک نجات میاں کر نہیں لاک تخ العقیدۃ اسلام حق بجانب بھی ہو سکتا ہے لیکن آپکی فرشتیت کے مزاج سے آپنے فرمایا تو فرشتیت و شیت تو میں جانتا نہیں ہیں تو مسلمان ہوں اپنے قطع و برید فوق اسلامی کی شاہد ہے بہذا اسپر بصورہ ایک سمع خراشی ہوگی اور اسے میں جائز نہیں سمجھتا ۔

یہ ہیں ہمارے نوجوان جنسے قوم کی امیدیں وابستہ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون اس کیفیت کے اظہار کے بعد حکیم صاحب نے اپنا سفر خرچ پیش کیا ۔ ازاں بعد نیاز مند سکرٹری نے عرض کیا کہ میں کی کشتہ آتش لالہ ہو گیا تھا معلوم ہوا کہ گورداسپور کی پریذیڈنسی سوقت تک ہاں ۔ صوا نہیں ہوئی حالا تسلی کش ہیں امید کہ ہم کامیاب ہونگے اسکے بعد ڈائرکٹر اطاؤنس نے سب ذیل رپورٹ کیا تھا سال گذشتہ کے لئے بجٹ پیش کیا جو منظور کیا گیا ۔

(سالگذشتہ کا منظور شدہ بجٹ حسب ذیل ہے)

ڈاک ٹیلیگرام ۱۵ اشاعت کیلئے سفر خرچ ۵۰ ۔ ملازم ۱۰۰ ۔ اجلاس ۱۵۰ فرنیچر ۵۰ اتفاقیہ اخراجات ۵۰ میز انکل سنتالیس ہگر جیٹر ہائے اخراجات کے خلاف پایا گیا ہو کہ خاتمہ سال تک بتفصیل ذیل خرچ ہوا ہے ۔

ڈاک ۱۵ ٹیلیگرام ۱۰ اشاعت ۱۰۰ سفر خرچ ۱۰۰ ملازم ۱۰۰ اجلاس ۱۵۰ فرنیچر ۵۰ اتفاقیہ اخراجات ۵۰ میز انکل ۱۱ ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بجٹ منظور شدہ ضرورت سے زیادہ تھا اسلئے امسال کم منظور ہونی چاہئے ۔ لیکن اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ ابتداء جیسے کم خرچ ہوا کرتے ہیں اور انجمن کی ترقی و وسعت کے ساتھ ساتھ اخراجات بھی بڑھ جاتے ہیں تو سالگذشتہ کے بجٹ سے کسی صورت میں بھی کم رقم منظور نہیں ہونی چاہئے ۔ لہذا سال حال میں چونکہ کانفرنس ندوۃ کا خیال ہو کہ جلسہ بہت وسیع پیمانہ پر کیا جائے ۔ اسلئے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اخراجات ڈاک اشاعت جلسہ کی تعداد میں بیشی کیجائے ۔ پس میری رائے میں سال حال کیلئے سب ذیل بجٹ قابل منظوری ہے تاکہ بار بار منظوری حاصل نکرنی پڑے ۔

ڈاک ۲۵ ٹیلیگرام ۱۰ اشاعت ۱۵۰ سفر خرچ ۱۰۰ اجلاس ۱۵۰ فرنیچر ۱۰۰ اتفاقیہ اخراجات ۵۰ میز انکل ۱۵۰

دستخط خزانچی دستخط آڈیٹر

اس کے بعد حکیم شہاب الدین صاحب کی تحریری تجویز درباره اس کے کہ ندوۃ القریش کے تحت ایک کوآپریٹو بنک جاری کیا جائے پیش ہوئی جو کہ آئندہ کیلئے ملتوی ہوئی ۔

(۳)

روز جون ۱۹۳۱ء وقت ۸ بجے حاضری موجود ان اگزیکٹو کمیٹی کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا حکیم شہاب الدین صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ سرجن کی تحریک پر حکیم محمد علی شغف صاحب سکرٹری ندوۃ القریش کی خالی جگہ پر بالاتفاق منتخب کیا گیا ۔ آپکی خوش خطی حسن سلوک ذکاوت اور دیگر اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شیخ مغفرت کیلئے منشی محمد علی صاحب نے تجویز کی اور شیخ عبدالحمید صاحب نے اسکی تائید کی ۔ ندوہ کو کچھ کم نقصان نہ ہوتا کہ حکیم صاحب ایسے مستعد دردمند اور جوان ہمت بزرگ نے داغ مفارقت دیا ۔ تجویز ہوا کہ ندوہ کیطرف آپکے برادر حکیم طاہر علی صاحب ٹریژری آفیسر ریاست جھاجر کو تعزیتی مراسلت بھیجی جائے ۔

اسکے بعد صاحبزادہ گلزار شہزادہ قیصر کی انگریزی مراسلت نمبر ۵۰۵ مجریہ ۲۶ جون حسب ذیل حق رائے کا ایک نسخہ فراہم کیا جانکا پیش ہوئی تجویز ہوا کہ اسپر ریویو غور و خوض کی ضرورت نہیں صحیح اغراض کو سرکلر کی شکل میں طبع کرا کر جوابا بھیجدیا جائے ۔

جن حضرات نے چندہ ممبری بصیغہ ڈاک ارسال فرمایا ہے انکا دلی شکریہ ادا کرنے کے بعد جلسہ برخاست ہوا ۔ نیاز مند

امرتسر ۱۱ جون ۳۱ء — جائنٹ سکرٹری ندوۃ القریش

حیاتِ نادری کا ایک ورق

معتبر تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخوں نے نادر کی ابتدائی حالت مفصل بیان کرنے میں خاموشی سے کام لیا ہے۔ درحقیقت تو یوں ہے کہ اگر وہ کوئی خاندانی رئیس سلطان ابن سلطان یا امیر ابن امیر ہوتا تو اسکے ابتدائی سوانح عمری بیان بھی کئے جاتے مگر جبکہ محض اس نے اپنی جرأت و بہادری ہی سے ایشیا کو تھرا دیا تو اس کی فتوحات کے کارنامے جو اب تک زمانہ کے صفحات پر جگ جگ کر رہے ہیں بیان کرنے مناسب معلوم ہوئے ہیں

ابتدائی حالت اگرچہ مورخین نے بیان بھی کی ہے تو وہ صرف اتنی ہے کہ نادر قبیلہ افشار سے اور امام قلی کا لڑکا تھا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اس کا باپ اپنی قوم میں نہ تو صاحب اعتبار ہی تھا اور نہ کوئی منصب جلیل رکھتا تھا خود نادر نے بھی کبھی بزرگی نسب کا دعوے نہیں کیا۔ اس طرح اس کا حسب و نسب تاریکی میں ہے اور بقول اس کے نادر شاہ پسر شیر شیر پسر زادہ شمشیر بچنیں تا ہفتاد و بشمار ٹھیک ہے بہادر کے ماں باپ کا ہونا ہی کیا ہوتے ہیں لیکن اس کو خوشامدی مؤرخ سیر نا مہدی جس نے نادر کے واقعات عمری اور محاربات کے حالات قلمبند کئے ہیں لکھتا ہے کہ نادر شاہ کا باپ اپنی قوم میں ایک معزز شخص تھا اور اس طرح سے حقیقت کو مٹاتا ہے گویہ شاہوارد قدر و قیمت اس کے رنگ و خوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ معدن کے سبب سے سر جان ملکم اپنی مبسوط تاریخ ایران میں لکھتے ہیں کہ نادر شاہ اوائل حال میں پوستین دوز تھا۔ اور کسی پیشہ سے اوقات بسری کرتا تھا چونکہ رذیل الکسب تھا۔ اس لئے اس کی صحبت بھی اپنے ہم پیشہ لوگوں سے تھی جب محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کی لڑکی سے نادر نے اپنے بڑے بیٹے کا نکاح کرنا چاہا تو بیٹی والوں نے کہلا بھیجا کہ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ داماد اپنی سات پشت شمار کرایا کرتا ہے نادر نے قاصد سے کہا کہ جاؤ کہہ آؤ کہ داماد نادر شاہ کا بیٹا ہے اور نادر شاہ تلوار کا بیٹا ہے اسی طرح ہفتاد پشت شمار کرو۔ ایک معتبر ایرانی مورخ اس طرح سے لکھتا ہے کہ نادر شاہ ۱۱۰۰ھ میں خراسان کے دیہات میں پیدا ہوا۔ سترہ سال عمر میں ازبکوں کے ہاتھ مع اپنی ماں کے گرفتار ہو کر چار سال تک مقید رہا۔ اس کی ماں قید کی تکالیف برداشت نہ کر سکی مجلس ہی میں پس بسی۔ نادر خدا معلوم کن زنجیروں سے رہائی حاصل کر کے نکل بھاگا۔ بعد ازاں خراسان کے ایک امیر باقل بیگ کے یہاں نوکر ہوا۔ امیر کو قتل کر کے اس کی لڑکی کو بھگا لے گیا اور نکاح کر لیا۔ رضا قلی میرزا اسی بیگم کے بطن سے تھا۔ اس وقت میں نادر کی عمر ۲۳ برس کی تھی۔ تھوڑے عرصہ بعد اس نے آوارہ اور بدمعاش لوگوں کی ایک جماعت اکٹھی کر لی اور ان کا سردار بنکر اطراف خراسان میں غارتگری شروع کی۔ اور طرح طرح سے لوگوں کو ستایا۔ اور دق کیا۔ رفتہ رفتہ اس کی بے جگری کے کارنامے صوبہ دار خراسان کے کانوں تک بھی

پہونچے۔ صوبہ دار نے نادر اور اس کے ڈاکو ساتھیوں کو فوج میں مصلحت بھرتی کرلیا۔ اسوقت ازبکوں سے لڑائی پیش آئی۔ نادر کو تو اس لڑاکا قوم سے قدرتی بغض تھا خواہ ہی جان توڑ کر لڑا اور ایسی شکست دی کہ جب تک نادر زندہ رہا وہ بارادۂ غارتگری ایران کی طرف نہیں آئے۔ صوبہ دار نے خوش ہوکر امارت اور مالداری پر ترقی کردی لیکن تھوڑے عرصہ بعد صوبیدار نادر کی حرکات سے رنجیدہ ہوگیا اور بہت کچھ برا بھلا کہہ کر نکالدیا۔ نادر پیچ و تاب کھاتا ہوا مشہد چلا گیا۔ اسوقت ملیں نادر کا چچا تلات میں افشار کے چھوٹے سے گروہ کا سردار تھا۔ نادر مشہد سے سیدھا اس کے پاس گیا۔ اور تھوڑے دنوں تک اس کے پاس قیام کیا۔ لیکن چچا صاحب بھی اس سے تنگ آگئے۔ اور بہت ہی خشمناک ہوکر قلعہ سے نکلجانے پر مجبور کیا غرض جہاں گیا اپنی تلون مزاجی کی وجہ سے جم کر نہ رہ سکا۔

کسی بھی کیا تمہاری تلون مزاجیاں
قایم نہ تخم ہو نہ تمہاری زباں رہے

پھر وہی سابقہ پیشہ اختیار کرلیا۔ پہلے کے دوست و احباب کو جمع کرکے قزاقی اور لوٹ مار شروع کردی۔ اور بیشمار دولت گروہ کثیر اکٹھا کرلیا۔ ایران اس وقت افغانوں کی غارت گری اور آئے دن کی لڑائیوں سے نیم جاں ہو رہا تھا۔ ادھر نادر دولت و ثروت سے اور فوج کے سبب دم مار رہا تھا۔ سلطنت صفویہ کے لئے واقعی یہ وقت بڑی مشکل کا تھا لیکن ابھی افغانوں کے ایران میں پورے طور سے قدم نہیں جمنے پائے تھے البتہ ان کی دست درازیوں سے ملک میں فتنے ہرج پیدا ہوتے رہتے تھے۔ غرض کہ اس زمانہ میں ہر طرف شور و غوغہ برپا ہو رہا تھا۔ نادر کی سنسنے اس کی شجاعت و چالاکی کے سبب بہتیرے زبردست لوگ اسکے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور فتنہ رفتہ یہ گروہ ایسا مضبوط ہوگیا کہ سلطنت صفویہ کے واسطے افغانوں سے بھی زیادہ مہیب ثابت ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں نادری گروہ نے اہالیان خراسان کو آگھیرا۔ اور ان سے ایک کثیر رقم لے کر چھوڑی جب نادر کے چچا نے دیکھا کہ نادر کا اقتدار روز بروز بڑھتا جاتا ہے خوفزدہ ہوا اور ایک خط نادر کو لکھا۔ کہ اگر اس خانہ بدوشی کی زندگی اور لوٹ مار سے باز آکر شاہ صفی سے مدد کرو اور اس کو جنگ افاغنہ میں مدد دو تو ایک منصب درکار ہے تمہاری بہادری کی دھوم مچ جائے گی۔ اور شاہ مشکور ہوگا۔ نادر بہت خوش ہوا۔ اور اس نے جواب دیا کہ مجھے منظور ہے۔ لیکن حضرت شاہ میرے قصور کو معاف کریں گے۔ اگر عفو کا وعدہ ہو جائے تو بسر و چشم حاضر ہوں۔

یہ بھی بات طے ہوگئی تو نادر شاہ دامغان و فرحان قلات کی جانب روانہ ہوا۔ اپنے چچا کو ہمیشہ چونکہ سردار سمجھتا رہا تھا اور ایک بڑا مالیتہ بھی تھا کہ اس نے قلات کے قیام میں نکال دیا تھا لہذا وقت کو غنیمت جانکر قتل کر ڈالا۔ اور اس طرح جہاں اور بے گناہوں کے خون کئے تھے وہاں نامۂ اعمال میں یہ بھی درج کرلیا۔ تمام امور سے فراغت حاصل کرکے افغانوں کیطرف متوجہ ہوا تائید ایزدی شامل حال تھی اور نادر کے ہاتھوں افاغنہ سے ایران کی خلاصی مقدر ہو چکی تھی اس طرح شکست دیکر نکالدیا شاہ ایران نے بیحد نوازش فرمائی اور سلطنت فارس نے خدا خدا کرکے نادر کی بدولت آفت سے نجات پائی لیکن اسی فتح

شاہ طہماسپ صفوی کو نادر کے ساتھ اس کی دانائی اور شجاعت کی وجہ سے ایک گونہ حسد سا ہو گیا۔

نادر افغانوں نے فتنہ کو فرو کر کے ایک دوسری مہم میں مشغول تھا کہ شاہ نے ایک فرمان واپس آنے کے واسطے بھیجا۔ نادر نے لڑائی چھوڑ کر آنے سے انکار کیا۔ بادشاہ بے مایہ نے ارکین دربار کے روبرو نادر کو باغی و نمک حرام کے الفاظوں سے یاد کیا۔ یہ خبر اڑتے اڑتے نادر کو بھی جا پہنچی۔ پھر نادر فوج لے کر اصفہان پر چڑھ دوڑا اور بادشاہ کو مجبور کیا کہ جو شرائط میں تجویز کروں ان کو منظور کیجئے۔ اسی میں خیر ہے بندھا خوب مارکھاتا ہے شاہ نے ناچار جیسا نادر نے کہا منظور کیا۔ اس وقت سے طہماسپ کا اگرچہ اختیار بھی تھا وہ بھی جاتا رہا۔ مگر نادر اس کے ساتھ اس وقت تک سلطنت غصب کرنے کا وقت آجائے احترام سے سلوک کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جوڑ توڑ سے غافل نہ رہا اور خراسان کی فتح کے بعد تو کھلم کھلا حرکات و سکنات سے ارکین دربار اور رعایا پر ظاہر کر دیا کہ میرے آگے بادشاہی حکم کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اقتدار و شیرازہ بکان کے نادر ہی رات کو خواب دیکھا کرتا صبح کو نجومیوں سے اس کی تعبیر پوچھتا۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ایک چار شاخ کی مچھلی ہے لوگ ہر چند اس کو پکڑنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہاتھ نہیں آتی نادر نے بسہولت اسے پکڑ لیا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر سلطنت کی مبارک باد دی۔ لیکن میرزا مہدی لکھتا ہے کہ چار شاخ کی مچھلی سے مراد ان چار ممالک سے ہے جو بعد ازاں نادر نے قبضہ میں لائے ایران۔ خوارزم۔ ہندوستان۔ توران۔

جب طہماسپ نے دیکھا کہ شامت اعمال سے بادشاہت برائے نام ہی رہ گئی۔ تقدیر پر راضی ہو کر ایک تاج شاہی مرصع بجواہر اور چار بڑے بڑے شہروں خراسان۔ مازندران۔ سیستان کرمان کی حکومت کا پروانہ نادر کے پاس ایک امیر کے ہاتھ بھیجدیا۔ اور یہ بھی لکھا کہ آپ بادشاہ کا لقب بھی اپنے نام کے ساتھ اضافہ کر لیجئے۔ نادر نے اور تمام بادشاہی عنایات کو قبول کر لیا لیکن لقب شاہ کی نسبت خیال کیا کہ اس کے اختیار کرنے میں سوائے اس کے کہ دوسروں کو حسد ہو کیا فائدہ ہے۔ دوسرے ابھی موقع بھی نہ تھا لہذا اس عزت سے شکریہ کے ساتھ انکار کیا۔

پروفیسر مرزا حیرت صاحب ترجمہ تاریخ ایران مصنفہ سرجان ملکم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی اثنا میں نادر کے بڑے بیٹے رضا قلی مرزا کی سلطان حسین مرزا مرحوم کی لڑکی کے ساتھ شادی ہوئی۔ نادر نے اگرچہ سلطان کا لقب اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن ایک امر معظم مخصوصہ سلاطین کو اختیار کر لیا۔ حکم دیا کہ جو سپہ فوج کی تنخواہ میں دیا جائے اس پر ہمارا نام مسکوک ہوا کرے

دولت عثمانیہ کا قبضہ اس وقت میں اطراف عراق و تمام آذربائیجان پر تھا ابھی نادری سپاہ افغانوں کی تادیب کی زحمت سے بھی آسودہ نہ ہوئے تھے کہ نادر ترکوں کو ایران کے حدود سے نکالنے چلدیا قصہ اس جنگ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ترکوں نے شکست کھائی اور بے حد نقصان کے ساتھ ہمدان سے ہٹا دیئے گئے۔ یہاں سے فراغت بلکہ اور آذربائیجان کی طرف متوجہ ہوا۔ تبریز و ارومیہ تک اس طرف کے کل بڑے بڑے شہروں کو فتح کر لیا۔

ترکوں کی شکست کی خبر قسطنطنیہ میں پہنچی۔ ینگچری[1] فوج نے اول وزیر جنگ کو قتل کیا اور بعد ازاں سلطان احمد ثالث کو تخت سے اتار کر اس کے بھتیجے محمود خامس کو بادشاہ بنا دیا۔ نادر نے رضا قلی خاں ایک معزز سردار کو سلطان محمود کے پاس پیغام دیکر بھیجا کہ آپ ترکوں کو آذربائیجان خالی کر دینے کی ہدایت فرما دیجئے ورنہ مفت میں بندگان خدا کا خون ہوگا۔ نادر تو یہ کارروائی کر رہا تھا اور ادھر طہماسپ جو امرائے دربار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن رہا تھا نے سلطان محمود کو تخت نشینی کی مبارکباد بھیجی اور رضا قلی خان کا بھیجا سفارت اور تہنیت نامہ کا جواب بھی نہ معلوم ہوتا کہ بادشاہ بے وقوف مرا کہ بھاگے سے ایران پایہ تخت اصفہان کے دفاع جو ترکوں کے قبضہ میں تھا محاصرہ کرنے چلا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا ترکوں سے شکست کھائی اور نادر کی حذاقت و شجاعت سے دو چار شہر ترکوں کے ایرانیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے وہ بھی نکل گئے۔ اب بادشاہ سلامت کو صلح کی سوجھی۔ آخر جس قدر مقبوضات ترکوں کے ایرانیوں کے پاس تھے وہ سب دیکر جان چھڑائی۔ اور پانچ لاکھ تومان سالانہ کرمان شاہ سے احمد پاشا حاکم بغداد کو نذر کرنا پڑے جنکی سعی و کوشش سے صلح ہوئی تھی۔ اس ذلیل مصلحت سے ایران کی خوب ہی فضیحت ہوئی۔ اور دیگر سلطنتوں سے نظر حقارت سے دیکھا۔ نادر کو جب ان واقعات کی اطلاع پہنچی سوچا کہ اب سوتی غصب سلطنت کا آ گیا۔ ایک فرمان تمام امرائے ایران کے نام بھیجا کہ ایسی نامردی کیساتھ صلح کر لینے سے تو مرجانا بہتر تھا میں فوج قاہرہ لیکر آتا ہوں اور جس قدر ملک طہماسپ کی نادانی سے غیر ہاتھوں میں چلا گیا ہے اس کو واپس لیتا ہوں میری فوج ظفر موج جس طرف کو جائے گی فتح اس کے ساتھ ہوگی ؎

دشمن آتش پرست باد چہ یارا بگو یا
خاک بہ سر کن کہ آب رفتہ باز آمد بجو

ادھر تو یہ پیغام سلطان محمود خامس کو بھی بھیجا کہ یا تو جس قدر ملک ایران کا لیا ہے واپس کر دیجئے ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہیئے۔ احمد پاشا حاکم بغداد کو بھی یہی کہہ بھیجا۔ ان سب امور سے فراغت پاکر اصفہان آیا۔ شاہ طہماسپ کو خوب ہی لعنت ملامت کی اور بعد ازاں دعوت کے بہانے سے بلا کر قید کر لیا۔ اور بعد اسکی خواتین کے خراسان روانہ کر دیا۔ میرزا مہدی لکھتا ہے کہ اسوقت امرائے لشکر و اعیان کشور نے نادر کو تخت و تاج پیش کیا مگر مادر سے سدیکھا کہ ابھی تخت پر بیٹھنے کا موقع نہیں۔ ہر شاہ طہماسپ کے ہشت ماہہ لڑکے کو عباس ثالث کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا۔ خود امور سلطنت انجام دینے شروع کئے یہ واقعہ ۱۱۴۵ھ میں ہوا۔ اور مراسم جلوس سے فراغت پاکر عظیم الشان لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوا۔

—— محمد شفیع الدین خاں

---

[1] میانوں سے لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہو کر آتے تھے ترک ان کو قواعد سکھلا کر فوج میں بھرتی کر لیتے تھے یہی ینگچری کہلاتے تھے رفتہ رفتہ یہ فوج ایسی زبردست ہو گئی کہ شاہی خاندان میں سے جو شہزادوں کو کثرت سے انعام دینے اور وعدہ وفا اسی کو بادشاہ بنا دیتے سلطان محمود نے بالکل ان کو تباہ کر دیا ہے۔

مواخات

ہاں دیکھ لے کہ دن یہ بیل کل کو ہو نہ جائے — بھولے ہوئے خدا نے مسلم کو پھر سنا دے

خاموشی فضا کو وہ شوخی نوا دے — مدت سے سو رہی ہیں جانیں جو ہیں جگا دے

ہشیار دیکھتے ہیں خورشید کو نکلتے
بدمست خواب لیکن کروٹ نہیں بدلتے

اوروں کے ہاں روایا تو منزل پہ کب کے پہنچے — شب ہو رہی ہے لیکن ہم گم ہے قصد کرتے

ہیں رہرو کے مقدر میں نتائج جس کے — آتی نہیں جیا کہ غیروں کے سر کو تکتے

ہیں ہر ہے فوق نکلوں انکا خود ہے — حساس انکا لیکن معدوم ہے نفس ہے

جس نے شعلے عرب میں سرد کیے بستی — ہندوستاں میں آکر اُس کی آگ بستی

ذلت ہے ہر یوں وہ آسا غلیق بستی — تقلید ہے خو ہو شیوہ صنم پرستی

جس شمع دیں کے مسلم خانوش تھے ازل سے
پروانہ کر رہے ہیں اب بادِ بتاں سے

ہم نے خانے جھوٹے ہوئے ہیں یکسر غفلت کے آستانے چھوٹے سر ہی ہیں کیسے

اگلوں کے سب ترانے بھولے ہو ذہن سے — اجداد کے فسانے بھولے ہوئے ہیں کیسے

یہ نو عرش بالا یہ رونق جہاں تھے
اُنکی جہاں نہ زیں تھی انکے یہاں تھے

کیوں چھیڑ دوں نہ نئے ہر زندگی کے — نغمات جنگ کہدیں سب از زندگی کے

تجھ کو نئے وہ آخر جاں زندگی کے — ایسے کو جیتے صدیوں از زندگی کے

سر پر تھا تاج شاہی ہاتھوں میں شہ پر تھی
علم و عمل کے شن اسلام کی جبیں تھی

بے وہ انکے سر چھپائی نہیں بات — سچ تو یہ ہے نہیں بانیں وہ انکی فطرت

خوبیں نہیں ہر انکے اسلاف کی نوت — اپنوں سے نہیں ہر انکو رابی الفت

شتو کو توڑ کے وہ تنہا پڑے ہوئے ہیں
احباب سے الگ ہیں غیروں سے جا ملے ہیں

پھولوں کے رنگ و بو کے ہے یہ چمن سے — بلبل کے نالوں سے ہے وقار گلشن

ہے اسرو ہے کب دلفت حصار گلشن — تنہا کسی سے کب ہیں نقش بہار گلشن

سب متحد ہوں جب ہم حسن جہاں نما ہو
بے شکوہ باہم کیسے بہار کیا ہو

اطراف میں جہاں بھی ہو سکن مسلماں — سنت رہ عرب ہر یا ہوں ترکی و ہو ایران

آئندہ زندگی کا اپنی بسیں کریں ہم — قالب تو مختلف ہوں لیکن ہو ایک ہی جاں

وحدت کے سب ہیں قائل اپنے یقیں کریں ہیں
ہستی ہیں بھی وہ پیدا وحدت کی شان کر لیں

(بسمل مرحوم) مہگر بن

تعارفات

تذکرہ خاندان عباسیہ

۱۲۵۸ء میں جب کہ عباسیان امرو ہہ کے اجداد وغیرہ بعد قتل و ہلاکت آخری خلیفہ بغداد کے جہاں سوا پانسو سال تک خلافت عباسیہ قایم رہی تھی مختلف مقامات کو منتشر ہوئے تھے۔ ایک شہزادہ محمد احمد مصر کو چلا گیا تھا۔ جہاں کے فرمانروایان ملوک سلطان صلاح الدین۔ فاتح بیت المقدس نے عباسی شاہزادہ کو اپنا سرپرست بنا کر مسند نشین کر لیا تھا۔ دو سو ساٹھ سال تک یہ نام نہاد خلافت بذریعہ سلاطین مصر قایم رہی۔ بعد کو اس وقت سے سوا چار سو سال قبل ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم اول ترکی نے اپنے اخوان مفرور کو پناہ دہی کے حیلہ سے ملک مصر وغیرہ ضبط کر کے لوا و رداے محمدی کو عباسی آخری خلیفہ محمد دوازدہم سے لیکر کچھ وظیفہ مقرر کر دیا بعد کو خلفائے مصر کے انقراض کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اگرچہ نواب صاحبان بہاولپور اپنا نسب نامہ خلفائے مصر سے ملاتے ہیں لیکن ان کے نسب نامہ نویسوں نے فاش اغلاطی ہیں چنانچہ وہ والیان بہاولپور کا نسب محمد احمد خلیفہ اول مصریہ سے ملاتے ہیں جو از روے تواریخ معتبرہ مغول چنگیز خاں سے جنگ آوری میں قتل ہو گئے تھے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی تھی۔ بلکہ دوسرا خلیفہ مصر دیگر نسل بغداد سے مصر جانے پر خلیفہ بنایا گیا تھا۔

نسل عباسیان امروہہ و قضیہ ہاشمیت قبل ازیں کہ ہم مختصر حقیقت خاندان معرض بیان میں لائیں ہم اس قضیہ کو یکسو کرنا چاہتے ہیں جو درمیان علویان و عباسیان کے جو در اصل فرقہ ہاشمیہ کے فروع ہیں۔ صدیوں سے چلا آتا ہے۔ فرقہ ممتاز عربیہ قریش میں سے حضرت رسول اللہ کی نسل ان کے پردادا ہاشم کے نام سے ہاشمی کہلاتی ہے جن پر مال صدقہ آپ نے ممنوع و حرام قرار دیا تھا۔ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے جس کی تصغیر قریش بنا کر نضر بن کنانہ کا لقب قریش رکھا گیا۔ اور ہاشم کے حق کا سہرا جیتے توڑنے والے کے ہیں۔ کیونکہ زائرین کعبہ کی مہمانداری کا انصرام ان حضرت کے ذمہ تھا جس میں مہمان لوگ روٹیاں توڑ کر شوربا لتے تھی میں مخلوط کر کے کھاتے تھے پس منتظم مہمانداری کا نام ہاشم قرار پایا۔ ہاشمی نسل میں خود رسول اللہ آل جعفر آل عباس آل علی و آل عقیل وغیرہ داخل ہیں جو حضرت کے بنی اعمام ہیں۔

خصوصیت حضرت عباس حضرت رسول اللہ نے اپنے عم بزرگوار حضرت عباس خاتم المہاجرین کو بمنزلہ والد کے ذ ہے وہ اس درجہ شرف کے مستحق تھے۔ کیونکہ وہ خاندان نبوی کے ایسے محرم تھے

رسول خدا کی بہن اگر ہوتیں اور بیٹیاں بمنزلہ اولاد ہونے کے ان پر حرام تھیں اور قدرتاً ان سے ازروئے شرع پردہ بھی لازم نہ تھا۔ یہ اقربیت کسی دیگر عقارب حضرت عقیل، حضرت جعفر و حضرت علی کو حاصل نہ تھی جو حضرت عباسؓ کی خصوصیات میں سے ہے۔

اطلاق لفظ سید و امیر رسول خدا نے امام حسن و حسین کو سید الشباب اہل جنۃ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرات ابوبکر و عمر کو سید اکہول اہل الجنۃ یعنے سرداران معمران اہل بہشت ارشاد کیا ہے نیز اپنے چچا ابوسفیان ہاشمی کو سید فتیان اہل جنت یعنے سردار جوانان جنت خطاب دیا ہے۔ اور حضرت عباس کو سید العرب فرمایا ہے اس صورت میں لفظ سید کی تخصیص آل علی تک محدود نہ رہی۔

نسب پدری ہوتا ہے نہ کہ مادری دیگر تفضیل و فوقیت کی توجہ آل خاص حضرت علی۔ اپنی جدہ محترمہ بی بی فاطمہ سے پیش کرتے ہیں۔ باوجودیکہ مادری نسب کو علاوہ رواج دنیا کے کلام اللہ نے قطعی ممنوع قرار دیا ہے۔ ادعاہم لآبائہم کہ من اصلاب بکم سے واضح ہے کہ تمہارے فرزندان تمہاری صلب سے یعنی نطفہ سے ہوتے ہیں۔ کہیں من بطون ازہ واجکم نہیں فرمایا گیا دوسری جگہ ایسا صاف حکم ہے کہ جس سے مادری نسب کا سرتیح امتناع ثابت ہے۔ ادعوا ھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ آدمیوں کو ان کے آباؤں کی طرف سے خطاب کیا یہ بات خدا کے نزدیک زیادہ انصاف ہے۔ بلکہ پدری نسب معلوم نہ ہونے پر بھی مادری نسب کو روا نہیں رکھا۔ جیسا کہ بعد کو حکم ہے۔ وان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین و موالیکم یعنی اگر لوگوں کے آباء سے تم واقف نہ ہو تو بھی ان کو اپنا اسلامی برادر اور دوست کہو۔ اس صورت میں بھی ادعوا ھم لامھاتھم نہیں فرمایا۔

مادر نسب کا نتیجہ عقلاً مادری نسب ہر پشت میں بدل جاتا ہے جیسا کہ حضرت حسنین بنی فاطمہ کہے جاتے ہیں تو تمام موسیٰ کاظم اپنی اور جمیعہ بربریہ کے باعث بنی بربری کہلائیں گے۔ اور امام علی رضا اپنی والدہ نجمہ پرستا کے طفیل پرستاردادہ کہے جائیں گے۔ فلیس ھذا

ایک جگہ مادری شرف سے نسب تمام کرنا اور دوسرے مقامات پر اس سے قطعی اعراض و گریز کرنا کونسی دانشمندی میں داخل ہے۔ بالخصوص ہمارے امروہہ کے داعیان سیادت جو تمام مخلوقات انسانی سے خود کو فائق و برتر سمجھے ہوئے ہیں ان میں سے بہت سے روغنگر نشاج۔ علاق اور طوائف اور غلطی زن ماؤں کے بطن سے جاوا فروز اور مخلوط ہیں وہ برادری میں کس شمار و قطار میں گنے جائیں گے نسب مادری کی تقبیح و تفضیح جو اس سے بھی فروتر ہے وہ کیا بیان کی جائے پس شرف مادری حضرات سیادت پناہوں کا بمقابلہ آل عباس کے جن میں اقسام مکروہ مذکور کا میں صدیوں سے نہیں ہے۔ کچھ فوقیت و مساوات نہیں رکھتا دیگر ہاشمی برادران کے سید کہلانے میں اظہار غضب کیوں کیا جاتا ہے بلکہ لفظ امیر المومنین ابتداً صحابہ راشدین نے حضرت عمر کے واسطے تجویز کیا تھا۔ جمیع کتب و احادیث و تاریخ معتبرہ

اس کی شاہد ہیں۔ بعدہٗ یہ لفظ کل خلفاء کا خطاب ہو گیا۔ حضرت علی کے لئے یہ لفظ ہرگز کالوحی من السماء نازل نہیں ہوا۔ عباسیوں کے اسلاف پانسو سال بغداد میں اور اڑھائی سو برس مصر میں امیر المومنین کہلائے۔ پس علویوں نے بھی اس لفظ کو اپنا مایۂ ناز بنالیا۔ اور آل فاروق یا آل عباس کو اس قدیمی لفظ امتیاز سے حرمان نصیب کر دیا۔ یہ خود ساختہ تعلی نہیں تو اور کیا ہے۔ سنی ضعیف الاعتقاد نسل پرستوں نے بھی اس ادعائے بیجا کو مان لیا۔

مظالم بنی امیہ بعد استعفائے امام حسن کے امیر معاویہ کل ممالک اسلامی کے تنہا خلیفہ بن گئے۔ ان کے آغاز عہد میں ان کا عامل بسر بن ارطاۃ صوبہ یمن پر گیا۔ تو وہاں کے عامل عبید اللہ بن عباسؓ گریز کر گئے۔ جو حضرت علی کی جانب سے منصوب تھے۔ لیکن ان کے دو بیٹے حسن و حسین قتل کر دیئے گئے۔ یزید کے خلیفہ ہونے پر امام حسین نے اسکی جیب سے انحراف کیا۔ اور اہل کوفہ کی دعوت پر جو اور کو منحرف ہو گئے۔ میدان کربلا میں جاکر شہید ہو گئے۔ عہد ہشام میں زید بن امام باقر نے کوفہ میں علم خلافت بلند کیا۔ و خروج مخالف کے مقابلہ میں ۱۲۲ھ مارے گئے مروان اموی کے وقت میں امام ابراہیم عباسی امام کہلانے پر قید ہوئے اور دودھ میں زہر دے کر ہلاک کئے گئے۔ ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید شہید خراسان پھرتے ہوئے کاوش ولید ثانی کی فوج سے بمقام ارجان قتل ہوئے۔ ان کی لاش برابر اصلیت برآویزاں رہی جس کو ابو مسلم خراسانی نے اپنی فتح کے بعد اتار کر دفن کیا۔ اس طرح اکثر بنی ہاشم بنی امیہ سے مغلوب و منکوب رہے۔

اسباب خلافت عباسیہ جب ایک صدی تک بنی ہاشم علویہ و عباسیہ خلفائے بنو امیہ کے خونریز تسلط کا ہدف بنتے رہے اور علویہ جو اپنی پیش قدمی و خروج سے عروج پاکر فوری کامیابی پر قدم جادۂ اعتدال سے بڑھا کر وضیع و شریف کے خون ناحق میں ملوث ہوتے رہے۔ عباسیہ نے تبلیغ و اشاعت پروپیگنڈا سے عام رعایا ان سے بیزار ہو کر ساتھ چھوڑ دیتی۔ اور یہ مدعی زوال میں پڑ جاتے۔ پس عباسیہ نے ان سے سبق حاصل کر کے طریق تدبیر کامیابی اختیار کی۔ ان کے نقیب ابو مسلم خراسانی نے خراسان سے لشکر عظیم لیکر ممالک مقبوضہ بنی امیہ پر چڑھائی کی چالیس ہزار فوج سے خراسان اور ایران فتح کرتا ہوا عراق پہونچا۔ جہاں سے ابو العباس عبداللہ سفاح جو بدیں حیثیت (عباسی) نے اپنے چچا عبداللہ بن علی جو سی کو مع بیس ہزار لشکر کے مروان بن محمد آخری خلیفہ بنی امیہ کے مقابلہ مقام زاب کو روانہ کیا وہاں مروان مع ایک لاکھ بیس ہزار عساکر کے آمادۂ جنگ ہوا۔ جنگ عظیم کے بعد مروان بن محمد قتل ہوا۔ اور خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ میں قایم ہو گئی۔ بعدہٗ ایک شاعر کے اشتعال دلانے پر چالیس ہزار بنو امیہ مار ڈالے گئے۔ بعد معرکۂ کربلا کا انتقام عباسیہ نے بنی امیہ سے لیا۔

افتراق عباسیہ و علویہ اگرچہ خلافت اسلامیہ بنی عباس نے آل علی سے ہرگز نہ لی تھی۔ جس کو وہ نوے سال سے کھو چکے تھے نہ علویہ کی کوئی امداد و کمک اس میں شامل تھی بلکہ عباسیہ نے خفیہ اپنی اور اپنے ہوا خواہوں کی

قوت بازو سے اپنے اور نیز علویہ کے اعدائے جان و مال سے حاصل کی تھی مگر دنیا بری بلا ہے۔ سلطنت تو بڑی چیز ہے۔ تھوڑے سے املاک و اثاثہ پر بھائی سے بھائی باہم کر خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ عبداللہ سفاح اول خلیفۂ عباسیہ نے بنو علویہ کو لاکھا اکرام و انعام سے مالا مال و گرویدۂ احسان بنا لیا۔ لیکن عبداللہ حسنی بدگمانی سے حجاز کی طرف خلیفہ کے پاس سے فرار ہو گئے اور ان کے فرزندان محمد مہدی اور ابراہیم نے خلیفۂ ثانی حضرت ابوجعفر منصور کی طلبی پر حاضری سے انکار کرکے بغاوت پر کمر باندھی اور دو نو جنگ و جدل میں مارے گئے اس واقعہ سے عباسیہ اور علویہ میں دروازۂ منازعت کھل گیا علویہ مختلف اقطاع میں غدر و غارت گری کرتے رہے اور عباسیہ قید و قتل پر مجبوراً عمل پیرا ہوئے۔ اس حسد و وفا کا یہ نتیجہ ہوا کہ عظمت خلافت ہمیشہ کے واسطے بنی قریش و ہواشم کے دست اقتدار سے نکل کر عجمی الاصل چنگیز خانی مغول اور اہل تاتار کے ہاتھ جا پڑی۔ زائد از پانصد سالہ عباسیہ خلافت ایک غالی شیعی علقمی وزیر کی سازش سے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں خلیفہ مستعصم کے مظلومانہ قتل پر بدست ہلاکو خاں نبیرۂ چنگیز خاں کا فرالاصل تباہ و برباد ہو گئی سعدیؒ نے کہا ہے ؎

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں — بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

"زندگی"

چوں شب عاشورہ سحر غم مرا تسخیر کرد — قلب من در پند او صد نالۂ شبگیر کرد
بانگاہ من شعاع انجم گردوں نواز — با ہمہ انوار کار خنجر و شمشیر کرد
راحت و تسکین شد یکباب در سینہ ام — مضطرب از غم مرا ایں گوہر بے پیر کرد
شکوۂ وافر ز بخت نامساعد داشتم — باد ما غم چارہ فرمائی گل تقدیر کرد
فکر من از پا ستم در عالم رویا چہ بود — در نگاہم قسمت من جنتے تعمیر کرد
آنکہ دشت کربلا از خون او سیراب شد — مشت خاکم را بخواب از نگہ خود اکسیر کرد
با حقیقت چشم من در راہ آں گردوں وقار — فرش گشت و در گریباں عالم تنویر کرد
عرض چوں در خدمتش کردم ز رمز زندگی — آں حیات آگاہ چنیں یک حرف او تفسیر کرد

زندگی خواہی چو ما از خوف غیر آزاد شو
در حریم حریت با عشق حق آباد شو

(شاکر صدیقی)

بلائے قرض

(از محمد قمر الحسن صاحب قمر بدایونی)

بظاہر رحم کے قابل مسلمانوں کی حالت ہے — ہنر ہے ہاتھ میں ان کے نہ انکے پاس دولت ہے
کروجس شئے کا ذکر انسے انہیں اسکی ضرورت ہے — تہیدستی شریک حال ہے مونس نحوست ہے

اسی داد وستد سے ناؤ اپنی آپ کھیتے ہیں
ہمیشہ سود دیتے ہیں ہمیشہ قرض لیتے ہیں

یہ کس کے کام آئیں جب اخوت ہی نہیں باقی — جوان کا ساتھ دیتی اب وہ ہمت ہی نہیں باقی
کریں کیا قدر خودداری حمیت ہی نہیں باقی — حیا سے کیا علاقہ ان میں غیرت ہی نہیں باقی

کریں کیوں فکر اس کی کام جو قرضے سے چلتا ہے
یہ ہے نام آوری بدنامیوں سے نام چلتا ہے

نہیں ہے پاس کوڑی شان اسپر بھی بناتے ہیں — کہ لے کر قرض شادی بیاہ میں رقمیں اٹھاتے ہیں
تمسک لکھ کے دنیا کو اولوالعزمی دکھاتے ہیں — ریاست بیچ کر کھاتے ہیں قرضہ چھوڑ جاتے ہیں

یہی نام آوری ہے بس اسی میں نام ہوتا ہے
کبھی نالش کبھی ڈگری کبھی نیلام ہوتا ہے

یہ وہ آفت ہے جس کو دیکھکر دل کانپ جاتا ہے — یہ وہ تکلیف ہے جس سے کلیجہ منہ کو آتا ہے
یہ وہ غم ہے جو رہ رہ کر ہمیشہ دل دکھاتا ہے — یہ وہ صدمہ ہے جو اب راتدن ہمکو ستاتا ہے

یہ درد دل وہ ہے جو ہیم سناتے ہیں زمانے کو
یہ وہ زخم جگر ہے جو دکھاتے ہیں زمانے کو

آخری تیر

(از جناب محمد عبد الشکور صاحب ایم۔ اے علیگ)

فیروزہ کے حسن و جمال کا دور دورہ شہرہ تھا۔ عاشقان جانباز اس کی شمع حسن پر پروانہ وار فدا ہوتے تھے اور طالبان صادق کی تعداد روز افزوں ترقی پر تھی اسکی ساحر بکف آنکھوں نے اس کی لانبی لانبی محشر بدوش زلفوں نے اس کی قیامت خیز رفتار نے شائقین کو ہمیشہ مضطرب و بے چین رکھا اور اس کی پرستش پر مجبور کیا۔ اختر بھی اس کا ایک سچا شیدائی تھا۔ جس نے کئی سال سے اس کی بارگاہ ناز میں جبہہ سائی کی تھی اور رفتہ رفتہ اپنی بیوی بچوں سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر اسی کا ہو رہا تھا۔ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ اختر کو چاہتی تھی اور اس سے محبت کرتی تھی کیونکہ اس بازار میں جہاں زر و سیم کی پرستش ہوتی ہے جنس محبت کمیاب ہوتی ہے مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اختر کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ اور اس کی آمد و رفت اور گرویدگی کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتی تھی۔

اس وقت اختر اور فیروزہ دونوں ایک ہی کمرہ میں بیٹھے شراب پی پی کر پیار و محبت کی باتوں میں محو تھے۔ اور خدا کی وسیع دنیا کی کوئی فکر ایسی نہ تھی جو ان کے عیش و عشرت میں مخل ہوتی۔ اختر شاعرانہ انداز سے کبھی فیروزہ کی رعنائی جمال کی تعریف و توصیف میں ترزبان ہوتا اور کبھی اپنی پائدار محبت کے استحکام اور اپنی وفاشعاری کے پے در پے ثبوت دیتا تھا اور بار بار اس فقرے کو ایک خاص گرمجوشی کے ساتھ دہراتا تھا۔

"پیاری فیروزہ! آفتاب عالمتاب تیرہ و تار ہو سکتا ہے زمین اپنے محور پر مستقلاً قایم ہو سکتی ہے دریا اپنی روانی اور چناب اپنی ضیا پاشی بھول جائے مگر اختر فیروزہ کی پرستش سے دست بردار ہو ممکن ہی نہیں۔"

فیروزہ اپنے عاشق کی سرگرمی دیکھتی اور مسکراتی۔ اسی پر کیف گفتگو کے دوران میں دروازہ پر کسی نے دستک دی اختر چونک اٹھا وہ اسوقت سلیپر اور قمیص پہنے ہوئے بالکل بے تکلف بیٹھا ہوا تھا اس نے فیروزہ پر یک استفسارانہ نگاہ ڈالی اور پوچھنے لگا۔

"کوئی چھوکرا ہوگا؟ ..... یا ممکن ہے ڈاکیہ ہو"

"بہت ممکن ہے ..... مگر شاید کوئی اور ..... ایکٹر اور دستک دیگی"

اختر کو ڈاکیہ کی یا کسی چھوکرے کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی وہ دن میں بسا اوقات اور شب میں فیروزہ ہی کے آغوش محبت میں رہتا تھا۔ ان لوگوں کی نگاہوں سے کہاں تک پوشیدہ رہتا مگر اس خیال سے کہ شاید کوئی اور ہی ہو اس نے اپنی شرعانی

کھونٹی پر سے اتاری اور قبل اس کے فیروزہ دروازہ کھولے ایک ایسے قریبی کمرہ میں پناہ گزیں ہوا جہاں وہ آنے والے شخص کی باتیں بخوبی سن سکتا تھا۔

فیروزہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا مگر آنے والے کو دیکھ کر پریشان و ششدر ہوئی چھوکرے اور ڈاکیہ کا تو کیا ذکر اور کوئی شناسا بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک قبول صورت پری پیکر خاتون اس کے دروازے کے سامنے موجود تھی۔ سراسر اجنبی شاید ایسی پاکیزہ صورت اور ایسی معصوم اور مظلوم نگاہیں فیروزہ نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھی تھیں تمام جسم ایک سفید چادر میں ملفوف سمٹا سمٹایا ہوا عضو عضو سے سادگی اور شرم و حیا ٹپکتی تھی۔ فیروزہ اس محیر العقول منظر کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئی شاید وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہ رہ سکتی تھی۔ اس کے زرد زرد پتلے پتلے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور وہ چاروں طرف متوحش نگاہیں ڈالکر بولی۔

"کیا میرے شوہر یہاں ہیں؟"

فیروزہ نے اس پر ناقدانہ نظر ڈالی اس آنکھوں کے حلقوں پر اور اس کے بسنتی رخساروں پر آنسوؤں کے آثار موجود تھے۔ شاید وہ راستہ میں روتی ہوئی آئی تھی اور اب بھی اس کے جذبات کا تلاطم سرکشی پر آمادہ تھا۔ فیروزہ پر اسکی سہ پیرئت کذائی اور مجموعی حالات کا اثر نہایت گہرا ہوا اور شوہر کا لفظ سنکر اس کے ہوش و حواس پریشان ہونے لگے!

"شوہر؟" وہ بولی "کس کا شوہر۔ کونسا شوہر؟"

"میرا شوہر ..... اختر ..... !!"

"نہ ..... نہیں ....."

"میں سچ کہتی ہوں میں کسی کے شوہر کو نہیں جانتی یا"

دو منٹ بالکل عالم سکوت میں گذرے (اجنبی عورت) خاتون نے کئی دفعہ اپنے زرد زرد لبوں پر رومال پھیرا اپنی سانس پر قابو پانے کی کوشش کی اپنی ہمت اور اپنے عزم کو استوار اور مستحکم کیا خاموش اور ساکت فیروزہ حیرت زدہ کچھ کہنا چاہتی تھی لحظہ بہ لحظہ مرعوب ہوتی جاتی تھی۔

اجنبی خاتون نے کڑک کر کہا تم تو یہ کہتی ہو کہ وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"معلوم نہیں آپ کیسے دریافت فرماتی ہیں؟"

اجنبی خاتون نے فیروزہ پر تیز نظر کی اور نہایت تحقیرانہ لہجہ میں کہنے لگی۔

"تم کمینی، مکروہ اور نہایت ہی بدذات ذلیل ہو۔ میں مجبور ہو کر یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں تمہیں خدا سمجھے گا"

یہ الفاظ سنکر فیروزہ رو دی اور اسے یقین سا ہو گیا کہ میری صورت بھی اس اجنبی کو مکروہ معلوم ہو رہی ہے وہ اپنے نازک لبوں، درخشندہ رخساروں اور سیاہ بالوں کا خیالی جائزہ کر پانی پانی ہوئی جاتی تھی۔ حالانکہ اس کے حسن عالم سوز

کے بھی رسیلے اجزاء تھے جن کی بدولت اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے۔ یا اب یہ کیفیت تھی کہ یہی باتیں اس کے دل میں کھٹک رہی تھیں اس نے جلد محسوس کیا کہ میرے چہرہ کا پوڈر میرے گالوں کی مصنوعی سرخی اور میری بارونق پوشاک میری اصلی حالت زار کی غمازی کر رہی ہیں۔ کاش میری حالت ایسی تباہ نہ ہوتی کہ اس اجنبی خاتون اس پیکر روحانی اس مجسمہ نورانی اس ہیکل صدق و صفا سے دوبدو ہو کر ہمکلام ہو سکتی۔ روپیہ پیسے مال و دولت میں اس سے مقابلہ کر سکتی ہوں۔ شہر کے تمام عمائدین اور معتقد اصحاب میری نگاہ لطف کے امیدوار ہیں مگر وہ کونسی کمی ہے وہ کس صفت کا فقدان ہے جس کی وجہ سے بھولی بھالی مسکین صفت خاتون کی سخت و سست باتیں سن رہی ہوں۔

فیروزہ ان ہی خیالات میں مست و غرق تھی۔ کہ اجنبی خاتون پھر بولی:

بتاؤ میرا شوہر کہاں ہے؟ ..... خیر مجھے اس کے متعلق پتہ نہیں کہ وہ یہاں ہیں یا نہیں مگر میں تمکو یہ بتانا چاہتی ہوں بندہ کا روپیہ غائب ہے۔ اغلباً غبن ہوا اس لئے لوگ اس کی جستجو میں ہیں اور اسکو گرفتار کرنا چاہتے ہیں ..... یہ سب تمہارے کرتوت ہیں ..... تمہارے نابکار کرتوت!!"

یہ کہکر اجنبی خاتون کھڑی ہو گئی اور کمرے میں بے تابانہ انداز سے ٹہلنے لگی۔

فیروزہ کا خون برابر ترقی پر تھا مگر وہ اس کا سبب معلوم کرنے سے قاصر رہی؛

مجھے معلوم ہے کہ وہ پکڑ کر گرفتار کر لئے جائیں گے"

یہ کہکر ماہ وش خاتون نے ایک چیخ ماری اور بے دم ہو کر کرسی پر لیٹ گئی۔

مجھے معلوم ہے کہ انسپکٹر کو اس ذلیل حالت میں کس نے پھنسایا مجھے اس کی خبر بھی ہے کہ میں بالکل بے دست و پا ہوں بالکل بے کس۔ تو مجھ سے کہیں زیادہ اچھی حالت میں ہے۔ مگر ہاں صرف خدا کی ایسی ایک ذات ہے کہ مجھکو خاقہ کشی کی تکلیفوں اور عریانی کی شرم کو بچا سکتا ہے۔ خدا سب کو دیکھتا ہے سب کچھ سنتا ہے۔ تیری ناپاک حرکتیں بھی اور میری آہ و فریادیں بھی۔ وہ مہربان ہے منصف ہے۔ اے ذلیل عورت۔ وہ میرے ہر آنسو کے لئے تجھے سزا دیگا میری نیند سے خالی ہر رات تجھ پر بلا بن کے ٹوٹیگی۔

اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ خاتون ٹہل ٹہل کر کف افسوس ملتی تھی۔ اور اپنی آنے والی مصیبت کا اندازہ دل ہی دل میں کرتی جاتی تھی۔ فیروزہ نے اسپر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی۔ اور کہنے لگی۔

محترم خاتون۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی" فیروزہ کہنے کو تو کہہ گئی مگر اس کا دل ایک گیلے کے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

تم جھوٹ بول رہی ہو میں تم کو مدت سے جانتی ہوں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس ماہ میں اس نے ساری راتیں تمہارے پہلو میں بسر کیں"

پھر کیا ہوا؟

فیروزہ نے دل قوی کرکے کہا "میرے بہت سے ملاقاتی ہیں مگر کسی کو یہاں آنے پر مجبور نہیں کرتی۔ تمہارے شوہر کو بھی کامل آزادی ہے وہ چاہے کہیں جائے۔ میں کچھ نہیں کہتی"

میں نے تم کو بتا دیا۔ اس وقت جذبات کا سوال نہیں ہے۔ بنک کا روپیہ غائب کر دیا۔ وہ ایک سنگین جرم میں ماخوذ ہیں تجھ جیسی ناپاک ہستی کی خاطر (غصہ سے بے چین ہو کر) اے ساحرہ! سن!! تیری زندگی ہے اور مقصد حیات!! اگر یقیناً تو اتنی بھی پست نہیں ہے کہ تیرا دل معمولی انسانی جذبات سے بھی خالی سمجھا جائے۔ اس بدنصیب اختر کی ایک ناتوان بیوی بھی ہے اور بچے بھی اور اگر وہ خدانخواستہ جیل خانہ میں بھیج دیا گیا تو ہم ایک معینہ مدت تک فاقوں کی مصیبت میں پھنس جائیں گے اب تم سمجھیں! اب بھی اس تباہی اور بربادی سے بچنے کی امید ہے۔ صرف نو سو روپوں کی ضرورت ہے صرف نو سو روپوں کی۔

فیروزہ چیں بجبیں ہو کر "کیسے نو سو روپے۔ میرے پاس کسی کے نو سو روپے نہیں۔ میں....."

میں تمہارے روپوں کی طالب نہیں ہوں۔ نہ مجھے تمہارے کسی شئے کی ضرورت ہے۔ مگر تم جیسی عورتوں کو اکثر بڑے قیمتی تحائف دیئے جاتے ہیں۔ صرف مجھکو وہ چیزیں واپس کر دو جو میرے شوہر نے تمکو دی ہیں"

"محترم خاتون! تمہارے شوہر نے کوئی تحفہ نہیں دیا"

تو پھر اس قدر روپیہ کہاں گیا۔ اس نے میرا ذاتی، اپنا اور پھر دفتر کا یہ سب روپیہ کہاں برباد کیا؟ دیکھو میں تم سے منت کرتی ہوں میں نے غصہ کی حالت میں تمہیں بہت کچھ برا کہا۔ اس کی میں تم سے معافی چاہتی ہوں تم مجھ سے نفرت نہ کرو یہ دیکھو میری کیا حالت ہے اور مجھ پر کیا گذر رہی ہے"

فیروزہ نے کہا مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے مگر خدا گواہ ہے کہ اس نے مجھے صرف دو چھوٹے چھوٹے تحفے دیئے ہیں جو نہایت خوشی سے آپ کو دیتی ہوں"

یہ کہکر اس نے بکس کھولا اور ایک طلائی گلوبند اور انگشتری نانون کے سامنے پیش کر دی جنکو دیکھ کر معصوم صفت خاتون کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور برافروختہ ہو کر بولی۔

میں تم سے خیرات نہیں مانگتی۔ میں تم سے بھیک چاہتی ہوں۔ میں تم سے وہ چیزیں طلب کرتی ہوں جو دراصل تمہاری نہیں ہیں۔ بلکہ جو تم نے میرے شوہر کی آنکھوں کو خیرہ کر کے اور اس کے ہوش و حواس کو سلب کر کے حاصل کیں۔ تم نے میرا آرام میرا چین۔ میری خوشی۔ میرے گھر کی رونق۔ یہی نہیں بلکہ میری سب سے عزیز شئے میرے سیہ خانہ دل کی شعاع تنہا۔ یعنی میرا شوہر مجھ سے چھینا کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک باعصمت عورت کی نظروں میں اس کے شوہر کی کیا وقعت اور حیثیت ہوتی ہے ..... یہی نہیں بلکہ ..... اب ..... اب تم جھوٹ بول رہی ہو۔ گذشتہ جمعرات کو جب تم اختر کے ساتھ ساتھ سکندر باغ میں چہل قدمی کر رہی تھیں اسوقت میں نے سنا ہے کہ تمہاری

ناپاک دربافروختہ ہوکر، گردن اور تمہارا بے حیا سینہ قیمتی زیورات سے مرصع تھا۔ مجھ سے چالیں نہ چلو۔ مجھ سے باتیں نہ بناؤ۔ میں تم سے آخری مرتبہ دریافت کرتی ہوں کہ تم مجھے وہ زیورات دو گی یا نہیں۔ مجھے صرف ۹ سو روپے درکار ہیں"

محترم خاتون!" فیروزہ کچھ دیر خاموش اور حیرت زدہ رہ کر بولی" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہتی ہیں یں پھر آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے اختر نے صرف یہ دو زیور دیئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی قیمتی چیز مجھے نہیں دی گئی"

"سبحان اللہ" یہ کہکر عصمت آب خاتون کرسی پر بیٹھ گئی اور کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا کر بولی۔

افسوس! اگر نو سو روپیہ نہ ملے تو اختر گرفتار ہو جائیگا۔ اور ہم سب لوگ برباد اور خستہ ہو جائیں گے یا اللہ کیا میں اس ذلیل عورت کو مار ڈالوں ..... یا پھر ایک دوسری صورت ہے۔ میں اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دوں" یہ کہہ کر خاتون نے چہرہ پر رومال رکھا اور زار و قطار رو کر ان الفاظ میں یاد کرنے لگی۔

یا اللہ! ان بچوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ جو ان پر یہ ظلم کیا جا رہا ہے"

فیروزہ جس کی حیات خفتہ اس محترم خاتون کو دیکھتے ہی بیدار ہو چلی تھیں۔ اس دلدوز تقریر سننے کے بعد بغیر متاثر ہوئے نہ رہی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں رگوں میں اس کا خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ اور اس کے جسم کا رنگ رونگٹا مشتعل ہو گیا۔ یہ فرشتۂ رحمت، یہ جنت کی معصوم حور یہ عصمت کی دلربا دیوی۔ یہ ایثار عظیم کی پیاری تصویر میرے غلیظ قدموں پر۔ یہ عصمت آب پری تمثال خاتون جس کے ہوئے عنبریں ارواح قدسیہ کی شام نوازی کرتے ہیں۔

غریب فیروزہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اور فضا نے تخیل میں اسے چند ایسے بچے نظر آرہے تھے جن کو بھوک و پیاس کی شدت نے بیقرار کر دیا تھا۔ اور جو فقیرانہ لباس کی وجہ سے موسم کی گستاخ دستیوں کا شکار ہو رہے تھے۔

کیسا دردناک اور دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ ایک پاکباز، مہذب، شریف النفس، عالی خاندان، نیک طینت شریف زادی اپنے ایسے بے رحم شوہر کی امداد کے لئے دیوانہ وار پھرے۔ اور جس کے جور و ستم نے اس کو ان شبینہ کا بھی محتاج کر دیا ہو۔ نہ صرف دیوانہ وار پھرے بلکہ ایسی گندی بازاری عورت کے ناپاک قدموں پر سر رکھنے کے لئے بھی تیار ہو جائے جو زر و جواہر کی عارضی روشنی سے چکا چوند ہو کر ہر شب متاع عصمت فروخت کرتی ہے۔

آہ وہ گھنٹہ پیشتر وہ کچھ اور تھی۔ حرص و آز کی مجسم تصویر۔ بداخلاقی اور کذب و فریب کی پتلی۔ انسانی لباس میں ایک زہریلی ناگن ناممکن تھا کہ کوئی شخص اس کے دام فریب میں پھنسے۔ اور تباہ و برباد ہو کر نہ جاتا ایک اختر بیچارہ کیا اپنے خدا جانے کتنے بانکے رئیس زادوں کو برباد کر چکی تھی۔ اب بھی مشہور تھا کہ فیروزہ کے گھر سے صحیح و سالم واپس آنا ممکن نہیں آفتاب حسن کی جہاں شعاعیں پڑتیں آنکھوں کو خیرہ اور دماغ کو معطل، اور عقل و خرد کو نیست و نابود کر دیتیں۔ یہ بالکل یہ عالم تھا کہ ایک ناتواں بیکس لاچار مفلوک الحال کمزور عورت نے اسپر جادو کر دیا۔ یکلخت پر ہیبت ہو گئی اسکو دنیا تیرہ و تاریک نظر آنے لگی جسمیں اسکی گذشتہ زندگی کا چشمہ سیاہ پانی سے لبریز ابلتا ہوا بہ رہا تھا وہ اسکے کنارہ پر کھڑی تھی اور اسمیں جا رہی تھی ایک چشمہ

ہی کیا بلکہ چشم تخیل سے، اس نے جدھر دیکھا خوفناک اور تباہ کن مناظر ہی نظر آئے وہ چلا اٹھی:۔

بیوی صاحبہ! لیجئے یہ سب حاضر ہے۔ میں اپنی ساری دولت آپکے سپرد کرتی ہوں یہی نہیں بلکہ میں خود آپ کے قدموں پر گرتی ہوں۔ پاکیزہ مزاج خاتون نے اپنے ترکش کے اس آخری تیر سے دو کامیاب نشانے مارے۔ نہ صرف فیروز ہی کی کایا پلٹ ہوگئی بلکہ اختر نے بھی اپنی زندگی کا ایک نیا باب کھولا۔ جو ذمہ داری، راست بازی اور پاکیزگی سے لبریز تھا:

نوحۂ اسلام

مولوی شمس الحق صاحب نظامی بچھراونی

ماتم ہے شہید کربلا کا — ہنگام ہے نالہ و بکا کا — اے مسلم خستہ زار و بیکس
دنیا اوڑھے سیاہ چادر — بادل میں چھپا ہے ماہ پیکر — تو بھولگیا سبق وہ اپنا
ہر آنکھ سے اشک خوں ہو جاری — ہر لمحہ ہو غم کا ابر طاری — ذرے ترے منتشر ہوئے ہیں
ہر سینہ ہو آہ سے شرر بار — ہر آنکھ ہو اسکے غم میں بیمار — شیرازہ ترا بکھر گیا ہے
اسلام کا باغ خشک سا تھا — شبیرؓ نے اپنے خوں سے سینچا — بھولا نہ تھا غم حسینؓ کا تو
جاں دیکے بچایا اپنے دیں کو — سکھلایا سبق یہ اہل کیں کو — تو دوسری چوٹ دل پہ کھائی
وہ خون جو مایۂ جہاں تھا — جو غنچۂ روضۂ جناں تھا — کر حق سے دعا تجھے بچائے
شبیرؓ نے اس طرح بہایا — ہر ذرہ کو مشک میں نہلایا — ناموس نبیؐ کو رکھے محفوظ
وہ لوہ و نیش و ریگ صحرا — بھون جائے خاک کا بھی کیا — ہو اسکا ادب ہر اک کو ملحوظ
اس لعش پہ لاش شاہ تڑپی — اک برق تپہ دل پہ چمکی — بچھڑے ہوؤں کو گلے ملادے

کیوں ہنستا ہے تجھ پہ آج ہر کس — شبیرؓ نے خون سے جو لکھا — پتے ترے دھوپ میں پڑے ہیں
توحید کا رنگ اڑ گیا ہے — سوکھے نہ ابھی تھے تیرے آنسو — پر چیخ اٹھا کہ حسین کی دہائی
اس غم کے ہجوم سے چھڑائے — ہو اسکا ادب ہر اک کو ملحوظ — منت نہ اٹھائیں ہم کسی کی

یارب ہمیں دین حق سکھادے
بھولا ہوا پھر سبق پڑھادے

(فسانہ)

"چچا میاں"

ہمارے مکان کے سامنے ہی ایک مکان عرصہ سے کرایہ کے واسطے خالی تھا اور کوئی کرایہ دار اس لئے اس مکان میں نہ آتا تھا کہ اول تو وہ بہت بڑا تھا۔ دوسرے اس کا کرایہ بھی وسعت کے اعتبار سے معمولی نہ تھا۔ پانی کا نل بجلی کی روشنی چوبارہ باتھ روم ٹینس لان۔ غرضکہ ضرورت کی سب چیزیں اس میں موجود تھیں۔ کچھ دن ہوئے تین ماہ کے لئے مظفر نگر کے رئیس بغرض علاج اس مکان میں ٹھیرے ہوئے تھے مگر ان کے بعد سے اب تک کوئی نیا کرایہ دار نہیں آیا تھا۔ رئیس صاحب تین مہینہ میں اتنے تعلقات ہم لوگوں میں پیدا ہو گئے تھے کہ آجتک خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اسی طرح ہمارا دل چاہتا تھا کہ اس مکان میں کوئی معقول آدمی مستقل طور پر ٹھیرے تاکہ اس سے تعلقات پیدا کر کے تھوڑا بہت وقت دلچسپی میں گزار لیا کریں۔ اس لئے کہ ہمارے محلہ میں اول مکان بہت دور دور بنے ہوئے ہیں دوسرے کوئی شخص بھی نہیں رہتا جس سے تعلقات پیدا کر کے ہمسائگی کا لطف اٹھایا جائے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دفتر کے اوقات کے علاوہ یا تو گھر میں پڑے رہتے تھے یا ٹہلنے کے لئے تھوڑی دور چلے جاتے تھے مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ لطف جو ایک ہمخیال اور معقول پڑوسی کے حاصل ہو جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ہم تقریباً بالکل محروم تھے۔

تین سال تک وہ مکان بالکل خالی رہا اس کے معنے یہ ہوئے کہ تین سال تک ہم اپنی فرصت کے اوقات ادھر ادھر منتشر کرتے پھرتے۔ آخرکار ایک معمر پنجابی اس مکان میں آکر ٹھیرا۔ اس شخص کے ساتھ چار عورتیں دو چھوٹے چھوٹے بچے اور دو ملازم تھے۔ حالانکہ ان لوگوں میں سے کوئی بھی ہماری دلچسپی کے لئے کوئی موزوں نہ تھا عورتوں سے ہمیں کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا۔ بچے ہمارے لئے بیکار تھے۔ اس لئے کہ ہم کو بچوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ملازم ہمارے کس کام کے رہے۔ صاحب خانہ وہ اس قدر معمر رسیدہ تھے کہ ہمارا انکا کوئی جوڑ ہی نہ تھا۔ مگر پھر بھی ویرانے سے آبادی کا ہو جانا ہم نے غنیمت سمجھا اور اپنے آس پاس انسان کی صورت دیکھ کر ہماری وحشت بھی کم ہوئی ہم خود اپنے نئے ہمسایہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے گئے اور ادھر ادھر کی ایک آدھ رسمی بات کر کے چلے آئے دوسرے دن پھر گئے اور تھوڑی دیر تک گفتگو کر کے چلے آئے۔ تیسرے دن ہمارے نئے پڑوسی ہمارے مکان پر خود آئے اور ہم نے ان کو عزت کے ساتھ کرسی پر بٹھا دیا۔ حقہ پان اور چائے سے تواضع کی اور بہت ادب کے ساتھ ان سے باتیں کرتے رہے ہم کو اپنے پڑوسی کے متعلق یہ اندازہ ہوا کہ یہ حضرت ہیں تو بڑے میاں مگر بہت دلچسپ ہیں۔ ان کی باتوں سے بہت دل لگتا ہے اور ہمکو بھی احساس ہوا کہ بڑے میاں ہمارے ساتھ بالکل اسی طرح پیش آتے ہیں جس طرح کوئی بزرگ اپنے چھوٹے بچے

ساتھ پیش آئے۔ وہی سمجھا سمجھا کر ناصحانہ لب ولہجہ اپنے تجربہ کو ہماری ناتجربہ کاری پر غالب رکھنے کا انداز وہی باتیں جو ہمارے جو ہمارے بزرگ ہم سے کہا کرتے تھے۔ ان حضرات نے بھی شروع کیں اور ان کی ان باتوں سے ہمارے دل میں بھی ان کے لئے ایک احترام آمیز جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کی طرف سے بزرگانہ شفقت اور ہماری طرف سے احترام۔ آپس کے تعلقات کو روز بروز بڑھانے لگے۔ اور اب یہ ہمارا معمول ہو گیا کہ دفتر سے واپس آکر روزانہ چائے ہم اپنے پڑوسی کے یہاں پیتے تھے اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے معمر پڑوسی جن کو ہم نے چچا میاں کہنا شروع کر دیا تھا۔ ہماری دفتر کی واپسی کا بالکل اسی طرح انتظار کرتے تھے جس طرح ہم دفتر سے چھوٹ کر اپنے پڑوسی کے یہاں پہنچنے کے لئے ایک ایک منٹ گنا کرتے تھے یہ سب باتیں ایسی تھیں جنہوں نے تھوڑے ہی دن میں ہمارے اور ان کے تعلقات کو عزیزانہ تعلقات بنا دیا تھا۔ ہمارے پڑوسی کا کوئی معاملہ ایسا نہ تھا جو ہم سے پوشیدہ ہو اور کوئی بات ایسی نہ کی جاتی تھی جس میں ہمارا مشورہ شریک نہ ہو۔

ایک دن ہمارے دفتر میں تعطیل تھی مگر معلوم نہیں کیوں۔ میں نے زیادہ وقت اپنے مکان پر ہی گذارا آخر کار ہمارے پڑوسی نے آدمی بھیجکر ہم کو بلوایا جس وقت ہم ان کے پاس پہونچے وہ آرام کرسی پر اس انداز سے بیٹھے تھے گویا صرف ہمارا انتظار کر رہے ہیں مجھ کو دیکھ کر اپنے مخصوص انداز سے بولے:

آئیے میاں سلیم۔ آج تو آپ نے تعطیل کا دن سو کر گذار دیا؟

میں نے جواب دیا۔ جی نہیں چچا میاں میں سو نہیں رہا تھا۔ بلکہ آج کا پروگرام اس قدر طویل ہو گیا کہ حاضر نہ ہو سکا عام ہفتہ کی ضروریات آج ہی کے لئے ملتوی ہوتی رہیں لہٰذا آج رخصت کا دن سب سے زیادہ مشغول دن بن گیا۔

چچا میاں۔ یہ بات ہے۔ میاں سلیم کہ تم اپنے نام کی مناسبت سے اس قدر سلیم الطبع اور سعید واقع ہوئے ہو کہ میرا دل تمہاری باتوں سے اور تم سے ملکر بہت خوش ہوتا ہے خدا تمہاری عمر میں برکت دے خوش نصیب ہیں وہ والدین جن کی اولاد تمہارے جیسی ہو۔

میں سر جھکائے سنتا رہا اور میرا دل اس تعریف سے باغ باغ ہو رہا تھا جب چچا میاں نے اپنا جملہ ختم کر لیا تو میں نے بات ٹالنے کے لئے کہا:

چچا میاں۔ آج میں چائے اسی وقت پیونگا اس لئے کہ بغیر دو مرتبہ چائے پیئے ہوئے تعطیل نہیں معلوم ہوتی۔

چچا میاں:۔ ضرور ضرور ابھی چائے منگاتا ہوں۔ آج تو تمہاری چچی نے تمہارے لئے اپنے وطن کا خاص طور پر بنایا ہے۔ وہ بھی تعطیل کے جشن میں چائے کے ساتھ اڑے گا۔

چچا میاں نے چائے کا حکم دیدیا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں معلوم نہیں چچا میاں کو بیٹھے بیٹھے کیا سوجھی کہ میرے تمام خاندانی حالات پوچھنا شروع کئے۔ میں بھی بتاتا رہا اور وہ غور سے سنتے رہے۔ جب میں اپنی گفتگو ختم کر چکا تو کہنے لگے میاں سلیم۔ آج میں تم کو اپنی زندگی کے کچھ واقعات سناؤں گا۔ جن کو آج سے پہلے میں نے کسی کو نہیں سنایا

اور میں جانتا ہوں کہ ان واقعات سے تم خاص دلچسپی لوگے اس لئے کہ وہ میرے شباب کی داستانیں ہیں۔

میں ہمہ تن گوش ہو کر چچا میاں کی طرف متوجہ ہو گیا چائے بھی آچکی تھی۔ اس لئے چائے نوشی اور داستان گوئی ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔

(۲)

میاں سلیم! میں تم کو اپنی زندگی کے وہ واقعات سنانے والا تھا۔ جنہوں نے میری زندگی کو ایک طوفان خیز سمندر بنا رکھا۔ اور ان واقعات کے سنانے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں جو تجربے حاصل کئے ہیں۔ ان سے تم کو بھی بے خبر نہ رکھوں۔ میاں سلیم! یاد رکھو کہ انسان کی دور روزہ زندگی میں کم و بیش واقعات پیش آتے ہیں جو مجھ کو پیش آئے ہیں مگر کوئی ان واقعات سے اتنا سبق نہ لیتا ہوگا جتنا کہ میں نے لیا۔ میں ایک امیر کبیر باپ کا بیٹا تھا مجھ کو ناز و نعم میں پالا گیا تھا میں گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھا اور لاڈ پیار میں مجھ کو بے حد خراب کر دیا گیا تھا نتیجہ ہوا کہ جب مجھے پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا تو میرا دل کسی طرح پڑھنے میں نہ لگتا تھا۔ آج درد سر کا بہانہ ہے تو کل درد شکم کا۔ غرضکہ اسی طرح میں پڑھنے سے بچتا رہا۔ اور اچھی خاصی عمر تک پڑھنے سے بچتا رہا اور کچھ نہ پڑھا۔ والد نے تو اس کی کچھ پرواہ نہ کی مگر چچا نے میرے ساتھ سختی برتنی شروع کر دی وہ یہی چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے میں تعلیم حاصل کروں اور انکو میرا تعلیم سے جی چرانا بہت برا معلوم ہوتا تھا۔ چچا کی اس سختی پر والد کا تو میں اندازہ نہ کر سکا لیکن والدہ کو میں نے دیکھا کہ بہت ناگواری سے فائدہ اٹھا کر اور بھی سر چڑھتا چلا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چچا کے بھی والدہ کی ناگواری کو محسوس کر لیا۔ اور مجھ سے پڑھنے کے متعلق کچھ کہنا چھوڑ دیا۔ میں اب بچہ بھی نہ تھا کہ میرے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا جاتا۔ مختصر یہ کہ میں نے پڑھنا بالکل چھوڑ دیا اور اپنے ہمعمر لڑکوں کی صحبت میں دن بھر ادھر ادھر پھرا کرتا تھا۔ سگرٹ پیتا۔ تمباکو کھا۔ حقہ پیتا یہ سب باتیں تو خیر گھر میں سیکھ چکے تھے۔ اب آوارہ لڑکوں کی صحبت میں پتنگ بازی بٹیر بازی تاش وغیرہ میں مہارت حاصل کرنا شروع کر دی اور تمام دن انہیں مشاغل میں محو رہ کر تربیت اور تعلیم کا قیمتی زمانہ گذارتے رہے۔

میاں سلیم! تم سمجھ سکتے ہو کہ جس لڑکے کا بچپن اس طرح تباہ ہو چکا ہو اس سے کیا امید کی جا سکتی ہے۔ ہمارا بچپن تو اس طرح گذرا۔ اب جوانی آئی اور ہم میں وہ صفات پیدا ہو گئیں جو از روئے قاعدہ ہونی چاہئے تھیں تھیٹر اور بائیسکوپ میں رات گذارنے لگے اور تمام دن چوسر شطرنج اور تاش وغیرہ میں ختم ہو جاتا تھا۔ شام ہوئی اور ہم نے کنگھی، سرمہ سے سنگار کرنا شروع کر دیا۔ اور بن ٹھن کر کسی دوست کے ساتھ چوک میں ٹہلنے کے لئے پہنچ گئے۔ اب ہماری پہنچ عالم بالا میں بھی ہونے لگی تھی اور باپ دادا کی جمع کی ہوئی کمائی اڑانے کے ذرائع ہمارے ہاتھ لگ گئے تھے۔ اب تک تو خیر ہمارے والد بالکل خاموش تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو ہماری شادی کرنے کی فکر شروع کر دی۔ ہم کو بھی اسکی خبر ہو گئی۔ کہ اب بہت جلد شریک حیات کے پھندے میں ہم کو پھنسنا پڑے گا مگر ہم نے

اپنی حرکات اور معمول میں کوئی تبدیلی نہیں کی وہی دن بھر احباب کی گرم محفل میں چوسر کی بازی وہی شام کو چوک کا طواف اور وہی رات کو تھیٹر ہال کی حاضری بدستور جاری رہی۔ انہی دنوں کلکتہ کی ایک کمپنی آئی ہوئی تھی ہم نے بھی طے کر لیا کہ چاہے جو کچھ ہو جب تک یہ کمپنی ہے ہمارا رات کا سونا قطعی حرام ہے۔ چنانچہ ہم جہاں نو بجے تھیٹر ہال میں دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے سر پر اد بار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے اچھا برا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آنکھ بند کر کے جو کچھ جی میں آتا تھا کر رہے تھے۔ یہ روزانہ کا تھیٹر دیکھنا آخر کار رنگ لایا۔ ایک ایکٹرس سے محبت شروع ہو گئی۔ میاں سلیم! اسکو غور سے سنو کہ مجھ کو اس ایکٹرس کے حسن میں اپنی موت و زندگی پہلو بہ پہلو نظر آتی تھی۔ اور میں نے طے کر لیا کہ میں اپنی تمام دولت اور راحت کی قربانی کر کے جس طرح بھی ہو گا۔ اس کو حاصل کرونگا۔ روپیہ کی میں نے اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہ سمجھی عزت بھی اسپر قربان کر دی اور اس کو عدم سمجھ کہ میں نے تھیٹر میں ایکٹر کی حیثیت سے صرف اس لئے نوکری کر لی کہ میں ہر وقت اس سے قریب تر رہوں۔ میرے والدکان واقعات کی اطلاع ہو گئی۔ اور انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ایک باپ اپنے گمراہ بیٹے کو راہ راست پر لانے کے لئے کر سکتا تھا۔ مگر میں دل سے مجبور تھا۔ اور میں بجائے اس کے کہ اس کو چھوڑ دوں۔ اس کے لئے تیار ہو گیا کہ میرا باپ اور میرا خاندان مجھ کو چھوڑ دے۔

میں تھیٹر کمپنی کے ساتھ الہ آباد سے لکھنؤ آیا اور اس عرصہ میں میں نے اس ایکٹرس کو اپنے سے بہت کچھ مانوس کر لیا

(۳)

چچا میاں اپنا قصہ کہتے کہتے کچھ رک گئے اور ایک ٹھنڈی سے کر آرام کرسی پر دراز ہو گئے۔ حقہ کا ایک آدھ کش لیا اور پھر اٹھ بیٹھے۔ حقہ میری طرف بڑھایا اور کہنے لگے۔ ہاں تو میاں سلیم جب ہماری کمپنی لکھنؤ پہونچی تو میں اس قابل ہو چکا تھا کہ اسٹیج پر کام کر سکوں۔ چنانچہ ایک ڈرامہ میں مجھ کو خدمتگار کا پارٹ دیا گیا جس کو میں نے اس حسن و خوبی سے سرانجام دیا کہ مجھ کو اس خاص پارٹ ملنے لگے۔ یہاں تک کہ جس دن اس کمپنی کا مشہور کھیل "در شہوار" جاری ہے۔ پبلک صرف یہ سنکر کہ میرو کا پارٹ میں کروں گا اس کثرت سے آئی کہ مجبوراً ٹکٹ بند کر دینا پڑا۔ اس قاعدہ میں ہیرو کا پارٹ میں کر رہا تھا اور ہیروئن وہ ایکٹرس تھی۔ اتفاق سے دن ایکٹ بھرتے ہوئے دو تین مرتبہ میں اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکا اور وہ حرکتیں ہو گئیں جن سے مجھ سے سمز دہ ہو گئیں جن سے تماشائی تو چاہتے تھے۔ کچھ نہ سمجھے ہوں لیکن کمپنی والے سمجھ گئے کہ میرے کو اس ایکٹرس سے لگاؤ ہے۔ اور یہ بات کو ہماری کمپنی میں کسی طرح جائز نہ سمجھا جاتا ہے۔ خیر یہ آفت تو آ ہی چکی تھی۔ ایک نئی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اسی دن ایک تعلقہ دار صاحب تماشا دیکھنے آئے تھے۔ جو میری محبوبہ پر ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ اس کی خبر مجھ کو اس وقت ہوئی جب کوئی بات میرے قابو میں نہ تھی۔ ایکٹنگ میں جو حرکتیں مجھ سے سمز دہ ہو گئی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو اور اس ایکٹرس کو کمپنی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور علیحدگی کے بعد ہی وہ ایکٹرس اپنے تعلقدار صاحب کے ساتھ ان کے مکان پر چلی گئی۔ اس کے مکان چلے جانے کے بعد میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا۔ میں نے

ایک پیسہ کو محتاج تھا بے یار و مددگار تھا۔ جس کے لئے میں نے دنیا بھر کو ٹھوکر لگائی تھی۔ وہ مجھ کو اس طرح چھوڑ چکی تھی اور میرا تمام نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ میں نے چاہا کہ مکان پر واپس جاؤں مگر ہمت نہ ہوئی۔ پردیس میں فاقہ کشی کی مصیبت کرنا گوارا تھی مگر یہ منہ لے کر مکان جانا گوارا نہ ہوا۔ دو تین دن فاقہ کی مصیبت برداشت کی آخر کار مجبور ہو کر ایک دکان پر معمولی تنخواہ اور کھانے پر ایک مزدور کی حیثیت سے نوکری کی۔ میاں سلیم! یہ پہلی ٹھوکر تھی۔ جو میں نے کھائی اب میں تم کو کسی دن دوسرے واقعات سناؤں گا۔ اسوقت تو تم بھی پریشان ہو گئے ہوں گے اور میں بھی تھک گیا ہوں۔

ہلال محرم کا پیغام

(از منشی خدا بخش صاحب اظہر امرتسری)

یہ کہتی ہے محرم کے ہلال نو کی تابانی
مری صورت کے پردے میں چھپا ہے بدر قربانی

یہ ہے وہ شام جس کی صبح کے عہد غم افزا میں
ہوئی تھی حملہ آور آدمیت پر ستم رانی

یہ وہ شب ہے کہ جسکی تیرہ خاموشی کے دامن میں
تڑپتی ہے زمین کربلا کی حشر سامانی

نبی کی آل کے آئینۂ ایثار کو لے کر
شہادت دیکھتی ہے اپنے عارض کی درخشانی

شہید کربلا کے چہرۂ مجروح کو دیکھو
اگر منظور ہے نظارۂ باغ مسلمانی

اگر کرتا نہ سجدے قتل گہ کی خاک خونیں پر
نہ یوں ہوتی درخشاں شاید ہستی کی پیشانی

نہیں کچھ شے شہیدوں کی لہو کی بوند کے آگے
جہانگیری، خدیوی، کجکلاہی اور سلطانی

اجل ہے بزدلوں کو خنجر قاتل کا نظارہ
مجاہد کو حیات جاوداں۔ ہے وقت قربانی

وہ گو خورشید صورت بھی ہو لیکن بجھ ہی جائیگی
ہوائے نالۂ مظلوم سے شمع ستم رانی

سید الشہدا کی بارگاہ میں

(از حضرت روش صدیقی)

مسافرِ رہ صبر و رضا سلام علیک — مقیم منزلِ عرش خدا! سلام علیک

فروغ روشنیٔ شمع ملت بیضا! — وقارِ عظمت دین ہدا! سلام علیک

مسیح و خضر بہ خمخانۂ تو افتادند — قسیم جام شراب بقا! سلام علیک

شہید فرض! سعید ازل، قریب خدا — قبول بارگہ کبریا! سلام علیک

بذات پاک تو ارباب عشق مے نازند — پناہ دارِ دیارِ وفا! سلام علیک

رئیس قافلۂ رہروان راہ خدا! — امیر سلسلۂ اتقیا! سلام علیک

نہ ہیچ گفت برائے عدو بغیر دعا! — امین خلق رسول خدا سلام علیک

روشؔ مدام بہ اوقات پنجگانہ بہ خواں

بنام بادشہ کربلا سلام علیک

حضرت امام حسینؓ کی یاد

پیکر حریت، استقلال و ایثار و توکل

آپ امام حسینؓ شہید کربلا کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے اس بات پر غور کی ہے کہ وہ واقعہ ہائلہ جسمیں رسول پاک کے نواسے میدان کربلا میں یوں شقی القلب مسلمانوں کے ہاتھوں ذبح ہوئے کس قسم کی اہمیت کا حامل ہے؟

حضرت امام حسینؓ یزید کو خلافت کا اہل و مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ بے انصافی اور باطل کا اصرار تھا۔ کہ حضرت امام یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ راستی و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نہ صرف بیعت سے انکار کر دیں بلکہ اپنا حق جتانے کے غاصب خلافت سے جنگ بھی کریں۔

آپ آئندہ طریق عمل کے متعلق غور فرما رہے ہیں کہ دفعتہً عراق سے دعوتی خطوط آنے شروع ہو جاتے ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ ملک یزید کے خلاف کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ حضرت امام انکی رہنمائی کے لئے وہاں پہنچ جائیں۔

تھوڑی مدت میں ان خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے اور حضرت امام اپنے اعزہ و اقربا، و احباب کی التجاؤں اور درخواستوں کے باوجود رخت سفر باندھ لیتے ہیں اور اپنے سفر شہادت پر روانہ ہو جاتے ہیں۔

راستہ میں جو جو مشکلات آپ کو پیش آئیں۔ مخالفین کے جتھوں نے جن جن طریقوں سے آپکو فریب دیا اور یزید کے گماشتوں نے جس شقاوت قلبی کے ساتھ دام فریب میں کہینچا یہ ایک طولانی داستان ہے۔ لیکن جو واقعات اثنائے سفر میں اور اس کے بعد خاتمۂ سفر پر دوران جنگ میں پیش آئے صبر و توکل، تسلیم و رضا، استقلال و استقامت اور سب سے بڑھ کر خودداری و عزت نفس و ایثار و قربانی و حریت صادقہ کا پیکر تھے۔

آپ کے رفقاء ایک ایک کر کے آپ کے سامنے کٹ جاتے ہیں۔

آپ کے اعزہ بھی یکے بعد دیگرے آپ کے روبرو جام شہادت پیتے ہیں۔

آپ کا نوزاد بچہ آپ ہی کی گود میں حلقوم پر تیر کھا کر واصل بحق ہو جاتا ہے۔

آپ کی بی بی بہن اور خاندان کی دیگر عورتوں کی آہ و زاری برابر آپ کے کانوں میں آرہی ہے لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی تزلزل واقع نہیں ہوتا اور آپ کی قوت ارادی میں سرمو فرق نہیں پیدا ہوتا۔

آپ برابر حریف کی طاقتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔ اور حق و باطل کی اس جنگ میں جس کی تاریخ اوراق زمانہ پر

خون سے لکھی ہوئی ہے اپنے آپ کو اور اپنی ہر ایک عزیز شے کو قربان کر کے شہادت کر دیتے ہیں کہ اصول کے لئے یوں جیتے ہیں اور حق کے لئے یوں مرتے ہیں

یہ سبق ہے جو ہم کو جناب شہید کربلا کی زندگی اور موت سے ملتا ہے لیکن ہم نے کبھی ان باتوں کو شائستہ اعتنا نہیں جانا ہم نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ اپنے اندر تسلیم و رضا کی وہی خو پیدا کریں جو آپکے رگ و پے میں کئے ہوئے تھی۔ ہم نے کبھی اس عبر و توکل کی تلقین نہیں کی۔ جس کا مظاہرہ آپ نے ہر قدم پر کیا۔ ہم نے کبھی اس خودداری اور عزت نفس کا سبق نہیں پڑھا یا جو آپ کے ہر بن مو موجود تھی۔ اور ہم نے کبھی اپنے ہم مذہبوں کو اس ایثار و قربانی کی تعلیم نہیں دی جس کا ثبوت آپ نے اس شاندار طریقہ پر میدان کربلا میں دیا۔

یہی وہ بات ہے جسکی یاد ہم کو ایام عاشورہ میں ہر سال تازہ کرنی چاہئے۔ حضرت امام حسین ان سب کا مجسمہ اور مجموعہ تھے کیا یہ ہم یہ زیب دیتا ہے کہ دشت کربلا کے واقعات کے "ظاہر" کو تو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور ان کے "معنی" پر ایک سرسری نظر بھی نہ ڈالیں؟ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ہم واقعات شہادت کی حقیقت و عظمت و اہمیت کو سال میں ایکمرتبہ بھی پہچاننے کی کوشش نہ کریں۔

غور کیجئے تو امام مظلوم کی زندگی فسق و فجور کفر و عصیاں بے انصافی اور شرک کے خلاف ایک زبردست آواز تھی جو تورع و تقوے اور احسان و ایثار میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اگر ہم حضرت امام سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر ہمارے دل میں امام شہید کی حقیقی قدر و منزلت ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کی زندگی اس قابل ہے کہ اسکی یاد کو ہر سال یاد کیا جائے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم وہی اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں جنکی بدولت آپ کو درجۂ امامت اور شہادت نصیب ہوا تھا۔ اور جو آج بھی ہماری ترقی و عروج کا سبب بن سکتے ہیں؟

"انجم سے" شاکر صدیقی صاحب کی ایک نظم عنوان مذکور سے اپریل کے رسالہ میں شائع ہوئی تھی کاتب سے اس نظم میں غلطیاں رہ گئی ہیں تصحیح حسب ذیل ہے ناظرین کرام درست فرمالیں۔ (ایڈیٹر)

بند نمبر ۲ کے پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں "سے" کی بجائے "لے" ہونا چاہئے۔

" نمبر ۴ کے تیسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "بھی" زائد ہے۔

" نمبر ۷ کے آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں "ھے" ہے

" نمبر ۸ کے چھٹے شعر کے پہلے مصرعہ میں "سے" کی بجائے "ھے" ہونا چاہئے۔

" نمبر ۱۰ کے پہلے شعر میں "میں کیوں نا سی کے در پر" کی بجائے "میں نہ کیوں اسی کے در پر" ہونا چاہئے۔

" " اسی بند کے آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ "اسی" رہ گیا ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی

(از جناب ایچ۔ اے انصاری رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی)

عثمانیہ یونیورسٹی ہندوستان میں سب سے پہلی درسگاہ ہے جسے ایک ذمہ دار شخصیت کی سرپرستی حاصل ہے۔ اور جس نے پہلی دفعہ ہندوستان کی تعلیم کو اپنے ملک کی بہترین زبان میں فروغ دینے کی انتہائی کوشش کی۔ اگرچہ ملک کے بہی خواہوں نے اس سے پیشتر بھی اس طرف توجہ کی لیکن حکومت کی عدم توجہی نے اسے بار آور ہونے سے مانع رکھا۔ حیدرآباد نے اس میداں میں سب سے پہلے قدم رکھا۔ کیونکہ یہاں کی عجیب و غریب تاریخ اور اس کی مخصوص پوزیشن نے سیاست دانوں پر یہ امر واضح کر دیا کہ تعلیم حاصل کرنے کی موجودہ غیر ملکی زبان یقیناً ملک کے لئے نہ صرف غیر مفید بلکہ اس کی تہذیب اور اسکے رواج سے بالکل جدا ہے۔

بدقسمتی سے تقریباً ڈیڑھ صدی تک ہندوستان کی تعلیم کی عنان ان لوگوں کے ہاتھوں میں دی۔ جو خیال خویش ہندوستانی کو کوئی وقعت نہیں سمجھتے تھے۔ اور قدیم دستور العمل اور روش اسلاف کو طاق نسیاں پر رکھ کر تقلید یورپ ہی کو راہ نجات قرار دیتے اور اسی بازار میں متاع اولوں فروخت کرنا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے زبان انگریزی وسیلہ بنی نہ صرف اعلیٰ مراتب تعلیم کے حصول میں بلکہ سکول ایسے ابتدائی مرحلوں میں بھی جہاں بچارے طالب علموں کو وہ چیزیں زبانی یاد کرنی پڑیں جو صرف ایک بار مادری زبان میں پڑھلانے سے بلا اشک باری کے ہمیشہ یاد رکھ سکتے تھے۔ تاہم اس صداقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس طریقۂ تعلیم نے جسے خواہ کیسا ہی غلط اور ناقص سمجھا جائے علاوہ ان مفید تحریکات کے جو پیدا ہوئیں ایسے اشخاص پیدا کئے جو قوم کے لئے باعث صد فخر و ناز ہیں۔ لیکن غیر ملکی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے میں جس قدر ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔ کہ کتنے کم طلبار جو ایگلو ورنیکلر مدارس میں داخل ہوئے وہ تعلیم کے انتہائی مدارج تک پہونچتے ہیں اور اس سے بھی کسی قدر قلیل تعداد یونیورسٹی کورس کو کامیابی کے ساتھ پورا کرتی ہے۔ اور یہ خوش قسمت قلیل ترین جماعت بھی اس الزام سے بری نہیں کہ وہ ذاتی جوہر سے بے بہرہ اور اس چیز سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جسے حاصل کرنے کی انسے توقع تھی۔ تو یہ بات دیکھنی محال نہیں کہ تعلیمی ترقی کی رفتار اب سے کہیں زیادہ ہوتی۔ اگر مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب اپنے ملک کی زبانوں میں مہیا کی جاتی۔ اور ملک کی مروجہ تعلیم میں اسکی پیوند لگا کر ان مفید اثرات سے عوام الناس کو بہرہ اندوز کیا جاتا۔

ریاستہائے ہند اگرچہ حکومت ہند کی تعلیمی پالیسی کے محور سے بالکل جدا نہیں۔ اگر وہ چاہتی تو اپنی مملکت میں وہ طریقۂ تعلیم

جاری کرتیں۔ ان کی خانگی ضروریات خصوصی کے مناسب حال تھا۔ لیکن چونکہ وہ انتظام حکومت میں سرکار ہند کی ہر چھوٹی سی چھوٹی بات میں پیروی کر رہی تھیں۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنے مدارس میں وہی طریقہ تعلیم اختیار کیا جو کہ حکومت انگلشیہ کا پس خوردہ تھا۔ حیدرآباد بھی اس عام اصول سے مستثنیٰ نہ رہا اور بجائے اس کے کہ ریاستی مدرسوں اور کالجوں میں نئی روح پھونکی جاتی۔ ذمہ دار حکام نے یہاں بھی وہی تنابن دیا جو انگریزی اینگلو ورنیکلر مدارس کے نمونہ پر تیار کیا گیا تھا۔ اور یہ مدارس ریاست کے اخراجات پر اس کالج کے لئے جو ریاست کے دارالسلطنت میں تھا۔ اور مدرس یونیورسٹی سے الحاق رکھتا تھا خوراک تیار کرتے تھے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میں آگے بڑھوں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حیدرآباد دیگر جنوبی ریاستہائے ہندوستان برٹش انڈیا سے ایک خاص لحاظ سے مختلف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حیدرآباد کی عدالتی زبان بجائے انگریزی کے اردو ہے۔ اس لئے ملازمت سرکاری کے لئے انگریزی کوئی خاص کشش لئے ہوئے نہ تھی۔

موجودہ طریقۂ تعلیم نے کئی سالوں تک کوئی خاص تسلی بخش نتیجہ پیدا نہ کیا جبکہ مملکت کی تعلیمی حالت اس قدر ناقص تھی۔ تحقیقاتی کمیٹی سے سر اکبر حیدری کی خدمات بروقت پہونچیں۔ اگرچہ ممدوح الصدر محکمۂ تعلیم سے براہ راست کوئی تعلق نہ رکھتا۔ لیکن تعلیم رقوم کی بہبودی کے امکانات پر انہیں بیحد بھروسہ تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس کی ترقی میں کوشاں رہے۔ بحیثیت انانس سکرٹری ہونے کے آپ نے توسیع تعلیم کے لئے فنڈ مہیا کئے۔ بعد میں جبکہ وہ حضور فرمانروائے ریاست کی حکومت سے سکرٹری مقرر ہوئے اور محکمہ ہائے جوڈیشل جنرل تعلیم ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ تو ایک طریق سے تعلیمی معاملوں سے براہ راست متعلق تھے۔ اس حیثیت سے انہوں نے مسٹر ارتھر میہیو سابق ایجوکیشنل کمشنر حکومت ہند کی مدد سے ریاست کی تعلیمی حالت کا پورا پورا جائزہ لیا اور بالآخر محکمۂ تعلیم کو نئے طریق پر دوبارہ منظم کیا جس سے اگلے سال بہت حد تک ترقی یافتہ ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی توجہ ثانوی تعلیم جس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کیطرف مبذول فرمائی اور غور و خوض مدبرانہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ حیدرآباد کے سیاسی اور قومی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زبان انگریزی کو تعلیم حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اور آئندہ ایک غیر صوبجاتی یونیورسٹی کا ریاست کی ثانوی تعلیم سے کوئی واسطہ نہ رہے پس انہوں نے اس کے مطابق ایک میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں ریاست کی اپنی یونیورسٹی کی سفارش کی گئی۔ زبان اردو کو حصول تعلیم کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اگرچہ ۱۹۱۷ء میں یہ خیال انقلاب آموز معلوم دیتا تھا لیکن حضور نظام نے اس کے حقیقی مفاد کو فوراً بھانپ لیا۔ اور جلد ہی یونیورسٹی کے قیام اور اس میں زبان اردو کو ذریعۂ تعلیم اور انگریزی کو دوسرا لازمی مضمون قرار دیتے ہوئے فرمان جاری فرمایا اور اجازت دی کہ حضور کے نام نامی پر یونیورسٹی کا نام رکھا جائے۔

اگرچہ ریاست میں دیگر زبانیں بھی کم و بیش بولی جاتی ہیں لیکن اردو علاوہ اس امر کے کہ صرف وہی ایک ایسی زبان ہے جو تمام ریاست کے لوگوں میں رائج ہے۔ تقریباً تمام پڑھے لکھے آدمی آسانی سے بول اور لکھ پڑھ سکتے

ہیں ہندو تعلیمی شوق رکھنے والے حضرات نے بھی اردو اور فارسی کا مطالعہ ضروری سمجھا اور ان میں سے کئی شعر کہنے والے مشہور بھی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی تعلیمی روایت کو فی زمانہ قایم رکھنے والی ہستی آنجہانی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بھی موجود ہیں ریفارمر کا راہ ہمیشہ دشوار گذار گھاٹیوں سے پر ہوتا ہے۔ خاصکر اسوقت جبکہ اس کی روش بالکل نئی ہو۔ کیونکہ اس وقت جو لوگ اس کے مجوزہ انقلاب اصلاحات سے مستفید ہونے والے ہوتے ہیں وہی اس کے مخالف ہوا کرتے ہیں لیکن سر اکبر حیدری کی مستقل مزاجی اور مستعدی ان رکاوٹوں کے سدباب میں کامیاب ہوئی۔ اس کی ایک وجہ ہی مشہور و معروف اور مقتدر ہستیوں کی نوابسعود جنگ بہادر مسلم یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر اور نواب صدر جنگ بہادر جو کہ گذشتہ بیس سال تک آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکرٹری رہے ہیں کی امداد و اعانت معاون ہوئی۔

شعبہ ترجمہ کا کام

اردو ادب کے شائقین کے حلقہ میں مولوی عبدالحق صاحب اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یونیورسٹی نے انکے زیر اثر ترجمہ کا کام چھ قابل ترجمین کی مدد سے شروع کیا۔ اس شعبہ کا مقصد اردو میں ان تمام ٹیکسٹ کی کتابوں کو مہیا کرنے جو دیگر یونیورسٹیوں میں مختلف مضامین (ضروریہ) کے لئے رائج ہیں۔ انٹرمیڈیٹ کی ٹیکسٹ کی کتابیں ترجمہ ہونا شروع کی گئیں اور ایک ہی سال میں اگست ۱۹۱۹ء میں ایف اے آرٹس اور سائنس کی پہلی کتابیں کھولدی گئیں۔ ترجمہ کا روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ اور تقریباً ۳۱۸ سٹینڈرڈ کتب ترجمہ ہو چکی ہیں۔ مندرجہ ذیل اور اعداد شمار کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

تاریخ ہند	۴۴
تاریخ یورپ	۳۵
کہنہ تاریخ اسلام	۲۵
جغرافیہ	۵
پولیٹیکل سائنس / تاریخ آئین حکومت	۱۷
علم معاشیات	۱۳
فلسفہ	۴۱
[illegible]	[illegible]

ریاضی	۲۵
فزیکس	۲۱
کیمسٹری	۱۷
علم الحیوان	۷
علم الادویا	۲۱
انجینرنگ	۳۳
علم اصطلاحات	۲
میزان	۳۱۸

لیکن پہلی مشکل جو اس میدان میں درپیش ہوئی وہ اصطلاحات کے تراجم کے متعلق تھی۔ جو مختلف علوم میں مستعمل ہوتی ہیں۔ پہلے تو خیال تھا کہ ترجمہ میں اصلی اصطلاحی ناموں کو قایم رکھا جائے لیکن غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ ہوا۔ کہ سائنس کی اصطلاح کے اردو نام وضع کرلئے جائیں مختلف مضامین کے لئے ٹرمز کمیٹی تیار کی گئی۔ جن میں ان مضامین کے ماہرین فن کو شامل کیا گیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے علوم قدیمہ کا عربی۔ فارسی اور ہندی کتب کا مطالعہ کیا تھا اس کام میں معاون بنائے گئے۔ کہ وہ انگریزی اصطلاحات کے مترادف الفاظ ان زبانوں سے اخذ کریں۔ جبکہ کام شروع ہوئے کچھ عرصہ ہوگیا تو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ وسیع کام محکمہ کے تنخواہ دار مترجمین کی وسعت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے بہت کچھ ترجمہ کا کام تھوڑا تھوڑا کرکے اجرت پر دیا جانے لگا۔ اور آج کل ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ اس شعبہ پر یونیورسٹی صرف کررہی ہے۔ اس شعبہ نے نہ صرف ایک نیا ذخیرہ علم الاصطلاحات میں قایم کیا بلکہ اردو علم ادب میں بھی ایک مفید اضافہ کا باعث ہوا۔

اور جس نے اردو بولنے صوبجات پنجاب یو۔پی۔ بہار۔ سنٹرل انڈیا حیدرآباد کے لئے علم کا ایک نیا باب آج پہلی دفعہ انہیں کتب تواریخ۔ سیاسیات۔ آئین و قانون (جنکی اہمیت ملک کی موجودہ حالت میں جبکہ وہ ایک عظیم الشان آئینی انقلاب کے باب کو طے کرنے والا ہے کبھی مبالغہ سے ذکر نہیں کی جاسکتی) پر باریابی حاصل ہوئی۔ عام حق رائے دہندگی کو اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے اور دس فیصدی آبادی کو بھی یہ حق دیا جائے تو بھی رائے دہندگی ہندوستانیوں کی تعداد ڈھائی کروڑ تک پہونچتی ہے

چونکہ ہمارا فرض کہ ان انتخاب کرنے والوں کی صحیح طریق پر تربیت کرتا ہے۔ لہذا زبان اردو میں اس قسم کی کتب کی اشد ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں ہماری کتب ان ایجوکیشنل حکام کے لئے بھی مفید ہونگی جو اپنے اصولوں میں اردو یا ہندی کو حصول تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں کیونکہ اردو کی کتابیں معمولی تبدیلی کے ساتھ ہندی میں لکھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ

ہم پہلے کسی جگہ لکھ چکے ہیں۔ یونیورسٹی نے اپنا عملی کام اگست ۱۹۱۹ء میں شروع کیا۔ پہلے پہل آرٹ، سائنس اور دینیات کی پہلی جماعت تقریباً ایک صد طلباء پر مشتمل تھی۔ سال بسال ہائی جماعتیں بھی شامل کی جانے لگیں اور ۱۹۲۳ء میں پہلی دفعہ بی کا امتحان اور ۱۹۲۵ء میں ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان ہوا۔ موجودہ وقت میں حاضری کی تعداد ۹۰۰ طلباء پر مشتمل ہے۔ جو یونیورسٹی کے مختلف کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ علاوہ یونیورسٹی کالج کے جو کہ آرٹ اور دینیات میں ایم اے تک کی اور فزکس اور کمشری میں ایم۔ ایس سی تک کی اور قانون ایل۔ ایل بی تک کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسری درسگاہیں بھی ہیں جو میڈیکل کالج اور انجینیرنگ کالج کا کام دیتی ہیں۔ اور جہاں تمام اعلیٰ اردو زبان میں دیجاتی ہے تعلیم لسوان اعلیٰ انتظام کیا گیا ہے۔ زنانہ کالج میں جہاں صرف عورتیں ہی تعلیم دیتی ہیں۔ ایف اے اور بی اے تک کی جماعتیں موجود ہیں۔ ابھی ابھی ٹیکسٹی کالجی فیکلٹی کا انعقاد ہوا ہے تاکہ ٹیکسٹی کالج کے انعقاد کے لئے تجاویز پیش کرے جس کا الحاق بڑی بڑی ورکشاپوں جو کہ سکہ ضربی اور بجلی کے محکمہ جات کی ورکشاپوں کے ساتھ کیا جائے۔ جہانکہ اب ہی لیٹرزی اور ٹیکنیکل تعلیم دینے کے تجربات کامیابی کے ساتھ کئے جا رہے ہیں زراعتی کالج کے افتتاح کی سکیم بھی زیر تجویز ہے۔ جو عنقریب ہی معرض عمل میں آنے والی ہے۔ گریجوایٹ اساتذہ کی ٹریننگ کالج کے لئے ایک کالج بھی موجود ہے تین انٹرمیڈیٹ کالج یونیورسٹی کالج اور پروفیشنل درسگاہوں کے لئے طلباء طیار کرتے ہیں یونیورسٹی کے ماتحت دو اور بھی قابل ذکر ادارے ہیں۔ ایک تو دائرہ المعارف ہے۔ جو قدیم عربی کتب کی طباعت کا کام کرتا ہے۔ اور جس کے لئے تمام شائقین علم ممنون احسان ہیں اس لئے کہ اس دائرہ نے عربی غیر مطبوعہ کتب کو طبع کر کے ان لوگوں کے لئے ان کتب کی باریابی کا موقع پیدا کر دیا ہے۔

نظامیہ دار المطالعہ (

حیدرآباد میں آنے والے حضرات کے لئے یہ بھی ایک قابل قدر چیز ہے۔ علاوہ ازیں یونیورسٹی طلباء کی جسمانی اور روحانی بہبودی سے بے خبر نہیں رہی۔ دینیات اور علم الاخلاق کے مضامین انٹرمیڈیٹ کلاسز تک لازمی رکھے گئے ہیں۔ فزیکل کلچر اور اتھلیٹکس کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اور تمام جسمانی کھیلوں کے لئے باقاعدہ انتظام ہے امریکہ سے ایک خاص ماہر فن ڈائرکٹر فزیکل کلچر متعین کئے گئے ہیں۔ جو طلباء کو باکسنگ (بھی سکھاتے ہیں۔

یونیورسٹی کی سفارش پر مسٹر شفیع کو ولایت ٹریننگ کے لئے بھیجا گیا۔ جہاں انہوں نے فن شناوری کا دنیا بھر کا ریکارڈ توڑتے ہوئے امتیازی نام حاصل کیا۔ تقریباً ۱۵۰ نفوس یونیورسٹی ٹیچرز یونیورسٹی ٹریننگ کورس میں تعلیم پا رہے ہیں

آخر میں صرف اس قدر ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ کہ اگرچہ اس یونیورسٹی میں تمام تعلیم زبان اردو میں دی جاتی ہے اور اگرچہ انگریزی کو درجہ ثانی پر رکھا گیا ہے۔ لیکن اسکی اسناد حکومت ہند میں مسلمہ ہیں اور انڈین سول سروس

اور دیگر مقابلہ کے امتحانات میں اور اکثر ہندوستانی اور برطانی یونیورسٹیوں میں یہ اسناد تسلیم کی جاتی ہیں۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء نے اکثر بیرونی یونیورسٹیوں میں نام پیدا کئے ہیں۔ جس کا جدید ترین ریکارڈ ایک بی۔ ایس سی آنرز (الیکٹریکل انجینئرنگ) لنڈن یونیورسٹی میں اول آنے والے گریجویٹ کا ہے۔

مترجمہ
بشیر احمد شبلی بی۔ اے

متفرقات

کتب فروشوں نے کلام پاک کی طباعت و فروخت کو محض تنوع مکسم کا ایندھن مہیا کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے وہ اس الہامی اور دینی کتاب کی قدر و قیمت و اہمیت کا کوئی احساس نہیں کرتے اور جوں توں کر کے طباعت و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی کی طباعت میں افسوسناک غلطیاں ہونے لگی ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دین متین کی حفاظت کے لئے غیر ذمہ دار کتب فروشوں سے قرآن کریم کی خرید قطعاً ترک کر دیں سنا گیا ہے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور نے صحیح قرآن شریف کی طباعت کا التزام کیا ہے۔ اسی طرح اور اسلامی اداروں کو بھی متوجہ ہونا چاہئے۔ کہ فلاح دارین اسی میں ہے۔

پیرس کی ایک موٹر کمپنی نے موٹریں فروخت کرنے کا ایک نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ موٹروں کے کارخانے کے شوروم میں داخل ہوتے ہی موٹر خود گفتگو شروع کر دے گی اور بتا دیگی کہ اس کی رفتار فی گھنٹہ کتنے میل ہے۔ فی میل کتنا تیل خرچ ہوتا ہے۔ آپ اس کی گفتگو کو سنکر حیران رہ جائیں گے اور اگر آپ کو کوئی موٹر خریدنا ہوگی تو ضرور اسی کارخانے سے خریدلیں گے۔

اس میں بھید یہ ہے کہ موٹر میں ایک چھوٹی سی مشین لگائی گئی ہے جو اپنے متعلق تمام ضروری باتوں کا خلاصہ بلند آواز میں کہدیتی ہے۔ اشتہار کا یہ بالکل نیا طریقہ ہے۔

امریکہ میں ایک قسم کے مینڈک دیکھے گئے ہیں کہ جن کی آواز بھیڑ کی آواز سے ملتی ہے۔ یہ جس وقت چلاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی بھیڑ کو پیٹ رہا ہے۔ اور وہ چلا رہی ہے۔

اُولُوالعزم قوموں کے کارنامے

مغرب کے ایک انسان نے ہوائی جہاز بنایا اور دعوے کیا کہ اب ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہوگیا ہے مغرب نے اس سدا پر یقین کیا اور خوشی کا اظہار کیا مشرق کے عافیت پسندوں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ اور اس آواز کو جنون اور خود پسندی سے تعبیر کیا۔ مغرب والوں نے اس دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے ہوائی سفر اختیار کئے اور اپنی عزیز جانیں اولوالعزم کے دیوتا کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیں۔ حقیقت میں آلا ۱۰ کی کامیاب پرواز کو انسانی فتوحات میں قابل اضافہ ہونا مگر قدرت کو انسان کی اولوالعزمی کا بھی اور امتحان لینا باقی تھا۔ چنانچہ آلا ۱۰ بہت جلد نذر آتش ہوگیا۔ اور یورپ کے بہتے سے معزز سپوت موت کی آغوش میں دائمی نیند سو گئے۔ مشرق نے یہ واقعہ سنا اور اسپر فاتحانہ انداز میں تنقید کی اور اہل مغرب کو دیوانہ بتایا۔ مغرب نے یہ بھی واقعہ سنا اور ہمت و اولوالعزمی کے دہرے انعام حاصل کر کے حیرت زدہ ہوا۔ ظاہر میں انسان کی بے بسی کا اس سے بڑھ کر اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے کہ محفوظ ترین ہوائی جہاز کی مشکل تمام فرانس تک رسائی ہو سکی حالانکہ غیر محفوظ ہوائی جہاز میں نئی دنیا تک پرواز کی جا چکی ہے۔ لیکن یورپ کا تخیہ بہت جلد مستعدی اور سرگرمی سے بدل گیا۔ چنانچہ میں اخبار میں خبر پڑھتا ہوں کہ ان شہیدان عزم کا جلوس بڑی دھوم دھام سے نکلا اور جلوس کی افتتاحیہ رسم ادا کرتے ہوئے ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ نے ان بلاک سٹہ گان کا ذکر خیر کرنے کے بعد یہ کہا کہ ہماری یہ ناکامی آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور اب ہم ہوا کو ضرور فتح کر کے رہیں گے۔

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ مغرب ایک تجربہ کے لئے اپنے فرزندوں کی عزیز جانیں پیش کرتا ہے اور یہ تجربہ ناکامی پر منتج ہوتا ہے۔ مغرب اس واقعہ سے متاثر ہوتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ ہماری ناکامی آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور اب ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو کر رہیگا۔

آلا ۱۰ کس موجد کے دماغ کا نتیجہ تھا اس میں کتنی نشستیں رکھی گئی تھیں اس کو آگ کیسے لگی وغیرہ یہ باتیں میرے کام کی نہیں۔ میرے لئے قابل غور مسئلہ "ہوا کو فتح کر کے رہیں گے" یا "ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو کر رہیگا" ہے۔ میں اس قوم کی جرأت اور اولوالعزمی پر غور کرتا ہوں جس کے سپوت ایک تجربہ کے امتحان کے لئے اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرتے اور جس کے افراد اپنے بہت سے مقتدر ترین ملکی بھائیوں کی جانیں گنوا کر بھی اپنے ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر مستعد نظر آتے ہیں۔

بلاشبہ ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو کر رہیگا۔ چونکہ جو قوم ہوا کے سمندر میں پھیر سکتی ہے وہ اپنی مفاقت کا انتظام بھی کر سکتی ہے۔ صدیوں اڑن کھٹولے کا طلسم ہمارے دماغ میں بسا رہا۔ حیرت ہے ان مغرب والوں پر جنہوں نے سچ مچ کا

اڑن کھٹولا بنا لیا۔ پھر کہا جا سکتا ہے کہ وہ قوم ہوائی سفر کی حفاظت کے لئے کیا کچھ نہ کر گذرے گی حقیقت میں یورپ کی ترقی کا راز اولوالعزمی ہے کیونکہ اپنے خیالات بلند رکھنا اور ان کے مطابق کارزار حیات میں سرگرم ہونا کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں بلند رتبے حاصل کئے جو شہرت کے آسمان پر ستارے بن کر چمکے عروس کامرانی سے ہمکنار رہے ان کے سوانح حیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی ترقی اولوالعزمی کی رہین منت ہے۔ اگر نپولین اعظم شہنشاہ فرانس فوج کا معمولی عہدیدار ہونے پر قناعت کرتا اگر نجمن فرانکلن (صدر جمہوریہ امریکہ) تہذیب و تمدن کے مراکز سے چالیس میل دور ایک کٹیا میں زندگی بسر کرنے پر مطمئن ہو جاتا اگر جیمز گارفیلڈ (صدر جمہوریہ امریکہ) برھمی بنجانا ہی غنیمت جانتا۔ اگر مسولینی کا مختار کل ڈکٹیٹر اپنے خیالات کے خلاف باپ کا پیشہ اختیار کر لیتا (مسولینی کا باپ لوہار تھا) اگر رضا خان شہنشاہ ایران سائیس بنجانے پر قانع رہتا تو یقیناً کامیابی آج انکی لونڈی نہ ہوتی۔ اور دولت و اقتدار ان کے غلام نہ بنتے مگر دنیا جانتی ہے کہ ان لوگوں نے بلند خیالی اور اولوالعزمی کے طفیل دنیا کے بلند ترین حاصل کئے۔ رہتی دنیا تک تاریخ میں ان کے نام محفوظ رہیں گے۔ اور انکی زندگیاں دوسرے کے لئے مشعل راہ بنیں گی۔

اولوالعزمی نے نئی دنیا سے ہمارا تعارف کرایا۔ قابل قدر ایجادوں سے روشناس کرایا۔ اور فطرت کے مخفی خزانے ہمارے قدموں میں ڈال دئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں نے اپنے خیالات کو بلند بنایا اور انہیں عملی جامہ پہنایا وہ ہمیشہ کامیاب رہے عرب کے بدو صرف اس لئے ساری دنیا پر چھا گئے کہ ان کے عزائم بلند تھے۔

انگلینڈ کے مٹھی بھر باشندے ایک تہائی دنیا پر اس لئے مسلط ہیں کہ انکی قوت ارادی زبردست ہے۔ دور کیوں جائیے جاپان نے منے جاپان نے جنگ میں اولوالعزمی کی بنا پر روسی دیو کو چاروں شانے چت پچھاڑ دیا۔

مگر آہ! یہ کس قدر تلخ حقیقت ہے کہ روحانیت اور اخلاق میں برتری کا شرف رکھنے والا مشرق اپنے یہ خصائص ہی کھو بیٹھا ہے۔ وہ اولوالعزم نہیں ہے۔ پابند وقت نہیں ہے۔ بنی نوع کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی کام نہیں کر رہا اور فطرت کے بے پایاں بھرپور خزانے سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کا گلہ کس قدر بجا ہے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

روحانیت و اخلاق کوئی دیوتا نہیں جس کے سر پر سرخاب کے پر لگے ہوں نہ وہ ہما ہے جس نے تمہیں روحانیت کا شہنشاہ بنایا۔ بلکہ روحانیت و اخلاق تکمیل انسانیت کی راہیں ہیں۔ روحانیت صفات حمیدہ کا نتیجہ ہے۔ اولوالعزمی پابندیٔ وقت انسان کی بہتری کی تجویز سوچنا اور مفید ایجادکرنا صفات حمیدہ ہیں۔ جن کا سرمایہ دار آج مغرب ہے پھر کیا تم نے اپنی یہ دولت بھی مغرب کو سونپ دی؟

ہمارے شہروں، قصبوں اور دیہات کی گلیوں میں گداگروں کی کثرت ہے۔ جوان و جو تو انا و تندرست ہونے کے

"بابا ایک پیسہ" کی صدا لگا رہے ہیں۔ لندن کی یہ حالت ہے کہ وہاں کا بوٹ پالش کرنے والا لڑکا ایک نواب کو صرف اس لئے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے کہ وہ کیوں اس بغیر محنت کئے ایک شلنگ دینا چاہتا ہے۔

ہمارے ملک کے اکثر گریجوایٹ معمولی مشاہرہ کے کلرک ہیں مگر مغرب کے ایک بیرسٹر گریجوایٹ کی اولوالعزمی دیکھئے اس کے باپ نے اسے ہائیکورٹ کے دفتر میں معقول معاوضہ پر کلرکی کی ایک جگہ دلوادی۔

کچھ روز کام کرنے کے بعد اس نے استعفیٰ دیدیا اور باپ کے استفسار پر جواب دیا۔ جناب میں دوسروں کے خیالات کا ٹائپ کرنے والا کلرک نہیں بننا چاہتا۔ میری آرزو ہے کہ میں خود وہ آدمی بنجاؤں جس کے خیالات دوسرے ٹائپ کریں۔ اور حقیقت میں وہ چند سال بعد اسی ہائی کورٹ کا جج بنا بیٹھا تھا۔

بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ مشرق اپنی خصوصیات کھو بیٹھا ہے۔ اور جب تک وہ اولوالعزم نہیں بنتا دنیا میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کامیابی مادی اشیاء سے متعلق ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ کوئی مادی شئے اس وقت تک وجود میں نہیں آتی جب تک کہ وہ کچھ مدت کے لئے خیالی شئے نہ رہی ہے۔ ایک مغربی فلاسفر کہتا ہے ہوائی قلعے بنیا دہیں ارضی قلعوں کی۔

اس لئے اگر ہم اپنی قومی زندگی کی تعمیر چاہتے ہیں یا اگر ہمیں انفرادی ترقی مطلوب ہے تو ہمیں اولوالعزم بننا چاہیئے اپنی شخصیت کو ادنیٰ خیالات سے پست نہیں کرنا چاہئے۔ مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اگر ہمیں تجارت میں کامیابی حاصل کرنے کی آرزو ہو تو استقلال سے کام کرتے رہنا چاہیئے۔ اور نفع کی قوی امید رکھنی چاہیئے۔ کامیابی ہمارے قدم چومیگی۔

مصیبت زدگان کانپور کے لئے اعلیٰحضرت حضور نظام
شہریار دکن خلد اللہ ملکہ نے سر سلیم ہیلی
گورنر یو۔پی کی دردمندانہ اپیل پر
دس ہزار روپے کی گرانقدر
شاہانہ امداد فرمائی

ارشاداتِ فاروقی

فرمایا۔ دنیا کی عزت مال سے ہے اور آخرت کی عزت نیک اعمال سے ہے۔

فرمایا۔ (۱) لوگوں سے ملنساری رکھنا آدھی عقل کا کام ہے (۲) نرمی سے بات پوچھنا آدھا علم ہے (۳) بھلی بات سوچنا آدھی روزی ہے۔

فرمایا دریا چار طرح کے ہیں (۱) ہوا و ہوس گناہوں کا دریا ہے (۲) نفس خواہشوں کا دریا ہے (۳) موت عمر یا عمل کا دریا ہے (۴) قبر شرمندگی کا دریا ہے

فرمایا۔ اگر غیب دانی کا دعوے نہ سمجھا جاتا تو میں پانچ آدمیوں کی بابت یقیناً کہہ دیتا کہ وہ جنتی ہیں (۱) بال بچوں والا فقیر (۲) میاں کو خوش رکھنے والی عورت (۳) وہ جس سے ماں باپ خوش رہتے ہوں (۴) وہ جو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو (۵) شوہر کو اپنا مہر معاف کر دینے والی عورت۔

فرمایا (۱) میں نے تمام دست دیکھے مگر زبان کو لغویت سے بچائے رکھنے سے زیادہ عزیز کسی کو نہ سمجھا (۲) میں نے تمام لباس دیکھے لیکن پرہیزگاری سے بہتر کوئی لباس نہ پایا (۳) میں نے تمام مال دیکھے لیکن قناعت سے بڑھ کر کوئی مال نہ پایا (۴) میں نے تمام نیکیوں کو دیکھا لیکن دوسروں کی خیر خواہی کرنے سے بڑھ کر کوئی نیکی نہ پائی۔ (۵) پینے تمام کھانے دیکھے لیکن صبر سے زیادہ مزیدار کوئی کھانا نہ پایا۔

فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے چھ چیزوں کو چھ چیزوں میں چھپایا ہے (۱) اپنی خوشی کو فرمانبرداری میں (۲) اپنے غصہ کو گناہ میں (۳) اپنے اسم اعظم کو قرآن میں (۴) شب قدر کو رمضان میں (۵) غصہ کی نماز کو نمازوں میں (۶) قیامت کے دن کو دنوں میں۔

فرمایا۔ جو آدمی زیادہ مذاق کرتا ہے اس کا رعب جاتا رہتا ہے جو دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے وہ خود حقیر سمجھا جاتا ہے۔ جو زیادہ باتیں بناتا ہے اس کی بیہودگی بڑھ جاتی ہے جس کی بیہودگی بڑھ جاتی ہے اسکو شرم کم آتی ہے اور جس کی شرم کم ہو جاتی ہے اسکی پرہیزگاری میں فرق آجاتا ہے اور جس کی پرہیزگاری گھٹ گئی اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

بزم قریش

محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی اپنے گرامی نامہ محررہ ۲۵ مئی ۱۹۳۳ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

القریش کے ناغہ کا تو احساس ہوتا ہے لیکن ناغہ کا باعث اگر خدانخواستہ آپکی علالت ہو تو یہ امر اور بھی زیادہ شاق گذرتا ہے۔ آپ اگر اپنی قدر و قیمت سے آگاہ نہ ہوں تو مضائقہ نہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اٹھارہ لاکھ سادات و قریش کے مجموعہ پر مشتمل قوم جس کے جسم کا خون منجمد ہو چکا ہے اس کے وقار کے برقرار رکھنے کے لئے القریش کی کسقدر اشد ضرورت ہے۔ اگر آپ کسی زندہ جماعت کا فرد ہوتے تو آپ کی قلمی اور قومی کارگزاریوں کے لحاظ سے وہ جماعت آپکو اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھلاتی۔ دعا ہے کہ قریش جیسی درماندہ و پسماندہ قوم کی خبرگیری کے لئے خدا آپکو عمر طبعی عطا کرے۔ تاکہ آپ بیش از پیش قومی خدمت سرانجام دے سکیں"

(آپ کا حسن ظن ہے ورنہ من آنم کہ من دانم ایڈیٹر)

مولانا حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی الہاشمی اپنے ۵ رجون کے گرامی نامہ میں دہلی سے تحریر فرماتے ہیں:-

"عرصہ سے آپ نے خیریت کا کوئی خط نہیں لکھا۔ میں سخت تفکرات میں مبتلا رہا۔ الحمدللہ والمنہ کہ بندہ زادہ سید علی احمد عباسی ایم۔ ایس۔ سی کے امتحان میں کامیاب ہوگیا ہے۔ سادات قریش کے بچے اعلےٰ تعلیم کی ڈگریاں حاصل کریں اسوقت مجھے اطمینان ہوگا اور میں سمجھوں گا کہ ہمارے ندوے کے مقاصد پورے ہوئے"

اس کامیابی پر ہم اپنی اور ناظرین القریش کی طرف سے مبارکباد دیتے ہوئے دعا میں ہیں کہ خدا نے برتر و اکبر ترقی کی منزلیں طے کرنے میں انہیں فائز المرام کرے اور وہ قوم کے لئے باعث فخر ہوں۔ آمین! ایڈیٹر

میرے محترم دوست جناب منشی رحیم بخش صاحب ۱۹۱۵ء میں سونی میانی علاقہ ریاست بہاولپور میں نائب الحکومت تھے القریش کے ایک مضمون کی بناء پر حال میں انکا ایک گرامی نامہ بھکر سے میرے نام صادر ہوا ہے جس میں انکا مفصل پتہ مندرج نہیں۔ اس لئے القریش ہی کے ذریعہ سے ممدوح کا پتہ مطلوب ہے۔

قاضی نظیر حسین فاروقی ریٹائرڈ مستوفی الریاست قلات مقام گوجرانوالہ

یہ خبر نہایت رنج والم اور حزن و ملال سے سنی جائے گی کہ قوم کے بہی خواہ نہ وۃ القریش کے رکن رکین شیخ شہاب الدین صاحب مدیر بلاغ امرتسر دو ہفتہ تپ محرقہ سے بیمار رہ کر ۳ اور ۴ رجون کی درمیانی رات کو ایک بجے ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

مرحوم زندہ دل اور بامذاق شخص تھے۔ ذہن رسا پایا تھا اور نے الواقعی دور کی سوجھتی تھی۔ اصلاحی امور میں گہری دلچسپی اور گہرا شغف تھا۔ آپ نے اپنی عمر کے ۷۵ سال بدعات و قبیحات کے انسداد میں بسر کئے۔ چنانچہ اپنے ہاں کی شادی و غمی کی تقاریب کو نہایت اختصار و سادگی سے انجام دیا اور کبھی فخریہ کلمات زبان سے نہ نکالے۔ صلح کل اور ہر دلعزیز تھے۔

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے

قحط الرجال کے اس زمانہ میں ایک نیک دل اور ہمدرد و بزرگ کا انتقال ناقابل تلافی صدمہ ہے۔ "ندوۃ القریش" کے آپ دست راست تھے۔ سوسائٹی آپ کے قیمتی مشوروں سے محروم ہوگئی افسوس!"

مکرمی جناب قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی نے ڈسٹرکٹ درباری کی سند عطا ہونے کی خوشی میں تین روپے "ندوۃ القریش" اور دو روپے "القریش" کے لئے ارسال فرمائے ہیں۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کئے گئے۔ اگر احباب اپنی تقاریب پر قومی اغراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے امداد و اعانت کا سلسلہ جاری رکھیں تو مالی مشکلات کا بہت بڑی حد تک سدباب ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ برادران قریش اس بات کا خاص خیال فرمائیں گے۔

القریش جن برادران قریش کی خدمت میں مفت بھیجا جا رہا ہے وہ مہربانی کر کے واپسی ڈاک منشاء خریداری و عدم خریداری سے اطلاع دیں ورنہ جولائی کا القریش ان کی خدمت میں بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا۔

القریش کے ایک قدیم کرمفرما، جو اپنے نام کے اظہار کی باصرار اجازت نہیں دیتے۔ القریش کی حقیر خدمات کے اعتراف میں "بزم قریش" مطبوعہ اپریل کے الفاظ سے متاثر ہو کر علاقہ بلوچستان سے لائیڈز بنک کا ایک چیک قیمتی پچاس روپے ارسال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسے "القریش" کا چندہ تصور کیا جائے۔ میں القریش کی خدمات کی قدر کرتا ہوں اور برادران قریش سے ظاہر کرتا ہوں کہ وہ اس کی بے لوث خدمات کا صلہ سرد مہری اور بے التفاتی کی صورت میں دینے سے احتراز کریں۔ (احساس اور اعانت کا مشکور ہوں۔ ایڈیٹر)

مولانا کشفی شاہ نظامی تحریر فرماتے ہیں: "اپریل کے بزم قریش" کے مطالعہ سے صدمہ ہوا۔ قوم کی بے پروائی! الامان خدا ہم پر فضل کرے۔ آپ کو شفا دے اور قریشیوں کو بیدار کرنے کے بیش از پیش توفیق عطا فرمائے۔ اور ان بزرگوں کو جو بایں صورت بھی قدر ناشناس ہیں گوش شنوا اور دیدۂ بینا عطا کرے آمین!

دُنیا!

چار دن کی بہار ہے دنیا
کیا ہی ناپائیدار ہے دنیا

باتوں باتوں میں دل لبھاتی ہے
کس قدر ہوشیار ہے دنیا

کوئی سایہ ہے یا کہ خواب و خیال
کچھ تو پروردگار ہے دنیا

اس کے جتنے ہیں چاہنے والے
ان پہ صدقے نثار ہے دنیا

نام کاروں سے میل جول اسکا
کیوں نہ ہو پختہ کار ہے دنیا

فتنہ ہے سحر ہے قیامت ہے
یا کہ بادِ بہار ہے دنیا

پوچھتے کیا ہیں آپ دنیا کو
یہ ہی لیل و نہار ہے دنیا

ہاں اگر مفت ہاتھ لگ جائے
کس کو کب ناگوار ہے دنیا

شامِ غربت میں نیند کیوں آئے
جبکہ سر پر سوار ہے دنیا

اہلِ دنیا کا ہے یہ دارِ عمل
نہ کہ جائے قرار ہے دنیا

پھنس گیا آگے گل بھی دنیا میں
یہ نہ سمجھا کہ خار ہے دنیا

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے
کب یہ جائے قرار ہے دنیا

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
گرچہ سرگرمِ کار ہے دنیا

آنہ جائیں کہیں فریب میں آپ
فتنۂ روزگار ہے دنیا

نقش پر آپ اس کے سارے طلسم
پیکرِ زر نگار ہے دنیا

غم غلط عاشقوں کا کرتی ہے
اک فسانہ نگار ہے دنیا

کل کی بھی فکر ہے تمہیں شوقی
جیتے ہی جی کی یار ہے دنیا

(محمد احسن شوقی)

قریشی اور حقوق زراعت

پنجاب کے جن بیشتر و اکثر اضلاع میں قوم قریش بروئے سٹینڈنگ آرڈر نمبر ۱۰ تصحیحات زراعت پیشہ تسلیم کیجا چکی ہے اور وہ اس سے استفادہ کر رہی ہے انہیں ان اضلاع کے بھائیوں کی تکالیف و حق تلفی کا کچھ علم نہیں جہاں ہنوز وہ اپنے اس جائز و واجب حق سے محروم ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ انسان اپنے آرام میں دوسروں کی تکالیف کا احساس نہیں کر سکتا چنانچہ یہی صورت یہاں بھی پیش آ رہی ہے۔ اضلاع امرتسر، گورداسپور، فیروزپور، لدھیانہ، رہتک اور حصار کے قریشی زراعتی حقوق حاصل نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم۔ ملازمت۔ استقلال ملازمت ترقی اور معاشری شعبوں میں ناقابل برداشت نقصان برداشت کر رہے تھے۔ اس لئے ندوۃ القریش نے مرکزی انجمن ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلا قدم اس تکلیف کے ازالہ کے لئے اٹھایا۔ حکومت کی خدمت میں بذریعہ ریزولیوشن عرضداشت پیش کی۔ حکومت نے ازراہ رعایا نوازی ہمدردانہ غور و خوض کے بعد ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس پر کارروائی ضابطہ ہوئی اور ہو رہی ہے۔ کاغذات ابتدائی مراحل طے کر چکے ہیں اور یقین واثق ہے کہ خدا نے چاہا تو ندوۃ القریش کو اس میں کامیاب کرے گا۔

اس سلسلہ میں حال ہی میں ایک چٹھی انگریزی نمبری ۲۷۰۷ مجریہ ۱۲ مئی ۱۹۳۱ء صاحب ڈپٹی کمشنر امرتسر کی طرف سے موصول ہوئی ہے جس میں یہ دریافت کیا گیا ہے کیا قریشی خریدزمین کے لئے زراعتی حقوق کے طالب ہیں؟ یا کسی اور غرض کے لئے۔ اس کے جواب میں مراسلہ نمبر ۴ لکھا جا رہا ہے اور عنقریب صاحب موصوف اور متعلقہ افسران کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔

ندوۃ القریش نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کارروائی کس سٹیج پر پہونچی ہے صاحب فنانشل کمشنر پنجاب کی خدمت میں لیٹر ریمانڈ نمبری ۹۱۱ مجریہ ۱۸ مئی ۱۹۳۱ء ارسال کر کے خواہش کی کہ وہ اس کے متعلق ہمیں مطلع فرمائیں۔ چنانچہ اس کے جواب میں صاحب موصوف نے بذریعہ انگریزی چٹھی نمبری ۲۷۱۰ آر۔ ایس مجریہ ۹ جون ۱۹۳۱ء ہمیں اطلاع دی ہے کہ ہنوز معاملہ زیر غور ہے"

امید ہے کہ ہم عنقریب قوم کو یہ مژدۂ جانفزا سنانے کے قابل ہو جائیں گے کہ بقیہ اضلاع میں بھی ہمیں اپنے جائز حقوق حاصل ہو گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ ہماری مدد کرے۔ آمین!

بشیر احمد شبلی بی اے

چیف سکرٹری "ندوۃ القریش"

مئی کا "القریش"

القریش ماہ اپریل کی اشاعت کے وقت معمولی نزلہ وزکام کی مجھے شکایت تھی۔ خیال تھا کہ دو ایک روز میں صحت ہو جائے گی۔ مگر بخلاف اس کے صورت حال بدل گئی اور زکام نے انفلوئنزا کی شکل میں تبدیل ہو کر مجھے پریشان کر دیا اور کامل دو ہفتہ سخت تکلیف برداشت کرنا پڑی اس سے ذرا افاقہ ہوا تو میعادی بخار کا حملہ ہوا جو ساتویں روز بحران سے ٹوٹا۔ کمزوری اس قدر ہو چکی تھی کہ قضائے حاجت کے لئے دوسروں کا محتاج تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کے لئے سہارے کی ضرورت تھی۔ بخار صبح ٹوٹ جاتا اور رات کو ہو جاتا۔ پورے پندرہ روز اسی طرح گذرے۔ زندگی باقی تھی صحت ہو گئی۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

افسوس ہے کہ تکلیف و پریشانی میں مئی کا "القریش" شائع نہ ہو سکا اور اس وجہ سے ناظرین کرام کو انتظار کی زحمت برداشت کرنی پڑی امید ہے کہ ہماری اس مجبوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے احباب ہمیں معذور سمجھیں گے "القریش" کسی عمدہ باذوق اور قدرشناس قوم کا رگن ہوتا تو نہ اس کی اشاعت میں کبھی تعویق ہوتی اور نہ ہمیں بار بار عذرخواہی کی درخواستیں پیش کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اشاعت اسی مقررہ دائرہ میں محدود ہے اور اس قدر وسعت نہیں کہ اشاعت اپ ٹو ڈیٹ رکھنے کے لئے معاون و مددگار رکھے جائیں۔ اس لئے اگر ہم پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے تو قوم بھی سرد مہری و بے پروائی اور غفلت کے الزام سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

احقر رونق

آپکا قومی فرض

القریش کی اشاعت بڑھانا اور اشتہارات کے ذریعہ اس قومی آرگن کو مدد دینا ہے
ہر ممکن کوشش سے آپ اس کی مدد کیجئے

(مینجر)

اویس قرنی رضؓ

(از جناب سید شریف حسین صاحب آنریری بی اے بی ٹی اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور)

تھے حضرت اویس جو باشندۂ یمن — آرام گاہ جن کی مدینے سے تھی بعید
آٹھوں پہر کا سامنے نقشہ حضور کا — دل سے بہت قریب تھے آنکھوں سے گو بعید
اُس عاشق رسول نے جب یہ خبر سنی — جنگ احد میں ہوگیا دانت آپکا شہید
آنکھوں سے اُنکی دفعتہً آنسو ہوئے رواں — بینائے دل کو اس سے لگی ٹھیس اک شدید
غم میں دہن سے آپ دئے دانت سب نکال — اللہ رے جذب شوق میں تقلید اور مزید
سب دانت الغرض نام پر اپنے کئے فدا — ہے جن کے ہاتھ میں فردوس کی کلید

اسلام کو جہان میں ممتاز کر گئے،

سلمان و ابن عوف و اویس و ابوسعید

القریش کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یو۔پی اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسلت کے ادعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت بوجہ احسن انجام دی ہیں خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپکی خدمت میں قوم

کم از کم ایک سو ایک روپیہ

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

و نیز یہ اجلاس بردران قریش سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ

القریش

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں "

(مدیر ہمدرد پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر "القریش" شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

قولہ تعالیٰ

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

"تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے"

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش

جو

امیر

بفرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائنس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ:

تین روپے

ایڈیٹر:

محمد علی رونق - صدیقی

تاریخ اشاعت

ہر انگریزی مہینے کی سترہ مقرر ہے

نعت

(عزیز لکھنوی)

یہ دونو عالم کہ جسکی تہ میں چمک رہا ہے جمال قدرت
اسے سمجھ لو مجاز مرسل اسے لطیف ایک استعارا

زمانہ ہے ایک جسم خاکی وجود انساں ہے روح اسکی
بتا تو اے روح تو نے اپنی لباس ہستی کو کیوں سنورا

سمجھ میں اب تک نہ تیری آیا کہ زندگانی کی کیا ہے خواہش
نہ دولت جم ہے اسکا مقصد نہ اسکا مقصد ہے ملک دارا

مگر حقیقت کی اک نظر کو ذرا سراپائے مصطفےٰ پر
یہ قد آدم وہ آئینہ ہے کہ جسمیں قدرت ہے جلوہ آرا

عرب کے جاہل عرب کے سرکش کہ جنکا جوہر درندگی تھا
یہی ہے وہ فلسفی امی کہ جسنے اس قوم کو سنورا

حضیض ہستی پہ جب تھا مائل تو ذرہ ذرہ بنا تھا عرج
ہوا تھا میدان التقا جب تو عرش اعظم کا تھا ستارا

ابل پڑا نور کبریائی چمک اٹھا جلوۂ خدائی
دبے ہوئے تھے جو دل میں جذبے ضیائے رخ سے انھیں ابھارا

مجسمہ حسن معنوی کا نمونہ اک لطف سرمدی کا
حرا کی خلوتکدہ میں جسکو خدائے برحق نے خود سنوارا

زمین شور عرب پر آکر بنائے اخلاق اسنے ڈالی
وہی یتیموں کا آسرا تھا وہی ضعیفوں کا تھا سہارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(جلد ۷)

القریش امرتسر

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۱ء

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں وہ تمام انقلابات دیکھے، جو ایک انسان دیکھ سکتا ہے آپ کی حیات مقدس میں انسانی زندگی کے تمام شعبے اور تمام منزلیں اور تمام پہلو موجود ہیں۔ آپ ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے چھ برس کی عمر میں والدہ بھی اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ والدہ کی وفات کے بعد آپکے دادا عبد المطلب آپ کے سرپرست ہوئے مگر ان کا بھی تھوڑی مدت کے بعد انتقال ہو گیا۔ کوئی بھائی اور بہن بھی نہ تھی عبد المطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں آئے بچپن میں آپ نے اپنی دایہ حلیمہ کی بکریاں بھی چرائیں۔ اس بیکسی، غریبی اور بے سروسامانی کو دیکھو۔ پھر دوسری طرف اس بات پر غور کرو کہ آپ تمام ملک عرب کے بادشاہ تھے ایسے اوقات بھی آپ پر گذرے کہ کئی کئی وقت کھانا نہیں ملا اور ایسے حالات بھی آپ پر گذرے کہ ہم دینار کے اختیار سے دریں محتاجوں اور ضرورتمندوں کو اپنے اختیار اور اپنے ہاتھ سے تقسیم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک وہ وقت بھی آپ پر گذرا کہ کوئی متنفس یار و یاور اور غمگسار و مددگار نہ تھا۔ طائف میں ہر طرف سے آپ پر اینٹ پتھر کی بارش ہو رہی تھی۔ آپ کے جسم مبارک سے خون جاری تھا۔ پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ لڑکوں اور خنڈوں کی بھیڑ غل مچاتی اور برا کہتی ہوئی مصروف کلوخ اندازی تھی۔ غار ثور میں آپ ایک رفیق کے ساتھ پوشیدہ تھے۔ اور خون کے پیاسے دشمن آپکا کھوج لگاتے اور تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ آپ قیصر روم کے حملے کی خبر سنکر تیس ہزار فوج لیکر مقام تبوک در سرحد شام کی طرف مدافعت اور مقابلہ کے لئے بڑھے اور قیصر روم آپ کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ کر سکا۔

مدینہ منورہ میں یہودی، عیسائی، بت پرست، ستارہ پرست وغیرہ مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کے لوگ موجود تھے سب کی متفقہ انجمن یا کونسل کے صدر یا پریزیڈنٹ آپ ہی قرار پائے اور سب آپ کے فیصلہ اور حکم کو آخری فیصلہ اور آخری حکم قبول کرتے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ آپ مدینہ منورہ کے تنہا مطلق العنان فرمانروا تھے۔ یعنی انجمن اقوام کے صدر ہونے کی حالت میں آپ کے حکم اور فیصلہ کا دوسرا اثر تھا اور بادشاہ عرب ہونے کی حیثیت میں دوسرا۔ آپنے ایک بیج کی خدمات انجام دیں اور ایک خندق کھودنے والے مزدور کا کام بھی کیا۔ آپ امی تھے اور تمام علما و فضلا کے معلم بھی۔ آپ ایک مستعد سپاہی کی حالت میں بھی رہے اور ایک بہادر سپاہی کی حالت میں بھی دیکھے گئے۔ آپنے بکھرے ہوئے اوراق کو مجتمع کرکے ایسی شیرازہ بندی کی اور ایک ایسی قوم بنائی جس کی نظیر دستیاب نہیں ہوسکتی آپ نے وحشیوں اور جاہلوں کو تہذیب و علم کا سب سے بڑا وارث بنا دیا۔ آپ مقنن تھے اور مجسٹریٹ بھی آپ تاجر بھی اور مزدور بھی۔ آپ مالدار بھی تھے اور مفلس بھی آپ محتاج بھی تھے اور غنی بھی آپ واعظ بھی اور محتسب بھی آپ دلسوز شفیق تھے اور بارعب حاکم بھی آپ بے تکلف دوست بھی اور باوقار استاد بھی۔ آپ دنیا کے بڑے بادشاہوں سے بھی خط و کتابت رکھتے تھے اور مفلس و نادار اصحاب صفہ میں بھی لے جلے نظر آتے تھے بڑے بڑے شہنشاہ آپ سے مرعوب تھے۔ اور ایک معمولی بڑھیا آپ سے بلاجھجک گفتگو کرتی تھی۔ آپ دستکار بھی تھے اور شہسوار بھی تو آپ اعلیٰ درجہ کے شہسوار بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار بھی۔ اور عابد شب زندہ دار بھی۔ آپ بچوں کے باپ اور بیبیوں کے شوہر بھی تھے۔ اور رعایا کے حاکم اور امت کے پیشوا اور رسول بھی۔ غرض کہ انسانی زندگی کے جس قدر شعبے اور جس قدر مدارج و مراتب تجویز کئے جا سکتے ہیں وہ سب کے سب ہم کو ایک آنحضرت محمد صلعم اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یکجا موجود نظر آسکتے ہیں۔ اسی لئے یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ ٹھہرا سکتا ہے اور آپ کی پیروی سے کامیاب و بامراد ہوسکتا ہے بخلاف اسکے دوسرے تمام مذاہب اور پیغمبران عالم کی زندگیوں کے حالات اگر ہم کو معلوم بھی ہوسکے ہیں قرآن میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا جس کی زندگی کو ہر شخص اپنے لئے مشعل راہ بنا سکے مثلاً ایک بادشاہ کسی شہر کو فتح کرتا اور فاتحانہ اس میں داخل ہوتا ہے تو اس کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ایسی حالت میں میرے ہادی اور میرے پیشوا نے مفتوحین سے کیا سلوک کیا تھا تاکہ میں بھی اس کے نقش قدم پر چل کر رضائے الٰہی حاصل کرسکوں۔ اس حالت میں اسکو فتح مکہ کا واقعہ یاد آئیگا کہ آنحضرت صلعم نے کس سیرچشمی کے ساتھ مکہ والوں کو معاف کیا اور قل لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ فرمایا تھا اسی طرح اس کو بھی راجہ اپنی زندگی میں بھی لنکا کی فتح کا واقعہ یاد آسکتا ہے کہ انہوں نے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ اور لنکا میں آگ لگا کر کس طرح مغلوب دشمن سے بدلہ لیا تھا لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں اسکو کوئی نمونہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ان کو کسی شہر کو فتح کرنے اور مفتوحین سے

کسی قسم کے سلوک کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ برتاؤ اور معاشرت کے متعلق جب کسی ہدایت و رہبری کا خواہاں ہوتا ہے تو اسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام وہ ارشادات یاد آجاتے ہیں جو والدین کے متعلق آپ نے فرمائے۔ اور لوگوں کو تاکیدی طور پر فرمائے اور اپنے سامنے ان پر عملدرآمد کرایا۔ اسی طرح اسکو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی وہ واقعہ یاد آجاتا ہے۔ جہاں انہوں نے اپنی والدہ مجیدہ کو "او عورت" کہکر مخاطب فرمایا اور ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن حضرت موسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں والدین کی اطاعت کے متعلق بائبل کے ذریعے کوئی نمونہ دستیاب نہیں ہوتا۔ ایک عیالدار آدمی اپنے بچوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرے۔ اس کے لئے آنحضرت صلعم کی زندگی میں اسکو قولی و فعلی ہر قسم کے نمونے مل سکتے ہیں۔ اسی طرح گوتم بدھ کی زندگی میں بھی اسکو نمونہ ملجاتا ہے کہ انہوں نے کس طرح بیوی بچوں کو پریشان و نامراد چھوڑ کر ترک علائق کیا لیکن مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ایسے نمونے تلاش کرنا فضول ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ دوسرے بانیان مذاہب کی زندگیاں خاص خاص پہلوؤں میں نمونہ بنائی جاسکتی تھیں اور نبی نوع انسان کے تمام افراد اور تمام زمانوں کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتیں۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ایک جامع زندگی ہے اور اسی لئے وہ قیامت تک ایک نمونہ رہے اور اسی لئے اسکو محفوظ رہنا چاہئے تھا اور اسی لئے وہ تمام انبیائے علیہم السلام کی زندگیوں کے قابل اقتدار پہلوؤں کو اپنے اندر مجتمع رکھتی ہے۔ موسےٰ علیہ السلام کی جوانمردی ہارون کی نرمی، ایوب کا صبر، داؤد کی سپہ گری، سلیمان کی شان و شوکت، یحییٰ کی سادگی، مسیحا کی حلیمی و فروتنی سب کچھ آنحضرت صلعم کی زندگی میں اعلےٰ و اتم طریقہ پر موجود نظر آتی ہے۔

ہمہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی کہ آپ کو اپنی زندگی میں وہ تمام واقعات پیش آئے جو بہت سے آدمیوں کو مختلف حیثیتوں میں پیش آسکتے ہیں۔ بلکہ آپکی زندگی میں ان تمام مختلف واقعات کا پیش آنا لازمی اور ضروری تھا کیونکہ آپ خاتم الانبیاء تھے۔ خدائے تعالےٰ نے جبکہ آپ کو خاتم الانبیاء بنایا تو پیدائش سے لے بادشاہت تک کے تمام بیشمار مراتب طے کرائے۔ تاکہ کامل نبی جس طرح کامل ہدایت نامہ کا حامل ہو اسی طرح اسکی زندگی بھی نوع انسان کے لئے کامل نمونہ بن سکے۔

اطلاع } ناظرین "القریش" یہ سنکر خوش ہوں گے کہ حضرت صاحبزادہ ظفر ہاشمی صاحب کا کلام جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کرچکا ہے عنقریب مجموعہ کی صورت میں شائقین کے ہاتھ میں ہوگا۔ اشاعت سے پہلے دفتر "القریش" میں آرڈر محفوظ کرالیں تاکہ شائع ہوتے ہی انکے نام بھیجا جائے

ایفائے عہد

(جناب حکیم محمد افتخار علی صاحب صدیقی وارثی)

کیا مبارک تھے طریقے احمدِ مختار کے
قول کے پورے تھے سچے آپ تھے اقرار کے

امرِ حق اظہار کرنے میں نہ ڈرتے تھے حضورؐ
جو زباں سے بات کہتے تھے وہ کرتے تھے حضورؐ

شام کو بیٹھے تھے اِک دن در پہ فخرِ مرسلاں
پیشوائے ہر دو عالم بادشاہِ دو جہاں

ہادیٔ برحق تھے راہ نیک سی تھا جن کو کام
قیصر و فغفور جن کے در کے تھے ادنےٰ غلام

اتفاقاً اس گھڑی یہ واقعہ نادر ہوا
اِک یہودی مصطفےٰ کے سامنے حاضر ہوا

نرخ جو بازار کا تھا طے وہ ہو کر آپ سے
اس یہودی نے خریدے خرمہ تر آپ سے

ہو چکا سب کام حجت تھوڑی باقی رہ گئی
کچھ دیئے دام اور قیمت تھوڑی باقی رہ گئی

اس نے حضرت سے کہا اے سب پاک امیں
دام میرے پاس موجود اس جگہ پورے نہیں

مجھکو جانے دیجئے پھر کر ابھی میں آؤں گا
دام جو باقی ہیں گھر سے لا کے سب دے جاؤنگا

وہ یہودی ہو کے رخصت آپسے آیا جو گھر
اپنے بچوں میں ہوا مصروف ہو کر بے خبر

اپنے وعدے پر رہے قایم حبیب کبریا،
رات بھر بیٹھے رہے در پر محمد مصطفےٰ

آپ تھے بیدار اپنے گھر یہودی بے خبر
الغرض نورِ سحر چمکا جبینِ چرخ پر

آسماں کی بزم سے غائب ستارے ہو گئے
سونے والے رات کے بیدار سارے ہو گئے

وعدۂ دوشنبہ کا آیا یہودی کو خیال
جی میں گھبرایا ہوئی دل کو پشیمانی کمال

دام لے کر خدمتِ شاہِ دو عالم میں گیا
عذر وعدہ بھول جانے کا یہودی نے کیا

ہنسکے حضرت نے کہا ہم بھولنے والے نہیں
راستہ دیکھا کئے سوئے نہیں بیٹھے رہے

ہم نے جو وعدہ کیا تھا اسکا تھا ہمکو خیال
تم اگر آ کر ملیٹ جاتے ہمیں ہوتا ملال

واہ رے وعدے کے سچے شاہِ ذیشانِ جگر
تجھپہ قرباں دل ہو صدقے تجھپہ ہو جانِ جگر

صحافت وکتابت

کاتب کا احساس ذمہ داری

زمانہ قدیم کے کتب وخطب اور بیاض ہائے قلمی اس لئے مرغوب ومطلوب ہیں کہ ان میں غلطی کا امکان نہیں، عہد ماضی کا کاتب اپنی ذمہ داری کا کماینبغی احساس رکھتے ہوئے اپنی تحریر کو نستعلیق، خوشخط، جاذب نظر، ضوابط وقواعد کے عین ماتحت خوبصورت ودیدہ زیب بنانے کے علاوہ اس بات کی انتہائی کوشش کرنا اپنا فرض اور ایمان سمجھتا تھا۔ کہ اسکی تحریر بدضع اور خلاف قواعد نہ ہو بلکہ اس قدر درست وصحیح ہو کہ مصحح کی ضرورت باقی نہ رہے۔ یہی وجہ تھی کہ فن کتابت اکل حلال قرار دیا گیا اور صحابہ کرام اور سلاطین اقالیم نے اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور یہی وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے عہد حاضرہ کی سنہری وروپہلی مطبوعات پر ان سادہ تحریروں کو اب بھی فضیلت وبرتری حاصل ہے اور قدردان ہزاروں روپیہ کے بدل ایک ایک نسخہ خرید کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے عہد جدید کی کتابت پرلے درجہ کی زٹیل اور بدرجہ اتم ناقص ہے اور کوئی خوبی اس میں موجود نہیں صحافت حاضرہ اس کی دست درازیوں سے اس قدر نالاں وگریاں ہے کہ الامان والحفیظ!

مضمون کے مطالب ومعانی اور مفہوم کو یکسر تبدیل کر دینا رحمت کو زحمت سے بدل دینا اس کا ادنیٰ اعجاز ہے اخبار ورسائل اور کتب وقصص کا تو کیا ذکر الہامی اور مذہبی صحیفے بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ قرآن کریم تک کے نسخے غلط لکھے جاتے ہیں اور ادب واحترام کا ذرہ بھر لحاظ نہیں کیا جاتا جہاں پر احساس ذمہ داری کی یہ کیفیت ہو وہاں اخبارات ورسائل شکوہ سنج ہوں تو کیوں؟ لہٰذا "القریش" کے مضامین سرتاسر غلط اور ناقص لکھے جانے پر تعجب نہ ہونا چاہیئے؟ اور سینہ پر صبر کی سل رکھ کر اغلاط کی صحت کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ اب سوائے اس کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔ لہٰذا ناظرین القریش بھی مئی وجون کے رسالہ کی موٹی موٹی اغلاط بقرار ذیل درست کر لیں اور ہمیں معذور سمجھیں اور امید ہے کہ ہمارے کاتب صاحب آئندہ شب تا میں غلط نویسی کی زحمت سے بچنے کی کوشش کرینگے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۹	کہکر	کہ
۵	۲	ہر ہر	ہر گھر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۳	کسی ادارہ	نہ کسی ادارہ
۵	۳	انجمن اور کسی	انجمن اور کسی
۷	۱۰	حق حکم	ناطق حکم
۷	۱۴	احتیاط	احتراز
۹	کالم ۲ سطر ۴	۱۵ ارجون	۱۵ ارمئی۔
۹	″ ۱ ″ ۱۱	قیمتی	قیمتی وقت
۱۰	″ ۱ ″ ۴	نسبت	نسبت فی الحقیقت
۱۰	″ ۱ ″ ۵	راسخ العقیدہ	ایک راسخ العقیدہ
۱۰	″ ۱ ″ ۶	آپ کی قرشیت سے	آپ کو قرشیت سے عناد تھے۔
۱۰	″ ۱ ″ ۷	آپ کے قطع و برید	آپکی قطع و برید
۱۰	″ ۱ ″ ۸	بصرہ	ثبصرہ
۱۰	″ ۱ ″ ۱۱	میں کشنر	میں کل کمشنر
۱۰	″ ۱ ″ ۱۳	گزا مینر نے سب	اگزامینر نے حسب
۱۰	″ ۲ ″ ۱	وسیع ... پر	وسیع پیمانہ پر
۱۰	″ ۲ ″ ۳	رک	کے لئے
۱۰	″ ۲ ″ ۱۱	۰ رجون	۷۔ جون۔
۴۹	سطر ۹	القریش کسی زندہ باذاق اور قدرشناس قوم کا رکن ہوتا تو نہ اس کی اشاعت میں کبھی تعویق نہوتی	القریش کسی زندہ باذاق اور قدرشناس قوم کا آرگن ہوتا تو نہ اس کی اشاعت میں کبھی تعویق ہوتی

خطوط کتابت وقت چٹ نمبر
کا حوالہ ضرور
دیا کریں
(مینجر)

تجلیاتِ ظفر

(رشحات قلم حضرت ظفر ہاشمی)

رختِ ہستی کو شرارِ غم سے گرماتا ہوں میں
آپ اپنی آگ میں گویا جلا جاتا ہوں میں
اہلِ محفل ڈھونڈتے ہیں اور میں ملتا نہیں
سرمۂ اہلِ نظر بن کر سما جاتا ہوں میں
آفرینش میں سراپا مہر کا پرتو ہوں میں
دل میں پنہاں جلوۂ حسنِ ازل پاتا ہوں میں
پھر بپا ہنگامۂ رنگ و نسب ہونے لگا
امتیازِ ملت و آئیں سے گھبراتا ہوں میں
سازِ دل نے جب سے چھیڑا ہے ظفر مضرابِ غم
اپنی ہر سر لے کو سرمستِ نوا پاتا ہوں میں

عربی فطرت و ذکاوت

صدر اسلام ہی میں عربوں کی توجہ علوم و فنون کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ اس میدان میں بھی وہ دوسری قوموں سے پیچھے نہیں رہے۔ ان کی علمی فتوحات نے تاریخ میں وہ نام چھوڑا ہے جس کو زمانہ آسانی سے محو نہیں کر سکے گا جس زمانے میں کہ یورپ پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور یورپی اقوام تہذیب و تمدن کے نام سے آشنا تک نہ تھیں۔ عربی ممالک علم و حکمت کی تابناک روشنی سے کرہ ارضی میں ماہ منیر کی طرح لمعہ افگن تھے۔ اہل عرب جہاں گئے۔ علوم و فنون نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ انہوں نے اپنے مسیحائی انفاس سے جہاں مردہ علوم و فنون کو جو کتابوں میں بند پڑے تھے۔ نئی زندگی بخشی اس کے ساتھ ہی اپنی خداداد ذہانت اور انتھک کوششوں سے اس علمی وراثت کو اور پروان چڑھایا۔ ان کی برکت سے دنیا کو قرون وسطیٰ کی تاریکی سے نجات ملی۔ اہل عرب نے علم دوست خلفاء کے ظل عاطفت میں کشت علم کو سینچا۔ اور اس میں وہ وہ جدتیں پیدا کیں۔ اور وہ گل بوٹے کھلائے۔ کہ ان کی عظمت و کمال کا انکار ممکن نہیں۔

تاریخ اسلام کا طالب علم عربوں کی حیرت انگیز قوت عمل اور سرعت کار دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ کہ کس طرح ایک قلیل مدت میں ایک نیم مہذب قوم تن و دق اور بے آب و گیاہ صحراؤں سے نکل کر دنیا کا مرقعہ پلٹ دیتی ہے۔ ان کی تلوار ایران و روم کی زبردست سلطنتوں کو سرنگوں کر ہی چکتی ہے۔ کہ اس کے دھنی دنیا کے سامنے ایک دوسرے لباس میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ یہ کسے معلوم تھا۔ کہ عرب کے بدو جو اپنے ماحول کے سوا دنیا و مافیہا سے قطعاً ناواقف تھے۔ قوموں کو علم و حکمت کا سبق دیں گے۔ اور اونٹوں کی مہار تھامنے والے اور بات بات پر خون کی ندیاں بہانے والے دنیا کو قعر جہالت سے نکال کر علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی دولت سے مالا مال کریں گے۔ عربوں کا زمانہ تاریخ عالم کا ایک زرین اور قابل فخر عہد ہے جس پر اہل عرب جسقدر ناز کریں۔ بجا ہے۔

فتوحات کے بعد خود ہی بلاد اسلامیہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک علمی لہر دوڑ گئی تھی۔ جس نے عربوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا۔ اور قلیل عرصہ میں اس ذہنی انقلاب کی آثار نمودار ہو گئے جس سے آگے چل کر رفیع الشان نتائج مرتب ہوئے۔

ساتویں صدی میں اسلام کا آغاز ہوتا ہے۔ اور آٹھویں صدی کی ابتدا ہی ہے۔ کہ عربی سلطنت دنیا کے ایک بڑے حصہ پر پھیل جاتی ہے۔ ارض شام کی فتوحات کا سلسلہ ۶۳۳ء سے شروع ہو کر ۶۳۸ء میں ختم ہوتا ہے۔ ایران اور جیحوں کا درمیانی علاقہ ۶۴۰ء تک عربی سیادت میں آجاتا ہے۔ مصر ۶۴۰ء اور شمالی افریقہ ۶۴۳ء اور روس اور یورپ کے جزائر ۷۹۹ء میں عرب فاتحین کے لئے دروازے کھول دیتے ہیں۔ شمال میں ارمینیا اور کوہ قاف تک عربی علم لہراتا

آتا ہے۔ آٹھویں صدی کے اوائل یعنی ۷۱۱ء میں ماوراء النہر اور ۷۱۲ء سے ۱۴۹۲ء تک اسپین عربی مقبوضات میں شامل ہوجاتے ہیں۔ تقریباً ایک سو سال بھی نہیں گذرتے۔ کہ ادھر سندھ سے لیکر پھر اوقیانوس تک اور ادھر کوہ قاف کی برفیلی چوٹیوں سے وسط افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں تک عربوں کا پرچم کوس لمن الملک الیوم بجاتا نظر آتا ہے:

اہل عرب مدیسوں کی طرح ملکوں کو فتح کرنے کے ساتھ ہی وہاں باقاعدہ نظم ونسق قائم کرنے میں مصروف ہوجاتے۔ اور پھر آگے بڑھتے۔ عرب صرف فاتح ہی نہ تھے۔ وہ بہترین حکمران اور اچھے مدبر بھی ثابت ہوئے جس ملک میں ان کے قدم پہنچے۔ اور جن شہروں کو وہ فتح کرتے۔ وہاں کا کونہ کونہ ان کی تجسسانہ نگاہوں سے نہ بچتا۔ مفتوحہ اقوام کے ساتھ ملنے میں عربوں نے کبھی بھی احتراز نہیں کیا۔ ان کے اس آزادانہ اختلاط نے ان کو بہت جلد محکوم قوموں کے مراسم و عادات، ان کی معاشرت اور ان کے علوم وفنون سے واقف کردیا۔ اہل عرب نہایت مستعدی اور غیر معمولی شوق سے سابقہ علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اپنی فطرت ذکاوت اور غور وفکر اور مشاہدہ کی قوت اور سب سے زیادہ اپنی غیر معمولی قوت عمل سے ان پر پورا عبور حاصل کرلیا:

شروع شروع میں اہل شام کی وساطت سے عربوں کو یونانی علوم سے سابقہ پڑا۔ اہل شام ان نسطوری علماء کے شاگرد تھے۔ جو رومی قیصروں کے مذہبی تعصب اور ان کے ظلم وجور سے تنگ آکر ایران میں پناگزین ہوئے تھے۔ یہ لوگ فلسفہ وحکمت اور خاص طور پر طب میں بدطولے رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑے وسیع پیمانہ پر اندیسا پور میں طبی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ جو نوشیروان نامی بادشاہ کے ہاتھوں تباہ ہوا اس کے بعد نیشاپور ان لوگوں کا مرکز قرار پایا۔ جہاں ۵۳۱ء میں خسرو نوشیروان نے فلسفہ اور طب کی تعلیم کے لئے دارالعلوم قائم کیا جس میں زیادہ تر نسطوری علماء معلم تھے۔ اس طرح یہ لوگ ایرانی بادشاہوں کی سرپرستی میں مشرق قریب میں یونانی علوم کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اہل شام کو اس میں سے ایک وافر حصہ نصیب ہوا:

اموی خلافت ہی میں فلسفہ یونان کی کتابیں اہل عرب کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ انہوں نے اس علمی سرمایہ کو اپنی گمشدہ چیز سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور ان کے مطالعہ میں غیر معمولی شوق اور رغبت کا اظہار کیا۔ لیکن اس راہ میں سب سے پہلا عملی قدم خلافت عباسیہ میں اٹھایا گیا۔ خلیفہ منصور نے اپنی نگرانی میں یونانی تصانیف کے ترجمے کرائے اور علوم وفنون اور فلسفہ حکمت کی ترویج واشاعت کی داغ بیل ڈالی۔ منصور کے جانشینوں ہارون الرشید اور مامون الرشید کی سرپرستی میں ان کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوئی۔ مؤخرالذکر کے زیر سایہ پایہ خلافت مشرق ومغرب کے علوم اور اور علماء کا مرکز بن گیا تھا۔ مامون کی علم دوستی دور دور از ممالک سے علماء کو بغداد میں کھینچ لائی۔ خلفاء کی علم پروری اور علوم وفنون کی قدر وقیمت نے رعایا میں بھی تعلیم وتعلم کا بے انتہا شوق پیدا کردیا تھا۔ یہ زمانہ علمی و دنیوی دونوں حیثیتوں سے انتہائی عروج وکمال کا عہد گذرا ہے:

تذکرۃ المشاہیر

مولانا جامی کا ذوق سلیم

اسم گرامی عبدالرحمٰن جامی۔ آپ جام مضافات ہرات خراسان میں پیدا ہوئے بچپن ہی سے ۵ بالائے سرش زہوشمندی۔ سے مانند ستارہ بلندی کے مصداق تھے۔ تصوف میں معراج حاصل تھی۔ لذت دنیا سے متنفر ہو کر ریاضت اور مجاہدہ میں بسر کرتے تھے۔ اور تمام اسباب دنیوی سے قطع تعلق کر کے ہرات کی مسجد میں قیام کر لیا تھا۔ جو کوئی زیارت کا شائق جاتا۔ سحر بیانی سے ایسا متاثر ہو جاتا۔ کہ اس کا اثر اپنے آپ میں ہمیشہ پاتا۔ مولانا کا انتقال ۱۴۹۲ء میں ہوا۔ آپ کے انتقال کا صدمہ تمام ہرات کو ہوا۔ خود سلطان حسین فرمانروائے ہرات اور تمام اکابر سلطنت آپ کے جنازہ کے ساتھ گئے۔ اور سرفروبشر نے ماتمی رسوم ادا کیں آپ کا ماتم عام طور سے دس یوم رہا۔ اور خواجہ علی شیر نے رحوآپ کے وجود بے تکلف اور بادشاہ کے وزیر تھے جن کا ذکر یوسف و زلیخا میں بھی ہے۔ بموجب وصیت کے مرگ آپ کے روضہ کا پتھر بعد ختم ماتم رکھا۔ اب تک آپ کا مزار زیارت گاہ ہے۔ حالانکہ انتقال فرمائے ہوئے پانچسو برس ہو گئے۔ مگر آپ کی شہرت کا آفتاب آسمان کمال پر چمک رہا ہے۔ آپ کی تصانیف تعداد میں ۴۰ ہیں۔ جن میں سے اکثر زمانہ کی دست برد سے کامیاب ہو گئیں۔ لیکن یوروپین عالموں نے کوشش کر کے ۲۲ جلدوں کا پتہ لگا لیا ہے۔ زیادہ تر آپ کی تصانیف عقائد اسلام پر ہیں۔ ایک نہایت عمدہ مجموعہ ہفت اورنگ نامی ہے جس میں یوسف و زلیخا بھی شامل ہے۔ سر ولیم جونس یوسف و زلیخا کی نسبت رقم فرماتے ہیں "فن نظم میں اعلیٰ درجہ رکھنے والی اور فصاحت میں بے مثل یہی کتاب ہے۔ اب میں کچھ غزلیں مولانا کے کلام غزل کے نمونہ کے طور پر درج کرتا ہوں۔

غزل

عارضیست ایں یا قمر یا لالہ زاراست ایں
یا شعاع شمس یا آئینہ دلہاست ایں

قامتیست ایں یا الف یا سرو یا نخل مراد
یا گل دستۂ باغ جناں آراست ایں

زلف تو زنجیر یا عناب یا مشک ختن
سنبل تر یا سمن یا عنبر ساراست ایں

چشم تو جادو ست یا آہوست یا جیب و خلق
یا دو دام سیاہ یا نرگس شہلاست ایں

یا رب ایں طاق ست یا محراب یا قوس قزح
یا ہلال عید یا ابروئے ماہ و ماست ایں

کوئے تو کعبہ ست یا فردوس یا خلد بریں
یا گلستان ارم یا جنت الماوی ست ایں

حقہ لعل است یا سرچشمۂ آب حیات | یا دہن یا میم یا طوطی شکر خاست ایں
یارب ایں خورشید تاباں ست یا ماہ تمام | یا فرشتہ یا پری یا شوخ بے پرواست ایں

بلبل بے خانماں یا طوطی شیریں زباں
قمری باغ جناں یا جاجئ شیداست ایں

دیگر

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام | بردرت ایں بار پشت دوتا آوردہ ام
چشم رحمت برگشا موئے سفید من نگر | گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
آں مے گوئم کہ بودم سالہا در راہ تو | ہستم آں گمرہ کہ اکنوں روبراہ آوردہ ام
دیو رہزن در کمیں نفس و ہوا اعدائے دیں | زیں ہمہ با سایۂ لطفت پناہ آوردہ ام
گرچہ روئے معذرت نگذاشت گستاخی مرا | کردہ گستاخی زبان عذرخواہ آوردہ ام

بستہ ام بر بیکد گر خارے زخلدستان طبع
سوئے فردوس بریں مشت گیاہ آوردہ ام

(خیابان عجم)

اعتذار و تشکر

خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے اس قدر طویل اور تشویش ناک علالت کے بعد شفا تو ہو گئی۔ لیکن دماغ پر شدت گرمی کی وجہ سے ہنوز اثرات باقی ہیں۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ اس اشاعت کا حجم غیر معمولی طور پر کسی قدر کم ہے امید ہے۔ کہ احباب اس کے لئے ہمیں معذور سمجھیں گے۔

میرے پریشان کن طویل علالت کی خبر پا کر جن برادران قریش نے ہمدردانہ خطوط ارسال فرمائے ہیں۔ میں انکی توجہ فرمائی اور ہمدردانہ دعاؤں کا بصدق دل مشکور ہوں۔

نیازمند

رونق

قول مسلم

اغیار سے یہ کہدو ہے یہ مکاں ہمارا
یہ سرزمیں ہماری یہ آسماں ہمارا

یہ باغ و راغ سارے جتنے ہیں سب ہمارے
یہ آب جو ہماری یہ گلستاں ہمارا

ہوتے ہیں کون اس میں صیاد اور گلچیں
مدت سے اس چمن میں ہے آشیاں ہمارا

اپنے لہو سے ہم نے ہر نخل کو ہے سینچا
ہم باغباں ہیں اسکے یہ گلستاں ہمارا

گلگشت ہم کو بھائی کچھ ایسی اس چمن کی
جس سے نہ یاد آئی پھر بھول کر وطن کی

اے اجنبی مگر تو واقف نہیں عرب سے
جو پوچھتا ہے ہم سے نام و نشاں ہمارا

مسکن قدیم اپنا ہر سرزمین بطحا
پہلے ہوا جہاں سے چشمہ رواں ہمارا

جو چاہے دیکھ آئے بیت الحرام مکہ
قائم ہے اس زمیں پر اب تک نشاں ہمارا

مرجع ہمارا اب تک ہے خاک پاک یثرب
جس خاک میں ہے سوتا وہ گلہ باں ہمارا

ہم اہل بادیہ ہیں اسلام کے فدائی
اس دین کے فدائی اس نام کے فدائی

ضرب المثل ہماری مہماں نوازیاں ہیں
ہم کو عزیز جاں سے ہے میہماں ہمارا

حاتم سے نام روشن ہمت کا ہے ہماری
جود و سخا میں عالم ہے مدح خواں ہمارا

ہم نے کبھی کسی سے آنکھیں نہیں چرائیں
مانگا ہو ہم سے اُس نے گو نقد جاں ہمارا

دب کر کسی کے آگے گردن نہیں جھکائی | اس واسطے لقب ہے شیر ژیاں ہمارا

ابنائے بادیہ ہم ڈرتے نہیں کسی سے
البتہ چھیڑ پہلے کرتے نہیں کسی سے

وہ ابنائے مغرب یعنی کہ جبل طارق | صدیوں اڑا کیا ہے اس پر نشاں ہمارا
یہ سرزمین مشرق کہتے ہیں ہند جس کو | قرنوں رہا ہے اس پر سکہ رواں ہمارا
تاج ہر قل اب بھی ہے زیب سر ہمارے | ہے پائے بوس اب تک تخت کیاں ہمارا
دشمن جو ہم سے آکر میدان میں لڑے ہیں | بھولے نہیں ابھی تک زخم سناں ہمارا
اس تیغ خونفشاں کی بیٹھی ہے دھاک سب پہ | اور مانتا ہے لوہا سارا جہاں ہمارا

ہم فخر جانتے ہیں جنگ و جہاد کرنا
حق بات کہہ کے اڑنا اور اس پہ لڑ کے مرنا

(محمد فاروق)

بیچدوں

مٹ جائے جس سے ملت و آئین کا امتیاز | مل جائے ایسا کفر تو ایمان بیچدوں
سرمایہ دار عیش دو عالم ہیں رنج و غم | اس مفلسی پہ زیست کا سامان بیچدوں

خریدوں

یہ جنس بیچ کو ملتی ہے سستی خریدوں | ہوش و خرد کو بیچدوں مستی خریدوں
جو کر رہی ہے عرش کے پردوں کو بھی نیاز | وہ تیرے سنگ در کی ہے پستی خریدوں
چھا جائے دو جہاں کے پردوں میں اے ظفر | ایسی کسی نگاہ کی مستی خریدوں

ظفر ہاشمی

ندوۃ القریش

سرکلر نمبر ۴

منجانب چیف سکرٹری "ندوۃ القریش" امرتسر۔ بمراد ملاحظہ فنانشل کمشنر صاحبان پنجاب، چیف سکرٹری گورنمنٹ، کمشنر صاحبان و جملہ ڈپٹی کمشنر صاحبان۔

بجواب چٹھی نمبری ۴۶۰۷ - مجریہ ۲۶ مئی ۱۹۳۱ء - منجانب صاحب ڈپٹی کمشنر امرتسر

التماس ہے۔ کہ

(الف) ایکٹ انتقال اراضی یا سٹینڈنگ آرڈر نمبر ۱ کا اصل منشا حقوق زمیندارہ کی حفاظت ہے لیکن جہاں تشخیص کی غلطی سے زراعت پیشہ اقوام نوٹیفائڈ نہیں ہو سکیں۔ وہاں قانون کا یہ منشا پورا نہیں ہو سکا؛

(ب) پنجاب کے صرف چھ اضلاع امرتسر۔ گورداسپور۔ فیروزپور۔ لدھیانہ۔ ریتلک اور حصار کے قریشی قانون کے اس مفاد سے محروم ہیں۔ بحالیکہ من حیث القوم یہ ایک مسلمہ زراعت پیشہ قوم ہے۔ اور پنجاب کی تمام قومیں مغل۔ پٹھان اور راجپوت وغیرہ اس کی زمیندارہ حیثیت کو تسلیم کرتی ہیں؛

(ج) اضلاع متذکرہ کے قریشی خاندان اپنے واجبی اور جائز حق (زراعت) کی تلاش میں اقوام مشتبہ میں مخلوط ہو رہی ہیں۔ اور اپنی قومیت گم کرنے پر مجبور ہیں۔ اور یہ ایک ناقابل تلافی قومی نقصان ہے؛

(د) محلانوالہ ضلع امرتسر کا قریشی خاندان جو ایک وسیع رقبہ زمین کا مالک اور کاشتکارانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور جسکی قومیت سرکاری کاغذات مال میں ۱۸۶۵ء سے "قریشی صدیقی" درج ہے محض حق زراعت کے لئے سنہ ۱۹۳۱ء میں "راجپوت" بن گیا ہے؛

گکڑ۔ منج اور دیگر مقامات پر اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں؛

(ی) اضلاع متذکرہ کے قریشی مالک۔ کاشتکار۔ اور زراعت پیشہ ہونے کے باوجود مشتہر نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم، ملازمت، ترقی، حقوق رائے دہندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں ناقابل برداشت نقصانات برداشت کر رہے ہیں۔ وہ نہ اپنی جاگیر و املاک کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اور نہ اپنی زمیندارانہ حیثیت میں حسب دلخواہ ترقی کر کے معاشری، سوشیلی۔ اور اقتصادی مدارج طے کر سکتے ہیں؛

لہٰذا

"ندوۃ القریش" قوم کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے حکومت کے عادل و انصاف، رعایا نوازی و حق پروری سے اپیل کرتا

ہے۔ کہ امور متذکرہ کا لحاظ کرتے ہوئے قریش ایسی مخزز۔ وفادار۔ زراعت پیشہ جنگجو اور تاریخی قوم کو اس کی جائداد و املاک جاگیر وراثت اور دیگر حقوق کے تحفظ کے لئے پنجاب کے ہر ضلع میں حقوق زراعت عطا کئے جائیں۔

(ق) سرکلر میمو نمبر ۳ مجریہ "ندوۃ القریش"۔ اس لئے قابل ملاحظہ ہے۔ کہ اس میں ان تمام امور کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ جو حقوق زراعت عطا کرنے کے لئے حکام کی معلومات کے لئے ضروری ہیں۔

امرت سر
یکم جولائی ۱۹۳۱ء

بشیر احمد شبلی۔ بی۔ اے
چیف سیکرٹری۔ "ندوۃ القریش"

(۲) معاون نمبر ۲۴۳۔ علاقہ بلوچستان سے اپنے ۲۸ جون ۱۹۳۱ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کے کام سے ازحد خوشی ہوئی۔ خداوند کریم دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ شکر ہے۔ کہ اس مُردہ قوم میں بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔ چند ایک فارم ممبری روانہ فرمائیں۔ تاکہ قریشی برادران سے پُر کرا کر بھجوائے جائیں۔ عنایت ہوگی۔ والسلام

(ا) قریشی محمد منیر صاحب ہیڈ کنسٹبل ضلع لائل پور لکھتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ میرا نام فہرست ممبران میں درج فرما کر مفصل ہدایات سے مطلع فرمائیے۔ چندہ عنقریب بھیجوں گا۔ ۱۹/۵/۳۱

(ب) قریشی پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی ضلع فیروز پور سے رقمطراز ہیں۔ "زراعتی حقوق سے متعلق "ندوہ" جن مساعی سے کام لے رہا ہے۔ وہ آجتک کوئی دوسری انجمن نہیں کر سکی۔ قوم کے اتلاف حقوق پر جسقدر فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ اسے اسقدر تساہل ہوتا گیا۔ بحمداللہ کہ "ندوہ" کو خدا نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کی توفیق دی۔ بے لوث خدمات نتیجہ خیز ہوا کرتی ہیں خدا جزا دے! دو روپے ۸ زر چندہ ارسال کر رہا ہوں۔ وصول فرمائیں۔ اور میرا نام بزمرہ ممبران ندوہ درج کریں۔ ۲۰/۵/۳۱

مولانا قاضی نظر حسین صاحب فاروقی کے ایک خط کے جواب میں چیف سکرٹری صاحب ندوۃ القریش لکھتے ہیں۔ کہ ندوہ کی کارگذاری برادران قریش کی واقفیت کے لئے القریش میں ساتھ کے ساتھ شائع کرا دیجاتی رہی ہے۔ اس لئے اگزکٹو کمیٹی القریش میں اس تکرار کی ضرورت نہیں سمجھتی ہے۔ امید ہے کہ آپ ممبران کی اس رائے سے متفق ہونگے۔ چیف سکرٹری

حکیم شہاب الدین صاحب اسسٹنٹ سکرٹری ندوۃ القریش کی وفات پر جن برادران قریش نے تعزیت نامے ارسال فرماتے ہوئے اظہار ہمدردی کیا ہے۔ کارپردازان القریش سکاکنان ندوۃ القریش، اور حکیم صاحب کے بھائی ڈاکٹر طالب علی صاحب وٹرنری انسپکٹر کی طرف سے ان کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ شبلی۔ چیف سکرٹری "ندوۃ القریش"

آپ کا مضمون "قریشی اور زراعت"۔ مشورۃً اگزکٹو کمیٹی میں پیش کر دیا گیا۔ کمیٹی کی رائے میں اس صورت میں جبکہ سرکلر نمبر ۳ حکام کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ اس مضمون کی اشاعت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تکرار ہے جس کا اب وقت نہیں۔ بہرحال ممبران کمیٹی آپ کی توجہ فرمائی کے مشکور ہیں۔

لیلےٰ کیا تم ہو؟

ایک پر درد افسانہ،

بنغازی کے قریب ایک بوڑھا عرب رہتا تھا اس کے سات آٹھ بیٹے اور فاطمہ نامی ایک بیٹی تھی جس کی عمر کوئی ۱۵ سال کی ہوگی۔ پانچ بیٹے تو ترکوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہو گئے ایک نوجوان بیٹا مصطفےٰ اور دو ایک کم سن بچے گھر ہی تھے مصطفےٰ ابھی سبزہ آغاز تھا اپنے ماموں کی لڑکی لیلےٰ سے اس کی شادی قرار پائی تھی۔ دونوں آپس میں اس قدر محبت کرتے تھے کہ ایک لمحہ کی جدائی بھی شاق تھی۔ مصطفےٰ کو اس خیال نے اب تک لڑائی میں شریک ہونے سے روک رکھا تھا۔ اگر میں چلا گیا اور دشمن یہاں آگیا تو میرے خاندان کی حفاظت کون کرے گا۔ اور لیلےٰ کو کنیز ہونے کون بچائیگا۔ لیکن اس کے بوڑھے باپ کو وطن کی محبت اور مذہبی حمیت کے خیال سے نہایت رنج تھا کہ مصطفےٰ نے اپنے بھائیوں کا ساتھ کیوں نہیں دیا اور وطن پر جان نثاری کے لئے کیوں نہ تیار ہوا۔ اسی فکر میں وہ ایک روز چاندنی رات میں سبزہ کے فرش پر اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ بوڑھا عرب کبھی آسمان کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سر جھکا کر زمین کو دیکھتا تھا یکایک اس کی نظر مصطفےٰ پر پڑی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور کہا مصطفےٰ یہ کیا بات ہے کہ تمہیں زندہ رہنے کی فکر ہے اور اپنے پانچ بھائیوں کے ساتھ جنہوں نے سلطان کی حمایت میں اپنا خون بہانا اور بدن پر گولیاں کھانا خوشی سے گوارا کیا ہے شریک ہونا پسند نہیں کرتے میں جانتا ہوں تم بہادر ہو عالی ہمت ہو تم نے شہسواری میں بارہا بازی جیتی ہے۔ تمہاری دلیری اور بہادری کی شہرت ہے میں اپنے قبیلہ میں تم پر فخر کرتا تھا تمہاری ذات پر مجھے پورا بھروسہ تھا لیکن افسوس ہے کہ میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم لڑائی سے جی چراتے ہو۔ نہ تم گھوڑے پر سوار ہوئے نہ تم نے تلوار کمر سے باندھی تمہاری ماں کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔

مصطفےٰ کیا میں نے تمہاری پرورش میں اسی دن کے لئے تکلیفیں اٹھائیں اور سختیاں جھیلیں کہ تم عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی قوم کی رسوائی کا باعث ہو۔ تم نے عرب کا نام ڈبو دیا۔ ہماری عزت کو داغ لگا دیا۔ اور ہمیں اپنی قوم کو منہ دکھانے کی قابل نہ رکھا۔

مصطفےٰ سر جھکائے یہ باتیں سن رہا تھا اور شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا تھا جب باپ کی تقریر ختم ہوئی تو اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ابا جان میں لڑائی سے اس لئے جان نہیں چراتا کہ میں بزدل ہوں اور نہ اسلئے کہ میرے دل میں دشمن کا کچھ خوف ہے۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میرا دل فولاد کا بنا ہوا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا

اس کے بعد یسلیٰ نے مصطفےٰ کو گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے قبیلے میں لے آئی۔ یہاں بہت روز تک علاج ہوتا رہا۔ جب مصطفےٰ اچھا ہوگیا تو پھر لڑائی پر روانہ ہوگیا۔ اس کی لیلےٰ بھی اس کے ساتھ گئی اور دونوں لڑائی میں مصروف ہوگئے۔ (حرم)

مرقعِ یاس

(جناب خورشید حسن صاحب خورشید جرنلسٹ)

پھر دل سے مرقع مٹنے لگا اسلام کی سب تصویروں کا
اس صفحہ پہ نقشہ بگڑا ہے اسلام کی سب تحریروں کا

حریتِ کامل جس نے سکھائی آج وہ مذہب مٹنے لگا
مسلم کے گلے میں حلقہ ہے الحاد کی سو زنجیروں کا

اسلام کی بستی زد میں ہے طوفان حوادث بڑھنے لگا
سیلاب تجدد دشمن ہے مذہب کی کہن تعمیروں کا

اصنام سماتے آنکھوں میں اے شاہدِ وحدت جلوہ دکھا
انجام کا ہوں بہبود طلب شکوہ نہیں کچھ تاخیروں کا

تقدیر کا قائل میں بھی ہوں لیکن ہے عمل بھی چیز کوئی
محتاج ہے انسان حسنِ طلب ہیں اول سے تدبیروں کا

اسلام کی رکھ لے عزت کو مذہب کی دکھے عظمت کو
اے مسلم اُٹھ میدان میں آ پھر شور سنا تکبیروں کا

تنظیم سے ذرے مٹی کے تبدیل ہوئے جب پتھر میں
اے اہل وطن تم دیکھ چکے منہ پھیر دیا تسخیروں کا

چاروں ہی طرف سے گھیرا ہے رہزن کو گروہ رہزن نے
اب راہِ حق میں چل نہ سکا اک قافلہ بھی رہگیروں کا

فریاد کی لے بھی بھول گئے نالوں کو بھی ہیں بند ہوئے
فراق میں جب صیاد نے باندھا کس کے گلا نخچیروں کا

جب قول پہ بازی لگنے لگی افعال کی حاجت ہی نہ رہی
لیڈر کے لئے ہے کام فقط اسٹیج پہ کچھ تقریروں کا

سنتے ہیں کہ مشرق جاگ اٹھا مغرب کے بری دن آئے ہیں
جادو سا بھرا ہے وقت سحر کچھ آہوں میں تاثیروں کا

بخشش نے سہارا دے ہی دیا تقدیر بگڑ کر بن ہی گئی
رحمت نے لیا ہے جائزہ پھر تو رشید میری تقصیروں کا

تاریخ اسلام کا ایک ورق

خواتین اسلام کے زرّیں کارنامے

اسلامی غیرت وحمیّت کے غیر فانی آثار

قرونِ اولیٰ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو مردوں کے دوش بدوش عورتوں کے کارنامے بھی بکثرت دکھائی دینگے مشکل کے وقتوں میں سخت سے سخت کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹایا ہے۔ یہاں تک لڑائیوں میں شریک رہی ہیں اور ان کی جرأت و بہادری کا حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعتراف فرمایا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب کا یہ دستور تھا کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جنگوں میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ وہ برابر معرکۂ کارزار میں اپنے بھائیوں بیٹوں اور شوہروں کے دست و بازو ہوتی تھیں۔ عام طور پر لڑائیوں کے موقعہ پر وہ صفِ جنگ کے عقب میں رہا کرتی تھیں۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح مردوں کی تیمارداری کریں۔ گھوڑوں کو چارہ اور پانی دیں اپنے بہادر اور جانباز شوہروں کو آرام پہونچائیں۔ اسلاف کے کارناموں سے ان میں جوش پیدا کریں۔!

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے مشکیزہ سے بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کی پیاس بجھاتی تھیں۔ محدث ابونعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں جو فوج بھیجی گئی تھی اس کے ساتھ مدینہ منورہ سے چھ عورتیں بھی چلی تھیں۔ جنکی خبر رسول خدا صلعم کو نہ تھی۔ جب یہ حال معلوم ہوا تو حضور علیہ السلام نے خفا ہوکر فرمایا۔ تم کس کی فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی۔ عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں۔ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کرینگی ان کے جسموں سے تیر نکالینگی کھانے پینے کا انتظام کرینگی۔ اسپر حضور نے ساتھ رہنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور جب جیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو حضور نے مال غنیمت کا حصہ تقسیم کیا۔

ابن جریرہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ایک موقع پر مسلمانوں نے اپنے مقتولین و مجروحین کو ایک جگہ جمع کرکے صفوفِ لشکر کے پیچھے ڈالدیا اور جو لوگ تجہیز و تکفین کے لئے متعین تھے انہوں نے مجروحوں کو تو عورتوں کے سپرد کردیا اور شہداء کی تدفین میں خود مصروف ہوگئے۔

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ۔ ایک عورت جو میدان جنگ میں موجود تھی اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا

خاتمہ ہو چکا تو ہم جتنی عورتیں فوج کے ساتھ گئی تھیں رزمگاہ کی طرف اپنے ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے ہوئے چلیں جہاں کوئی مجروح مسلمان نظر آیا سے اٹھا کر خیموں میں لے آئیں،

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلاف میں ام سلیط (ایک صحابیہ) کو جو غزوۂ احد میں رسول علیہ السلام کے ساتھ شریک تھیں، اس بنا پر ایک خاص عطیہ دیا کہ اس نے ایسے وقت میں اسلام کی مدد کی تھی جبکہ مردوں کے قدم بھی میدان کارزار سے اکھڑ چلے تھے۔ ان واقعات سے خواتین اسلام کی قومی ہمدردی اور بہادری ظاہر ہوتی ہے جو خدمات معرکۂ جنگ میں عورتوں کے سپرد ہوا کرتی تھیں انکی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) زخمیوں کو پانی پلانا (۲) عساکر اسلام کے کھانے کا انتظام (۳) مجروح سپاہیوں کی مرہم پٹی کرنا۔ (۴) شہداء کی قبریں کھودنا (۵) زخم خوردہ بہادروں کو معرکۂ جنگ سے اٹھا لانا (۶) ضرورت کے وقت فوج کی ہمت بڑھانا اور اسکی امداد کرنا۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمۂ کذاب نے ادعائے نبوت اور بمقام یمامہ ایک روز لڑتے لڑتے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے ام عمارہ بھی شریک تھیں اور جب تک انکا ہاتھ زخمی نہ ہوا وہ برابر اعدائے اسلام سے لڑتی رہیں، اس معرکے میں ام عمارہ کو بارہ زخم لگے۔

۱۳ھ میں جب مسلمان نے دمشق پر لشکر کشی کی۔ چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ انہیں یہ خبر پہنچی کہ نوے ہزار فوج بڑے سازو سامان کے ساتھ اجنادین پر جمع ہو رہی ہے۔ اسلامی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کی جو عراق کو پامال کرنے کے بعد دمشق میں آکر ملگئے تھے یہ رائے قرار پائی کہ تمام اسلامی افواج کو سمیٹ کر ایک جگہ مجتمع کر لینا چاہیئے ان فوجوں کی مجموعی تعداد جو یہیں ہزار تھی کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی۔ خالد بن ولید خود آگے آگے جا رہے تھے۔ اور ابوعبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے لئے ہوئے مع سامان خیام و رسد پیچھے جا رہے تھے اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں ان کو انتقام لینے کا نہایت مناسب موقع مل گیا۔ فوراً قلعے کا دروازہ کھولکر پیچھے سے حملہ کر دیا قیصر روم نے دمشق کے لئے کچھ امدادی فوج روانہ کی تھی۔ وہ بھی عین وقت پر آپہنچی اور آتے ہی مسلمانوں کو روک لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت قابل رحم تھی۔ کیونکہ ایک طرف لڑ رہے تھے اور ایک جانب کا حملہ روک رہے تھے لیکن ان کی زیادہ تر توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی۔ جب اہل دمشق نے مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعۂ دمشق کا رخ کیا اسوقت حالت بیحد دردناک تھی۔

مسلمان غیرتمند عورتوں نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا۔ خولہ بنت ازور نے کہا۔ بہنو! کیا تمہاری غیرت گوارا کر سکتی ہے کہ تم

مشرکین دمشق کے قبضہ میں آجاؤ۔ کیا تم عربی شجاعت وحمیت میں داغ لگانا چاہتی ہو میرے نزدیک تو ایسی ذلت سے مرجانا بدرجہا بہتر ہے۔ ان فقروں نے مسلم خواتین کے دلوں میں ایک آگ سی لگادی۔ ان غیور خواتین نے خیموں کی چوبیں لے کر باقاعدہ حلقہ باندھے ہوئے آگے بڑھیں۔ سب کے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھی اس کے بعد غفیرہ بنت عفار ام ابان بنت سلمہ بنت نعمان، ابن مقرن وغیرہ تھیں۔ ان بہادر عورتوں نے دیکھتے دیکھتے تین لاشیں گرادیں

ایڈورڈ گبن اپنی کتاب میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مسلمان عورتوں کی عفت وعصمت، دلیری وبہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیراندازی میں اپنا آپ جواب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقعہ پر بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔

جنگ یرموک میں جو مسلمان شریک ہوئے انکی چالیس ہزار تعداد تھی۔ دوسری طرف رومیوں کی تعداد دو لاکھ سے کم نہ تھی۔ یہ طوفان خیز ٹڈی دل اس جوش وخروش سے آگے بڑھا کہ گمان ہوتا تھا کہ ایک ہی حملہ میں مسلمانوں کو خاک عدم میں سلادیگا۔ یرموک کے میدان میں دو لاکھ فوجوں کا مقابلہ ہوا عیسائی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے۔ ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تین ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ پیچھے ہٹنا بھی چاہیں تو نہ ہٹ سکیں۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل اس زور شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا کہ اسلامی عسکر کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمے گاہ تک آگیا۔ دو قبیلے ایک مدت تک عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے۔ اور اب مسلمان ہوگئے تھے میسرہ (بائیں حصے) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے۔ رومیوں نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ مرعوب ہوکر تنہائی بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے رومی تعاقب کرتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک پہونچ گئے۔ یہ دیکھکر عورتوں کے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔ فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس قدر سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا دفعتہً تھم کر پیچھے ہٹا۔ خواتین بھاگنے والوں کو روک کر مسلمانوں کو غیرت دلاکر ان میں جوش پیدا کرنے لگیں۔ عورتوں کی کوشش کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے۔ قریش کی عورتیں تلواریں سونت کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں حضرت معاویہ کی بہن عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں۔ اور نہایت دلیری سے لڑکر زخمی ہوئیں۔ حضرت معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ مردوں کو مخاطب کرکے یہ کہتی تھیں۔ عربو! مردبنجاؤ مرد ضرار بن ازور کی بہن خولہ مسلمانوں کی غیرت کو اکساتی تھیں اور یہ شعر پڑھ پڑھ کر جوش لاتی تھیں

یاھاربا عن نسوۃ تقیات رمیت بالسھم والمنیات

ترجمہ: اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! تم تیروں اور موت کا نشانہ بنجاؤ۔

یہ ہیں وہ کارہائے نمایاں جو اسلام کے قرون نیرہ میں جنس نازک نے پیش کئے اب وہ زمانہ ہے کہ عورتیں وعورتیں مردوں میں بھی اس قسم کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

محیر العقول تاریخی واقعات

(۱) عبدالملک ابن عمر لیثی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر سلطنت میں ایک حضرت حسینؓ ابن علیؓ کا سر مبارک عبداللہ ابن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا، اس کے بعد کچھ مدت نہ گذری تھی کہ اسی شاہی محل میں عبداللہ ابن زیاد کا کٹا ہوا سر مختار ابی عبید کے سامنے رکھا دیکھا۔

پھر ابھی کچھ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مختار ابی عبید کا سر اسی جگہ مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھنے کا اتفاق ہوا آخر اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد ہی مصعب بن زبیر کا سر بھی عبدالملک ابن مروان کے آگے رکھا ہوا دیکھا لیا فسبحن الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون۔

اس واقعہ کے راوی عبدالملک ابن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ اس شاہی محل کے موجودہ مکین خلیفہ عبدالملک ابن مروان سے بیان کیا تو اسے بھی مستقبل تاریک نظر آیا۔ چنانچہ اس نے فوراً اس مکان کو چھوڑ دیا۔ (صبح الاعشی)

(۲) عبداللہ ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عاشورا یعنی محرم کی دسویں تاریخ میں شہید کیا تھا حق تعالےٰ نے اس کو بھی یوم عاشورا میں ابراہیم ابن اشتر کے ہاتھوں ہلاک کیا۔

(۳) سرور کائنات افضل موجودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر کے دن ہوئی آپکو خلعت نبوت بھی اسی روز عطا ہوا۔ آپ نے اسی روز مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ اور پھر اسی روز وفات پائی۔

(۴) حضرت عمرو بن العاص صحابی اور ان کے صاحبزادہ عبداللہ کی عمر میں صرف ۱۳ سال کا فرق تھا۔ یعنی عبداللہ اپنے والد سے صرف ۱۳ سال چھوٹے تھے اور اس کا معکوس لطیفہ دو بھائی، ایک محدث عبیدہ بن ربندی اور دوسرے عبداللہ کی عمر میں ہیں کہ عبداللہ اپنے بھائی سے سو برس چھوٹے تھے۔ (صبح الاعشی)

(۵) حضرت مہلب ابی صفرہ کے تین صاحبزادے مزید اور زیادہ اور مدرک پیدائش بھی ایک ہی دن میں ہوئی اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ وفات میں بھی تینوں نے رفاقت کی۔

(صبح الاعشی صفحہ ۴۴۴ جلد اول)

القریش کی مدد آپ کن طریقوں سے کر سکتے ہیں؟

جو حضرات "القریش" کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اس کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ہم ان کے سامنے وہ وسائل وذرائع پیش کرتے جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات ورسائل کی امداد واعانت کرتی ہیں۔

۱ ۔ رسالہ خود خرید کر۔
۲ ۔ برادری میں پرچوں کو تقسیم کرا کر۔
۳ ۔ غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ جاری کرا کر۔
۴ ۔ قوم کے مشہور ومعروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو "القریش" کے لئے مضامین لکھنے پر آمادہ کر کے۔
۵ ۔ انگریزی۔ عربی اور فارسی کی ایسی کتابیں رسالہ کے لئے مہیا کر کے جن کے تراجم کی اشاعت فی زمانا مسلمانوں کے لئے دینی ودنیاوی نقطۂ نظر سے کچھ مفید ہو۔
۶ ۔ رسالہ کی صوری ومعنوی نقائص کی اصلاح کے متعلق قیمتی مشورہ دے کر۔
۷ ۔ قوم کے معززین اور علم دوست حضرات کے مکمل پتے بھجوا کر۔
۸ ۔ تذکرۂ برادری سے متعلق مضامین اور خبریں بھجوا کر۔
۹ ۔ اعزا واحباب اور متوسلین کو خریدار بنا کر۔

اور نیز
اسی قسم کے دیگر وسائل اختیار فرما کر
فیاضند:۔ منیجر

قواعد

۱ ۔ "القریش" ہر انگریزی مہینے کی ستر تاریخ کو باحتیاط تمام پوسٹ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ۲۵ تاریخ تک اگر کسی بھائی کو موصول نہ ہو۔ تو وہ آئندہ مہینے کی پہلی تاریخ تک دفتر سے مکرر طلب کر سکتے ہیں۔
۲ ۔ نقل مکانی کی وجہ سے جن احباب کا ایڈریس تبدیل ہو جائے۔ ان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے جدید پتہ سے دفتر کو مطلع کر کے اپنے ایڈریس کی صحت کرالیں۔ ورنہ عدم رسی رسالہ کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔
۳ ۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ورنہ جواب نہ دیا جائیگا۔
۴ ۔ بیرنگ خطوط وصول نہ کئے جائیں گے۔
۵ ۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہ کئے جائیں گے۔
۶ ۔ ہر قسم کی خط وکتابت میں "خریداری نمبر" کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
۷ ۔ نمونہ ملاحظہ کرنے والے حضرات اگر مثالئے خریداری وعدم خریداری سے مطلع نہ کریں گے۔ تو دوسری اشاعت کا پرچہ انکی خدمت میں وی۔پی بھیجا جائیگا۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی واخلاقی فرض ہوگا۔
۸ ۔ طلبا بشرط تصدیق سالانہ قیمت میں آٹھ آنہ کی رعایت لے سکتے ہیں۔ مگر رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنی ہوگی۔

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | ماہ اگست ۱۹۳۱ء | نمبر ۸

اللہ و رسولؐ

از جناب ابوالظفر حضرت فاتح

جب تک رگِ حیات میں ساری لہو رہے
آنکھوں میں تو ہو دل میں تیری آرزو رہے

سودا ہو کوئی سر میں تو سودا ہو بس ترا
ہو لب کشا دہن تو تری گفتگو رہے

اللہ اور رسولؐ کی الفت ہو دل میں یوں
جس طرح گل میں ایک ہی جانگ و لو رہے

اندوہ و یاس و غم سے نہ مسلم ہو آشنا
پیشِ نظر جو آیہ لَا تَقْنَطُوْا رہے

پھر یورشیں ہیں ملّتِ بیضا پہ کفر کی
مسلم سحر کو بہرِ دعا قبلہ رو رہے

اب جاہ دو ہے طرزِ عمل اپنا دیکھنا
اب تک تو آشنائے کلو و اشتر و رہے

ہے آبرو اسی میں کہ مٹ جائیں دین پر
وہ زندگی ہی کیا ہے نہ گر آبرو رہے

فاتحؔ ہے نام اپنا یہ کہتے ہیں برملا
خائف ہمیشہ ہم سے ہمارے عدو رہے

مسلمان اور شریعت

قرون اولےٰ کے مسلمانوں نے قرآن کریم کے عروۃ الوثقیٰ کو ذریعہ ترقی و فلاح قرار دیا۔ تو اقالیم عالم پر پرچم کامرانی لہرانے میں کامیاب ہوئے۔ دینی و دنیوی ترقیاں، مال و منال، جاہ و جلال عظمت و حشمت ان کے قدموں میں تھی۔ وہ جس طرف رُخ کرتے فتح و نصرت ان کے ساتھ ہوتی۔ دینی شوکت عدیم النظیر تھی۔ تو دنیوی رفعت میں بھی وہ بے مثال تھے۔ کفرستان اسلام آباد بن گئے۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے دشت و جبل گونج اٹھے۔ اور سنسان جنگل اور ویرانے آباد ہو گئے۔ اور نہایت امن و اطمینان کے ساتھ بلا جبر و اکراہ چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا۔ تمام حکومت ان کے ہاتھ میں تھی۔ اور نظام و تنظیم ایک اشارہ کے محتاج تھے۔ لیکن جونہی وہ صراط مستقیم سے بھٹکے۔ پائے ثبات میں لغزش آئی۔ یہ تمام فضیلتیں تمام خوبیاں، تمام قوتیں اور تمام جوہر ان سے چھن گئے۔ تنزل و انحطاط کا دورہ شروع ہوا۔ اور حضیض ذلت میں ایسے گرے۔ کہ پھر ابھرنے کی طاقت نہ رہی۔ افلاس و ادبار کی گھٹائیں ان کے سر پر چھا رہی ہیں۔ افتراق و تشتت کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ اور وہ کسی میدان میں کامیاب و فائز المرام نہیں ہوتے۔ ذاتیات و نفسیات کی وجہ سے ان کی مفید سے مفید اور بہتر سے بہترین سکیمیں فیل ہو رہی ہیں۔ اب نہ وہ تنظیم اور نہ اتحاد ملی۔ آہ!

صفتاں ہمہ گور و مسلمانی در کتاب

زبانی جمع خرچ ان کا معیار ترقی اور قلم کاری ان کا جہاد و تنظیم، مجالس خلافت۔ مجالس تبلیغ و تنظیم جب منفعت کی نذر ہو کر رہ گئیں۔ اسلامی سفاد کانگرسی پروپیگنڈہ کی جھینٹ چڑھ گئے۔ اور رہنمایان ملت کانگرس میں جذب ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب کمزوری و ناتوانی، پس افتادگی و پریشانی کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ دین قیم کی معمولی سے معمولی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ لاکھ کوشش کی۔ ہزار سر مارا۔ کہ کلام الٰہی کی بے ادبی اور روحی فداہ پیغمبر اسلام کی گستاخی کا دلخراش اور جگرپاش تواتر منقطع ہو جائے۔ سارداہل اصول و قانون اسلامی میں بے جا مداخلت نہ کرے۔ مسلم آزاری، مسلم کشی اور مذہبی عناد و فساد کا سلسلہ رک جائے۔ لیکن کوئی کوشش کوئی سعی اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ مسلمان اس سے کچھ نہ سیکھ سکے۔ انہیں عبرت نہ ہوئی۔ وہ آزادی وطن کے سراب میں دھوکہ پر دھوکہ کھا رہے ہیں۔ اور بے حس و حرکت منہ دیکھ رہے ہیں۔

ان کا خون منجمد ہو چکا۔ رگ حمیت میں جوش اسلامی نام کو نہیں۔ لہو بان غوغ چشم کا جادو چل چکا۔ اور یہی ان کا مصر وحید تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اخبارات و جرائد کی تازہ اشاعتیں منظر ہیں۔ کہ واقعات الیمہ اور حادثات عظیمہ نے خیالات اور رجحانات کا رنگ و رُخ یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ بعض مسلمان اگرچہ صدموں پر صدمے برداشت کرنے کے باوجود بھی کانگریسی تسبیح کے دانے گن رہے ہیں۔ اور وہ اسی کو ذریعہ نجات قرار دے چکے ہیں۔ لیکن اکثر اس کے دام فریب سے بچکر نکل آئے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ملی مفاد کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کیا جائے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو عجب نہیں۔ کہ زوال و ادبار کی نحوست امت کے سر سے ٹل جائے۔ اور مسلمان دین قیم کی حفاظت کے قابل ہو کر صحیح معنوں میں آزادی سے ہمکنار ہو سکیں۔ خدا وہ دن جلد لائے۔ کہ مسلمان مسلمان ہو جائیں۔ اور قرون اولی کا زمانہ عود کر آئے۔ لیکن یہ اس وقت تک سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ جب تک کہ دنیائے اسلام متفقہ و متحدہ طور پر اس کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ اور قوائے ملیہ کی تنظیم و ترتیب میں اپنا پورا زور صرف نہ کر دیا جائے؛

اصلاح ائمہ اور اصلاح الرسوم لاریب مفید تحریکیں ہیں۔ اور ان سے بیشتر مفید نتائج مترتب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اہم مقاصد بھی اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں۔ جبکہ منتشر اجزائے ملیہ کی ترتیب و تدوین عین اسلامی اصولوں کے ماتحت شروع کر دی جائے؛

اصلاح ائمہ کی تجویز کئی سال سے متواتر ہنود روز اول ہی کے دائرہ میں محدود ہے۔ اور محض تجویز ہی تجویز ہے۔ اب معلوم ہوا ہے۔ کہ ملک دین محمد صاحب ایم۔ ایل۔ سی شریعت اور رواج کے متعلق ایک مسودہ قانون پیش کرنے والے ہیں۔ خدا ان کے عزائم میں برکت دے۔ اور وہ اپنی تجویز منظور کرانے میں کامیاب و بامراد ہوں۔ لیکن اس قسم کی کوششیں اور تجویزیں جب ہی مفید مطلب ہو سکتی ہیں۔ جب مسلمان شریعت حقہ اسلامیہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا اور کامرانی و فائز المرامی کا ذریعہ قرار دیں۔ ان کا ہر کام شریعت کی پیروی میں ہو۔ شادی ہو یا مرگ، خوشی ہو یا غمی، ترکہ ہو یا وراثت۔ سب کچھ شعائر اسلام کے ماتحت ہو۔ کیا فرزندان اسلام خصوصاً رہنمایان قوم ملت کی اس اہم ضرورت کی جانب متوجہ ہو کر کوئی عملی قدم اٹھانے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؛

صوبہ برار اور حضور نظام

لارڈ ریڈنگ کے زمانہ اور سر علی امام کی وزارت کے ایام میں حضور نظام نے اپنے صوبہ برار کی واپسی کا سوال اٹھایا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں کامیابی نہ ہو سکی۔ اب حضور نظام دکن نے پھر واپسی برار کا سوال اٹھانا چاہا ہے۔ اور اور ہلی کا ایک تار منظر ہے۔ کہ اس مرتبہ اس سوال کو گاندھی جی گول میز کانفرنس میں پیش کرینگے۔ کیونکہ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ برار سلطنت آصفیہ کا ایک صوبہ ہے جسے تاجدار دکن نے گورنمنٹ ہند کو رعایتاً دیا تھا۔ اور ہر صوبہ متوسط کی حکومت نے جو یا دداشت سائمن کمیشن کے روبرو پیش کی تھی۔ اس میں صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ کہ برار برطانوی ہند کا صوبہ نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ اکاق برار کے متعلق تمام کاغذات لائق ترین وکلاء کے مشوروں سے مرتب کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ گول میز کانفرنس اور فیڈرل کمیٹی میں حضور نظام کے دعاوی مضبوطی کیساتھ ظاہر ہو سکیں؛

خواجہ حامد تونسوی مرحوم

قبلۂ عالم خواجۂ نور محمد مہاروی جب دہلی پہنچکر حضرت فخرِ جہاں فخرِ ماں مولانا فخر الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا نے فرمایا۔ میاں صاحب آپ کو خواجگانِ چشت کی جانشینی مبارک ہو۔ خواجہ نور محمد صاحب نے دست بستہ عرض کی۔ کہ فدوی تو پنجابی ڈھگہ ہے۔ اس کام کو مجھ ناچیز سے کیا واسطہ۔ مولانا نے فرمایا مشیت اللہ یہی ہے۔ کہ آپ قبلۂ عالم کہلائیں۔ اور خواجگانِ چشت کی خلافت بیسوں بسوہ ملے۔ قبلۂ عالم کی حاضری سے پہلے مولانا فخر صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس دلی میں ڈاکہ پڑنے والا ہے۔ خوش اعتقاد لوگوں نے پوچھا۔ یہ ڈاکہ شہر میں کب پڑیگا۔ حضرت نے فرمایا۔ فلاں تاریخ فلاں دن۔ پوچھنے والوں نے اپنے گھر جا کر تلوار بندوقیں ڈاکوؤں کے مقابلہ کے لئے صاف کریں اور جب مقررہ تاریخ پر ڈاکہ نہ پڑا۔ تو مریدوں نے مولانا سے عرض کی۔ ہم نے تو حضور کے فرمانے کے بموجب آج ڈاکہ کا انتظار کیا۔ مگر ڈاکہ نہ آیا۔ حضرت نے فرمایا۔ ڈاکہ ضرور پڑا۔ نور محمد پنجابی مجھے لوٹ کر فقر کی دولت دہڑی دہڑی لے گیا ؎

تن مٹکی من جہر ناسرت بلوون ہار　　مکھن پنجابی لے گیا چھاچھ ہوسینار

چنانچہ قبلۂ عالم مرجع خلائق ہوئے۔ اور آپ کا ڈنکہ چار دانگ ہندوستان میں بجگیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد وہ دولت فقر و عرفان حضرت قبلۂ عالم سے شاہ محمد سلیمان تونسوی کو پہنچی۔ اور بحمد اللہ تعالےٰ اس فضل و کمال سے تونسہ شریف اب تک جگمگا رہا ہے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب کے جانشین آپ کے پوتے شاہ اللہ بخش صاحب ہوئے۔ اور ان کے بعد آپ کے فرزند ولبند حافظ محمد موسےٰ صاحب آپ کے جانشین ہوئے۔ اور حافظ صاحب قبلہ کے بعد آپ کے پسر والا گہر خواجہ حامد صاحب باضابطہ سجادہ نشین ہوئے۔ اور افسوس صد افسوس! کہ خواجہ حامد صاحب نے ۲۴۔ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ میں رحلت فرمائی۔ اور آپ کی گدی کے مالک آپ کے خلف الصدق جناب خواجہ سید الدین صاحب ہیں۔ سلمہ ربہٗ۔ فقیر ناصر نذیر فراق دہلوی کاتب الحروف کے گھر میں سلسلہ نقشبندیہ موجود تھا۔ کیونکہ میرے جد امجد ماری خواجہ میر درد صاحب دہلوی حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبندیہ کی اولاد میں ہیں۔ اور میں اس سلسلہ میں مجاز تھا۔ مگر میں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو پیر پٹھان فلک رخش خواجہ اللہ بخش تونسوی سے حاصل کیا۔ اور دو بار تونسہ مقدسہ میں حاضری دی۔ ایک بار پیر و مرشد کی حیات میں اور ایک بار خواجہ حامد صاحب کے مبارک عہد میں اور دونوں بار کئی کئی ماہ تونسہ شریف میں جمعہ سائی کی۔ اور درود مستغاث اور دلائل الخیرات وغیرہ وغیرہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کی تصانیف کی مع اوراد نصیریہ کے اجازت

حاصل کی۔ ان سب حضرات کے اوصاف ہزار و ہزار اور فیضان بیشمار ہیں۔ خدا کی رحمت اور درودیں امت کی ارواح طیبہ پر مدام برستی رہیں۔ اب فراق دہلوی چند تاریخیں مرشدزادہ عالمیاں خواجہ حامد میاں کی رحلت کی پیش کرتا ہوں۔

قطعہ اوّل

دیدنا چشم جود و کرم خورشید تابانی — جناب خواجہ حامد دُرِ تاج سلطانی
ازیں دنیائے دوں رفت سفر بملت راہی شد — بہ سنگر رنج و غم بادید اندوہ تباہی شد
چہ خواجہ خواجۂ کامل چہ کامل کامل واصل — چہ واصل واصل شامل چہ شامل فاضل کامل
شتابید اداں روح او پرواز فرمودہ — بدقدرت دانش راہمہ پرواز فرمودہ

فراق دہلوی آں شاہ چوں ساجد بخلد آمد
نوشتم سال رحلت خواجہ حامد بخلد آمد
۱۳۴۹

دیگر

چو قطب زماں حامد نامدار — زرنگ فنا در بقا آمدہ
ہمہ دوستداراں پاک اعتقاد — برنج و الم مبتلا آمدہ
پے سال شفقتا رواے فراق
بگفتم بخلوت سرامدہ
۱۳۴۹

قطعہ اُردو

ارم کو گئے حامد ذی وقار — جبھی تو نسہ پاک ویران ہے
پدر آپ کا ہے جو موسیٰ ولی — تو دادا بھی شاہ سلیمان ہے
گھرانہ ہے سب آپکا آفتاب — ہر اک غوث ہے اہل فرمان ہے
اگر فکر تاریخ کی ہے فراق
تو کہدیجئے اب جی غفران ہے
۱۳۴۹

راقم فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی از کوچہ چیلان

ایثار

(جناب ثمر شیر صدی کے قلم سے)

۴ ہجری کا واقعہ ہے مسلمانوں کے خلاف عرب کے سارے قبائل کفار آمادہ پیکار ہیں۔ مسلمانوں کا لشکر میدان سلع (پہاڑ) میں پڑا ہوا ہے۔ چاروں طرف خندق ہے۔

حضرت نبی صلعم انصار اور مہاجرین کے خیال سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ کسی طرح صلح ہو جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ محاصرہ کو کافی عرصہ ہو چکا ہے۔

آپ حضرت سعدؓ بن معاذ اور دیگر صحابہؓ سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے ہیں۔

حضرت سعدؓ کی محبت رسول اور شان اسلام دیکھئے۔ عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ صلعم۔ روحی فداک۔ کیا کوئی ایسا حکم اللہ کا ہے۔ کہ کفار سے صلح کر لی جائے۔ اگر ایسا ہے۔ تو مجبوری ہے۔ یا یہ حضور انورؐ کی خواہش ہے۔ اور آپ اسکو پسند فرماتے ہیں تو ضرور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یا یہ سب کچھ نہیں۔ صرف آپؐ کو ہم لوگوں کا خیال ہے؟"

حضرت صلعم "میں تمہارے خیال سے یہ بات پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ پوری قوم عرب نے تمہارے اوپر ایک ساتھ حملہ کر دیا ہے۔"

سعدؓ بن معاذ "جب ہم مشرک تھے۔ اور بت پرستی کرتے تھے۔ اس وقت ہم سے ایک کھجور کی بھی بجز خرید و فروخت کی طمع نہیں کر سکتے تھے۔ اور اب جبکہ ہم کو اللہ تعالےٰ نے اسلام سے مشرف کیا ہے۔ اور حضور کو ہمارے درمیان مبعوث فرمایا ہے ہم اس کو اپنا مال مفت دے دیں۔ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم تلوار سے جواب دیں گے۔

۲

جنگ میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی آنکھ کسی کافر کے تیر سے زخمی ہو گئی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ آپ فرماتے تھے۔ یا الٰہی اگر قریش سے ذرا بھی جنگ کا امکان باقی ہے۔ تو مجھ کو زندہ رکھ۔ میری سب سے بڑی خوشی اس قوم سے لڑنے میں ہے جس نے پیارے رسول صلعم کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی۔ اور آخر کار آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اور اگر لڑائی کے پردہ کا ڈراپ سین ہے۔ تو اس زخم سے ہی مجھے شہادت مل جائے۔ لیکن ایک شرط اور ہے۔ وہ یہ کہ میں بنی قریظہ کے انجام سے اور ذرا اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لوں۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت بگڑنا شروع ہوئی۔ اور نبی کریم صلعم نے آپ کو اپنے پاس ایک خیمے میں جگہ عطا فرمائی اور اکثر آپ کی عیادت کو تشریف لاتے۔

خوشا بخت! کاش یہ رتبہ ہندیوں کو بھی میسر ہوتا۔ مگر یہ دل و جگر ہندی کہاں سے لائیں گے۔ کہ اپنی اولاد اور اپنے کل مال و

متاع اور جملہ دنیاوی اشیاء کی پروا نہ کرتے ہوئے سنت رسولؐ کی پیروی کریں۔ اور محبت رسولؐ میں فنا ہو جائیں۔ اپنے دوستوں کے دشمن ہو جائیں۔ اگر وہ اسلام کے مخالف ہوں:

۳

بنی قریظہ کے قیدی گرفتار ہو کر آتے ہیں۔ کچھ قیدی اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ بقیہ کفر پر استقامت کرتے ہیں۔ قبیلہ اوس کے ارکان حضرت صلعم سے ان لوگوں کے متعلق سفارش کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ جس طرح خزرج نے بنی نضیر کو بچایا ہے۔ اسی طرح وہ بنو قریظہ کی حمایت کریں۔ حضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کیا تم کو یہ بات منظور ہے۔ کہ ہم میں سے ایک شخص ان لوگوں کے متعلق فیصلہ کر دے۔ قبیلہ اوس بیک آواز "ہم یہ ہی چاہتے ہیں۔ یا رسول اللہ حضرت صلعم۔ میں سعد بن معاذ کو حکم بناتا ہوں۔" حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہیں۔ آپ سواری پر وہاں لائے جاتے ہیں۔ جب قریب پہونچتے ہیں۔ حضرت صلعم فرماتے ہیں۔ اے قبیلہ اوس اپنے سردار کی تعظیم کرو۔ قبیلہ اوس کے چند افراد کھڑے ہو کر حضرت سعدؓ بن معاذ سے عرض کرتے ہیں۔ اے سعدؓ رسول اللہ صلعم نے تمہیں تمہارے دوستوں (حلیفوں) کا حکم قرار دیا ہے:

حضرت سعدؓ لیکن تم لوگوں کو خدا کی قسم کھا کر اس بات کا عہد کرنا ہوگا۔ کہ تم میرے فیصلے کو مانو گے۔ ان لوگوں نے عرض کیا۔ ہم ایسا ہی قسم کھا کر کہتے ہیں۔ حضرت سعدؓ۔ میں حکم دیتا ہوں۔ کہ ان میں سے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔ اور مال کو تقسیم کر دیا جائے۔

یہ الفاظ وہ تھے۔ جو حضرت سعدؓ کی زبان سے اپنے خاص دوستوں کے حق میں صرف اس وجہ سے نکلے۔ کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے نقض عہد کیا تھا۔ اور باوجود عہد نامے کے کفار کی حمیت میں لڑنے آئے تھے۔ کیا آج کوئی شخص ایسا ہے۔ جو اس بات کو ثابت کر کے دکھا دے۔

یہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے رب اور رسول صلعم کے احکام کی پیروی کرنے میں جان سے دریغ نہیں کیا ؎

ہست جوانمرد سخن صد ہزار　　کار چو با جاں فتد انجامت کار

مسلمانو! ان حالات کو سنکر مسلمان بن جاؤ۔ اور کمر ہمت چست باندھکر سچے اسلام کی پیروی کرو۔ سارے دبار کے بادل ایک ہی جھونکے میں صاف ہو جائیں گے۔ اور اسلام کا آفتاب پھر اسی آب و تاب سے افق عالم پر جلوہ افروز ہو جائے گا ؎

کلبہ افراں سود ادائے گلستاں غم مخور

محشرستانِ کانپور

(کانپور میں کانگریس کے رضاکاروں نے مسلمان دکانداروں کو بھگت سنگھ ڈے کو دکانیں بند کرنے پر مجبور کرنے کی جو کوشش کی۔ اور اس سے جو ننگ تہذیب ہنگامہ وہاں برپا ہوا جس میں کوئی دو سو کے قریب مسلمان اور تقریباً نوے ہندو مارے گئے۔ اور جس میں مسلمان عورتیں اور بچے بھی ناقابل ذکر مظالم سے محفوظ نہ رہے۔ اس کے متعلق ہمارے محترم دوست مولانا مستنیر حسین صاحب جوش بیگ آبادی نے جو اپنی قابل فخر قوم پرستانہ نظموں کے لئے سارے ہندوستان میں مشہور ہیں۔ ایک نظم بعنوان "محشرستانِ کانپور" لکھی۔ گو یہ نظم خاص ہمارے لئے نہیں لکھی گئی۔ لیکن مولانا نے جب الوطنی کے ایک نہایت گہرے جذبہ سے متاثر ہو کر یہ نظم لکھی ہے۔ ہم اسے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ کانپور میں کسی مسلمان نے کسی عورت یا بچے پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مدیر)

اے سیہ رو، بے حیا، وحشی، کمینے، بدگماں
اے جبینِ ارض کے داغ، اے دنی ہندوستان

تجھ کو عورت نے جنا ہے؟ جھوٹ ہے یہ اوّلیں
آدمی کی نسل سے اور تو؟ نہیں ہرگز نہیں

تیری جانب اٹھ رہی ہے دیکھ دوزخ کی نگاہ
سبحہ و زنار میں جکڑے ہوئے دیو سیاہ

رودِ گنگا سے لئے اس طرح طوفانِ ممات
کس کو کھا کر آ رہا ہے؟ اے وبائے کائنات

اے درندے! یہ ترا جبڑا ہے کیوں سمٹا ہوا
کس کا یہ گوشت ترے تالو میں ہے چمٹا ہوا

تیغ براں اور عورت کا گلا! کیوں بدصفات
چھوٹ جائیں تیری نبضیں ٹوٹ جائیں تیرے ہات

کہنیوں سے یہ تری کیسا ٹپکتا ہے لہو؟
یہ تو ہے اے سنگدل، بچوں کا خونِ مشکبو

مرد ہے تو اس سے لڑ، پہنے جو مارے پھر لڑے
تو نے اے بزدل لگائی ہے گھروں میں جنکے آگ

دل میں کھوٹ پن، ارادوں میں بدی، نیت خراب
کیا انہیں ہاتھوں میں لیگا رخشِ آزادی کی باگ؟

سُن کہ کم ظرفوں کو دنیا دے نہیں سکتی خراج
اور سیہ باطن! یہ عالم اور آزادی کے خواب

تو ابھرتے ہی زمانے کی نظر سے گر گیا
یہ ترا چھوٹا سا سر اور تنگ ہستی! اور تاج؟

یوں بہایا خون، اُمیدوں پہ پانی پھر گیا

رُکنے ہی والا ہے آزادی کا جاں پرور جہاد
بجنے ہی والا ہے ناقوسِ "غلامی زندہ باد"

(صوفی)

اسلام اور ترقی

فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ

جس شخص کو اسلام کی روشن اور تابناک تعلیم سے قطعاً بیگانگی نہیں۔ وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ دنیا کے تمام قدیم وجدید مذاہب میں اسلام اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس کے تمام اصول و احکام انسانی فطرت کے عین مطابق اور ضروریات زمانہ سے بہرحال سازگار و مساعد ہیں۔ اسی بنا پر اسے دین الفطرۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور قرآن حکیم نے جو دین قیم کا آسمانی دستور العمل ہے۔ اس ازلی و ابدی حقیقت کا خیر مشتبہ الفاظ میں انکشاف کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ یعنی سست اور غمناک ہونے کی کوئی بات نہیں۔ دنیا میں تمہیں کو غلبہ ہوگا۔ اگر تم ایماندار ہو۔"

یہ محض دعوے ہی نہیں۔ بلکہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار اس کی صداقت کے ناقابل تردید دلائل پیش کر چکے ہیں۔ اور دنیا اس درخشاں حقیقت کو اپنی آنکھوں دیکھ چکی ہے۔ کہ جن فرزندان توحید نے مندرجہ صدر آسمانی وعدے کی لازمی شرط کو پورا کیا یعنی دین الفطرۃ کی حقانی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو لفظ "مومن" کے اطلاق کا صحیح مورد ثابت کر دیا۔ دولت، حشمت اور حکومت نے ان کے قدم لئے۔ اقبال ان کا خانہ زاد غلام بنا رہا۔ اور سلطنت ان کی درم ناخریدہ کنیز ہونے پر فخر کرتی رہی۔ علوم و فنون میں انہوں نے وہ حیرت انگیز ترقیاں کیں۔ جن کی نظیر چشم فلک نے بھی اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

یہ تو ایک مسلم امر ہے۔ کہ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ربع مسکون کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیر نگین تھا۔ ہم اس وقت ان ترقیات پر کسی قدر روشنی ڈالنی چاہتے ہیں۔ جو پیروان اسلام نے دنیوی علوم و فنون میں حاصل کیں چیمبرس کے سائیکلو پیڈیا میں مسلمانوں کی ترقی علوم و فنون کے متعلق جو توضیح کی گئی ہے۔ اس کا کسی قدر اقتباس حسب ذیل ہے:۔

۷۴۹ء یعنی دوسری صدی ہجری کے وسط میں جو خلفاء عباسیہ کا عہد تھا۔ علم ادب اور فنون حکمت کا ظہور ہوا۔ خلیفہ منصور اور ہارون الرشید نے ۷۵۴ء سے ۸۰۸ء تک انتہائی فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ بیشتر ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے۔ اور شاہانہ جود و کرم سے ان کی قدردانی کی گئی۔ اسی دور میں یونان۔ شام اور ایران قدیم کی عمدہ

کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں۔ خلیفہ مامون نے جس کا عہد حکومت ۸۱۳ء سے ۸۳۳ء تک رہا۔ سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینے اور جزیہ کے لئے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کا وعدہ اس شرط پر کیا۔ کہ وہ لیو فیلسوف کو کچھ عرصے کے لئے بغداد آکر خلیفہ کو فلسفہ و حکمت سکھلانے کی اجازت دے۔ اسی مامون کے زمانے میں بغداد، بصرہ، بخارا اور کوفہ وغیرہ میں بڑے بڑے مدرسے جاری کئے گئے۔ نیز اسکندریہ، بغداد، اور قاہرہ میں عظیم الشان کتبخانے بنائے گئے۔ اسپین میں قرطبہ کی درسگاہ عظیم علمی شہرت میں بغداد کی ہمسری کرتی تھی۔ اور دسویں صدی عیسوی میں تو جہاں دیکھو۔ وہاں بالعموم مسلمان ہی تمام علوم کے سرخیل اور معلم نظر آتے تھے۔ اسی زمانے میں فرانس اور دیگر ممالک یورپ کے طالب علم جوق جوق اندلس آتے۔ اور عربوں سے ریاضی و طب کا درس لیتے تھے۔ اندلس میں چودہ عظیم الشان درسگاہیں اور پانچ بڑے بڑے کتبخانے تھے۔ جن میں سے حاکم کے ایک کتبخانے میں چھ لاکھ کتابیں موجود تھیں:

جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضی اور طبیعیات میں مسلمانوں نے بیحد ترقی کی۔ بعد کے زمانے میں جغرافیہ کا بہت کچھ علم یورپ کو مسلمانوں ہی سے حاصل ہوا۔ اس علم میں اور سیر و سیاحت کے متعلق ابو الفدا ادریسی، لیو افریقانوس، ابن بطوطہ، ابن فضلان اور البیرونی کی بہت سی قابل قدر قدیم عربی کتابیں پائی جاتی ہیں۔

علم تاریخ میں بھی مسلمان عربوں نے کچھ کم کاوش نہیں کی۔ قدیم عربی مؤرخ محمد الکلبی ہے۔ جس کا انتقال ۸۱۹ء میں ہوا۔ اسی زمانے میں اور بھی کئی ایک مؤرخ گذرے۔ اور دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں تو عربوں نے علم تاریخ کی جانب بہت ہی توجہ کی۔

عرب کے مسلمانوں نے فلسفہ کی جانب بھی بہت کچھ اعتنا کیا۔ ارسطاطالیس کی تصنیفات کو عربی میں ترجمہ کر کے ان پر اپنی طرف سے حواشی اور فوائد کا اضافہ کیا۔ یہی وہ فلسفہ ہے۔ جسے اہل یورپ نے عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح منطق اور علم مابعد الطبیعۃ میں مسلمانوں نے بہت کوشش کی۔ چنانچہ مشاہیر فلاسفہ اسلام میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

الکندی البصری۔ الفارابی۔ ابن سینا۔ ابن بجلی۔ الغزالی۔ ابن طفیل۔ ابن یقدان۔ ابن رشد وغیرہ۔

علم طب کو عربوں ہی نے علم کی حیثیت عطا کی۔ آٹھویں سے گیارھویں صدی عیسوی (یا تیسری سے پانچویں صدی ہجری) تک علوم طبیعیہ (علم النباتات، دواسازی کیمیا) کا کثرت سے چرچا رہا۔ جندیسار، بغداد، اصفہان، فیروز آباد، بلخ۔ کوفہ، بصرہ، اسکندریہ، قرطبہ وغیرہ میں طب و حکمت کے مدرسے جاری ہو گئے۔ اور طب کے ہر ایک شعبے میں بیحد ترقی ہوئی۔ ابن الکندی، ابی سینا، علی بن عباس، اسحٰق بن سلیمان، ابو القاسم اور ابن عیسےٰ وغیرہ۔ اس علم کے مشاہیر گذرے ہیں۔

ریاضی میں بھی اہل عرب کی ترقی کسی سے مخفی نہیں۔ الجبرو المقابلہ کو انہیں نے وسعت دی ہے۔ قرطبہ کے مدارس اور رصد گاہوں میں علم ہیئت کمال توجہ سے پڑھایا جاتا تھا۔ الحسن نے علم "مناظر و مرایا" میں ایک کتاب تصنیف کی نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ جبر ابن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی۔ ۸۲۲ء میں نظام بطلیموسی کی

کتاب مجسطی کا البازی نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور دسویں صدی عیسوی میں البتانی نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن جبیر البیاتی نے شمس کی رفتار دریافت کی۔ البطراجوس نے حرکات کے متعلق ایک زبردست کتاب لکھی۔ اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں ایک نہایت مفید تصنیف چھوڑی۔ ہنری لوئیس نے اپنی کتاب "ہسٹری آف فلاسفی" میں لکھا ہے۔ کہ وہ "مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا۔ اس امر خاص میں یورپ ان کا ممنون احسان ہے۔ اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے۔ کہ ان لوگوں نے علم ہندسہ، ہیئت، طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی۔ اور انہیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر یہ علوم فرنگستان میں پھیلے"۔

ان تمام حقائق پر جو مختصراً درج کئے گئے ہیں۔ ایک سرسری نظر ڈال لینے کے بعد اس باطل خیال کی کچھ وقعت نہیں رہتی۔ کہ اسلامی تعلیم مانع ترقی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ حقیقت عالم آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام [illegible] ملزوم ہیں۔ اگر عربوں کی اس حالت کا جو نور اسلام کے ظہور سے قبل ان پر طاری تھی۔ دین [illegible] ہونے کی بعد کی حالت سے موازنہ کیا جائے۔ تو ان دینوی نعمتوں اور برکتوں کا پورا [illegible] وجہ سے مسلمانوں کو نصیب ہوئیں۔ اور ان فیوض و برکات کا بھی کما حقہٗ استقراء کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] کی عالمتاب تنویر سے حاصل ہوئے۔

آجکل ترکی و افغانستان نے بعض معاشرتی امور کی اصلاح کا جو تہیہ کیا ہے۔ اس نے بقول معاصر "پیغام صلح" بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ کہ اسلام بھی ایک وقتی مذہب تھا۔ جو دیگر قومی و وقتی مذاہب کی طرح حالات و واقعات زمانہ کے اقتضا سے نئی شکل اختیار کر رہا ہے۔ جو اصل دین سے قطعاً مختلف ہے۔ یہ خیال مخالفین اسلام تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو اسلام کے ساتھ عقیدت و وابستگی رکھتے ہیں۔ اس صورت حالات کو دیکھ کر حواس باختہ ہو رہے ہیں۔ دراصل ان لوگوں نے نہ تو اسلام کی اس حقیقت پر غور کیا ہے۔ اور نہ واقعات کی اصلیت کو نظر غایر مطالعہ کیا ہے۔ اسلام جس چیز کا نام ہے۔ اس کی حقیقت ذیل کے چند جملوں سے زیادہ کچھ نہیں:

(۱) ہستی باری تعالیٰ اور اس کی واحدانیت پر ایمان رکھنا۔

(۲) رسولوں اور ان کی کتب و صحائف کو ماننا۔

(۳) ملائکہ اور یوم الجزاء پر یقین کرنا۔

(۴) صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کا ادا کرنا۔

یہی وہ اصول اسلام ہیں۔ جن کی تعلیم قرآن حکیم کی آیات بینات میں دی گئی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ان میں سے کسی بات کا کسی اسلامی سلطنت نے انکار کیا ہے۔ نہ ترمیم و اصلاح۔ جن مسائل میں ترکی و افغانستان نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی ہے۔ وہ تعدد ازدواج اور پردہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ ایسی چیزیں نہیں جنہیں اسلام کے اساسی اصول قرار دیا

جا سکے۔ حالات اور وقت کا اقتضا ان میں اصلاح و ترمیم کی گنجائش پیدا کر دیتا ہے۔ دین الفطرت نے بھی انہیں وقتی حالات ہی سے مخصوص کیا ہے۔ بالخصوص "تعدد ازدواج" کو قرآن حکیم میں کہیں بھی حکم کے طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ بعض خاص حالات کے پیش آجانے پر خاص شرائط کے ماتحت اس کی اجازت دی ہے۔ رہا پردہ۔ اس کی بھی جو توجیہیں محققین امت نے کی ہیں اور قرون اولیٰ میں جس قسم کے پردے کا ثبوت ملتا ہے۔ اُسے پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ موجودہ پردہ ہی اصل اسلامی پردہ ہے؛

پس ایسی چیزوں کی اصلاح و ترمیم کو جو نہ تو اسلام کے بنیادی اصول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور نہ دین الفطرۃ نے ان کی کسی خاص شکل کو ضروری و لازمی قرار دیا ہے۔ اسلام کی اصلاح و ترمیم قرار دینا انتہائی غلط فہمی ہوگی؛

ہاں ایک چیز ہے جو فی الحقیقت قابل اعتنا ہے۔ وہ مسلمانوں کا عام رجحان ہے۔ مسلمان اس وقت کس طرف جا رہے ہیں۔ ان کی مصلحانہ کوششیں آیا اسلام کی اصل تعلیم کی تقلید کا نتیجہ ہیں۔ یا اس عام رجحان کا جو یورپ اور مغربی تہذیب کی طرف پایا جاتا ہے۔ جو کچھ اس وقت ترکی یا افغانستان میں ہو رہا ہے۔ اگرچہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر کوئی ناگوار اثر نہیں ڈالتا۔ اور نہ ابتک ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ تاہم یہ کہنا خلاف حقیقت نہیں۔ کہ اس کی تہ میں مغرب کی تقلید کے سوائے اور کچھ نہیں۔ یورپ کی نقل اتارنا یورپ کے تمدن و معاشرت بلکہ لباس تک کو ترقی کا حقیقی ذریعہ یقین کرنا موجودہ زمانہ کی عام روش ہے۔ اور ہمیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اسلامی ممالک کے ارباب حکومت نے اس روش کو اختیار کرنے میں نمایاں سرعت سے کام لیا ہے۔ ہم نہیں کہتے۔ کہ وہ حالات اور ضروریات کے خلاف قدم اٹھائیں۔ لیکن یورپ کا چربہ اتارنا حالات اور ضروریات کا اقتضا نہیں جن اصلاحات کی ان کو ضرورت ہے۔ اور جو ان کو تنزل کے گڑھے سے نکالکر ترقی کی طرف لے جانے کا موجب ہو سکتی ہیں۔ وہ اسلام کی اس سادہ تعلیم میں موجود ہیں۔ جو آج سے تیرہ صد سال پیشتر دنیا کو دی گئی۔ چاہئے۔ کہ اس تعلیم کی طرف رجوع کیا جائے۔ قرون اولیٰ کے اس اسلام کو دیکھا جائے۔ جس پر یورپ کی تہذیب آجتک محو حیرت ہے۔ اور جو یورپ کے تاریک ترین زمانہ کو نور اور روشنی سے منور کرنے کا موجب ہوا؛

گلدستۂ رنگین

یہ دل بے مدعا بیگانۂ امید و بیم
غرق ہو کر آپ اپنا ناخدا ہو جائیگا

کیا کبھی پوری نہ ہوگی میرے دل کی آرزو
آپ کے نزدیک کیا میں رحم کے قابل نہیں

کیا پوچھتے ہو حال دل بے قرار کا
مارا ہوا ہے گردش لیل و نہار کا

بزمِ قریش

(مقتدر اراکین "اصلاح القریش" متوجہ ہوں)

"طوائف الملوکی کی بدعت" کے عنوان سے مئی جون کے "القریش" میں ایک افتتاحیہ سپردِ قلم کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ ضلع امرتسر کے ایک دُور افتادہ مقام پر "انجمن اصلاح القریش" کے نام سے ایک نئی انجمن کا ظہور ہوا ہے۔ جس کی زمامِ تنظیم اور نظام و التزام ایسے غیر ذمہ دار اور ناتجربہ کار ہاتھوں میں ہے۔ جو "قرارداد" اور رزولیوشن کو بھی صحیح طور پر ترتیب نہیں دے سکتے۔ قوم کی رہنمائی، ارتقاء و ترقی کے لئے اور جائز حقوق کے مطالبہ کے لئے ایسے کمزور دماغ ہرگز ہرگز مفید و موزون نہیں ہو سکتے۔ جو رزولیوشن کے مطالب و معانی کبھی نہ سمجھ سکیں۔ اور قوم کے وقار و اعتبار اور عظمت و شرافت کو قائم اور برادری کی پیشانی کو داغِ بدنامی سے محفوظ نہ رکھ سکیں۔ انجمنوں کا قیام جلسوں کا انعقاد، قوائے منتشرہ کی تدوین، قوانین مجلسی کی ترتیب اور اس پر عمل کوئی معمولی کام نہیں۔ ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان اہم فرائض کی انجام دہی کے لئے قوم میں چند مخصوص ہستیاں ہوا کرتی ہیں۔ اور وہی قوم کی امداد و اعانت سے ان کٹھن منازل کو طے کرنے میں عہدہ برآ ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس سے زیادہ کوئی نادانی اور غیر مآل اندیشی نہیں ہو سکتی۔ کہ منتشر و پراگندہ شیرازہ کو مجتمع کر کے طاقت و قوت کو اور مستحکم کرنے کی بجائے طوائف الملوکی کی طرح ڈال دی جائے۔ اور قوم کے حصے بخرے کر کے اس کی طاقت کو نحیف و نزار اور کمزور و ناتواں کر دیا جائے۔ اور کامیابی و کامرانی کے اسباب و ذرائع پیدا کرنے کی بجائے ناکامی و نامرادی کے وسائل مہیا کر دیئے جائیں۔

"انجمن" اور "ندوۃ القریش" کی موجودگی میں "انجمن اصلاح القریش" کی ضرورت نہ تھی۔ کسی دردمند قوم کو اگر انجمن کی خاموشی پر اور حسبِ توقع کام نہ کرنے پر کوئی شکایت تھی۔ تو "ندوۃ القریش" کی خدمات تو روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ قوم کے زراعتی حقوق کے لئے وہ اپنا فرض قابل ہر ستائش پہلو سے انجام دے رہا ہے۔ اور اب کام اس سٹیج پر پہونچ گیا ہے۔ کہ باقی ماندہ اضلاع کے لئے حکومت کی طرف سے عنقریب گزٹ ہو جانے کی کامل امید ہو گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرا کام اس کے سامنے "تنظیم" ہے جس کے متعلق وہ ابتدائی کام شروع کر چکا ہے قوم اس کی خدمات کا اعتراف کرتی ہوئی اسے اپنی نمائندہ جماعت تسلیم کر چکی ہے۔ اور اگر اس پر بھی انجمن گری کا شوق اور اصلاح القریش کا ذوق دامنگیر تھا۔ تو "ندوۃ القریش" کی بزم مشاورت میں معاملہ پیش کر کے متفقہ طور پر مسئلہ طے کر لینا کوئی بُری بات نہ تھی۔ بلکہ اس کے مجوزہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے وہ بطریق احسن اس شوق و ذوق کو

پورا کر سکتے تھے۔ اور قوم کو بھی فائدہ پہونچ سکتا تھا۔ اگر اس طرح منظور خاطر نہ تھا۔ اور ملکر کام کرنے میں کوئی امر مانع تھا۔ تو کسی سے مشورہ ہی کر لیا ہوتا۔ اگر یہ بھی قرین مصلحت نہ تھا۔ تو کم از کم ترتیب و انطباع روئیداد ہی کے وقت کسی سے پوچھ لیا جاتا۔ تاکہ برادری کی بدنامی کے پہلوؤں پر غور کر لیا جاتا۔ مگر افسوس کہ کارکنان "اصلاح القریش" کی عجلت پسندی نے انہیں کسی ایک مسئلہ پر بھی غور کرنے کی مہلت نہیں دی۔ اور برادری خواہ نخواہ نشانہ انگشت بنی؛

علت نہو تو معلول نہیں ہو سکتا۔ اشارہ نہ ہو تو مشار الیہ قرار نہیں پا سکتا۔ اس لئے ہر وہ شخص جو "اصلاح القریش" کی مطبوعہ رپورٹ کو ملاحظہ کرے گا۔ اور ان دفعات پر جو شادی و مرگ، خوشی و غمی اور جملہ تقاریب کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ پر ایک نظر ڈالے گا۔ تو یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوگا۔ کہ اس برادری میں علل قبیحہ موجود ہیں۔ ان کی مستورات باریک ترین لباس پہنتی اور چار گرہ سے زیادہ فراخ پائینچے کے پاجامے اور کھلے گلے کے قمیص زیب تن کر کے اور پیٹیاں لگا کر شادی کی تقاریب پر چاول چرانے میں مہارت تامہ رکھتی ہیں۔ بچے (تبادلے) کے ناطے اور دختر فروشی کا رواج عام اور فیشن کی کثرت اور برت برتاؤ کے ضمن میں اس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ کسی شریف برادری کے متعلق اس قسم کی تشہیر یوں صریح ہے اور ہمیں افسوس اور بدرجہا تم افسوس ہے۔ کہ عواقب و نتائج پر غور کئے بغیر اس مضمون کو پبلک میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اور اس طریق سے ایک برادری کی تذلیل و رسوائی کا عمداً ارتکاب کیا گیا ہے۔ کاش! یہ روئیداد شائع نہ کیجاتی۔ اور برادری کا ایک مؤقر گروہ بدنام نہ ہوتا؛

ہم مولانا حکیم رحمت علی، مولانا شیر محمد، منشی عبدالحق، مولوی حسین محمد، منشی غلام حسین، منشی حسین علی صاحبان اور دیگر معتقدین "اصلاح القریش" کو ان اہم نقائص کی جانب توجہ دلاتے ہوئے بزور خواہش کرتے ہیں۔ کہ وہ جداگانہ ناکام کوششوں کے بجائے قومی مرکز کے ساتھ ملکر عند اللہ ماجور و عند القوم مشکور ہوں۔ متحدہ کوششیں اور متفقہ مساعی جلد بار آور ہو سکتی ہیں۔ آپ کے قیمتی مشورے اور امداد و اعانت سونے پر سہاگہ کا کام دیں گے۔ اور برسوں کے کام دنوں میں۔ حسب دلخواہ انجام پا جائیں گے ان شاء اللہ تعالےٰ؛

خدانخواستہ یہ نیک اور مفید مشورہ اگر کسی وجہ سے قابل پذیرائی نہ ہو۔ تو "اصلاح القریش" کی زمام کسی ایسے ہاتھوں میں دیجئے۔ جو تجربہ کار، قابل اور اس کام کے اہل ہوں؛

خدا کرے۔ ہمارا یہ مشورہ جو بالکل راستی، نیک نیتی اور خلوص قلبی کے ساتھ قومی وقار کے لئے بے رو و رعایت پیش کیا گیا ہے۔ قدر کی نظر سے دیکھا جائے؛ آمین!

ندوۃ القریش

۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء۔ آج دفتر "القریش" میں بحاضری ممبران ایگزکٹو کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ قریشی عبدالحمید صاحب نے مسٹر محمد مسکین صاحب کی طرف سے دس روپے کا عطیہ پیش کیا۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔ اس کے بعد سابقہ اجلاس کی کارروائی پڑھی گئی۔ اور کنفرم ہوئی۔ مسٹر ار۔ ری داؤد۔ مولانا صدرالدین۔ قریشی احمد نواز۔ قریشی محمد عطاء اللہ اور مولوی محمد امین صاحبان کے فارم ہائے ممبری پیش ہوئے۔ جن میں سے موخرالذکر دو منظور ہوئے۔ اور اول الذکر تین اس لئے آئندہ کمیٹی کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔ کہ ان پر خاص کمیٹی کی سفارش نہ تھی۔ اس کے بعد سرکلر نمبر ۴ پڑھا گیا۔ اور عام ممبران کی خدمت میں بذریعہ ڈاک بھجوا دینے کی ہدایت کی گئی۔ زراعتی حقوق کے بارے میں قریشی برادران گورداسپور کی خاموشی، غفلت اور بے پروائی پر افسوس کرتے ہوئے فیصلہ ہوا۔ کہ ان کی امارت وتن آسانی سے چونکہ کسی سعی و کوشش کی امید کرنا وقت کو ہاتھ سے دینے اور پریشان ہونے کے مترادف ہے۔ اس لئے ان کے لئے بھی خود ہی کوشش کی جائے۔ اور مناسب اخراجات چندہ سے ادا کئے جائیں۔ اور انہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے۔

قریشی محمد اعظم صاحب نے فرمایا۔ کہ حکیم شہاب الدین صاحب کی وفات اور رفیق صاحب کی طویل علالت کے وجہ سے دفتر کے بہت سے کام معرض التوا میں رہے ہیں۔ ممبر صاحبان سے نئے سال کے چندہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا۔ اور روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے بذریعہ "القریش" اور خطوط یہ صاحبان سے استدعا کی جائے۔ کہ وہ بواپسی ڈاک اپنا اپنا زرچندہ ایک روپیہ ۸ سالانہ کے حساب سے سال ۱۹۳۲ء کے لئے بھجوا کر مشکور کریں۔ سالانہ اجلاس ماہ جون میں ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن انہی ناگزیر حالات کی وجہ سے اس کے متعلق بھی کوئی کارروائی نہیں ہو سکی۔ اور شدت کی گرمیوں میں اجلاس عام کا انعقاد موزوں بھی نہیں تھا۔ لہٰذا ایسٹر کی تعطیلات تک اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ اور آئندہ ہر سال انہی ایام میں منعقد کیا جایا کرے۔ دسمبر سے پراپیگنڈہ شروع ہو جائے۔ اور اگر ممکن ہو۔ تو سالانہ اجلاس مختلف مقامات پر منعقد کرنے کی تجویز کیجائے۔ تبادلہ خیالات کے بعد بالآخر باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی۔

لہٰذا جملہ ممبران ندوہ کی خدمت میں خصوصاً اور قریشی برادران کی خدمت میں عموماً التماس ہے۔ کہ وہ ندوۃ القریش کے آئندہ اجلاس کو جو ایام ایسٹر میں منعقد ہونے والا ہے۔ ایک شاندار اجلاس بنانے کے لئے کارکنان کی ہر امداد و اعانت کے لئے تیار رہیں۔

"انجمن اصلاح القریش" کی مطبوعہ روئیداد پیش ہوئی۔ اور لفظ بلفظ پڑھی گئی۔ چونکہ اس میں اصلاح قوم کا غلط پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ اور ناتجربہ کار و نا اہل ہاتھوں میں اس کی ترتیب ہونے کی وجہ سے اس کا اثر اچھا نہیں ہوا۔ لہذا تجویز ہوا کہ معزز ممبران و متعدد ارکانان "اصلاح القریش" سے خواہش کی جائے۔ کہ قومی مفاد کے لئے اپنی اس باڈی (انجمن) کو ندوۃ القریش میں جذب کردیں۔ اور ملکر کام کرنے سے کامیابی قریب تر لانے میں سعی بلیغ فرمائیں۔ اور اگر علیحدہ کام کرنا مناسب سمجھیں۔ تو ہمسے اس کی شاخ قرار دے کر "ندوہ" کے مجوزہ قواعد پر عامل ہوں۔ امید ہے۔ کہ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا۔

(جوائنٹ سکرٹری)

کارواں بھٹکا ہوا ہے رہنما کوئی نہیں

ذیل کی مناجات عزیز فضل الرحمن سلمہ ربہ خانپوری کے دردمندانہ جذبات کا پہلا نمونہ ہے۔ خیالات و جذبات قابل قدر و لائق ستائش ہیں۔ ایک طالب علم کے خیالات کی یہ بلند پروازی قابل داد ہے۔

اے کہ تیرا اسم عالی عرش پر مرقوم ہے — دیکھ کیسے حالِ بد میں امتِ مرحوم ہے
اُف! جہانبانی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہی — قوم اپنی آجکل اغیار کی محکوم ہے
علم، وہ عزت، وہ عظمت، الغرض شانِ سلف — گلشنِ اسلام میں نابود ہے معدوم ہے
منہ کو آتا ہے کلیجہ حال اپنا دیکھ کر — ہے بیاں بیجا مرا تجھکو سبھی معلوم ہے

کارواں بھٹکا ہوا ہے رہنما کوئی نہیں
سیدا! اس حال میں تیرے سوا کوئی نہیں

زہد شکن حسینہ

شیخ صنعان ایک بہت بڑے عارف باللہ اور زاہد گزرے ہیں۔ پچاس سال تک حرم میں چار سو مریدوں کے ساتھ زندگی بسر کی۔ علم ظاہر و باطن دونوں میں کامل زمانہ تھے۔ پچاس مرتبہ حج کیا۔ زندگی بھر عمرہ کرتے رہے۔ نماز و روزہ کا خاص تنعف تھا سنت کے نہایت پابند تھے۔ آپ سے کشف و کرامات بھی صادر ہوتے تھے۔ مختصراً یہ آپ کی بزرگی کے حالات عجیب تھے۔ لیکن انہوں نے چند راتوں تک مسلسل خواب میں دیکھا۔ کہ میں حرم آنے کی راہ میں ایک مقام پر ایک بت کو سجدہ کر رہا ہوں۔ خواب سے بیدار ہوئے۔ تو سخت گھبرائے۔ اپنے تزلزل ایمانی پر بہت نفرین کی۔ لیکن قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا قدرت جو کرنا چاہتی ہے۔ کرتی ہے۔ خواہ اس میں دوسروں کو لذت ملے یا الم۔ ہمارے دکھ سکھ سے علیحدہ ہو کر قدرت صرف اپنے نقوش فرگارش سے لطف حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ شیخ صنعان نے مریدوں سے کہا۔ کہ چلو روم کا سفر کریں تاکہ اس خواب کی تعبیر معلوم ہو۔ چار سو مریدوں کی جمعیت طیار ہو گئی۔ جب قافلہ ملک روم میں پہنچا۔ تو وہاں ایک بہت بڑا محل نظر آیا۔ اور اس کے جھروکے پر آتش پرست کی ایک مہ جبین لڑکی بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اس کے حسن کے نکھار اور اعضا کی موزونیت میں سحر کی کیفیتیں تھیں۔ حضرت عطارؒ نے اس کے جمال رایعہ کی صفت میں پوری داد سخن سنجی دی ہے ؎

دو سپہر حسن در برج جمال	آفتابے بود لالہ نعال
ہر کہ دل در زلف آں دلدار بست	از خیال زلف او زنار بست
ہر دو چشمش فتنۂ عشاق بود	سرد و برویش بخوبی طاق بود
روئے او در زیر زلف تابدار	لعل آتش پارۂ بس آبدار
لعل سیرابش جہانے تشنہ داشت	نرگس مستش ہزاراں فتنہ داشت
گوہر خورشید در موئے داشت	برقع شعر سیہ بر روئے داشت

یہ تھی اس کے جمال بدیع کی ایک مختصر تفسیر۔ شیخ صنعان نے دیکھا۔ تو بیخود ہو گئے۔ اور ایسے کہ نہ اپنی شیخوخیت کا پاس رہا۔ نہ مریدوں کا لحاظ، علم و فضل، زہد و ورع عبادت و ریاضت کچھ کام نہ آیا ؎

شیخ ایماں داد و تر سائی خرید عاقبت افروخت و رسوائی خرید

شیخ کی حالت بگڑی۔ مرید سخت گھبرائے۔ بعضوں نے ہمدردی سے نصیحت کی بعضوں کو اس عشق پیرانہ سری پر

غصہ آیا۔ نفرین کی لیکن شیخ پر برق طور کام کر چکی تھی۔ ان کے مذہب عشق میں اب ترسا زادی ہی وجود واجب کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہی ان کا کعبۂ ایمان تھی۔ اور وہی ان کا ساز ہستی۔ اپنی شبہ نہ رہی۔ مریدوں اور شیخ میں اس مسئلہ پر ایک طویل بحث و تمحیص شروع ہوئی۔ اسے منطق الطیر میں ایک نہایت لطیف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے ؎

مرید — ہمنشینے گفتش اے شیخ کبار — خیر داین وسواس را غسلے بیار

شیخ — شیخ گفتش امشب از خون جگر — کردہ ام صد بار غسل اے بیخبر

مرید — واں دگر گفتا کہ تسبیحت کجاست — کے شود کار تو بے تسبیح راست

شیخ — گفت تسبیحم بیفگندم ز دست — تا توانم بر میاں زنار بست

مرید — واں دگر یک گفتش اے پیر کہن — خیز و در خلوت خدا را سجدہ کن

شیخ — گفت اگر نہ روئے من اینجاستے — سجدہ پیش روئے او زیباستے

مرید — آں دگر گفتہ کہ اے دانائے راز — خیز و خود را جمع کن اندر نماز

شیخ — گفت کو محراب ابروئے نگار — تا نباشد جز نمازم ہیچ کار

مرید — واں دگر گفتش پشیمانیت نیست — ذرۂ درد مسلمانیت نیست

شیخ — گفت کس نبود پشیماں پیش ازیں — تا چرا عاشق نبودم پیش ازیں

مرید — واں دگر گفتہ کہ ہر کہ آگاہ شد — کاکنہاں شیخے چنیں گمراہ شد

شیخ — گفت بس من خار غم از نام و ننگ — شیشۂ ساموس بشکستم بہ سنگ

مرید — آں دگر گفتش کہ یاراں قدیم — از تو رنجورند و ماندہ دل دو نیم

شیخ — گفت چوں ترسا بچہ خوشدل بود — دل ز رنج این و آں غافل بود

مرید — آں دگر گفتہ کہ با یاراں بساز — تا روم امروز سوئے کعبہ باز

شیخ — گفت اگر کعبہ نباشد دیر ہست — ہوشیار کعبہ ام در دیر ہست

مرید — آں دگر گفت این زماں کن عزم راہ — در حرم بنشین و عذر خود بخواہ

شیخ — گفت سر بر آستاں آں نگار — عذر خواہم خواست دست از من بدار

مرید — آں دگر گفتا کہ دوزخ دور ہست — مرد دوزخ نیست ہر کہ آگہ است

شیخ — گفت اگر دوزخ بود ہمراہ من — ہفت دوزخ سوزد از یک آہ من

مرید — آں دگر گفتا بہ امید بہشت — باز گرد و توبہ کن زیں کار زشت

شیخ — گفت چوں یار بہشتی روئے ہست — گر بہشتے بایدم آں کوئے ہست

مرید — آں دگر گفتا کہ از حق شرم دار — حق تعالیٰ را بہ خود آزرم دار
شیخ — گفت ایں آتش چو حق در من فگند — من بہ خود نتوانم از گردن فگند
مرید — آں دگر گفتش برو ایمن بباش — با ایماں آور و مومن بباش
شیخ — گفت جز کفر از من حیراں مخواہ — سرّ کافر شد از و ایماں مخواہ

مکالمہ سے آسانی کے ساتھ ہر شخص شیخ کی والہانہ زندگی اور از خود رفتہ شیفتگی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ خیر بڑی مشکل سے حضرت شیخ کے عشق کی پہلی رات تمام ہوئی۔ مریدوں کی تمام نصیحتیں، طنز آمیز لہجے بیکار ثابت ہوئے صبح کے وقت پھر وہی ترسا زادی کی گلی تھی۔ اور حضرت شیخ، کوچۂ یار کے کتے شیخ کی رفاقت اور انس کا سامان تھے۔ اسی طرح چند دن گذرے۔ شیخ نہایت رنجور ہوئے۔ لیکن آستان یار سے نہیں ٹلے، آخر کار لڑکی کو بھی ان کی شیفتگی کا حال معلوم ہو گیا۔ شیخ سے تجاہل عارفانہ رنگ میں خطاب کر کے پوچھا۔ کہ آپ کی اس بیقراری اور پریشانی کا کیا سبب ہے۔ اب کیا تھا۔ شیخ نے اپنی کیفیات عشق کا ایک دفتر کھول کر رکھ دیا۔ لڑکی بگڑی۔ اور ایک ایسے لہجہ میں جس میں ظرافت خفگی اور حقارت کے تمام آثار تھے۔ شیخ سے کہا۔ کہ حضرت یہ کہنہ سالی اور آپ کا یہ طوفان عشق، جائے کافور و کفن کا سامان کیجئے۔ بھلا آپ کو اس دنیا سے کیا سروکار، شیخ نے کہا۔ ایسی ایسی ہزار صلاحیں سناؤ تو کہا۔ اب ممکن نہیں۔ کہ اس دل سے تمہارا درد نکل جائے۔ لڑکی نے کہا۔ اگر آپ سچے ہیں۔ تو مذہب اسلام ترک کیجئے۔ بت کو سجدہ کیجئے۔ قرآن کو جلائیے۔ شراب نوش کیجئے۔ اور ایمان سے ہاتھ دھو لیجئے۔ شیخ نے ترک اسلام کیا۔ شراب پی۔ اور کہا۔ کہ بقیہ تینوں سے مجھے کوئی علاقہ نہیں۔ نہ قرآن سے مطلب نہ ایمان سے غرض۔ دختر کی خلق آمیز میزبانی، شراب کا نشہ عشق کا جنوں حضرت شیخ آپے میں نہ رہے۔ آتش پرست نہیں دیر میں لے گئے۔ زنار باندھا۔ شیخ نے دختر سے کہا۔ یہ تمام مصیبتیں میں نے صرف تمہارے وصل کے لئے اٹھائیں۔ اب کیا کہتی ہو۔ اس نے کہا۔ اجی حضرت آپ بوڑھے ہوئے کس خیال میں پڑے ہیں۔ میرا آپ کا جوڑ ہی کیسا ہے دل پر جبر کیجئے۔ اگر ویسے کی ضرورت ہے۔ تو لیجئے جہاں سینگ سمائے چلے جائیے۔ شیخ نے کہا۔ میں اور آستان یار سے جدائی۔ جو کچھ گذرے یہیں رہوں گا۔ لڑکی کا دل کچھ ملائم ہوا۔ اس نے کہا۔ میرا مہر یہ ہے۔ کہ میرے یہاں ایک سال تک خوک بانی (سؤر چرانا) کرو۔ شیخ نے یہ بھی اختیار کیا۔ اور ایک سال تک خوک بانی کرتے رہے۔ ابھی تک مریدوں نے شیخ کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن اب سب کے سب ان سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کی رفاقت ترک کر دی۔ ایک مرید شیخ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ تو ہم لوگ بھی آپ ہی کی طرح ترسائی اختیار کریں۔ اور زنار باندھیں۔ یا جلد از جلد اس سرزمین سے نکل کر خانہ کعبہ میں مقیم ہو جائیں۔ تاکہ یہ دلگداز منظر نہ دیکھ سکیں۔ شیخ نے کہا۔ کہ تم لوگوں کا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ مجھے تو فقط دربار سے مطلب ہے جب یہ لٹا ہوا قافلہ مکہ میں پہنچا۔ تو سب ادھر ادھر چھپ گئے۔ شیخ کا ایک مرید کہیں دوسری جگہ سے خانقاہ میں آیا۔ اور

شیخ کی حالت دریافت کی۔ حالات معلوم ہوئے۔ تو مریدوں پر خفا ہوا۔ کہ اگر انہوں نے ترسائی اختیار کی تھی۔ تو تم بھی ترسائی اختیار کرتے۔ انہوں نے زنار باندھا تھا۔ تو تم بھی زنار باندھتے۔ بیوفاؤ! ایسے وقت میں ترک رفاقت کر بیٹھے۔ چلو۔ اور شیخ کی خبر لو۔ روم کے سفر کے لئے قافلہ تیار ہوا۔ مرید روم میں پہونچے۔ تمام لوگ مشتاق ہو گئے۔ اور شیخ کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ چالیس شبانہ روز انہوں نے گریہ وزاری کی۔ خواب و خور ترک کیا۔ اسی حال میں تھے۔ کہ چالیسویں دن اس جماعت زہاد کا جو امام تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا۔ کہ محمد مصطفےٰ تشریف لائے۔ فضا خوشبو سے معطر ہے۔ اور آپ تبسم فرما رہے ہیں۔ لوگ نظارۂ جمال سے حیران ہیں۔ مرید سرور کائنات کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور آپؐ سے فریاد کرنے لگا۔ کہ یا رسول اللہ! ہمارے شیخ گمراہ ہو گئے ہیں۔ انہیں راہ حق کی ہدایت بھیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اے بلند ہمت انسان! جا تیری دعا کارگر ہوئی۔ تیرے شیخ کو میں نے ہدایت کی۔ شیخ اور خدا کے درمیان میں بہت دنوں تک تاریکی تھی۔ میں نے اس تاریکی کو دور کر دیا۔ یہ کلمات جانفزا کہکر آپ مرید کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ جب وہ بیدار ہوا۔ تو ایک روح نشاط اس کے جسم کے اندر موجزن تھی۔ اس نے سب کو یہ مژدہ سنایا۔ سب لوگ شیخ کی خدمت میں گئے۔ دیکھا تو نہ اب شیخ کے منہ میں ناقوس تھا۔ نہ کمر میں زنار۔ انہوں نے آتش پرستوں کی ٹوپی پھینک دی تھی۔ اور ترسائی کو خیرباد کہہ ڈالا تھا۔ مریدوں پر جب شیخ کی نظر پڑی۔ شرم سے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اپنے سر پر خاک ڈال کر عاجزی کا اظہار کیا کبھی آہ کرتے کبھی حسرت سے زرد ہو جاتے۔ اب آپ کا ضمیر روشن اور دل نور ایمان سے مشرف ہو چکا تھا تمام بھولے ہوئے کشف و اسرار یاد آ گئے۔ اب آپ روم کے وہ "بت پرست" نہ تھے۔ بلکہ فیض الٰہی نے آپ کی یزدان پرستی کی طرف رہنمائی کر دی تھی۔ مریدوں نے شیخ کو سمجھایا۔ کہ حضرت اب اس قدر غم و حسرت، خجالت و ندامت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خدا نے آپ کی حق کی طرف رہنمائی کی۔ شیخ نے غسل کیا۔ اور مریدوں کے جھرمٹ میں حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔

اور نصرانی آتش پرست لڑکی نے بھی خواب میں دیکھا۔ کہ میری گود میں ایک آفتاب آ گیا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ کہ شیخ کے ہمراہ جا۔ ان کا مذہب اختیار کر۔ تو ان کی رہنما تھی۔ اب ان کی رفیقۂ سفر بن۔ لڑکی کی آنکھ کھلی۔ تو دیکھا۔ کہ قلب ایک بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ اور دل میں درد کی ٹیس موجود ہے۔ ناچار شیخ کے پیچھے روانہ ہوئی۔ حضرت عطارؒ نے ایک خاص مؤثر انداز میں لڑکی کے جذبات و کیف کی ترجمانی کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

درمیان آں ہمہ ناز و طرب	ہمچوں باران اشک ریخت اے عجب
نعرہ زن جامہ دراں بیروں دوید	خاک بر سر در میان خون دوید
با دل پر درد شخص ناتواں	از پئے شیخ و مریداں شد رواں
مے ندانست او کہ در صحرا و دشت	از کدامیں سوئے مے باید گزشت

عاجز و سرگشتہ مے نالید زار — روئے خود در خاک مے نالید زار
زار مے گفت اے خدائے کارساز — عورتے ام ماندہ ام از کار باز
مرد راہ چو توئی رہ زدم — تو مزن بر من کہ بے آگہ زدم
بحر قہاریت را بنشاں ز جوش — مے ندانستم خطا کردم بپوش
ہر چہ کردم بر من مسکیں مگیر — دین پذیرفتم بریں بیدیں مگیر
گر بمیرم از کسے یاریم نیست — حصۂ دیگر بجز خوارم نیست

یعنی اس بدیع اور جمال رائع کے ہوتے ہوئے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ کبھی کپڑے پھاڑتی، صحرا میں دوڑتی، لیکن فکر منزل سے آزاد ہو کر کبھی خدا سے دعائیں کرتی کہ خدا وندا میں ایک بیچارہ عورت ہوں۔ مجھے تو نے اپنا درد دیا۔ اب میری مدد کر۔ مجھ بیکس کا کہاں ٹھکانا۔ جب تیرے ایسے ایسے برگزیدہ بندوں کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ تو مجھ پر کیا گزرے گی۔ میری دستگیری کر۔ میں نے شیخ کو برباد کیا۔ لیکن تو مجھے برباد نہ کر۔ اب نہ مجھے کسی سے محبت ہے نہ دوستی۔ اگر میں مروں۔ تو ذلت ہی میرا حصہ ہے۔

ادھر شیخ کو کشف ہوا۔ وہ باد صرصر کی طرح اس دلنواز روم کی طرف چلے۔ مرید چلائے۔ کہ توبہ و استغفار کے بعد پھر عاشقی پر کمر باندھی۔ انہوں نے اس لڑکی کی حالت بیان کی۔ قافلہ چلا۔ اور جہاں وہ خدا رسیدہ عورت تھی۔ پہونچا۔ شیخ کو دیکھکر عورت کو عشق آگیا۔ شیخ کی اشک ریزی سے اس کی آنکھیں کھلیں۔ تو زار و قطار رونے لگی۔ اور اسی حالت زار میں شیخ کے پیر پر گر گئی۔ شیخ کے وہ تمام نقوش وفا اس کی نظر کے سامنے آگئے۔ اس نے ترسائی ترک کی۔ شیخ کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئی۔ اور کہا۔ کہ اب یہ میری زندگی کی آخری گھڑیاں ہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ اور میری گستاخیاں درگزر کیجئے۔ اور یہ کہکر آنکھیں بند کر لیں ؎

ایں بگفت آں ماہ دوست از جاں فشاند — نیم جانے بود بر جاناں فشاند

شیخ پر اس حادثہ نے گہرا اثر کیا۔ ان کی حالت بھی نازک ہو گئی۔ صبح کو لڑکی نے انتقال کیا تھا۔ دوپہر سے قبل شیخ نے بھی عالم بالا کا سفر کیا۔ شاید خواجہ فرید الدین عطارؒ کی اس حکایت کے مطالعہ یا اسی قسم کے دوسرے مناظر سے متاثر ہو کر رومی نے وہ غزل کہی تھی جس کا ایک نہایت تاثر انگیز شعر یہ ہے ؎

تو باز خاص بدی در وثاق پیر نئے — چو طبل باز شنیدی بہ لامکاں فتی

اس کے بعد حضرت عطارؒ نے ایک ایسے مؤثر اور دلکش انداز میں "صور شعریہ" کی مثال پیش کی ہے۔ کہ بے اختیار دل لوٹ جاتا ہے۔ مصر کا ایک جدید ادیب اور دلفریب انشا پرداز ڈاکٹر زکی مبارک اپنی کتاب "موازنہ بین الشعرا" میں عربی شعراء کے اس کلام کی نظیریں پیش کرتا ہے۔ جن میں فنی اعتبار سے "صور شعریہ" پائے جاتے ہیں "صور شعریہ یہ ہے

کہ کوئی شاعر مناظر فطرت یا جذبات و کیفیات کی ایسی ترجمانی کرے۔ کہ پڑھنے والے کو ہو بہو ایسا معلوم ہو۔ کہ وہ کسی منظر فطرت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یا خود اپنے ذہن کے اندر جذبات و کیفیات کا طوفان پا رہا ہے۔ اسی لئے ایک کامیاب شاعر وہی ہو سکتا ہے جس کے ذہن میں حقیقی مصوری کی صلاحیت ہو۔ شاعری اور مصوری دونوں ایک ہی مرکزی نقطہ کے دو خطوط ہیں۔ ہر چند ہر شاعر عملیات کے اعتبار سے مصور نہیں ہوتا۔ لیکن فنی اعتبار سے شاعر کا مصور ہونا ضرور ہے۔ اس کے خلاف مصور کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ شاعر بھی ہو۔ شاعری مصوری سے ایک بالاتر فن ہے۔ حیران چند اشاری سطور کے بعد میں حضرت عطارؒ کی اس قدرت کلام کا نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں "صور شعریہ" بہ درجہ کمال موجود ہے اور منطق الطیر کی حکایات کے ان آخری سطور میں فطرت نگاری کا ایک ایسا زبردست نمونہ سامنے آجاتا ہے۔ جسے سحر نگاری سے تعبیر کریں۔ تو زیادہ مناسب ہے حضرت عطارؒ صوفی ہونے کے ساتھ ہی ایک بڑے پایہ کے شاعر بھی تھے۔ اور ان کی شاعری میں وہ تمام نقوش موجود ہیں جنہیں ادب لطیف گرانمایہ قرار دیتا ہے۔

یہ چند آخری سطور ملاحظہ ہوں: ؎

قبر شیخ و قبر دختر ساختند — ہر دو را پہلوئے ہم پرداختند
چو دو عاشق دا ثمامد ہوش ہم — چوں دو موزوں دست در آغوش ہم
زاں دو قبر آں دو یار درد مند — دست ازاں حسرت زدہ سرو بلند
دانکہ آنجا ایزد از لطف و کمال — کرد پیدا چشمۂ آب زلال
چند فرسنگ آنچناں خرم بود — ہمچناں جائے بہ گیتی کم بود
گر رسی آنجا بہ بینی از خوشی — عرصہ ہمچوں بہشت از دلکشی
گر دراں منزل ترا باشد قرار — چار فصل آنجا نہ بینی جز بہار
ہیچ فصل از میوہ خالی نیستند — تا نہ پنداری کہ عالی نیستند
ہر دو مے آرند بار عاشقی — بوالعجب کاریست کار عاشقی
درمیان کعبہ و روم و دمآں مقام — شد زیارتگاہ خلق از خاص و عام

خلاصہ یہ کہ شیخ اور "زاہد فریب جوگن" کی قبر پہلو بہ پہلو بنائی گئی۔ قدرت نے دونوں کی قبر سے دو سرو کے درخت اگائے اور وہ دونو درخت اس طرح ملے ہوئے ہیں۔ گویا وہ جوگن اور شیخ اپنی ہم آغوشی کا پتہ دے رہے ہیں۔ وہاں فطری مناظر ایسے فرحت افزا اور دلکش ہیں۔ کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی لطف ایزدی سے وہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ بھی ہے وہاں نہ خزاں کی ویرانگی ہے۔ نہ برشگال کی صعوبت۔ ہمیشہ بہار ہی بہار ہے۔ اور لطف یہ کہ چاروں فصل کے میوے بھی ہمیشہ موجود ہیں یہ مقام کعبہ اور روم کی درمیانی راہ میں ہے۔ یہاں خاص و عام کا میلہ لگا رہتا ہے۔

شبلی نعمانی مرحوم

از جناب محمد رشید عابدی

ہند کو اس وقت اے شبلی ضرورت ہے تری
قوم مسلم کے ہر اک دل میں محبت ہے تری

پیکر ہستی میں تو جلوہ نما ہوتا اگر
رنج ہوتا تجھکو اب حالت ہماری دیکھ کر

سادگی اور مذہبیت ہو جلی موہوم ہے
سر پر فیشن، نمائش، دہریت کی دھوم ہے

ہم میں اسلامی شریعت کی قدر باقی نہیں
ہند کا اسلاف کی کوئی اثر باقی نہیں

زندگی سے تیری تھی مذہب میں بھی اک زندگی
ساری تصنیفیں ہیں مملو مذہبیت سے تری

اب بخاری اور مسلم کو نہیں سچ مانتے
سب سمجھتے ہیں کہ اب ہم بھی خیفہ ہو گئے

مشرقی آداب و قف طاق نسیان ہو گئے
منتشر خودداری و غیرت کے سامان ہو گئے

آہ اب باقی نہیں اگلا تمدن ہند کا
اتحاد اور دوستی کا بھی نہیں ملتا پتا

تیری تصنیفوں میں شبلی فلسفہ ہے دین کا
تیری تقریروں میں مخفی حق تھا اور ایمان تھا

تیری تحریروں میں نغمے مذہبی مستور ہیں
تیری تحریروں میں پنہاں جلوہ ہائے طور ہیں

تیرے شعروں میں رموز زندگی مستور ہیں
اور مضامین جوہر حکمت سے سب معمور ہیں

تیری تحریروں میں پنہاں ہے حقیقت کا فسوں
تیری تحریروں نے پھونکا مذہبیت کا فسوں

منکشف اسرار ہستی ان سے اکثر ہو گئے
درس اچھے اچھے اور ہم نے بہت حاصل کئے

عہد نبوی ان کو پڑھکر یاد آتا ہے ہمیں
عظمت مسلم کا منظر یاد آتا ہے ہمیں

نام سے تیرے ہے زندہ اب بھی مشرق کا ادب
ہے اگر مغرب کی ٹکر کا تو وہ تیرا ادب

تیری تصنیفوں کی عزت اب بھی عالم کرتا ہے
تیری تحریروں کی وقعت اب بھی عالم کرتا ہے

آہ اے شبلی مگر، اس وقت تو ہوتا اگر
حریت اور خوبیوں سے دیتا پھر دامن کو بھر

تو ستارہ تھا جو رہتا تھا جدا ہر ایک سے
تیرا شیریں لہجہ بھی ملتا نہ تھا ہر ایک سے

مطہر و صاف آسماں کی طرح تو سنجیدہ تھا
اولیاء کی طرح ہستی کا سفر سب طے کیا

باوجود ان خوبیوں کے بھی تو اک انسان تھا
سچ ہے اے مرد خدا تو شبلی نعمان تھا

میری سرگذشت

نمبر ۱۰

قریہ سنی سے چل کر ہم شوران پہونچے۔ جو گاجان کے شمال کی طرف پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور قصبہ ہے۔ ۲۸ درجہ ۵۲ دقیقے شمالاً۔ اور ۶۷ درجہ ۲۷ دقیقے شرقاً۔ اس کا اصلی نام زرخیزی کے لحاظ سے سُہران ہے۔ بلوچی میں سُہر "سونا" یعنی طلا کو کہتے ہیں۔

علاقہ شوران کا حدود اربعہ یہ ہے۔ شمالاً سنی۔ جنوباً گاجان۔ شرقاً دہ سنری۔ غرباً کوہستان۔ اس علاقہ کا طول شمالاً جنوباً سولہ میل اور عرض شرقاً غرباً دو میل ہے۔ ان حدود میں جس قدر قریہ جات آباد ہیں۔ ان میں سے شوران کے علاوہ سیاچ[۵۱]۔ طنیان[۵۲]۔ امیری اور جھوک زیادہ مشہور ہیں۔

شوران یا سہران وڈیرہ سردار خان تمن دار اقوام رند کا صدر مقام ہے۔ شہر کے مکانات کچے ہیں۔ لیکن سردار کا مکان پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ بازار کا کچھ حصہ مسقف ہے۔ قصبہ کے نزدیک آموں کا ایک عمدہ باغ ہے۔ شہر کے گرد و نواح میں جسقدر مزارات ہیں۔ ان میں سے شاہ بخاری۔ پیر لاکھا۔ تیم شاہ اور ہفت ولی زیادہ مشہور ہیں۔

شوران کے مغرب کی طرف قریباً اٹھارہ میل کے فاصلہ پر اندرون کوہستان پانی کا ایک چشمہ یا تالاب ہے۔ جسے "ہری سر" کہتے ہیں۔ ہندو اسے اپنا تیرتھ سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح ہندوستان کے ہندو گنگا جا کر اشنان کرتے ہیں۔ اسی طرح علاقۂ کچھی کے ہندو بیساکھی کے دن اس چشمہ پر جا کر نہاتے اور اسے متبرک خیال کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے مُردوں کی راکھ بھی اسی چشمہ میں پھینکتے ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کہ موجودہ ہندوؤں علاقہ کچھی کے آبا و اجداد ازمنۂ ماضیہ میں ملتان۔ ڈیرہ جات اور سندھ و پنجاب کے مختلف حصص سے آئے تھے۔ اور یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ میر نصیر خان اعظم خانِ قلات نے ایک موقعہ پر اس بات کا اعلان کیا۔ کہ اسے خواب میں بتلایا گیا ہے۔ کہ چشمۂ ہری سر ایک متبرک مقام ہے۔ اس لئے ہندو گنگا جانے کی بجائے (جیسا کہ وہ جایا کرتے تھے) ہری سر جایا کریں۔ اور اس میں اپنے مُردوں کی راکھ پھینکا کریں۔ چنانچہ اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے اس وقت سے ہندوؤں میں یہ دستور قائم اور جاری ہو گیا۔

---

۵۱ ؎ ۵۲ میں نے ان مواضعات کو زیدی کو جاتے ہوئے ۱۵ مارچ ۱۸۹۴ء کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

۵۲ ؎ ۱۸۹۴ء سے اس کا نام میرے دوستوں کی فہرست میں چوٹی پر ہوا۔ قاضی

کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں میر نصیر خان مرحوم کی دانشمندانہ حکمت عملی کا راز بھی مضمر تھا۔ کہ اس طرح سے ہندو اپنے اصلی وطن کی یاد کو بھلا دیں۔ اور حدود بلوچستان سے باہر جا کر نہ تو یہاں کے حالات کے تذکرے کا موقعہ پا سکیں۔ اور نہ ہندوستان ہی کے ہندوؤں سے میل جول پیدا کر کے وہاں کے خیالات اور جذبات کی یہاں اشاعت کر سکیں۔ بہرکیف کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے ہر دانا گورنمنٹ کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی سلطنت کے بقا اور حکومت کے استحکام کے لئے حسب ضرورت مناسب تجاویز عمل میں لائے۔

شوران سے جنوب کی طرف چھ میل کے فاصلہ پر شورہ دار زمین کے چند قطعات ہیں۔ جہاں مردم نوناری نمک بناتے ہیں۔ یہاں کی مقامی صنعت موٹا کپڑا ہے۔ اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں۔ جو یہاں کے مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کا اصلی سبب ہے۔

شوران سے روانہ ہو کر ہم گاجان آئے۔ جو ۲۸ درجہ ۴۱ دقیقہ شمالاً۔ اور ۶۷ درجہ ۲۶ دقیقہ شرقاً شہر گنڈاوہ کے شمال مغرب میں قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

یہ وہی مقام ہے۔ جہاں زیدی کو جاتے ہوئے ۱۵ مارچ ۱۸۹۴ء کو میں پہلی مرتبہ فروکش ہوا تھا۔ اور یہاں کے باشندے مجھے اجنبی سمجھ کر جوق در جوق میرے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے ایک ملا میٹھا بھی تھا۔ جو عربی فارسی۔ اردو اور جنگلی زبانوں میں دسترس رکھنے کے علاوہ تشبیہ و استعارہ اور غزل گوئی و شعر خوانی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اور باوجود ادھیڑ عمر کا ہونے کے خوش گلو اور خوش آواز تھا۔ اور جلالی۔ جامی۔ نظامی اور سعدی کے کلام سے اس نے میرے وقت کے کچھ حصے کو دلچسپ بنا دیا تھا۔ خاتمہ پر میں نے ان الفاظ میں داد دی تھی۔ کہ وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کردی۔

شہر گاجان کو ڈھوری نالہ جو مغرب سے مشرق کی طرف گذرتا ہے۔ دو حصوں پر منقسم کرتا ہے۔ شمالی حصہ بنے ساکنین کے نام پر گاجانیوں کا گاجان کہلاتا ہے۔ اور جنوبی لاشاریوں کا گاجان۔ علاقۂ گاجان کا حدود اربعہ اور طول و عرض بالترتیب یہ ہے۔ شمالاً علاقۂ سہران۔ جنوباً کوٹڑہ۔ شرقاً علاقہ گنڈاوہ۔ غرباً کوہستان۔ علاقہ شرقاً غرباً دس میل اور شمالاً جنوباً آٹھ میل ہے۔

قصبہ گاجان سے تین میل شمال کی طرف پرانے شہر گاجان کے نشانات اب تک موجود ہیں۔ جہاں میر چاکر رند رگہرام خان لاشاری کے درمیان محض اس بناء پر کہ رامن خان پسر گہرام خان نے مسمات بانڑی دختر میر چاکر کے ٹوں میں نے ایک شتر بچہ کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ تیس سال تک لڑائی جاری رہی تھی۔ جو عرب کے ایام بیت کی جنگوں کا ایک نمونہ کہی جا سکتی ہے۔ اسی قسم کے اسباب تھے۔ جو بلوچستان کی جنگی طاقت کو مختلف وقتوں میں کمزور کرتے چلے آئے ہیں۔

وہ علاقہ جس میں اب موجودہ شہر گاجان واقعہ ہے۔ ابتدا میں خان قلات کے متعلق تھا۔ لیکن بعد میں میر نصیر خان اول (خان قلات) نے میر زرک (موجودہ چیف آف جھالاوان کے جد اعلیٰ) کے قصاص کے معاوضہ میں اس کے وارثین کو بطور جاگیر عطا کر دیا۔ کیونکہ میر زرک اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جو خان قلات نے سندھ کے فرمانروا خاندان ٹالپور کے خلاف لڑی تھی۔ اب گاجان سردار محمد یوسف خاں زرک زئی چیف آف جھالاوان (جس کی اتالیقی پر میں مامور ہوں) کی جاگیر میں داخل ہے۔

قصبہ سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر نمک کے قطعات ہیں۔ جہاں نوناری نمک سازی کا کام کرتے ہیں۔ اور یہ سندھی نمک کہلاتا ہے۔

آب پاشی کے لئے پانی رود سکھلیجی سے لیا جاتا ہے۔ جو ۲۴۲ شبانہ روز پر منقسم ہے۔ قصبہ کے تین میل شمال مشرق کی طرف دو پرانے ٹیلے ہیں۔ جو دور اے ہندو فرمانروائے سندھ کے نام سے موسوم ہیں۔ اس کے وقت کے بنائے ہوئے قلعوں کے کھنڈرات اب تک سبی علاقہ تحصیل چٹیالی اور پشین علاقہ کوئٹہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

یہاں کی مشہور مزارات قاضی سماعیل۔ سندو شاہ اور شاہ مریہ ہیں۔ اور ایسی مزارات چونکہ بلوچستان کے ہر حصے میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے پایا جاتا ہے۔ کہ ایسے ہی نیک مردوں کے ذریعے سے اشاعت اسلام کے کام نے گزشتہ وقتوں میں بلوچستان میں تقویت پائی۔

گاجان سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جسے "گوہیلہ" کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اقوام رند اور لاشاری کی ابتدائی لڑائیوں میں سے پندرھویں صدی عیسوی کے دوران میں اس میں ایک لڑائی ہوئی تھی۔ مگر اب یہ جنگل برسات کے موسم میں ارد گرد کے مواضعات کے مال مویشی کے لئے ایک وسیع چراگاہ کا کام دیتا ہے۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی (ریٹائرڈ)

چار ہزار اسکولوں میں منظور ہونے کی خوشی میں

ایک ہفتہ کیلئے چوتھائی قیمت

انگلینڈ۔ امریکہ جرمنی جاپان کی بغیر سرمایہ کے جاری ہونیوالی نہایت قیمتی دستکاریاں سکھانیوالا رسالہ دستکاری جو اٹھارہ سال سے جاری ہے۔ محکمہ تعلیم دکن کے چار ہزار اسکولوں میں منظور ہونے کی خوشی میں ایک ہفتہ کیلئے رسالہ دستکاری سالانہ چندہ پانچ روپیہ کی بجائے ڈیڑھ روپیہ کر دیا گیا ہے۔ اسلئے آپ چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کر کے اس کے ذریعہ صرف کے وقت میں کام کر کے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کما سکتے ہیں۔ وی۔ پی طلب کرنے والوں کے واسطے رعایت نہیں۔

المشتہر:۔ ڈاکٹر شفیع احمد پی ایچ۔ ڈی ایڈیٹر رسالہ دستکاری "یلیماران دہلی

عالمگیر اعظمؒ پر تہمت طرازیاں

افسر الشعرا ایم محمد یعقوب جوہر منشی بل کالج "جنم بھوم" میں لکھتے ہیں

اورنگ زیب ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ وہ ان تمام خصائل و اوصاف سے بوجہ اتم بہرہ ور تھا جو ایک خدا ترس اور نیک بادشاہ میں موجود ہونے چاہئیں۔ اس نے اپنی زندگی میں کئی فرمان اس مضمون کے جاری کئے۔ کہ ہندوؤں کو زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں پر فوقیت دی جائے۔ ان میں سے ایک فرمان بہ طور نمونہ کے اس مضمون میں درج کیا جاتا ہے۔ ایسے نیک اور صالح بادشاہ کے خلاف یہ الزام کہ اس نے ویدوں کی تہذیب اور ہندو مندروں کو مٹانے اور برباد کرنے کی کوششیں کیں۔ بے انتہا قابل نفرت ہے۔ جو غیر ذمہ دار مورخین نے انتہائی بے دردی سے عاید کر دیا ہے۔ وہ اولاً یہ دعوے پیش کرتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب نہایت متعصب اور پرجوش مسلمان تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں۔ کہ اس نے ہندو مندر ڈھائے۔ میں اپنے ان تمام بھائیوں سے بہ ادب درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے الزام کے ثبوت میں ایک واقعہ پیش کر دیں مجھے یقین ہے۔ کہ وہ نہیں پیش کر سکیں گے۔

عالمگیر کی حمیت اسلام

میں بلا تامل اعتراف کرتا ہوں۔ کہ اورنگ زیب نہایت سچا پرجوش اور باحمیت مسلمان تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ کہ ایک سچا، پرجوش اور باحمیت مسلمان کسی حالت میں بھی احکام قرآنی سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور نہ حضور پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات سے سرتابی کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ اورنگ زیب چونکا سنی مسلمان تھا۔ اس نے کوئی کام خلاف احکام قرآن و حدیث نہیں کیا۔

احکام قرآن

اب سب سے پہلے مذکورہ بالا معاملات کے متعلق قرآن پر نظر ڈال لیجئے۔ یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ قرآن نے مذہبی آزادی کا اعلان کیا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا ہے۔ کہ وہ اپنے مذہبی خیالات زبردستی دوسروں سے منوائیں۔ قرآن کے واضح احکام ہیں۔

(۱) لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔

(۲) اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ

(۳) وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر ۔

اسوۂ خواجۂ دوجہاں

آئیے ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ حضورؐ نے غیر مسلموں سے کیسا سلوک کیا۔ ایک دفعہ نجران کے عیسائی پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے انہیں اپنی مسجد میں اتحاد کی عبادت کی اجازت دے دی۔ لہٰذا متعصب دنیا کو معلوم ہو جانا چاہئے۔ کہ اس وقت عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام اور

حضرت مریم عذرا کی تصویروں اور بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب وہ کافی دیر کے بحث و مباحثہ کے بعد اپنی عیسائیت پر ثابت قدم رہیں چلے گئے۔ تو حضورؐ نے اپنی مہر مبارک سے انہیں ایک فرمان دے دیا جس میں مرقوم تھا۔ کہ کوئی ان کے بتوں کو صلیبوں کو نہ توڑے۔ اور ان کے تمام حقوق کا احترام کیا جائے۔ کیا کوئی شخص اس قسم کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟ میں تمام متعصب اور تیرہ باطن اشخاص کو چیلنج کرتا ہوں۔ جو واقعات کو توڑنے مروڑنے میں مصروف رہتے ہیں۔ کہ وہ ان حقائق کو دیکھیں۔

اسوۂ صحابۂ کرام

حضرت عمرؓ نے یروشلیم کے عیسائیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کیا۔ حضرت ابابکرؓ حضرت خالدؓ اور حضور سرور دو جہاںؐ کے دوسرے اصحابؓ نے مختلف مفتوح۔ غیر مسلم اقوام کے مختلف طرق عبادت کے متعلق رواداری سے کام لیا۔ بلکہ انہیں عام بازاروں میں اپنے بتوں کے جلوس نکالنے کی اجازت دے دی۔ دنیا کی کسی قوم نے مفتوح اقوام کے ساتھ آج تک ایسا سلوک کیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے غیر مسلموں سے جو سلوک کیا وہ کم قابل ستائش نہ تھا۔

فرمان عالمگیری

موجودہ زمانہ کے نام نہاد مورخین جب یہ سنیں گے۔ کہ اورنگ زیب نے غیر مسلموں کے مقامات مقدسہ کی امداد و حفاظت کے لئے فراخ حوصلگی کے ساتھ جاگیریں عطا کی تھیں۔ تو وہ چونک اٹھیں گے۔ میں مثال کے طور پر ذیل میں ایک فرمان پیش کرتا ہوں:۔

محمد اورنگ زیب شاہنشاہ غازی

محمد اورنگ زیب ابن صاحبقران ثانی

مہر

سب کو معلوم رہے۔ کہ مابہ دولت اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے ساتھ طبعی محبت و الفت کی بنا پر اعلان کرتے ہیں۔ اور حکم دیتے ہیں۔ کہ مابہ دولت کی محبوب رعایا خواہ وہ اعلےٰ طبقے سے تعلق رکھتی ہو۔ یا ادنےٰ سے۔ اسلامی شریعت کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق و محبت سے رہے۔ اور امن میں زندگی بسر کرے۔ ہم حکم دیتے ہیں۔ کہ ہندوؤں کے مندر اور عبادت گاہیں محفوظ رکھی جائیں۔ حال ہی میں مابہ دولت کے علم میں یہ بات آئی ہے۔ کہ بعض لوگ مابہ دولت کی ہندو رعایا کے ساتھ سختی اور تشدد کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ برہمنوں کو ان کے قدیم طریق عبادت سے روک دیں۔ مابہ دولت حکم دیتے ہیں۔ اور اس حکم کا ساری سلطنت میں عام اعلان ہو جانا چاہئے۔ کہ اس کی تاریخ اجراء سے کوئی شخص کسی برہمن کی عبادت میں مخل نہ ہو۔ نہ ہندوؤں کے مندروں سے کوئی تعرض کیا جائے۔ مابہ دولت کی ہندو رعایا کے لئے امن و آسائش کا سامان مہیا رہنا چاہئے تاکہ وہ ہماری ترقی اقبال کے لئے دعائیں مانگتی رہے؛

مملکت آصفیہ

آج بھی اعلیحضرت حضور نظام کی مملکت عالیہ کے محاصل کا بڑا حصہ ہندو مندروں کے قیام و انتظام پر صرف ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہندو ریاستوں کو دیکھئے۔ کہیں بھی کسی مسلم مسجد کے متعلق اس قسم کے سلوک کی مثال نہیں ملے گی۔ اسلامی تاریخ رواداری کی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے؛

غیر مسلموں کے مسلموں پر ظلم

ہسپانیہ اور سسلی میں مسلمانوں کے ساتھ جو دردناک بدسلوکیاں کی گئیں۔ وہ سب کو معلوم ہیں۔ سالونیکا کی مثال تازہ اور حدیث العہد ہے۔ کیا یہ معلوم نہیں۔ کہ سالونیکا کی مسلم اکثریت کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا مسلمان ہسپانیہ پر آٹھ سو سال حکمران رہے۔ وہ چاہتے۔ تو سارے ہسپانیہ کو مسلمان بنا لیتے۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی مساجد کے آثار بھی باقی نہیں چھوڑے گئے۔ ہندوستان کی مثال سامنے لائیے۔ یہاں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک جاہ وجلال کے ساتھ حکومت کی۔ مگر آج کیا حالت ہے۔ تیس کروڑ کی آبادی میں سے دو تہائی غیر مسلم ہیں (تین چوتھائی۔ انقلاب)

مسلم فقہاء کی تصریحات

میں اگر بتاؤں۔ کہ مسلم فقہاء نے غیر مسلم کے قتل پر مسلمان کے لئے موت کی سزا رکھی ہے۔ تو شاید سب حیران ہو جائیں گے۔ ابن عابدین جو متاخر فقہاء میں سے ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ غیر مسلم کا قتل مسلم کے قتل کے مقابلے میں زیادہ بڑا ہے۔ کتب فقہ میں یہ بھی مرقوم ہے۔ کہ غیر مسلم کی دکان کی شراب کو بہانا موجب تعزیر ہوگا۔ اور غیر مسلم سے جانور وصول کرنے کا حق ادا ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ غیر مسلم کی جائیداد محاصل سے بالکل محفوظ رہے۔ غیر مسلم کو ملک کی حفاظت کے لئے لڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ ایک ٹیکس دے کر فوجی خدمت سے بچ سکتا ہے۔ اگر اسلامی حکومت میں دو لکھ پتی ہوں۔ ان میں سے ایک ہندو ہو۔ اور دوسرا مسلمان۔ تو مسلمان کو سالانہ پچیس ہزار پونڈ کی رقم ٹیکسوں میں دینی پڑے گی۔ اس کے ساتھ ہی جانداروں پر ۲½ فیصدی ٹیکس دے گا۔ غیر مسلم لکھ پتی کو صرف ایک پونڈ جزیہ دینا پڑیگا۔ یہ تاریخ کے مسلم حقائق ہیں۔ جو اپنے شارح آپ ہیں۔ اور کوئی انہیں جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اورنگزیب یا اس کے جانشینوں میں سے کسی نے ہندو مندروں کو توڑنے اور منہدم کرنے پر توجہ نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا ایسا برتاؤ کیا ہے۔ جس کی مثال مہذب دنیا کی تاریخ پیش کر سکتی۔ (ماخوذ)

ہونے والا ہے!

ہشیار غریبو کچھ دن ہیں وہ دور اب آنے والا ہے
دنیا میں اندھیرا تو پوں کی بارود کا چھانے والا ہے

پھر خون کے چشمے ہستی کے سینے سے ابھر نیوالے ہیں
آلات ہلاکت خیزی کے پھر دیر میں ڈھلنے والے ہیں

اس عہد زبوں کی قوموں میں اُلفت کے کہیں آثار نہیں
مل جل کے ترقی کرنے پر افسوس کوئی تیار نہیں

ہمسایوں کو اپنے روند کے اب ہر قوم ابھرنا چاہتی ہے
جینے کی ہوس میں لڑ بھڑ کر دنیا سے گذرنا چاہتی ہے

سینوں میں ضیا کا نام نہیں آنکھوں میں وفا کا نور نہیں
ٹکرائیں گی قومیں ایسی میں وہ وقت کوئی اب دور نہیں

ایک تاریخی واقعہ

(از جناب مرزا ادیب صاحب اسلامیہ کالج لاہور)

ساحل دریا پہ "عالمگیر" اک دن تھا رواں
صبح کا تھا وقت اور خادم نہ تھا کوئی وہاں

چل رہی تھی ہر طرف موجِ صبا نکہت بدوش
باغِ ہستی بن گیا تھا رشکِ صد باغِ جناں

قلبِ غازی ہو گیا محوِ تجلیاتِ حسن
کھل گیا آنکھوں کے آگے بابِ اسرارِ نہاں

ایک ناداں نوجواں شمشیر خوں افشاں لئے
شاہ عالی جاہ پر ہے وار کرنا ناگہاں

زخم کھا کر اپنے بازو پر شہِ گردوں وقار
دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے دستِ نوجواں

اور پھر کہتا ہے یہ اے نوجوانِ ذی ہمم
ظلم میں نے کونسا تجھ پر کیا ہے کر بیاں

تا نہ محشر میں مجھے اس ظلم کے بدلے کہیں
انبیاء کے سامنے رسوا کرے ربِّ جہاں

جھک گیا سر نوجواں کا جب سنی اُس نے یہ بات
اور آثارِ ندامت ہو گئے رُخ پر عیاں

کانپ کر کہنے لگا وہ اُس شہِ شاہانِ ہند
فی الحقیقت تو ہے وجہِ رونقِ بزمِ جہاں

ظلم تیرا کچھ نہیں تیری خطا کوئی نہیں
جو خطا بھی کی ہے وہ میں نے ہی کی اے مہرباں

کشتنی ہوں میں ہوا ہے مجھ سے سرزد یہ قصور
جو سزا مرضی تیری ہو دے مجھے تو بے گماں

لب پہ "عالمگیر" کے رقصاں تبسم ہو گیا
اور کہا کرتا ہوں میں تجھ کو معاف اے نوجواں

یہ وہی ہے رحم پرور غازی اورنگ زیب
ظالم و سفاک کہتے ہیں جسے اہلِ جہاں

سلکِ گوہر

(۱)

امام ابوحنیفہؒ کے مکان کے قریب ایک رنگین مزاج موچی رہتا تھا۔ دن بھر مزدوری کیا کرتا۔ اور رات کو اپنے دوستوں کے ساتھ شراب خوری میں نشہ کے ترنگ میں عربی کا شعر گاتا جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا۔ ایسے شخص کو کھویا۔ جو لڑائی اور رخنہ بندی کے روز کام آتا ہے"

امام صاحبؒ اکثر شب بیداری کی وجہ سے اس کی رنگین مزاجیاں دیکھتے اور سنتے تھے۔ ایک روز اس کی نغمہ سنجیوں کی آواز نہیں آئی تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ وہ کہاں گیا معلوم ہوا۔ کہ کوتوال صاحب کے ہاتھوں" پابدست دگرے دست بدست دگرے ہو گرفتار ہو گئے ہیں۔ ایوانِ خلافت میں آپ نے اس کی سفارش کی۔ اور رہا کرایا جب اُسے لیکر واپس آئے۔ تو راستہ میں اس سے فرمایا۔ کہ دیکھو ہم نے تم کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ جیسا کہ تم اپنے شعر میں کہا کرتے تھے۔

موچی نے کہا۔ فی الحقیقت آپ نے حق ہمسائیگی خوب ادا کیا ہے۔ امام صاحبؒ کے اس طرزِ عمل کا موچی کی طبیعت پر ایسا اثر پڑا۔ کہ وہ تائب ہو کر آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوا۔

(۲)

جنگ قادسیہ (ایران) کے سپہ سالار سعدؓ تھے۔ انہوں نے ایک مشہور بہادر اور شاعر ابو محجن ثقفی کو شراب نوشی کے جرم میں پابزنجیر کر دیا تھا۔ وہ قید خانہ کے دریچہ سے جنگ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اور بوش شجاعت سے بیتاب ہوتے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ ہو سکا۔ سعدؓ کی بیوی کے پاس گئے۔ اور کہا۔ برائے خدا مجھے اس وقت چھوڑ دو۔ اگر جنگ سے بچا رہا۔ تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ مگر انکاری جواب سنکر نہایت درد انگیز لہجہ میں عربی اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا :۔

اُس سے بڑھ کر اور کیا غم ہوگا۔ کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں۔ اور میں زنجیروں میں ہوں۔ جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر کھڑا ہونے نہیں دیتی۔ اور دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جائے"

ان اشعار سے متاثر ہو کر سعدؓ کی بیوی نے آکر آزاد کر دیا۔ وہ اب اصطبل میں جا کر سعدؓ کے خاص گھوڑے کو طیار کر کے میدان جنگ کو گئے۔ اور جس طرف حملہ کرتے تھے صفوں کی صفیں الٹ گئیں۔ سب حیران تھے۔ کہ کون ہے۔ خود سپہ سالار حیران تھا۔ شام کو واپس آکر اس بہادر نے خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ واقعہ شوہر سے بیان کیا۔ اسنے فوراً اسکو آزاد کیا۔ اور کہا خدا کی قسم شخص مسلمانوں کا اسقدر فدائی ہو۔ میں اسکو سزا نہیں دے سکتا۔ بہادر نے کہا۔ خدا کی قسم اس بھی آج سے شراب کو ہاتھ نہ لگاؤنگا۔

تاریخ خلافت عباسیہ کا آخری ورق

مولانا نورالدین صاحب انور صدیقی ان درد مندان قوم میں سے ہیں جو نوشتۂ تقدیر پر نظر رکھنے کے معنی میں علمی ذوق اور اصلاحی شوق میں پروفیسر ارشد حاصل ہے القریش کے آپ پہلے پہلے بھی قلمی و دری امداد کرتے رہے ہیں۔ اور اب پھر آپنے توجہ فرمائی ہے۔ ذیل کی نظم جو قریشی غلام حسین صاحب ایم پریدوالہ کے توسل سے موصول ہوئی ہے۔ آپ ہی کے ذہن رسا کا نتیجہ ہے ہو ہم اسے بشکریہ مذکور نذر ناظرین کرتے ہیں جناب انور کی علمی و ادبی وجاہت قومی سے توقع ہے کہ آپ آئندہ بھی یہ تواتر جاری رکھ کر شکریہ امتنان کا موجب ہوتے رہیں گے۔

ہوا خلیفۂ بغداد جبکہ "مستعصم"
شکوہ و شان میں رکھتا نہ تھا وہ اپنا نظیر

حریم کعبہ تھا ایوان سلطنت اس کا
مگر نہ پاتے تھے باران کے ہاں صغیر و کبیر

لکھا تھا صحن خلافت کے در پہ سنگ سیاہ
جو حجر اسود ثانی تھا از رہ توقیر

وہ خود تو لہو و لعب میں تھا رات دن مشغوف
فضیل نظم و نسق ابن علقمی تھا وزیر

عناد دل میں وہ رکھتا تھا اپنے آقا سے
بظاہر اگرچہ خلیفہ سے تھا وہ شکر و شیر

گھٹایا طاقت فوجی کو دے کے یہ دھوکا
کہ یہ کثیر مصارف ہیں بے وجہ تبذیر

مغول میں سے جا برسر ہلاکو خان
وہ ہر طرف سے ممالک کو کر چکا تسخیر

سنے مغول کو کرتا تھا خفیہ تحریر
ادھر رکھا تھا خلیفہ کو در دم تزویر

ہمیشہ دیتا تھا اس کو خروج کی دعوت
زبسکہ مور و ملخ کی طرح تھا جم غفیر

وہ آیا جانب بغداد لے کے فوج مغول
نہ کی تھی قتل میں غارت میں ایک دم تاخیر

اور اس نے آتے ہی بغداد کر دیا برباد
بٹھایا گوشۂ زنداں میں اس کو کر کے اسیر

خلیفہ آیا جو مدہوش ہو کے اس کے حضور
مٹایا شان خلافت بضربت شمشیر

ستم کا ہاتھ بڑھایا بقتل "مستعصم"
کہ اب ملیگا مجھے سلطنت کا تاج و سریر

تب اپنے دل میں پکاتا تھا علقمی یہ خیال
نہیں ہماری نگاہوں میں اس کی کچھ توقیر

مگر کہا یہ ہلاکو نے بے وفا ہے بہت
ذلیل و خوار ہوا ابن علقمی بے پیر

یہ منصب اس نے دیا ایک اور ادنے کو
کوئی رہا نہ معاون کوئی رہا نہ نصیر

ہر اک طرف سے ہوئی لعن و طعن کی بوچھاڑ

نشست بے سر و پایانہ خود بہ قعر حضیض
ندش چو قطرۂ خون ملک گریباں گیر

نورالدین انور صدیقی

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

دہلوی "دین و دنیا" کی زاہد فریبیاں

خواجہ بکڈپو دہلی کے حجرہ اور "دین و دنیا" کے مکتب میں محمد انور ہاشمی "کلام الٰہی کے اسرار" کی آڑ میں درس حق کوشی کا فرض بوجہ احسن انجام دے رہے ہیں۔ "مدنی فلسفی کا فلسفہ" اور "عارفانہ سرمستیوں" کی اوٹ میں "حق العباد" کا جس بیدردی و بیرحمی کے ساتھ خون کیا جاتا ہے۔ اسے ٹھیک طور پر کچھ دہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جنہیں حضرت مولانا محمد انور صاحب کی رندانہ اور زاہد فریب چالوں سے سابقہ پڑا ہو؛

آپ مفادرس کے میکدہ میں بے حال و سرشار ہو کر "گلستاں کے پھولوں" کی ایک ایک پتی نوچ لیتے ہیں۔ اور جلب زر کے لئے "دین و دنیا" کی خاک دہول اڑانے میں باک نہیں رکھتے۔ اور "علم و عمل" میں چوں بخلوت میروند ..... کے صحیح مصداق ہیں۔ آہ!

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن عمل صریحاً برعکس ہے حرص و آز میں نہ خوف خدا نہ شرم رسولؐ۔ نہ قرآن کی پرواہ نہ شریعت کا ڈر۔ نہ عہد کا پاس نہ زبان کا لحاظ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

محمد انور صاحب دہوکہ و فریب اور سراب و دغا سے "حق العباد" کا کس طرح خون کرتے ہیں۔ اور دوسروں کا حق شیر مادر سمجھ کر کیونکر ہضم کرتے ہیں۔ اس کا جواب "منیجر" مسلم راجپوت "امرتسر کی زبانی سنئے۔ آپ اپنے اخبار مطبوعہ ۲۲ جون ۱۹۳۱ء میں لکھتے ہیں

منیجر "دین و دنیا" کا دین و ایمان

محمد انور صاحب کی حق پوشی

"جناب مولوی محمد انور کچھ مدت تک میرٹھ کے لال کرتی بازار کو اپنے انوار حق سے منور فرمانے کے بعد دہلی کے "دین و دنیا" کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں؛

آپ تمام بنی نوع انسان کو "دین و دنیا" کا درس دے رہے ہیں۔ لیکن خود ایسے افعال کے مرتکب ہو رہے ہیں جن کو نہ دین روا رکھتا ہے۔ اور نہ دنیا پسند کرتی ہے۔

آپ اپنی دکان چمکانے کے لئے جن طریقوں سے کام لیتے ہیں۔ ان کے متعلق ان کو یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے یا جاتا ہے۔

آپ اپنے معاصرین کو نہایت زاہد فریب انداز میں خط لکھتے ہیں۔ اور جب معاصرین ان کے چکنے چپڑے الفاظ میں آکر ان کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ تو آپ اپنی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے ہیں۔

۱۹۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آپ نے "منیجر مسلم راجپوت" کو خط لکھا۔ کہ ایک مذہبی کتاب (ملاحظہ ہو آپ کا ہمدردی حاصل کرنے کا ڈھنگ) کا دو دفعہ اشتہار چھپوانا ہے۔ معاصرانہ اجرت لکھیں۔ اور اشتہار چھپنے کے ۱۵ روز بعد اجرت وصول کریں۔

جواب میں غایت درجہ کی رعایتی اجرت لکھی گئی۔ لیکن ساتھ ہی عرض کیا گیا۔ کہ اجرت اصولاً پیشگی وصول کی جاتی ہے۔ اور اشتہار کے ساتھ اس کا آنا بھی ضروری ہے۔

آپ ۲۹ دسمبر کو جواباً تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اپنے نیازمندوں کے لئے اگر اصول و قواعد کو توڑ دیا جائے۔ تو کچھ بیجا نہیں۔ نیازمند ہونے کے علاوہ معاصرانہ حق بھی رکھتا ہوں۔

جناب "نیازمند" اور "معاصر" کے ارشاد کی تعمیل میں دو دفعہ اشتہار (پورے ایک ایک صفحہ کا) شائع کر دیا گیا اور حسب قرارداد پندرہ روز بعد بل روانہ کیا گیا۔

آج اس بات کو تقریباً چھ مہینے ہونے کو آئے ہیں۔ اس اثنا میں متعدد مرتبہ یاددہانی کرائی گئی۔ پیار سے بھی لکھا گیا۔ "نیازمندانہ" اور "معاصرانہ" تعلقات کی یاد بھی دلائی گئی۔ خدا کا واسطہ بھی دیا گیا۔ دھمکیاں بھی دی گئیں۔ مگر حضرت محمد انوار گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھ گئے۔ اور ایسی چپ سادھی۔ کہ گویا منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ ان کا اصول یہی ہے۔ کہ مفت سماجت سے اجرت میں تخفیف کرا کر تاکہ کوئی سمجھے۔ کہ آپ کا فی الواقع اجرت ادا کرنیکا ارادہ ہے۔ اشتہار چھپوائے۔ اور اجرت ہضم کر لی۔

ایسی حالت میں ہم ان کی خدمت میں سوائے اس کے کہ اور کیا عرض کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت ہم نے آپ کی خاطر اپنے اصول کو توڑا۔ کہ اجرت پیشگی نہیں لی۔ اب آپ اپنے اصول کو توڑ کر اشتہار کی اجرت روانہ فرما دیں۔ کہ "اپنے نیازمندوں کے لئے اگر اصول و قواعد کو توڑ دیا جائے۔ تو کچھ بیجا نہیں۔ نیازمند ہونے کے علاوہ معاصرانہ حق بھی رکھتا ہوں۔"

ہم جانتے ہیں۔ کہ آپ اپنے اصول پر سختی سے قائم ہیں۔ اور عدالت تک نوبت پہونچنے کے باوجود آپ روپیہ ادا نہیں کیا کرتے۔ لیکن مناسب یہ ہے۔ کہ آپ اپنے ان نیازمندوں کے لئے ضرور اپنے اصول کو توڑ دیں۔ اور روپے سیدھے ہاتھوں سے روانہ کردیں۔"

سُنا ہے۔ کہ جناب محمد انوار صاحب کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب سے مریدی کی نسبت حاصل ہے۔ اگر یہ نسبت ہنوز قائم ہے۔ تو کیا فرماتے ہیں حضرت والا کہ کیا ان کی تعلیم و تلقین کا یہی اثر ہونا چاہئے۔ کہ لوٹریوں کی طرح مکاریوں سے اشتہار چھپوا لیا جائے۔ اور اجرت کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کرلیا جائے۔ کیا "دین و دنیا" اسی قسم کا ہے۔ اور ان کے ضابطہ اخلاق و کاروبار کا یہی اصول ہے؟ (منیجر)

دسمبر ہی میں اسی قسم کا نامہ فریب خط ہمیں بھی آپ کی طرف سے موصول ہوا۔ پیشگی اجرت طلب کرنے پر جب منت و سماجت اور لجاجت و انکساری کا اظہار ہوا۔ تو ہم بھی دھوکہ میں آگئے۔ اور جنوری کی اشاعت میں آپ کے پورے دو صفحے کا اشتہار شائع کر دیا گیا۔ زر اجرت وصول کرنے کے لئے بل بھجوانے کے بعد یاد دہانی پر دو چار آنوں کا اور خون کر دیا گیا۔ اور وہ سب کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ جو ہمارے امکان میں تھیں۔ لیکن "دین و دنیا" کے ٹھیکیدار محمد انوار صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اور آج تک بے حس و حرکت ہیں۔ چونکہ یہ پہلا واقعہ نہ تھا۔ دو ایک دفعہ پیشتر بھی آپ اسی قسم کی چالیں چل چکے تھے۔ اور ہماری درگذر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے عادی اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے کے خوگر ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم نے آپ کے طلسم سراب کو توڑنے کے لئے عدالت مطالبہ خفیفہ میں دعوے دائر کر دیا ہے۔ لیکن آپ ہیں کہ تعمیل نہیں کرتے۔ قانونی مشیر کا مشورہ ہے۔ کہ چونکہ یہ صریحاً دھوکہ ہے۔ اس لئے فوجداری مقدمہ ہونا چاہیئے۔ اگر آپ اپنی دل آزار روش ترک اور زندگی رقم ادا نہیں کریں گے۔ تو ممکن ہے۔ کہ اس کے لئے بھی ہم تیار ہو جائیں لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کیا اسی پر تے پر "کلام الٰہی کے اسرار" بیان فرمائے جاتے اور یہی علم و عمل ہے؟

گر ہمیں مکتب است و ہمیں مُلّا
کار طفلاں تمام خواہد شُد

حکومت کشمیر اور مسلمان

مسلمانان کشمیر طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہیں۔ حکومت کشمیر انتہائی سختی پر تلی ہوئی ہے۔ "انقلاب" لاہور ۱۶۔ اگست مظہر ہے۔ کہ ۱۴۔ اگست کی رات کو جموں کے مسلمانوں پر [illegible] نیزوں سے چھید ڈالے۔ ایک معصوم بچہ شہید ہوا۔ اور ۲ سخت مجروح ہوئے۔ دفعہ ۱۴۴ کا [illegible] کم و خراش نہ تھے۔ اب ان پر اور چرکا دیا جا رہا ہے۔ جس سے دنیائے اسلام سخت ہیجان اور اضطراب میں ہے۔ حکومت انگریزی کا فرض ہے۔ کہ حالات کو روبہ اصلاح لانے کے لئے معاملہ کو ہاتھ میں لے۔

رازِ حیات

ریختہ قلم جواہر رقم جناب سید ظفر ہاشمی صاحب

مٹا کر ہستیٔ موہوم اطمینان پیدا کر
جو لازم ہے مسافر کو وہی سامان پیدا کر

بہت بستے ہیں یوں تو نام کے انسان دنیا میں
وہ شیوہ قوم محترم جس سے ہو انسان پیدا کر

تری اُمید کی دنیا مٹا دینے کے قابل ہے
بروزِ حشر جو نکلے وہی ارمان پیدا کر

نفس کے ساز پر لازم ہے مضرابِ فنا، غافل
صدائے تار "کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ" پیدا کر

ہے کیا جو صورتِ پروانہ جلنے کی تمنّا ہے
سمندر میں تمنّاؤں کے اک طوفان پیدا کر

مزہ آئیگا کیا جنبش نہ اس کی یاد تازہ ہو
تو ہر ہر آہ سے اک آیتِ قرآن پیدا کر

جھلک معبود کی ہو عبد سے ظاہر عجب کیا ہے
نمایاں ہو خدا کی شان ایسی شان پیدا کر

یہ لاعلمی، یہ گمراہی بتا آخر ظفر کب تک
اگر دل ہے ترے سینے میں تو ایمان پیدا کر

بصائر و عبر

داستانِ ناصر

ناصر خلق و تحمل اور اپنے تجربہ و مشاہدہ کی وجہ سے اپنے دوستوں اور ہم جلیسوں میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی پُر از معلومات گفتگو نہایت دلچسپی سے سنی جاتی۔ اور احباب کا ہمیشہ یہی تقاضا رہتا۔ کہ وہ اپنے عینی مشاہدہ کے تذکروں سے انہیں محظوظ کرتا رہے :

ایک دن دوستوں کے تقاضے پر ناصر اس تمہید کے بعد کہ "مہدی کرب زبیدی" نے دربار فاروقی میں بیان کیا۔ کہ اپنی عمر میں تین شخص میں نے عجیب دیکھے ہیں :۔

(۱) بزدل

(۲) مکار ، اور

(۳) شجاع

اول الذکر یعنے بزدل کی کمزوری کی انتہا یہ تھی۔ کہ ایک روز جبکہ میں بادرفتار گھوڑے پر ہتھیار لگائے جا رہا تھا ایک اسے سراہ بیٹھا پاکر چلایا۔ کہ خبردار! تمہارا قاتل آپہنچا۔ تو اس نے پوچھا۔ کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا۔ کہ "مہدی کرب زبیدی" یہ سنتے ہی وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔ جب دیر تک جنبش نہ کی۔ اور میں نے گھوڑے سے اتر کر دیکھا۔ تو مُردہ تھا۔ اس سے زیادہ بزدل آجتک میں نے نہیں دیکھا :

ثانی الذکر یعنے مکار کی مکاری کا یہ عالم۔ کہ اسی طرح جب ایک مرتبہ میں نے پھر ایک شخص کو للکارا۔ اور اس کے سوال پر بتلایا۔ کہ "مہدی کرب زبیدی" تو بولا کہ تم سوار ہیں پیادہ۔ شانِ بہادری کے خلاف ہے۔ کہ سوار ایک پیادہ پر حملہ کرے۔ مجھ سے عہد کرو۔ کہ جبتک گھوڑے پر سوار نہ ہولوں۔ تم مجھ پر حملہ نہ کروگے۔ میں نے عہد کیا۔ تو وہ وہیں بیٹھا رہا۔ میں نے پوچھا۔ کہ یہ کیا؟ تو اس نے کہا۔ کہ نہیں گھوڑے پر سوار ہونگا۔ اور نہ تم مجھ پر حملہ کروگے۔ میں حیران ہو کر چلا گیا۔ اس سے زیادہ میں نے مکار نہیں دیکھا۔

ثالث الذکر یعنے شجاع۔ اس کی بہادری و دلیری کی یہ کیفیت کہ مجھ ایسے مشہور اور یگانہ شجاع و بہادر کی تین دفعہ اس نے جان بخشی کی۔ اور اس قدر دلیر کہ چار جوان ہمت اور شیر دل رہزنوں کے قبضے سے تن تنہا اپنی معشوقہ لے اڑا۔ اور پروا تک نہیں کی۔ اس کی شجاعت و مردانگی کے نقش آج تک میرے دل پر ثبت ہیں اور کبھی نہ مٹیں گے" یوں گویا ہوا۔ کہ اسی طرح کچھ واقعات میری نظر سے بھی گذرے ہیں۔ جو حقیقت بین نگاہوں اور دُور رس دماغوں کے لئے درس عبرت کا موجب ہو سکتے ہیں۔ دنیا چھان ماری۔ مختلف ممالک کی سیر کی۔ بوقلموں واقعات سے دوچار ہوا۔ انسانی طبائع کی مطالعہ کی۔ لیکن ان کا ثانی

نہ پایا؟

دنیا درس گاہ عبر و بصیرت ہے۔ عالم وجود میں آنے سے گوشۂ لحد میں سونے تک کی مہلت انسان کے سیکھنے اور سبق لینے میں گذر جاتی ہے۔ مگر ہنوز روزِ اول کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ دنیا میں بسنے والے دنیا کے حالات سے واقف نہ ہوئے اور نہ ہونگے؟ "میں نے کیا دیکھا"۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ میں نے سب کچھ دیکھا۔ اور دنیا کے تمام بیوقوفوں سے سر بستہ سے آگاہی حاصل کی۔ لیکن میرا یہ دعوے غلط اور سراسر غلط ہے۔ دنیا ایک تھیٹر ایک تماشا گاہ ہے۔ جہاں مختلف ایکٹر آتے۔ اور اپنا اپنا کھیل کھیل کر چلے جاتے ہیں۔ یہ عبور انسانی قوت و طاقت کی بابت نہیں۔ رنگا رنگی پھول اور ان کی بو باس انسانی دماغ برداشت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ان پر وضاحت کے ساتھ کوئی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم میری داستان اس قابل نہیں۔ کہ اسے سنکر فراموش کر دیا جائے۔ اور کوئی سبق نہ لیا جائے۔ زمانہ رنگ بدلنے کا عادی ہے۔ حوادث مختلف النوع کوئی مستقل معیار قائم نہیں رہنے دیتے۔ اس لئے ان واقعات اور نظائر میں سمجھنے اور غور کرنے والوں کے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ سنو!

(۱)

لب جوریسوے اسٹیشن کے قریب ایک پرانی بستی ہے جہاں کھنڈرات کا ایک عبرت انگیز منظر زبان حال سے انقلاب دنیا اور بے ثباتی عالم کا سبق دے رہا ہے۔ اور ایک وسیع پر فضا میدان عروس دنیا کی طرح سبزۂ تازہ سے آراستہ پر کیف نظارہ پیش کر رہا ہے۔ سندر تالاب کے وسطی صحن میں ایک ریش دراز بگلے بھگت محراب دار پیشانی بزرگ آسن جمائے شاگردانِ رشید کے حلقہ میں درس دے رہے ہیں۔ "اخلاق و اعمال" کے ضمن میں "اخلاق جلالی" کے مصنف اور پند و نصائح میں مولانا سعدیؒ کے استاد بنے بیٹھے ہیں۔ تسبیح کا بے پناہ طویل سلسلہ لامتناہی ہے۔ اور دانے پر دانہ ڈالنے کا تواتر ختم نہیں ہوتا۔ آیات اور ان کا محل نزول و وقوع اس انداز سے بیان فرماتے ہیں۔ کہ گویا قرآن کے حامل ہیں۔ سامنے اخبار و رسائل اور کتب و خطب کا ایک ڈھیر ہے۔ جو آپ کے علمی شغف کا شاہد واحد ہے۔ وعظ و تلقین میں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور لسانیت میں زبان بے لگام قینچی سے تیز ہے۔ پیری و مریدی کا شغل بھی رکھتے ہیں۔ اور تعویذ گنڈا سے اقبال دلال پیدا کرنے میں اس قدر مصروف و مشغوف رہتے ہیں۔ کہ اپنے اعمال و افعال پر نظر ڈالنے اور اپنے اطوار و کردار کا جائزہ لینے کی کبھی مہلت نہیں ملی؟

لوگوں کی چہ میگوئیاں اور عامۃ الناس کی سرگوشیاں اگرچہ آپ کی اصلیت کو بے نقاب کر چکی تھیں۔ آپ مسجد سے نکال دیئے گئے تھے۔ زہد فریبی کا پردہ فاش ہو چکا تھا۔ تاہم مرید ٹوہ کے لئے میں آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہو گیا ایک دن آپ کے ہاں کچھ مہمان آ گئے۔ اندرون خانہ آپ تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع دی گئی۔ تو کہلا بھیجا۔ کہ حضرت تشریف نہیں رکھتے۔ آنے والے آپ کی عادت سے واقف تھے۔ ڈٹ گئے۔ اور آواز دی۔ پر حضرت اصول کے پکے تھے۔ نہ آئے۔ ناچار و المعذور مجبوراً واپس لوٹے۔ تو حضرت نے سر بام کھڑے ہو کر فرمایا۔ کہ کیوں صاحب کوئی کام ہے؟

اس پر انہوں نے آپ کی میزبانی کا شکریہ ادا کیا اور چلے گئے۔

کسی نے بچوں میں دھیلے تقسیم کئے۔ یہ حیلہ جو کے منہ میں حرص و آز کا پانی بھر آیا۔ دانہ ہائے بریاں کے لالچ میں آپ نے بچوں سے دھیلے چھین لئے۔ اور پھر دانہ دانہ کرکے دانے بھی خود ہی کھا گئے۔

ڈاک اور ریل والوں کو آپ کی کمائی سے کبھی کچی کوڑی تک نہ ملی۔ فقیروں۔ سائلوں اور گداگروں کو آپ کی درگاہ سے ہمیشہ نامراد لوٹنا پڑا۔ رشتہ دار اور پڑوسیوں کو آپ کے گھر کا پانی تک نصیب نہ ہوا۔

ایک روز آپ کے والد محترم کو جو آپ کو عصائے پیری خیال کرتے ہیں۔ غلطی پر تھے۔ روکھی اور سوکھی روٹی کی شکایت ہوئی۔ تو سر محفل صلواتیں نذر کی گئیں۔ والدہ کی شکل دیکھنے کے کبھی روادار نہ ہوئے۔ یک طرفہ فتووں کے عادی اور بہتان طرازی کی حمایت کے خوگر۔ تازہ خبریں اور اچھوتے مضامین پڑھتے ہیں۔ اخبار و رسائل جاری کرانے کی لت ہے۔ اصرار بسیار اور تقاضہ بر تقاضہ کے باوجود قیمت میں کبھی حبہ تک ادا نہیں کیا۔

دنیا میں لاکھ بخیل ہونگے۔ لیکن اس ویسا حریص و بخیل میری نظر سے نہیں گذرا۔

یہ دراز ریش، یہ موئے جاوک اور محراب دار پیشانی، یہ تسبیح اور یہ وعظ و پند، یہ جبہ و قبہ یہ شرافت و نجابت اور یہ عمل و اخلاق! ؎

اجل پہ کھا دھین گت ایک چرن دودھیان
میں جانوں کوئی سادھ ہے نری کپٹ کی کھان

(باقی آئندہ)

رسالہ معلم دہلی
زیر ادارت مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔
یہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ماہوار علمی و ادبی رسالہ ہے۔ جو تقریباً سات سال سے برابر شائع ہو رہا ہے۔ اور اپنے بلند پایہ علمی مضامین کے باعث ملک میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جامعہ کے مضمون نگاروں میں ہندوستان اور یورپ کے مشہور انشا پرداز شامل ہیں جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ ان تمام حضرات کے مضامین ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئے ہیں۔
پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب (برلن)۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ یوسف حسین خانصاحب بی۔اے (جامعہ مقیم پیرس)۔ محمد مجیب صاحب بی۔اے (آکسن)۔ ڈاکٹر سلیم الزمان صاحب پی۔ایچ۔ڈی۔ ملک اسلم خان صاحب بی۔اے (کیمبرج)۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ زبید احمد صاحب بی۔اے (لندن)۔ سجاد ظہیر صاحب بی۔اے (آکسن)
رسالہ کی خوبیوں کا اندازہ نمونہ دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ جو صرف ایک کارڈ لکھنے پر مفت ارسال کیا جاتا ہے۔ البتہ تازہ پرچہ ۸ کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جا سکتا ہے۔ رسالہ کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ ہے۔ اور اراکین اکادمی کی خدمت میں مفت پیش کیا جاتا ہے۔ مفصل کیفیت خط و کتابت سے معلوم کیجئے۔
المشتہر منیجر رسالہ "جمعلم" دہلی

دولت آصفیہ

حیدرآباد دکن کا ممیز انیسہ

آجکل کی کساد بازاری کے زمانے میں دنیا بھر کی حکومتوں کو اپنے میزانیوں میں خسارہ ہو رہا ہے۔ لیکن اعلیحضرت شہریار دکن کے حسن انتظام اور آپ کے وزیر مال نواب عید نواز جنگ بہادر سر اکبر حیدری کی عدیم المثال قابلیت کا کرشمہ دیکھئے۔ کہ سال گذشتہ اکتوبر ۱۹۳۳ء کا جو میزانیہ حال ہی میں نواب ممدوح نے مرتب فرمایا ہے۔ اس میں کافی توفیر دکھائی گئی ہے۔ حالانکہ موجودہ ناگفتہ بہ اقتصادی بدحالی کے باعث مداخلت میں تخفیف اور مخارج میں اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ سر اکبر حیدری نے مالیات کا جائزہ لیتے ہی ایک نیا لائحہ عمل نافذ کیا تھا جس میں مالی ذمہ داری تمام محکموں پر منفرداً ڈال دی تھی۔ اس لائحہ عمل پر گذشتہ نو سال سے عمل ہو رہا ہے اور یہ طریقہ بیحد کامیاب رہا ہے۔ کیونکہ گذشتہ نو سال کی مدت میں مصارف صیغہ تعلیمات ۶۵ لاکھ سے بڑھ کر ۱۰۵ لاکھ طبی امداد کے مخارج ۱۹ لاکھ سے ۲۵ لاکھ۔ زراعت کا خرچ ایک لاکھ، ۷ ہزار سے بڑھ کر ۸ لاکھ، ۹ ہزار اور سڑکوں اور عمارتوں کے مصارف ۵۰ لاکھ ۵۵ ہزار سے ۵۰ لاکھ، ۷ ہزار تک بڑھ گئے ہیں۔ دوسری حکومتوں کے مختلف صیغے تو ہمیشہ عطایائے میزانیہ کو ناکافی قرار دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اعلیحضرت کی مملکت میں یہ صورت نہیں۔ بلکہ سال کے آخر میں سب صیغوں کو کچھ نہ کچھ بچت رہتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ عطایا کی منظوری میں انتہائی فیاضی و دریا دلی سے کام لیا جاتا ہے؛

ریاست کی خوشحالی کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ کہ ریاست کے اندر کے مال پر حیدرآباد میں محصول چنگی اڑا دیا گیا ہے۔ انکم ٹیکس کا ریاست میں کوئی نام تک نہیں جانتا۔ جنگلات اور کسٹم کے مواجب بھی کم کر دیئے گئے ہیں۔ مالیہ اراضی کے بقایا کی رقم ۱۴ لاکھ کے قریب تھی جس میں سے پچیس فیصدی کا وصول ہو جانا یقینی تھا لیکن وہ بقایا رقم وصول نہیں کی گئی۔ تقاوی کے بقایا بھی معرض التوا میں ڈال دیئے گئے۔ اور اس کے علاوہ مملکت کے کسانوں سے متعدد رعائتیں کی گئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مصارف بوجہ احسن پورے ہو رہے ہیں۔ بلکہ توفیر بھی ہو رہی ہے؛

میزانیہ میں ایک قابل تحسین بات یہ ہے۔ کہ بعض مصارف کے لئے جن کی ضروریات کئی کئی سال کے بعد ادا ہوتی ہے۔ مثلاً امداد قحط زدگاں یا ادائے قرضہ وغیرہ "محفوظات مخصوصہ" کا نظام قائم کر دیا گیا ہے۔ نظام گارنٹیڈ سٹیٹ ریلوے کے ٹھیکہ کی میعاد چار سال بعد ختم ہونیوالی تھی لیکن سر اکبر حیدری نے اپنی قابلیت کی وجہ سے اسکو سات سال پہلے ہی خرید لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ریاست کے مداخل میں قابل قدر اضافہ ہو گیا؛

غرض یہ امر سارے اسلامی ہند کے لئے مایہ ناز ہے۔ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ایک بیدار مغز مسلمان حکمران کے زیر سایہ ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ اور عالمگیر اقتصادی مصیبت کے زمانہ میں بھی اپنے تمام مخارج کو بوجہ احسن پورا کر کے توفیر دکھا رہی ہے۔ اس زمانے میں کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور خود حکومت ہند کو قلت مداخل کی وجہ سے ہر طرف تخفیف کی ضرورت لاحق ہو رہی ہے۔ کسی حکومت کا حیدرآباد دکن کی طرح خوشحال ہونا اس کے بلند اقبال حکمران اور قابل وزراء کی بینظیر قابلیت کا مظہر ہے۔ ہم اس میزانیہ کے لئے سر اکبر حیدری کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں؛

کتبخانہ "القریش" کی بیظیر کتابیں

مامون اعظم } یعنی خلیفہ مامون الرشید اعظم عباسی سوانح عمری
مولانا امام الدین صاحب رام نگری۔ قیمت ۸ر

رباعیات حافظ } حضرت خواجہ شمس الدین صاحب شیرازی کی رباعیات
معہ ترجمہ و شرح اردو سوانحعمری۔ قیمت ۸ر

الحریت فی الاسلام } اسلامی حریت و مساوات و جمہوریت
اور دیگر اہم مسائل پر زبردست بحث
مولانا ابوالکلام آزاد کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ قیمت ۱۲ر

دعوت عمل } نہایت ضروری اور قابل قدر رسالہ مصنفہ
مولانا آزاد۔ قیمت ۸ر

خطاب بہ اقبال } مولوی سید شوکت حسین صاحب شوکت علیگ
سابق مدیر معاون روزنامہ "سیاست" لاہور کا
دلپذیر فارسی کلام جس میں علامہ اقبال کے فلسفہ اشک ریزی پر
نئے پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے عجیب لطیف کتاب ہے۔ قیمت ۱ر

حقیقۃ السیادت } اس میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قریش کا خاندانی
لقب سید ہے۔ اور اس میں سے سادات
بنی ہاشم کا لقب سید و شریف ہے۔ جو لوگ سادات قریش کو شیخ کے
لقب سے ملقب کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس لئے ہر قریشی کے لئے ضروری
ہے۔ کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ لقب سید ضرور لکھیں۔ کتاب
قابل دید اور فتوے کی حیثیت رکھتی ہے۔ قیمت ۴

حقیقۃ السیادت الہاشمیہ } ایک اعتراض کا زبردست معقول و منقول
جواب سادات بنی ہاشم کی سیادت کا ثبوت
اور یہ کہ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل سب سادات ہیں
اور شریف و سید کے لقب سے آنحضرتؐ کے زمانہ سے اب تک
ملقب رہے ہیں۔ قیمت صرف ۴

سیرۃ العباس } حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم
حضرت ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب ہاشمی
کی زندگی کے حالات عربی کی معتبر کتابوں کا انتخاب بزبان
اردو۔ قیمت ایک روپیہ ۴ر

مدار اعظم } حضرت سید نا بدرالدین صاحب کے مفصل حالات آپ کے
خاص خلفاء کے اور خاندان چشتیہ و قلندریہ و نقشبندیہ
کے ان بزرگوں کے حالات جن کی نسبت مدار یہ حاصل ہے قیمت ۱

پیام امین } یہ لاجواب کتاب انگریزی فرانسیسی جرمنی
ہندوستانی اور چینی صدہا کتابوں کا انتخاب
ہے۔ قرآن کریم کے متعلق علمائے مغرب کے خیالات کیا ہیں۔ کتاب
پاک کی نسبت دنیا کا اعلےٰ دماغ کیا رائے رکھتا ہے۔ دنیا
کی کس کس زبان میں کلام پاک کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ ترجمے
کب اور کہاں کہاں سے شائع ہوئے۔ قرآن کریم کی مجلدات دنیا
میں کن کن ذرائع سے اور کیونکر پھیلیں۔ ان سوالات کا صحیح اور
تحقیق جواب صرف پیام امین ہی کے اوراق دے سکتے ہیں
ان میں ستر کے قریب دنیا کے نامور مورخوں مصنفوں اور
نامور لوگوں نے قرآن کریم کی عظمت و صداقت کی زبردست
شہادت دی ہے۔ اس کتاب کا دنیا کی مختلف چھ زبانوں
میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ **قیمت** فی جلد ایک روپیہ (عہ)

ناظرین "القریش" سے صرف بارہ آنہ (۱۲ر)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۴۷۴ القریش امرتسر Regd. L. 1474

تاریخ المشاہیر

جس میں ۱۸ ۔ آئمہ و علماء ۵ مشائخ و اصفیا ۔ ۱۷ ملوک و وزراء ۔ ۴ قاضی القضاۃ اور ۴ شعراء و ادباء کے سبق آموز اور ترقی و کامیابی پر آمادہ کرنے والے حالات زندگی دلکش پیرایہ میں لکھے ہیں ۔ صفحات سوا دو سو کلاں ۔ قیمت مجلد دو روپیہ (محصول علیحدہ)

قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ للعالمین کی تازہ ترین تصنیف جو بہترین تصنیفات میں جگہ پانے کے قابل ہے ۔ تمام ان لوگوں کو جو ذاتی اور قومی ترقی کے خواہاں ہیں ۔ اس نادر بینظیر تصنیف کا مطالعہ کرنا چاہئے ۔ کتابت طباعت دیدہ زیب سرورق رنگین ۔

تین خاص نمبر

"القریش" کے مندرجہ ذیل تین خاص نمبر بیحد دلچسپ اور قابل دید ہیں

نبی نمبر یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی منظوم و منثور واقعات نہایت دلکش پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں ۔

صدیق نمبر حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم و منثور دلآویز پیرایہ میں بے حد دلچسپ اور بہترین دل و دماغ کا نتیجہ قابل قدر چیز ہے ۔

نظام نمبر دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرمانروا کے فضائل شہریاری کا مبسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دوستی کی ابتدا حملہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اس وقت تک کے جستہ جستہ حالات ۔

ہر نمبروں کی مجموعی قیمت ایک روپیہ (عہ)

متفرقات ۱ کمال معرفت ۴ ر ہندو شعراء کا نعتیہ کلام ۶ ر خطبات عزیزی ۴ ر ۔ اخلاقی کہانیاں ۳ ر حیاۃ النبیؐ ۶ ر
۴ ر علم غیب ۶ ر ولی کی پہچان ۲ ر ۔ راز معرفت ۴ ر ۔ تاریخ تبلیغ الاسلام (عہ) ر
رح الدارین ۵ ر کلام صدد ۶ ر پھول اور کانٹے ۱ ر والدین کا اثر اولاد پر ۴ ر عورت کے سو کام ۴ ر

(اسلامی مروہ)

مہتمم کتب خانہ متعلقہ "القریش" شریف پورہ امرتسر شہر

زیر بندہ پریس امرتسر میں محمد علی خ رونق پرنٹر، پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھاپکر شریف پورہ امرتسر سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قولہ تعالیٰ

اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانتے جاؤ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش امرتسر

جو

فرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ:-
تین روپیہ (۳؍)

تاریخ اشاعت

ایڈیٹر:-
محمد علی رضؓ - رونق صدیقی

ہر انگریزی مہینہ کی ۱۷ شرہ مقرر ہے

"القریش" کی مدد آپ کن طریقوں سے کر سکتے ہیں؟

جو حضرات "القریش" کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اس کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ہم ان کے سامنے وہ وسائل و ذرائع پیش کرتے ہیں جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسائل کی امداد و اعانت کرتی ہیں:

۱ - رسالہ خود خرید کر:

۲ - برادری میں پرچوں کو تقسیم کرا کر:

۳ - غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ جاری کرا کر:

۴ - قوم کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو کو "القریش" کے لئے مضامین لکھنے پر آمادہ کر کے:

۵ - انگریزی، عربی اور فارسی کی ایسی کتابیں رسالہ کے لئے مہیا کر کے جن کے تراجم کی اشاعت فی زمانہ مسلمانوں کے دینی و دنیاوی نقطۂ نظر سے کچھ مفید ہو:

۶ - رسالہ کی صوری و معنوی نقائص کی اصلاح کے متعلق قیمتی مشورہ دے کر:

۷ - قوم کے معززین اور علم دوست حضرات کے مکمل پتے بھجوا کر:

۸ - تذکرۂ برادری سے متعلق مضامین اور خبریں بھجوا کر:

- اعزا و احباب اور متوسلین کو خریدار بنا کر:

اور نیز

اسی قسم کے دیگر وسائل اختیار فرما کر

نیازمند مینجر

قواعد

۱ - "القریش" ہر انگریزی مہینے کی سترہ تاریخ کو باحتیاط تمام پوسٹ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ۲۵ تاریخ تک اگر کسی بھائی کو موصول نہ ہو۔ تو وہ آئندہ مہینے کی پہلی تاریخ تک دفتر سے مکرر طلب کر سکتے ہیں:

۲ - نقل مکانی کی وجہ سے جن احباب کا ایڈریس تبدیل ہو جائے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جدید پتہ سے دفتر کو مطلع کر کے اپنے ایڈریس کی صحت کرا لیں۔ ورنہ عدم رسی رسالہ کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا:

۳ - جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا:

۴ - بیرنگ خطوط وصول نہ کئے جائیں گے:

۵ - ناقابل اشاعت مضامین واپس نہ کئے جائیں گے:

۶ - ہر قسم کی خط و کتابت میں "خریداری" نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے:

۷ - نمونہ ملاحظہ کرنے والے حضرات اگر منشائے خریداری و عدم خریداری سے مطلع نہ کریں گے تو دوسری اشاعت کا پرچہ انکی خدمت میں وی۔ پی بھیجا جائیگا۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا:

۸ - طلباء بشرط تصدیق سالانہ قیمت میں آٹھ آنہ کی رعایت لے سکتے ہیں۔ مگر رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنی ہوگی:

مینجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سلام

بخدمت خیر الانام علیہ السلام

السلام اے گوہر یکتائے دریائے کرم
السلام اے پیشوائے امت خیر الامم

السلام اے صاحب لولاک و اصل کائنات
السلام اے زینت ملک عرب فخر عجم

السلام اے کار تو سر کنت کنزاً شد پدید
السلام اے کار تو دار الجہل شد دار الحکم

السلام اے شہسوار خنگ امکان وحدوث
خطبۂ ختم الرسل بر نام نامی شد رقم

نغمۂ توحید در اطراف عالم می رسد
مرجع مخلوق شد ام القریٰ بیت الحرم

ارض بطحا از قدومت مہبط انوار گشت
خاص بیت اللہ شد آن ناموریت الصنم

تا بکے اے شاہ یثرب سر نہ برداری ز خاک
امت مرحوم را بنگر غریق قعر غم

گرچہ اطمینان ہمے بخشد بما لا یطفئون
لیک بر سر آمدہ وقت دعا اے محترم

دستگیری کن بحال بیکساں کن یک نظر
تا شود باطل پرستی غرق در چاہ عدم

صرصر جور و تعدی ہا ز ہر سو می وزد
باید ایں دم بر سر ایں سفلگاں سیل عرم

کشتئے امید امت ہاں بساحل می رسد
السلام اے گوہر یکتائے دریائے کرم

منحصر بر ذات پاکت فخر سادات و قریش
یک نظر کن تا شود شیرازۂ ما منتظم

انور صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۱ء | نمبر ۹ و ۱۰

ایک قومی اجلاس

تین اہم قراردادیں

صوبیدار امدزمان صاحب صدیقی نواب نظام مرتضےٰ شاہ صاحب صدیقی جاگیردار و رئیس پیر غلام میراں شاہ صاحب عباسی سجادہ نشین میاں اعجاز نبی صاحب پنشنر ای۔ اے۔ سی خان بہادر میر حیدر نواز شاہ صاحب فاروقی قریشی فضل قادر صاحب ایم اے وکیل مسٹر سجاد حیدر صاحب ایم۔ او۔ ایل ہیڈ ماسٹر وغیرہم معززین قریش کی موجودگی میں سید عبدالجلیل صاحب ہاشمی سوداگر و رئیس اعظم کی صدارت میں شاہ آباد کے مقام پر ایک اہم اجلاس منعقد ہوا۔ جناب صدر اور معزز حاضرین نے انسداد رسوم مروجہ قبیحہ اور تنظیم قومی پر پرزور تقریروں کے دوران میں حسب ذیل قراردادیں پاس کیں۔ جو بغرض اطلاع و اشاعت ارسال ہیں:۔

(احقر محمود بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

(۱)

"یہ اجلاس قریشی محمد علی صاحب رونق صدیقی کی ان خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے تحفظ نسب و ناموس اور قومی بیداری و تنظیم کے لئے گذشتہ سترہ سال میں بذریعہ "القریش" انجام دی ہیں قدر و منزلت اور عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتا ہوا برادران قریش سے بزور سفارش کرتا ہے۔ کہ وہ عام پریشانی کے اس زمانہ میں اپنے قومی آرگن "القریش" کی خریداری اور توسیع اشاعت کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لاکر محسن مدیر کی قدر افزائی سے عندالقوم سرخرو ہوں۔ کہ اس دور انحطاط میں انہی کی مساعی حیات قومی کا موجب ثابت ہو رہی ہیں"

(۲)

"یہ اجلاس ہر تحویز کرتا ہے۔ کہ القریش کی خدمات کے عملی اعتراف میں حضرت رونق کی خدمت میں یکصد روپیہ نذرانہ حک

امداد پیش کیا جائے۔"

(۳)

"یہ اجلاس قریشیان پنجاب کے احساس قومی پر جس کا ثبوت "ندوۃ القریش" کی شکل میں موجود ہے۔ رشک کرتا ہے اور ان کی مساعی جمیلہ کا جو حصول حقوق قومی کے لئے کی جاری ہیں۔ اعتراف کرتا ہوا برادران قریش" متعلقین اور متوسلین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اسکی رکنیت قبول کرکے کارکنان ندوہ کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوں۔ اور اپنے ہاں "ندوہ" کی ایک شاخ قائم کردیں"

شاہ آباد ایک تاریخی مقام ہے۔ اور ..... میں واقع ہے اس علاقہ میں عربی الاصل اور قریشی النسل خاندان سلاطین اسلامیہ کے زمانہ سے باوقار چلا آتا ہے۔ جاگیرات، اراضیات، دولت و ثروت اور عزو وقار، علم و فضل اور ہر لحاظ سے مفتخر ہے۔ اس خاندان کے چند بزرگ القریش کے یوم اجراء ہی سے محسن و مربی ہیں لیکن سترہ سال گذشتہ میں کبھی انہوں نے کسی تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ تائید غیبی ہے کہ آج ایسی حالت میں جبکہ القریش اگست کے سو فیصدی دی۔ پی واپس آجانے کی وجہ سے دل برداشتہ اور مضمحل خاطر ہوگیا تھا۔ وہ متوجہ ہوئے اور ایسے متوجہ ہوئے کہ ساری کسر نکال دی یکصد و پانچ روپیہ کا عطیہ ایسے وقت میں موصول ہوا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

قوم اگر اپنا فرض سمجھے اور اسے احساس زیان ہو اور ریزولیوشن نمبر ۱ کی عملی تائید میں اپنے قومی میگزین کی توسیع اشاعت کے لئے تھوڑی سی ہمت کردے۔ تو "القریش" کی تمام پریشانیاں آن واحد میں دور ہوسکتی ہیں۔ اور وہ فراغدلی و فارغ البالی کے ساتھ پیش از پیش قومی خدمات انجام دینے کے قابل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ریزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کی جائے یعنی ہر بالغ قریشی اپنے قومی مرکز "ندوۃ القریش" کی رکنیت قبول کرے تو اس کے اثرات عالمگیر ہوسکتے ہیں۔ اور وہ قوم کے لئے وہ کچھ کرسکتا ہے۔ جو زندہ اور بیدار قوموں کے مرکز کرتے ہیں۔ قومی تنظیم کا باب اول بوجہ احسن اور بلا تکلف وا ہوسکتا ہے۔ حرکت میں برکت اور جماعت میں کرامت مشہور ہے ضرورت کا شدید اقتضا ہے۔ کہ مختلف مقامات مختلف شہروں قریوں اور مختلف صوبوں میں مجالس قائم ہوں اور قومی فلاح و اصلاح پر تبادلۂ خیالات کرکے صحیح راہ عمل تجویز کرلیا جائے۔

قریشیان پنجاب اور اراکین ندوۃ القریش کی طرف سے معززین شاہ آباد کا ہم بصدق دل شکریہ ادا کرتے ہوئے داعی ہیں۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُن کے عزائم میں استقلال عطا کرے۔ آمین!

"ندوۃ القریش" پنجاب کے چار پانچ باقی ماندہ اضلاع کے قریشیوں کے زراعتی حقوق کا اعلان ہوجانے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ تنظیم قومی کے اہم ترین مسئلہ کی جانب متوجہ ہوگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ کام جنوری سنہ ۳۲ء سے شروع ہوجائے۔ اس لئے قریشیان پنجاب یو۔ پی۔ اور سی۔ پی کا اولین فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں ابتدائی کارروائی ابھی سے شروع کردیں تاکہ وقت پر دقتوں کا مقابلہ بارنج کار نہ ہو۔

اخیر پر ہم ان برادران قریش سے جو القریش کے معاونین کی سلک میں منسلک ہیں۔ اور کسی مجبوری سے آئندہ وہ یہ رشتہ قائم

نہیں رکھنا چاہتے نہایت رنج وافسوس سے عرض کرتے ہیں۔ کہ وہ خاتمہ مدت خریداری پر دفتر کو اپنے ارادہ سے فوراً اطلاع دے دیا کریں۔ اور اس طرح وی۔ پی کی واپسی سے ہماری اُمیدوں کا خون نہ کیا کریں!

خدا ہمیں خدمت خلق اللہ اور اس کے بعد خدمت قوم کی توفیق عطا کرے اور نیک کاموں میں ہمارا معین و مددگار ہو۔ آمین ثم آمین

کیفیتِ امروزہ

(جناب جذب صاحب عالم پوری)

کہنے کو تو ہیں پہلے سے لیل و نہار آج — لیکن جو کل تھے شاد وہ ہیں دلفگار آج

دیوانہ ہے وہ چھوڑ دے کل پر جو کام کو — کرتا ہے کام آج کا ہر ہوشیار آج

پیسہ تھا کل جو پاس تو ہر کوئی یار تھا — مفلس ہوئے تو پاس نہیں کوئی یار آج

دنیائے بے ثبات میں کس کو ہوا ثبات — جو پائدار کل تھا ہے ناپائدار آج

مسلم میں اتحاد نہ ہندو میں اتفاق — ہر قوم ہو رہی ہے ذلیل اور خوار آج

اکثر کے نام صفحۂ تاریخ پر ہیں ثبت — گو خاک ہو گئے ہیں بہت نامدار آج

کچھ دردِ قوم کا ہے، تو اے جذب کام کر
تجھ جیسے رونے والے یہاں ہیں ہزار آج

تجلیات

(ریختۂ قلم جواہر رقم حضرت ظفر ہاشمی)

سرابِ زندگی کو کس نے دیکھا آشکارا اب تک
طلسمِ رنگ و بو ہے یہ حیاتِ مستعار اب تک

نہ دیکھا باوجودِ سعیِ پیہم روئے یار اب تک
نگاہیں ذوقِ جلوہ سے رہی ہیں شرمسار اب تک

کبھی بھولے سے حرفِ آرزو کی داد پائی تھی
لبِ فریاد کھلنے کیلئے ہے بیقرار اب تک

محبت کی خلش دل سے نہ جاتی ہے نہ جائیگی
یہی سمجھا رہا ہوں اپنے دل کو بار بار اب تک

جفائے باغباں کا تذکرہ کیا، ذکرِ گلشن کیا
مری آنکھوں نے دیکھی ہی نہیں فصلِ بہار اب تک

کبھی موسیٰ نے کوہِ طور پر جا کے دیکھے تھے
وہی جلوے نظر میں پھر رہے ہیں بیقرار اب تک

بوقتِ نزع بھی آنکھوں سے پیدا اک تجسس ہے
نگاہِ شوق میں پنہاں ہے تیرا انتظار اب تک

غرورِ حسن کب دیتا ہے اذنِ التفات ان کو
مگر دل کو سمجھتا ہوں میں اُن کا رازدار اب تک

انہیں برقِ بلا پھر دیکھتی ہے، مسکراتی ہے
قفس کے چند تنکے رہ گئے تھے یادگار اب تک

اُدھر بھی بے نیازی ہے، اِدھر بھی شانِ استغنا
حریفِ ناامیدی ہے دلِ نیرنگ کار اب تک

ظفر ہوتی رہی سامانِ لغزش کی فراوانی
کسی کا دل پہ جمتا ہی رہا ہے اعتبار اب تک

ستمبر کا القریش

ان حضرات کے حوصلہ و مساعد طرز عمل کی نذر ہوگیا جو لہو و لعب کھیل و تماشا اور رسوم مروجہ قبیحہ میں سینکڑوں اور ہزاروں روپے پانی کی طرح بہاویں اور ملال نہ ہو۔ لیکن قومی و ملی اور اصلاحی امور پر ایک حبۃ تک بھی چھوڑنا گوارا نہ کریں۔ دردمندانِ قوم یہ سنکر حیران ہونگے۔ کہ اگست میں خاتمہ میعاد خریداری کی وجہ سے جو دی۔پی کئے گئے تھے۔ وہ سو فیصدی واپس آئے۔ ٹکٹوں اور اطلاعی کارڈوں پر جو قسم خرچ کیگئی وہ خالص نقصان کا موجب ہوئی۔ یہ طرز عمل اور یہ سرد مہری کس قدر حوصلہ شکن ہے۔ اس کا اندازہ کچھ ہم ہی کر سکتے ہیں جو اس قدر دیدہ ریزی اور محنت و کوفت کے بعد یہ صلہ پاتے ہیں۔ اگر یہی لیل و نہار ہیں اور یہی قومی حمیت ہے تو اس شان حمیت پر حیف ہے۔ ہندوستان میں معاملات و قریش ستر لاکھ کی تعداد میں آباد ہیں اور خدائے ارحم و اکرم کے فضل و کرم سے ہر حالت میں بہتر ہیں۔ اتنے ہی گئے گذرے نہیں کہ تین روپے سالانہ۔ چار آنہ ماہوار یا ڈیڑھ پائی یومیہ کا بوجھ قومی ضروریات و اصلاح کے لئے برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ اس کا فقدان انہیں بے حس و حرکت کئے ہوئے ہے۔ اور قوم کی اتنی بڑی جماعت عضو معطل کی صورت میں بیکار پڑی ہے۔ اور اس میں سے ستر ہ سالہ تلاش و تجسس اور سرگردانی کے باوجود ایک فیصدی بھی ایسے اشخاص نہیں مل سکے جو قوم کے درد کی سچی تڑپ رکھتے ہوں۔ اور ستر ہ لاکھ بے حس افراد قوم کو احساس زیان و لاکر خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہوں۔ اور اللہ کا نام لیکر میدانِ عمل میں گامزن ہو جائیں۔ جس قوم کی یہ حالت ہے۔ اس کی اصلاح و تنظیم خواب خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ستر ہ لاکھ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ اگر اتنی بڑی جماعت متفقہ و متحدہ مساعی سے کام لینے پر تل جائے تو دنیا کی کوئی اہم سے اہم اور مشکل سے مشکل مہم نہیں جو سر نہ ہو۔ اگر اتنی بڑی قوم چاہے تو اس کے دس دو رنائے نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ چل سکتے ہیں ان کا قومی مرکز کالج و یونیورسٹی تک الگ قائم کر سکتا ہے اور دنیا کی تمام کامیابیاں ان کے قدم لیتی پھریں۔ لیکن جہاں ضرورت کو ضرورت ہی خیال نہ کیا جائے اور اٹھنے اور میدان ترقی کی جانب دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہ کی جائے۔ وہاں کہاں کی تنظیم اور کہاں کی اصلاح۔

گر یہی ہے اس گلستاں کی سوا ۔ شاخ گل اک روز جھونکا کھائیگی

ان حالات اور حوصلہ شکن واقعات کے سبب سے اگر ہم ستمبر کا القریش مجبوراً شائع نہیں کر سکے تو کوئی منصف مزاج شخص ہمیں مورد الزام قرار نہیں دے سکتا۔

کیا برادران قریش ان حالات سے متاثر ہو کر مستقبل پر غور کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔

آفتابِ رسالت کا طلوع

(از سید غلام نبی صاحب اندرابی سرینگر کشمیر)

عرب میں تھا جہالت اور ضلالت کا بپا طوفان
پرستش جھوٹے معبودوں کی ہوتی تھی قبائل میں
ہے طرفہ اس پہ معبودان باطل ان کے پتھر تھے
جہالت تھی رذالت تھی شقاوت تھی ضلالت تھی
وہ بے رحمی وسفاکی کہ بے دینی معاذاللہ
غرض ہر کام ان کا وحشیانہ ظالمانہ تھا،

یکایک ابر رحمت جوش میں آکر ہوا ظاہر
نہیں ملک عرب پر بلکہ ساری آفرینش پر،
ہوئے پیدا عرب میں ابن مطلب کے گھر
شہنشاہِ دوعالم مظہرِ ذاتِ خداوندی
وہ جن کا فرشِ پا تھا عرشِ اعلیٰ در شبِ اسری
قبا جن کی مزمل ہے ردا جن کی مدثر ہے
وہ ختم المرسلین مژدہ سنا تا جن کی نسبت ہے
وہ جس نے گمراہوں کو راستہ سیدھا دکھایا ہے
وہ جس نے کعبۃ اللہ کو بنایا مرجع عالم
وہ دریائے معانی، بحرِ عظمت، گوہر دانش
فصیحوں کی زبانیں لال ہیں تعریف گوئی میں
ہوا ہوں بے کس و بے یار و یادر یا رسول اللہ
اٹھا دیجے رخِ انور سے خوابِ ناز کا پردہ
پریشاں امت مرحوم ہے لیجئے خبر اس کی
گدائے در سے مونس آپ کا سنئے صدا اسکی

خدا سے دور ہے تھے پیغمبر اس ملک کے انساں
خدا اپنا بنا بیٹھے بتوں کو پوجتے تھے مگر نادان
بنا کر خود بتوں کو پوجتے تھے بعید الیقاں
شرابیوں اور رذیلوں کا عمل یکساں چلن یکساں
کہ ان کی لڑکیوں کو دامن مادر تھا گورستاں
فساد و کشت و خوں سے ہوگئی تھی وہ زمیں ویراں
ہوس کو اس نے صحرائے عرب کو کر دیا شاداں
چھٹے گمراہی و غفلت کی زنجیروں سے سب انساں
محمد مصطفےٰ محبوب خاص ایزد منان
وہ شاہ انبیا، وہ ماہ اوج رحمت یزدان
وہ جن پر ہو گیا نازل کلام حضرت رحماں
لعمرك تاج سرنیس لقب وہ سید ذیشان
وما ارسلنك الا رحمۃ للعالمین قرآن
وہ جس نے وحشیوں کو نور ایمان سے کیا رخشاں
وہ جس نے غیرت گلشن بنا دی وادی فاراں
مہ اُمی لقب جس سے ہوئی عقل جہاں حیراں
بھلا مجھ میں کہاں تاب ثنائے سرورِ دوراں
کرم فرمایئے مجھ پر کہ ہوں میں بے سروساماں
دکھا دیجے مجھے جلوہ ہے مدت سے یہی ارماں
پڑے ہیں مشکلوں میں کیجئے سب مشکلیں آساں
مرض درد فرقت کا خدارا کیجئے درماں

خلفائے اسلام
کے متعلق
پُر لطف معلومات

اسلام میں چار عورتیں ایسی گذری ہیں جن میں سے ہر ایک کے بطن سے دو خلیفہ پیدا ہوئے:

(۱) حضرت فاطمہ الزہرا ان کے دونوں نور نظر حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ سے لوگوں نے بیعت خلافت کی:

(۲) ولادۃ بنت عباس عبیہ عبدالملک کے دونوں بیٹے ولید اور سلیمان پیدا ہوئے۔ اور دونوں تخت خلافت پر بیٹھے:

(۳) سامر فیروز یزدجرد کی بیٹی اور ولید بن عبدالملک کی بیوی۔ اس کے بطن سے ولید کے دونوں فرزند یزید اور ابراہیم پیدا ہوئے اور مسند آرائے خلافت ہوئے:

(۴) خیزران خلیفہ مہدی عباس کی بیوی کہ اس کے بطن سے موسیٰ ہادی اور ہارون رشید پیدا ہوئے اور دونوں منصب خلافت پر فائز ہوئے:

۲۔ ایک مسلمان عورت تھی۔ جس کے بارہ محرم تھے اور وہ سب خلیفہ تھے۔ یہ عورت عاتکہ یزید بن معاویہ کی بیٹی تھی۔ یزید اس کا باپ خلیفہ۔ معاویہ بن ابی سفیان اس کا دادا خلیفہ معاویہ بن یزید اس کا بھائی خلیفہ۔ عبدالملک بن مروان اس کا شوہر خلیفہ۔ مروان بن الحکم اس کا خسر خلیفہ یزید بن عبدالملک اس کا بیٹا خلیفہ اور ولید۔ سلیمان۔ ہشام تینوں اس کے سوتیلے بیٹے بھی خلیفہ ہوئے:

(۲) بنو عباس میں اس کی مثال زبیدہ جعفر بن منصور کی بیٹی ہے۔ کہ اس کا دادا منصور خلیفہ ہوا۔ پھر اس کے دادا کا بھائی سفاح اس کا شوہر ہارون رشید اس کا چچا مہدی۔ اس کا بیٹا امین اور اس کے چار سوتیلے بیٹے مامون معتصم، واثق اور متوکل سب کے سب خلیفہ ہوئے:

۳۔ ایک خلیفہ ایسا ہوا۔ جس کو اس کے چار بزرگوں نے خلافت کا سلام کیا۔ یہ خلیفہ ہارون رشید تھا۔ یعنی خود اس کے باپ کے چچا عبدالصمد بن علی نے اس کو سلامی دی:

۴۔ ایک خلیفہ ایسا گذرا ہے جس کے کنبے والوں میں سے سات ایسے شخصوں نے اس کی خلافت پر بیعت کی جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خلیفہ کا بیٹا تھا۔ یہ خلیفہ متوکل عباسی ہے۔ اور حسب ذیل لوگوں نے اس کی خلافت تسلیم کی:

(۱) احمد بن واثق۔ (۲) احمد بن معتصم۔ (۳) سلیمان بن مامون۔ (۴) عبداللہ بن امین (۵) ابو محمد بن رشید۔ (۶) عباس بن ہادی۔ (۷) منصور بن مہدی:

تاریخ عباسیہ کا ایک باب

امین و مامون

(نمبر ۱)

امین کا حسرتناک انجام

از ملک محمد طفیل صاحب بی۔ اے (علیگ)

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی تخت نشینی کے چھٹے سال یعنی ۱۷۸ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ آغاز سفر کے وقت میں مقام انبار میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے تینوں لڑکے امین و مامون اور قاسم بھی اس کے ہمراہ تھے۔ انبار کے مقام پر اس نے سب سے پہلے امین کو ولی عہد مقرر کرکے اس کے لئے بیعت لی۔ اور اسے عراق۔ شام اور عرب کی حکومت کی سند عطا کی۔ اس کے بعد اس نے مامون کو ولی عہد کیا۔ اور خراسان اور جبال کے صوبہ جات تا اقصائے مشرق عنایت کرکے یہ قرار دیا۔ کہ امین کی وفات کے بعد وہ کل ممالک محروسہ کا مالک ہوگا۔ پھر اپنے تیسرے لڑکے قاسم سے بیعت لی۔ لیکن یہ شرط لگائی۔ کہ اگر وہ خلافت کے ذمہ دار منصب کا اہل نہ ہو۔ تو مامون کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ اسے معزول کرکے اس کی جگہ جسے چاہے۔ ولی عہد کردے۔ ہارون نے قاسم کو مؤتمن کا لقب دیکر خبیرہ تغور اور عواصم کی حکومت اس کے سپرد کی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر اس نے اہل مدینہ کو انعام و اکرام سے مالا مال کردیا۔ اور مستحقین میں بکثرت خیرات تقسیم کی۔ اس نے جس قدر فیاضی سے کام لیا۔ کہ صرف امین و مامون نے اپنی طرف سے ایک کروڑ پانچ لاکھ دینار راہ خدا میں صرف کئے۔ اسی طرح مکہ معظمہ میں بھی داد و دہش کی۔ مکہ میں پہنچ کر اس نے امین و مامون کی ولی عہدی کی تجدید کی۔ اور ان دونوں شاہزادوں کے درمیان آئندہ حکومت کے متعلق مناقشات کو ہمیشہ کے لئے روکنے کی خاطر فقہاء قضاۃ اور سرداران لشکر کو طلب کرکے دونوں کی طرف سے علیحدہ علیحدہ عہدنامے مرتب کرائے۔ ایک عہدنامہ مامون کی طرف سے تھا۔ جس میں اس نے خدا کو شاہد کرکے امین سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔ دوسرا امین کی طرف سے تھا۔ جس میں اس نے اقرار کیا تھا۔ کہ وہ مامون کے ساتھ وفا کرے گا۔ جب یہ دستاویزات پایہ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ تو ان پر ممتاز اکابر۔ امراء اور ارکان سلطنت کے دستخط کراکے انہیں خانہ کعبہ کی چھت میں آویزاں کردیا۔ اور پھر جب ۱۸۹ھ میں طرسطان گیا۔ تو سرداران لشکر اور ارکان دولت کو جمع کرکے کہا۔ یہاں پر جو کچھ میرے لشکر میں مال خزانہ۔ آلات حرب اور ساز و سامان ہے اس کا مالک صرف مامون ہے۔ اور ان لوگوں سے مامون کی ولی عہدی کی تجدید کرکے بغداد کی جانب کوچ کیا۔ اسی طرح بغداد میں بھی رؤسائے تنہو سرداران لشکر کو جمع کرکے مامون کی ولیعہدی کی بیعت کی تجدید کی؛

امین کی خلافت

ہارون الرشید کی وفات کے اگلے دن لشکر ہارون میں امین کی خلافت کی بیعت لی گئی۔ اس وقت مامون مرو میں تھا۔ حمویہ نے جو خلیفہ مہدی کا آزاد غلام اور رشید کی موت کے وقت ڈاک کا افسر تھا۔ اپنے نائب کو بغداد میں لکھا۔ کہ وہ فوراً دربار خلافت میں حاضر ہو۔ اور خلیفہ امین کی خدمت میں پیغام تہنیت پہنچائے۔ کہتے ہیں۔ سب سے پہلے جس نے امین کو خلافت کی مبارک باد دی۔ وہ یہی تھا بستہ اوہ صالح بن ہارون الرشید نے بھی اپنے بھائی امین کی خدمت میں ایک خط تہنیت خلافت کا روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی خاتم خلافت، عصا اور چادر بھیجدی۔ جب صالح کا ملازم یہ اشیاء لے کر بغداد پہنچا۔ تو امین اپنے محلسرا سے نکل کر قصر خلافت میں آیا۔ اور نماز جمعہ ادا کی۔ خطبہ میں اس نے حاضرین کو ہارون الرشید کی وفات کی خبر سنائی۔ اور بعد انقضائے صلوٰۃ لوگوں سے بیعت لی۔ اور بغداد کی نظامی فوج کو دو برس کا روزینہ عنایت کیا۔ اس کے بعد امین کی حقیقی والدہ زبیدہ خاتون رقہ بغداد آئی۔ خلیفہ امین معہ ارکان سلطنت و رؤسائے بغداد انبار تک ماں کے استقبال کے لئے بڑھا۔ شاہی خزانہ بھی زبیدہ خاتون کے ساتھ تھا۔

بدعہدی اور نقض بیعت

کہا جاتا ہے کہ ہارون کے انتقال سے پہلے امین کی طرف سے ایک خط بکر بن المعتمر کی معرفت اس کی لشکر گاہ پر پہنچا۔ جو کہ امین نے اپنی بیعت لینے کی غرض سے بھیجا تھا۔ اتفاق سے اس کی اطلاع ہارون کو ہوگئی۔ بکر کو بلا کر کہا "کیا کوئی خط لایا ہے؟" اس نے جواب دیا "نہیں"۔ خلیفہ نے جھلا کر درّے پٹوائے اور جیل میں ڈال دیا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد جلد ہی رشید کا انتقال ہوگیا۔ فضل بن ربیع نے جو برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون کا وزیر ہوگیا تھا۔ بکر کو جیل سے نکلوا کر اس سے امین کے خط کے متعلق استفسار کیا۔ اس نے خطوط اس کے حوالے کر دیئے۔ ارکان سلطنت و سرداران لشکر امین کے خطوط پڑھ کر امین سے مل جانے کے متعلق مشورہ کرنے لگے۔ اور فضل بن ربیع کی رائے سے مامون کے عہد و میثاق کو پس پشت ڈال کر بغداد کی طرف روانہ ہوگئے۔ مامون کو جب اس کی اطلاع ملی۔ تو اس نے باپ کے سپاہ لاروں کو جمع کیا۔ ان میں سب سے مشہور فضل بن سہل تھا۔ جسے تاریخوں میں "ذوالریاستین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ شخص صاحب السیف والقلم تھا۔ حاضرین میں سے بعض نے یہ رائے دی۔ کہ فوراً تعاقب کر کے فضل بن ربیع کو معہ اس کے رفقاء کے واپس لایا جائے۔ لیکن فضل بن سہل نے اس سے اختلاف کر کے مشورہ دیا۔ کہ مجھے اس امر کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ سادہ لوح لوگ آپ کو دھوکا دیں۔ میرے نزدیک مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ بذریعہ خط و کتابت ان لوگوں کے ایفائے عہد و میثاق اور پابندی بیعت کی یاد دلائیے۔ اور بدعہدی اور نقض بیعت کے نتیجہ بد سے ڈرائیے دھمکائیے۔ مامون نے فضل کی رائے پر عمل کیا۔ اور خط و کتابت کے ذریعہ سے معاملات کے سلجھانے میں مصروف ہوگیا۔

عمال کے نام گشتی فرمان

جس وقت فضل بن ربیع مامون کی نقض بیعت اور مخالفت کر کے خلیفہ امین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو اسے اپنے کئے انجام کے خطرات نظر آئے۔ اب اس نے مامون سے اپنے کل تعلقات منقطع کر لئے۔ اور امین کو دم پٹی دے کر رفتہ رفتہ اس بات پر تیار کر لیا۔ کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسےٰ کی ولی عہدی کی بیعت لے۔

عمائدین سلطنت سے اس معاملہ میں مشورہ کرنے سے اختلاف رونما ہوا۔ بعض نے کہا۔ یہ بہتر ہے۔ لیکن بعض نے کہا۔ نقض بیعت اچھا نہیں۔ لیکن امین برابر اصرار کرتا رہا۔ کہ نقض بیعت کیا جائے۔ آخرکار اس نے بلا سوچے سمجھے عمال کے نام ایک گشتی فرمان اس مضمون کا روانہ کر دیا۔ خطبوں میں مامون اور مؤتمن کے بعد میرے بیٹے موسےٰ کے لئے دعا کی جائے۔" مامون کو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے امین کے نام کو سرنامہ سے نکال دیا۔ اور خط و کتابت بند کر دی۔ اس کے بعد امین نے مامون کے پاس ایک پیغام بھیجا۔ کہ میرے بیٹے موسےٰ کی ولی عہدی کو اپنی ولی عہدی پر مقدم کرو۔ اور مجمع عام میں اس کا اظہار کر دو جس وقت یہ پیغام مامون کے پاس پہنچا۔ تو اس نے امرائے خراسان کو جمع کر کے اس کے متعلق مشورہ لیا۔ ان لوگوں نے یک زبان ہو کر عرض کیا۔ "ہم لوگوں نے آپ کی بیعت اس شرط پر کی تھی۔ کہ خراسان سے باہر نہیں جائیں گے۔" خلیفہ نے پیامبروں کو طلب کر کے اس درخواست کی منظوری سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر فضل بن سہل ایک ہی کارآمد چال چلا۔ اس نے پیامبروں میں سے ایک کو امین کے دربار میں اپنا جاسوس بنا لیا۔ جو وہاں کے حالات سے اطلاع دیتا رہتا تھا۔

امین و مامون کی خط و کتابت

پیامبروں کی واپسی پر امین نے مامون کو لکھا۔ کہ خراسان کے بعض علاقے براہ راست خلیفہ کے زیر اقتدار کر دیئے جانے چاہئیں۔ اور یہ خواہش بھی ظاہر کی۔ کہ وہاں اس کے سررشتۂ برید کے افسروں کو قیام کرنے کی اجازت دی جائے۔ مامون نے ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا۔ اور حفظ ماتقدم کے خیال سے سرحدی علاقے مستحکم کر کے وہاں کے لشکریوں کو یہ حکم دیا۔ کہ کوئی شخص بلا اجازت سرحد میں داخل نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد مامون نے ایک خط امین کی طرف روانہ کیا۔ امیرالمومنین آپ کا فرمان عالیشان مجھے ملا۔ میں آپ کا اس سرحد پر ایک ادنیٰ گورنر ہوں۔ چونکہ مجھے خلیفہ ہارون الرشید نے یہاں قیام کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اور اس کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا۔ اور میرے یہاں قیام پذیر ہونے سے ہزاروں فائدے ہیں۔ اس وجہ سے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میری اس غیر حاضری کو معاف فرمائیے گا۔ میں آپ کا حاضر و غائب مطیع ہوں۔" خلیفہ امین کے خیالات اس قسم کے مطیعانہ خط کے پڑھنے سے تبدیل ہو گئے۔ اس کے ذہن میں یہ بات جاگزین ہو گئی۔ کہ مامون اس کی کسی صورت میں بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے ۱۹۲ھ کے اوائل میں مامون کو ولی عہدی سے برطرف کر کے موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت لے لی۔ اور اسی تاریخ سے مامون اور مؤتمن کے نام خطبوں سے نکال دیئے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے یہاں تک جسارت کی۔ کہ اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو موسیٰ کے بعد ولی عہد کر دیا۔ چنانچہ خطبوں میں پہلے امین کا نام لیا جاتا تھا۔ بعد ازاں موسیٰ و عبداللہ کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ اس نے خانہ کعبہ سے وہ عہد نامہ بھی طلب کر کے چاک کر ڈالا۔ جو امین اور مامون کی ولی عہدی کے متعلق لکھا گیا تھا۔ مامون کے جاسوسوں نے جو بغداد میں تھے۔ ان کل واقعات سے مامون کو مطلع کیا۔ مامون نے سن کر کہا۔ جن امور کے متعلق مخبروں نے مجھے اطلاع دی ہے۔ وہ میرے حق میں بہتر ہوں گے۔

ہارون کا عہد نامہ

جس وقت امین نے بیت اللہ سے ہارون کا عہد نامہ منگوا کر چاک کر دیا۔ اور داؤد بن عیسےٰ گورنر حجاز کو مامون کی خود داری کا حکم دیا۔ تو اس نے لوگوں کو جمع کر کے امین کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر کے کہا۔ "کیا تم لوگوں کو یاد نہیں۔

کہ خلیفہ ہارون نے اپنے تینوں لڑکوں کو ولی عہدی کی بیعت مسجد حرام میں لی تھی۔ اور کیا تم لوگوں کو یہ نہیں کہا تھا۔ کہ مظلوم کا ساتھ دینا دیکھو امین نے ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور اپنے دونوں بھائیوں مامون اور موتمن کو معزول کرکے اپنے ایک دودھ پیتے لڑکے کو ولی عہد کردیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد نامہ کو خانہ کعبہ سے نکلوا کر تلف کردیا ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ امین کی نقض خلافت اور مامون کی بیعت خلافت سے اللہ تعالےٰ تم سے ہرگز ناراض نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ راضی ہوگا۔ اس لئے کہ تم اس عہد کو پورا کرتے ہو۔ جو تم نے امیر المومنین ہارون سے باندھا ہے۔" حاضرین نے بطیب خاطر گورنر کی تقریر سے متاثر ہو کر مامون کی خلافت کی بیعت پر رضامندی کا اظہار کیا۔ داؤد نے اطراف و جوانب میں اس کی منادی کردی۔ اور خطبوں میں مامون کا نام پڑھنا شروع کردیا۔

ابن ماہان کا قتل

اب دونوں بھائیوں کے تعلقات حد سے زیادہ بگڑ گئے۔ امین نے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل ابن ماہان کے ماتحت ایک لشکر جرار خراسان کیطرف مامون سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ابن ماہان خلیفہ سے رخصت لیکر زبیدہ کے محلسرائے کے دروازہ پر الوداع کہنے کے لئے حاضر ہوا۔ زبیدہ نے مامون سے بڑی نرمی برتنے کی وصیت کی۔ اور چاندی کی ایک پنجکڑی اور بیڑی دیکر کہا۔ "میں مامون کو محبت اور شفقت میں اپنے بیٹے امین کے برابر سمجھتی ہوں۔ اگر تجھے کامیابی حاصل ہوئی۔ تو نہایت ادب اور توقیر سے اسے قید کرکے لانا۔ خبردار! مامون سے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا۔" ابن ماہان اوائل شعبان میں روانہ ہوکر ساوہ میں پہنچا۔ وہاں اسے معلوم ہوا۔ کہ مامون کا سپہ سالار طاہر رے میں ٹھیرا ہوا لشکر مرتب کررہا ہے۔ اور جنگ پر آمادہ ہے۔ ابن ماہان وہاں سے رے کیطرف روانہ ہوا۔ طاہر نے قلعہ بند ہوکر لڑنا پسند نہ کیا۔ بلکہ شہر سے باہر نکلکر پانچ فرسنگ کے فاصلے پر صف آرائی کی۔ طاہر کے لشکر کی تعداد چار ہزار سواروں سے کم تھی۔ ابن ماہان نے اس کے لشکر کی قلت کا احساس کرکے سپاہیوں سے بہادری اور جرأت سے لڑنے کی استدعا کی۔ اتفاق کی بات چند آدمی طاہر کی طرف سے نکل کر ابن ماہان کی طرف آگئے۔ اس نے حفاظت سے چند ایک کو درّوں سے پٹوایا۔ اور باقیوں کو منتشر کیا۔ اس پر طاہر کے باقی ماندہ سپاہی رک گئے۔ قبل آغاز جنگ طاہر ایک نئی چال چلا۔ اس نے وہ عہد نامہ جس میں مامون کی بیعت کا تذکرہ تھا۔ نیزوں پر آویزاں کردیا۔ اور ابن ماہان اور اس کے لشکریوں کو وہ عہد و پیمان یاد دلوایا۔ اس کے بعد لڑائی چھڑ گئی اور ابن ماہان کے سپاہی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ وہ انہیں بلند آواز سے واپس بلانے لگا۔ اسی اثنا میں طاہر کے آدمیوں میں سے کسی ایک نے ایک ایسا تیر مارا۔ کہ ابن ماہان کے گلے میں اتر کر تیر دوہو گیا جس پر اس نے گر کر دم توڑ دیا۔ اسی شخص نے پہنچ کر اس کا سر تن سے جدا کردیا۔ اور لاش کو ایک لکڑی پر لشکر طاہر کے پاس لایا جسے اس کے حکم سے کوٹیں میں ڈالدیا گیا۔ خاتمہ جنگ اور فتحیابی کے بعد طاہر رے میں واپس آیا۔ اور نامۂ بشارت مامون کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کتابی الی امیر المومنین وولی عہد المسلمین من یدی وخالصتہ فی امری وخاصۃ متصرفون تحت امری والسلام۔ ترجمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میرا خط امیر المومنین کی طرف جارہا ہے اور علی کا سر میرے سامنے پڑا ہے۔ اس کی انگشتری میری انگلی میں ہے۔ اور اس کی فوجیں میرے ماتحت ہیں۔ والسلام

یہ خط تین یوم کے بعد خراسان پہنچا۔ خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ دو روز کے بعد ابن ماہان کا سر بھی آگیا۔ جو کہ تمام خراسان میں پھرایا گیا۔

(باقی)

نوائے درد

الا! اے ملّتِ بیضا ترے گلشن کی پامالی
قیامت ہے کہ گلچیں کیلئے سامانِ راحت ہے

وہ گلشن جو بہشتِ آرزو تھا اک زمانے میں
تری غفلت شعاری سے برنگِ دشتِ غربت ہے

خبر تجھ کو نہیں یہ بھی کہ اُس میں ایک مدّت سے
نہ غنچے کا تبسّم ہے نہ گل کا رختِ نکہت ہے

بنا ماتا آشیانِ گلشن سے باہر ہم صفیروں کا
شہیدِ محفلِ گل کیلئے رنگِ قیامت ہے

خروجِ ناروا زاغ و زغن کا محفلِ گل پر
خورِ تاباں پہ گویا حملۂ افواجِ ظلمت ہے

چمن ویران بے پروا ہوا کچھ اس طرح تیرا
کہ بزمِ لالہ و گل ہر طرح سے بے بضاعت ہے

پڑے ہیں دامنِ سبزہ پہ آنسو چشمِ بلبل کے
ہر اک آنسو کے پردے میں نہاں دُنیائے حسرت ہے

چمک کر ایک دم پھر جا گلوئے کذب پیکر پر
کہ تو ہر حال میں اسلام کی تیغِ صداقت ہے

تموّج اپنے دم سے بحرِ حمیت میں
تو چشمِ عرشِ اعظم میں علمبردارِ غیرت ہے

تب و تابِ محمدؐ سے فروزاں کر چلن اپنا
کہ وہ ہر دور میں تیرے لئے خضرِ ہدایت ہے

سرِ فاراں چمک کر جس نے روشن کر دیا عالم
وہی جلوہ ابھی تک تیرے سینے میں امانت ہے

اسی جلوے کے پرتو سے جہاں میں روشنی کر دے
کہ یہ خدمت تری اہلِ جہاں کے حق میں رحمت ہے

بے ملّت سراپا جذبۂ حبِّ وطن ہو جا
نظر کر دورِ پیشیں پر بزرگوں کا چلن ہو جا

لگی ہے عرش کے دامن سے اب تک تیری خودداری
مگر تو ہے گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری

تہ دل سے خدا راوہ نوائے درد پیدا کر! کہ آئے اُس پر چھا جانے کو ابرِ رحمتِ باری
شریعت ہے محمدؐ کی محمدؐ ہے ترا آقا! تجھے دولت یہ آقا کی ہو اپنی جان سے پیاری
حفاظت ہے اسی دولت کی تیرے دردکا درماں صلہ اس کی نگہبانی کا ہے تاجِ جہانداری
اسی میں خیر ہے تیری کہ اب نامِ خدا لے کر رہِ ملت سے تو آنکھوں سے چن ہر خارِ دشواری
بھڑک کر اُسکے شعلے ہیں سرِ چرخِ بریں پہنچے بجھا دے آنسوؤں سے فرقہ بندی کی یہ چنگاری
ترے سازِ اخوت میں ہیں وہ روشن تریں نغمے کہ جن کے کیف سے ہیں زندۂ جاوید انصاری
خدا کی رحمتیں انوار برسائیں گی عالم پر تری سعیِ فراواں ہے پیامِ لطفِ غفاری

خدا کے واسطے اُٹھ۔ پھر جہاں کو حق کی دعوت دے
زمانہ قیدِ رحمت میں ہے تو پیغامِ رحمت دے

(غیر مطبوعہ) شاکر صدیقی

خطاب بہ مسلم

اے مسلمِ خوابیدہ اُٹھ گرمِ تماشا ہو ذرہ ہے تو صحرا ہو قطرہ ہے تو دریا ہو
اس محفلِ عالم میں یہ جینا نہیں جینا کچھ شان بھی پیدا کر۔ اسطرح نہ رسوا ہو
پیدا دلِ ویراں میں اجداد کا ایماں کر سینے میں اگر تیرے رفعت کی تمنا ہو
ابتک تری ہستی میں جس کا ہے نشہ باقی یعنی وہ "مئے وحدت" پھر اس کا پیاسا ہو
مسلم! ترا مدت سے ہی فرش بنا مسکن پروازیں آجا پھر ہمدوشِ ثریا ہو

اسلام ہے گر تجھ میں اور یہ ہے مسلمانی
"مالک" ہی کرے اپنی کشتی کی نگہبانی

فضل الرحمن صدیقی

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

النجات

مقدمہ

(از جناب مولانا قاضی شاہ ولی صاحب وکیل)

الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض ہ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ ھو الرحمٰن الرحیم ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون ط ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ط

امّا بعد ایں ہیچمدان قاضی شاہ ولی کنوی عرض پرداز ہے۔ کہ مدت سے حضرات صوفیائے کرام واولیائے عظام سے دلی ارادت مندی اور جان نثاری ہے۔ کیونکہ یہ نیز گواران دین سراسر عشق خدا میں سرور اور نور معرفت سے معمور ہیں۔ اور سچی محبت کے دلدادہ وشیدا محبوب حقیقی کے عاشق وفدا ہیں ؎

ہرچند پارسا نیم امانوشتہ ایم
بر لوح جان محبت مردان پارسا

چنانچہ مجھے خود بھی بواسطۂ فریدزمان ووحیددوران حضرت پیرومرشد جناب میاں غلام احمد خان صاحب برکی سدا خیل متوطن بستی غزاں قدس اللہ سرہٗ۔ خاندان قادریہ فاضلیہ عالیہ سے نسبت بیعت ہے ؎

بریں آستاں ہمچو خاک رہیم — کمر بستۂ حکم شاہنشہیم
ازیں آستاں نیست مارا گذر — ازیں در نداریم روئے دگر
کمیں چاکر و کمترین بندہ ایم — ہوائے تو خواہیم تا زندہ ایم

پس یہی وجہ ہے۔ کہ ان حضرات سے اکثر اوقات اتفاق ملاقات ہوتا رہا۔ اگرچہ ان کی حرکات وسکنات پُر فضائل اور نکات واشارات خوش خصائل ہیں۔ مگر بعض ان میں سے جو کہ ناعاقبت اندیش ہیں۔ احکام شریعت غرّا کی پابندی اور بجا آوری سے کوسوں دُور اور ایسے لاپرواہ ہیں۔ کہ الامان! ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے ندانند جام وسندان باختن

یہ ہمیشہ جب ان فضول و یاوہ گو اور کوتہ اندیش لوگوں بدنام کنندۂ نیکو نامے چند کی ناشائستہ اور دلتنگ باتیں شریعت محمدیہ کے خلاف سنا کرتا۔ تو ان لوگوں کے جہل مرکب پر سخت طیش و تعجب میں آتا۔ اور ؎

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

کو یاد دلاتا۔ کہ کیوں یہ لوگ بیہودہ فضول باتیں کیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت پیر و مرشد کی موجودگی اور ادب مانع تھے۔ کہ میں کروں تو کیا کروں۔ اور کیونکر ان کے لئے باعث خیر ہوں ؎

من کیستم اندر چہ شمارم چہ کسم — تا ہمرہی سگانش باشد ہوسم
در قافلۂ کہ دوست دائم نرسم — ایں بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

الغرض حضرت پیر و مرشد کی زندگی سراپا خورسندگی کے زمانے میں جو کہ ایک نعمت غیر مترقبہ کا زمانہ تھا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ باوجود اس کے کہ خود آنجناب فیضمآب بھی بعض صنایع غیر شرائع کے اعمال نکوہیدہ اور اقوال ناپسندیدہ کے روکنے اور اصلاح کے لئے تحریک فرماتے رہے

چونکہ مدت مدید اور عرصہ بعید سے حضرت پیر و مرشد کو عوارض جسمانی متواتر اور لگاتار لاحق حال رہے۔ اس واسطے آپ کچھ تحریر نہ فرما سکے۔ اگر تھوڑی سی بھی فرصت ان عارض عوارض سے ملجاتی۔ تو ضرور آپ کچھ نہ کچھ اور بوجہ احسن تحریر فرما جاتے۔ کہ ان راہی تباہی لوگوں کے لئے کافی ہدایت ہوتی۔

پس اعلحضرت کے یہی عوارض ہی تھے۔ کہ پنجاب کے ہمارے سرسبز و شاداب خاندان قادریہ فاضلیہ کے بعض نااہل معتقدین کا تنقیہ نہ کر سکے۔ اس واسطے رفتہ رفتہ مہذب اور صالحین لوگوں کے دلوں میں ان ناشائستہ لوگوں کی طرف سے نفرت بڑھتی گئی۔

اب کہ کچھ عرصہ سے حضرت پیر و مرشد اس دار فانی سے ملک جاودانی کی طرف عین ڈھلتی جوانی کے شروع ہی میں رحلت فرما ہو گئے اور ہمیں تا زیست غم مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جیسا کہ مادۂ تاریخ وفات اس شعر مولف ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۱ھ ظاہر و باہر ہے ؎

زہاتف بہ قاضی ندائے در آمد
کہ بس روز مرگش رسول حقانی

تو یہ مراتب تکمن لوگ ع گر خطا مرتب نہ کنی زندیقی۔ کے مخالفین اور بھی زیادہ دلیری سے آزادی نامشروع کی طرف بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ الانسان حریص بما منع کے مصداق بن گئے۔ الغرض مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور فزادھم اللہ مرضاً کے مستوجب بنتے گئے۔

وجہ ان کی اس مرض بڑھنے کی یہ ہے۔ کہ انہوں نے یہ تعلیم آزادی پسند غیر مسلم لوگوں کے میل ملاپ سے اخذ کر کے خود جہل مرکب

ہیں گرفتار ہو کر دنیا بھر کے اہل مذاہب کو کافر فتار اور ہیچ سمجھنا شروع کر لیا۔ اور اپنے آپ کو ماست رو اور سچا خیال کر لیا حالانکہ خود قرآن و رسولؐ سے منکر قیامت اور حساب و کتاب سے انکاری اعمال اور جزا و سزا سے سبکدوش ہیں۔ مگر طرفہ تر یہ کہ بنیال خویش اسلام کے اعلیٰ طبقہ کے صدر نشین اور مقام علیین کے جاگزین ہیں۔ وہ بھی محض ایک عقیدت زبانی کہ ہستی حق جاودانی ہمارے لئے نجات کی کلید نہانی ہے۔ بس ہے۔ لاحول ولا قوۃ نعوذ باللہ من ذالک۔

کاش یہ لوگ باقاعدہ اسلامی تعلیم حاصل کرتے۔ اور بزرگان دین متین کی خدمتوں میں رہ کر فیض صحبت سے بہرہ ور ہوتے۔ اور ان کے قدم بہ قدم چلتے۔ اگر پھر ایسے ویسے فضول و لچر کوڑ مغزی کرتے۔ تو ہم دیکھ لیتے۔

بخدا اس وقت تو یہ لوگ سراسر اسلام پاک کے جھوٹے دعویدار ہی نہیں۔ بلکہ خاکش بدہن منوجہ اسلام کے کذاب ہیں۔ یا منقلب القلوب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین۔ ثم آمین۔

پس مجھے بعض احباب صاحبان فہم و ذکا اور دوستان شرح و ہدا۔ واقفان رموز طریقت۔ کاشفان کنوز حقیقت۔ غواصان بحور معرفت۔ فقہاء جمہور ہدایت نے جو کہ سچے اسلام کے پکے پابند ہیں۔ اس وقت کچھ نہ کچھ لکھنے کے لئے کہ جس سے اس فرقہ آزادی پسند کی اصلاح متصور ہو۔ مجبور کیا۔

لہذا اگرچہ میں بخوبی جانتا ہوں۔ کہ مجھے ایسا لکھنے کی ہرگز لیاقت نہیں مگر چونکہ ان دوستان مخلص و مخلصان اخلص کی تعمیل فرائش سے گریز و انکار بھی ناروا ہے۔ اس واسطے جو کچھ کہ مجھ سے ہو سکا۔ یہ چند سطور لکھ دیں۔ اور نام اس رسالہ کا **النجاۃ** رکھ دیا۔ تاکہ نجات کے جھوٹے مدعیاں اور نام کے مسلمانان کو معلوم ہو جائے۔ کہ دراصل نجات کیا چیز ہے؟ اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ اور کس کو حاصل ہو سکتی ہے؟

نیز یہ بات کہ آیا نجات صرف ایمان اور عقیدہ پر ہی منحصر ہے۔ یا ایمان کے ساتھ اعمال بھی شامل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ کتاب ہر ایک شخص کو بدون لحاظ قید کسی مذہب کے انشاء اللہ یکساں فائدہ بخش ہو گی۔ بشرطیکہ وہ تعصب کی مہلک مرض میں جو کہ ان دنوں عام طور پر پھیل رہی ہے مبتلا نہ ہو۔ مگر مطلب سعدی آں دیگر است۔ یعنی میرے مخاطب تو صرف خاص ہی فرقہ کے خاص لوگ ہیں۔

میں نے اس مختصر رسالہ کو تین باب پر تقسیم کیا ہے یعنی پہلا باب ایمان میں اور دوسرا باب اعمال میں۔ تیسرا باب نجات میں۔ جس میں یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ نجات محض ایمان علے الاسلام پر ہی موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ایمان و اعمال کے باہم مجموعہ پر موقوف و منحصر ہے اس طرح پر کہ اس عالم فانی سے تعلق چھوڑنے کے بعد ہر ایک مسلمان کے لئے جو نتیجہ پیدا ہو گا۔ اس کے صلے میں جو آرام و راحت جاودان مومنین کو نصیب ہو گا۔ وہی نجات ہے۔ اور بس۔ کیونکہ نجات کے جو اہل ہونگے۔ وہ ہمیشہ کے لئے اچھی اور خوشگوار حالت میں رہیں گے۔

نیز یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو خدائی مذہب کہلائے جانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور وہ **خدائی مذہب** کہلائے جانے کا ہر طرح سے مستحق ہے کیونکہ بیحد درجہ مکمل اور فطرت انسانی کے موافق و مطابق ہے۔ باقیماندہ

دنیا بھر کے تمام مذاہب غیر مکمل اور ناقص ہی نہیں۔ بلکہ بعض فطرت انسانی کے بھی خلاف ہیں۔ جیسا کہ اخیر کتاب پر میں نے جملہ موٹے موٹے اور مشہور مذاہب دنیا کی ایک فہرست بقید اصول و لوازم تحریر کر دی ہے۔ تاکہ انصاف پسند صاحبان بصیرت اسلام کے خدائی مذہب ہونے کی بآسانی تصدیق کر سکیں۔ اور نجات ابدی کو بخوبی سمجھ سکیں۔ کہ واقعی یہ ارشاد باری عزاسمہٗ سچا ہے۔ اُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلَامًا خَالِدِیْنَ فِیْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا یعنی اہل نجات ہی وہ لوگ ہیں۔ کہ جنکو ان کے صبر و تحمل کے صلہ میں بہشتی بالاخانے رہنے کو ملیں گے۔ اور دعا و سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ اور وہ وہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اور جان لیں گے۔ کہ بہشت کیسی اچھی رہنے کی جگہ ہے۔ سورہ الفرقان رکوع نمبر ۶۔

ہاں اتنا اور عرض کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ اول ہی اول اس مسودہ کے مختلف نوٹ میں نے ۱۹۱۱ء میں تحریر کئے جبکہ میں بہ تقریب ملازمت محکمہ بندوبست قانونگوئی کے عہدہ پر فیروزپور کوٹ میں مامور تھا۔ مگر بندوبست کی کثرت کارگذاری اور فرصت اجتماع ضدین کا حکم رکھتی ہیں۔ اس واسطے میں ان مختلف نوٹوں کو کتاب کی شکل میں ترتیب نہ دے سکا۔ آخر جب میں نے اپنے مشفق دوست مولوی پیر محمد صاحب ایم۔ او۔ ایل وکیل فاضلکا ضلع فیروزپور ہموطن خویش کے مرہیانہ مشورہ سے لاکالج لاہور میں حسب ضابطہ داخل ہو کر امتحان مختاری دے لیا۔ تو ستمبر ۱۹۱۳ء میں بایام انتظار نتیجہ ان مختلف نوٹوں کو یکجا کر کے ترتیب وار کتاب کی شکل میں تحریر کر دیا۔ اس کے بعد غریب نتیجہ برآمد ہوا۔ کہ میں کامیاب ہو گیا۔ پس دو سو روپیہ ضلع ہوشیارپور میں پہنچکر پریکٹس شروع کر دی۔ چونکہ نیا نیا کام اور مقام تھا طرح طرح کے مختلف تردودات کتاب ہذا کی نظر ثانی کے مانع رہے۔ اتنے میں دنیا کے اندر ایک ہولناک جنگ عظیم شروع ہو گئی جس نے اپنی روز افزوں گرانی سے دنیا کے تمام معاملات کو درہم برہم کر دیا۔ اور مجھے مجبوراً ان چند اوراق کو طاق نسیاں ہی میں رکھنا پڑا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء میں پھر مجھے امتحان پلیڈری کی تیاری اس پیرانہ سالی میں کرنی پڑی۔ کہ جب میری عمر چالیس سے تجاوز کر چکی تھی۔ مگر الحمد للہ کہ محنت ٹھکانے لگی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

اس عرصہ میں میرے مکرم دوست مولوی جان محمد صاحب پنشنر تحصیلدار ساکن ہوشیارپور اور مولوی جلیل الرحمان خان صاحب پنشن خوار سرکار ساکن میانوالی مولویاں ضلع جالندھر نے غائر نظر سے اس مسودہ کو دیکھ لیا۔ جس کے لئے میں ان کا تہ دل سے شکور ہوں۔ کہ ان کی مشفقانہ مطالعہ نے مجھے نظر ثانی کی تکلیف سے سبکدوش کر دیا۔ اور وہ دوستان مخلص ہمیشہ مجھے یاددہانی کرتے رہے۔ کہ جن کی تحریک پر یہ مسودہ قلمبند ہوا تھا۔ اب کہ ان کا تقاضا اور میری تعویق حد کو پہنچ گئے۔ مکمل اور صاف کر دیا گیا۔ امید ہے۔ کہ وہ میرے اس اتفاقی تساہل کو ضرور معاف رکھیں گے۔

اور نیز ناظرین باتمکین سے التماس ہے۔ کہ اگر کسی سہو و خطا کی اصلاح فرمائیں۔ تو ان کا نہایت ہی خوشی سے شکریہ ادا کیا جائے گا۔ واللہ المستعان۔

(باقی باقی)

میری سرگذشت

نمبر ۱۱

شہر گنڈاوہ جسے ۱۷ مارچ ۱۸۹۲ء مطابق ۸ رمضان المبارک بروز ہفتہ دو مسلح اسپ سواروں کی معیت میں جو بطور باڈی گارڈ میرے ہمراہ تھے میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ ایک پرانا تاریخی مقام ہے۔ ازمنۂ ماضیہ میں یہ "قندابیل" کے نام سے موسوم تھا۔ اور اسے ایران کے بادشاہ بہمن کا آباد کیا ہوا بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ ہندوؤں اور ترکوں کے درمیان حدفاصل کا کام دیتا تھا۔

سندھ کے راجہ چچ نے جب قندابیل پر اچانک حملہ کیا۔ تو باشندوں نے قلعہ میں پناہ لی۔ مگر جلدی ہی مجبور ہو کر انہوں نے اسکو ایک لاکھ درم اور ایک سو پہاڑی گھوڑے خراج میں دینے منظور کر لئے۔ اس معاہدہ پر چچ اپنے دارالحکومت "الور" کی جانب واپس چلا گیا۔ اس واقعہ کی تاریخ اندازاً ۶۳۶ء قائم کی جا سکتی ہے۔ سندھ کا برہمنی خاندان جس کی بنیاد "چچ" نے ڈالی تھی۔ اس کے تیسرے حکمران "داہر" کے وقت میں ختم ہو گیا۔ جب آٹھویں صدی عیسوی کے دوران میں عربوں نے مٹا دیا:

عربوں نے اس ملک میں پہنچنے سے پیشتر خضدار اور گنڈاوہ کے درمیان درۂ مولا کے دامن میں ترکوں کو قابض دیکھا؛

قیقان جس کو موجودہ "نال" کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ کا ایک حصہ تھا۔ اور ان ایام میں ایک مشہور جگہ؛

قندابیل جسے "بدہا" یا بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک "ندہا" کا دارالخلافہ بیان کیا جاتا ہے۔ ملتان سے دس منزل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ باشندے "بدہا" اور "سند" کہلاتے۔ اور توران۔ ملتان اور سندھ کے قطعات میں رہائش رکھتے تھے۔ اس کے باشندے جاٹ تھے۔ جیسا کہ وہ آج تک ہیں۔ وہ کاہی اور گھاس پھوس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ جیسا کہ آجکل کے جاٹ کھجور کے درختوں کی چٹائیوں کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ اب کی طرح اس وقت بھی ستیاحوں نے اونٹوں کی پرورش کی نفاست کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ لیکن ان دنوں اونٹ دوہری "کوہان" رکھتے تھے۔ اور خراسان اور ایران میں ان کی بہت مانگ تھی؛

اگرچہ قندابیل پر عربوں کے متعدد حملے ہوئے۔ اور خلیفہ عبدالملک کے عہد حکومت میں جو ۶۸۵ء سے ۷۰۵ء تک تھا۔ یہ تباہ کیا گیا۔ لیکن اس کی مکمل فتح ۷۱۱ء میں فاتح سندھ غازی محمد قاسم ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی؛

بعد ازاں یزید ثانی کے عہد خلافت میں جو ۷۲۰ء سے ۷۲۴ء تک تھا۔ مہلب کے بیٹوں نے قندابیل میں پناہ لی۔ اور وہیں قتل ہو گئے؛

"بلاذری" بیان کرتا ہے۔ کہ قندابیل ایک پہاڑی یا اونچے [illegible] قلعہ تھا۔ اور عمران نامی [illegible] نے اس شہر پر تصرف ہونے کے بعد اس کے متقدر باشندوں کو خضدار میں منتقل کر دیا تھا۔ گنڈاوہ جسے "غندوہ" "گنجاوہ" اور "گنج" بھی کہا جاتا ہے۔ اب کچھی کے میدانوں کے درمیان ایک بلند قطعہ پر واقعہ ہے۔ اور مندرجہ بالا بیان سے مطابقت کرتا ہے؛

المعتصم باللہ کے عہد حکومت میں جو ۲۲۳ھ سے ۲۲۷ھ تک تھا۔ قندابیل پر عمران نے تصرف پالیا۔ اور اس کے باشندوں کو خضدار میں منتقل کردیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ؛

"الاصطخری" جو دسویں صدی کے متعلق لکھتا ہے۔ قندابیل کا ذکر کرتا ہے۔ اور ابن حوقل جس نے کچھ عرصہ بعد لکھا۔ اس کو اپنے نقشہ میں یہ لکھلاتا ہے ؛

مزید یہاں یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ عربوں کے عہد حکومت میں قندابیل ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی ؛

کئی صدیاں گذر چکی ہیں۔ جبکہ قندابیل یعنی گنڈاوہ تاریخ میں رونما ہوچکا ہے۔

ملک سندھ اگرچہ برہمن خاندان کی بجائے عرب کے بنو امیہ خاندان کی حکومت میں آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز ہی میں آگیا تھا۔ لیکن یہ عرب سپہیوں کے ہاتھ میں چلا گیا جن سے سنہ ۱۰۰۰ء میں غزنویوں نے لیا۔ اس وقت سے لے کر کئی ایک درمیانی حکومتوں کا زمانہ دیکھنے کے بعد اب گنڈاوہ ہز ہائی نس خان قلات کے زیر حکومت ہے۔ اور ان کے نائب کا ہیڈ کوارٹر ؛

گنڈاوہ سطح سمندر سے ۳۴۱ فٹ بلند اور درہ مولا کے دہانہ کے نزدیک ۲۸ درجہ ۳۷ دقیقہ شمالاً۔ ۶۷ درجہ ۲۹ دقیقہ شرقاً رود مولا کی شاخ پر واقعہ ہے۔ اور نوتال ریلوے سٹیشن سے قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر۔ تجارت یہاں خاصی ہے۔ مگر ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مقامی صنعت زیادہ تر موٹا کپڑا (کھدر) اور جوتیاں ہیں ؛

شہر میں بارہ مسجدیں اور پانچ دھرم سالہ ہیں۔ ایک ناتمام مسجد کلاں بھی ہے۔ جو میر خداداد خان (اب مخلوع خان قلات) نے بنوانی شروع کی تھی۔ کاش کہ "بدر تواند پسر تمام کند"۔ کے مصداق موجودہ خان قلات ہز ہائی نس میر محمود خان کے سر پر اس کی تکمیل کا سہرا ہوتا ؛

گذشتہ ایام میں اس شہر کے گرداگرد ایک اینچی دیوار تھی۔ جو اب گر چکی ہے۔ شہر کے شرقی حصہ میں ہندوؤں کی آبادی ہے۔ غربی جانب خان قلات کی "میری" یا محل۔ اور مرکز میں بازار جو گھاس پھوس سے ڈھپا ہوا ہے ؛

جن ایام میں علاقہ کچھی جس میں اب گنڈاوہ۔ بھاگ۔ لاٹھری اور ڈھاڈھر واقعہ ہیں۔ علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ تو سندھ کے فرمانروا میاں نور محمد کلہوڑہ کی طرف سے گنڈاوہ کا نائب الحکومت مراد گنج تھا جس نے موضع سنی کے قریب "جاندری ہر" کے میدان میں میر عبداللہ خان (خان قلات) کا سنہ ۱۷۳۰ء میں مقابلہ کیا تھا۔ اور میر عبداللہ خان اس جنگ میں شہید ہوا۔ جس کی خون بہا میں یہ علاقہ کچھی ملک سندھ سے جدا ہوکر خانان قلات کو ملا جس پر وہ اب تک متصرف ہیں ؛

شہر سے جنوب کی طرف دو تین ایکڑ اراضی میں ایک وسیع باغ ہے جس میں انار کے سوا آم اور دیگر قسم کے میوہ دار اشجار ہیں۔ اسی باغ کے قریب میر خداداد خان کے چچازاد بھائی میر شیر دل خان نے سنہ ۱۸۶۳ء میں اول الذکر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ جس میں وہ سر پر زخمی ہوا۔ مگر عام بغاوت رونما ہوئی۔ شیر دل خان حاکم مقرر کیا گیا۔ اور میر خداداد خان سرحد سندھ کی طرف

۵ بعض نے یوں بھی لکھا ہے۔ الاستخری یا اصطخری ؛

چلا گیا۔ جو ۱۸۷۶ء میں خانی قلات کے حاصل کر لینے میں کامیاب ہوا۔

یہی وہ اہم واقعہ تھا جس سے میر خداداد خان اور سردارانِ اقوام بروہی کے درمیان مستقل دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور اس کے نتیجہ میں ۱۸۷۶ء سے انگریزوں کے قدم مستقل طور پر بلوچستان میں جم گئے۔

یہاں پر میں نے نرالی قسم کا ایک کولھو دیکھا جس کا باقی حصہ تو بشل پنجاب کے کولھو کے ہے۔ لیکن اس کے اوپر لے سرے پر چہار گوشہ چوبی سر پوش جس میں درمیانی "لٹھ" کے لئے ایک سوراخ ہے۔ اور کولھو میں تیل کے نکاس کے لئے کوئی پیندا نہیں۔ بلکہ تیل برتن کے ذریعہ نکالا جاتا ہے۔

گنڈاوہ ایک زرخیز مقام ہے جس کی اکثر اراضیات کی آبپاشی رود بولا کے پانی سے ہوتی ہے۔ باقی اراضیات خشک آبہ ہیں۔ جو بارش سے سیراب ہوتی ہیں۔

یہاں میں نے کماد کا ایک کھیت بھی دیکھا۔ جو اس علاقہ میں ایک اچنبھا سی بات ہے۔

پنجاب میں سکھوں کے زمانے میں تو "کاٹھ" ایک عام بات تھی۔ لیکن یہاں میں نے ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء کو اسے پہلی مرتبہ دیکھا۔ جس میں بعلت عدم ادائے قرضہ ایک شخص کی دو نوجوان لڑکیاں کاٹھ کے سوراخوں میں دی ہوئی تھیں۔ پاؤں باہر تھے۔ اور وہ زمین پر چت لیٹا ہوا تھا جس پر پہرہ دینے والے محافظ کی ہر وقت ضرورت نہ ہو سکتی تھی۔

۹۲ء میں فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم ثقفی نے سب پر خراج موافق شرع اسلام مقرر کیا۔ اور جن لوگوں نے خراج موافق شرعِ اسلام مقرر کیا۔ اور جن لوگوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ وہ جزیہ سے مستثنیٰ کئے گئے۔ اور جو اپنے اسلاف ہی کے مذہب پر رہے۔ انہوں نے جزیہ دیا۔ مگر نہ تو ان کا مال و متاع ہی لیا گیا۔ اور نہ ان کی زمینیں چھینی گئیں۔

زمانۂ حال میں علاقہ کچھی میں خانِ قلات کی نیابتوں میں جس قدر ہندو آباد ہیں۔ ان میں بہت سے نسلاً بعد نسل بخوشی خود جزیہ ادا کرتے چلے آتے ہیں۔ جس کو غلط العام میں "جیجہ" کہا جاتا ہے۔ اس کا طریق وصول بھی اب تک وہی ہے۔ جو غازی محمد قاسم نے تجویز کیا تھا۔ یعنی ہندوؤں کے مکھی ہی کے ذریعے۔

غیر مذہب والوں نے ہمیشہ لفظ جزیہ کو نہایت ہی ناگواری سے سنا ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے۔ بحالیکہ یہ معرب لفظ ہے۔ جس کی اصل "گزیہ" ہے۔ اور اس کے معنی فارسی میں خراج کے ہیں۔

یہ مسلم ہے۔ کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا۔ اور تاریخی شہادتوں سے ظاہر ہے۔ کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے۔

بہر کیف جزیہ کے سمجھنے میں عام لوگ اکثر غلطی کرتے ہیں۔ اور اس کو ایک جبریہ محصول خیال کرتے ہیں۔ بحالیکہ دراصل ایسا نہیں۔ اسلامی ممالک میں موجودہ یورپ کی طرح۔ ملٹری سروس یعنی فوجی خدمت لازمی ہوتی تھی۔ اور جو لوگ باوجود اس خدمت کے قابل ہونے کے اس سے مستثنیٰ ہونا چاہتے تھے۔ ان کو کچھ روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمانۂ حال کی تمام مہذب

گورنمنٹیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔ چونکہ غیر مسلم فوج میں نہیں لئے جاتے تھے۔ اور ان کی حفاظت کا بوجھ مسلمانوں پر ہوتا تھا۔ اس لئے ان پر ایک قسم کا ٹیکس لگایا جاتا۔ جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں جزیہ کہا جاتا تھا۔

یہ بات کہ غیر مسلموں پر فوجی خدمات لازمی کیوں نہ کی جاتی۔ اس لئے غیر ضروری تھی۔ کہ اولاً تو وہ خود ہی اس پر راضی نہ ہوتے۔ اور اگر جبراً ان سے ایسا کرایا جاتا۔ تو یقیناً وہ ناراض رہتے۔ اور ناحق کا بوجھ سمجھتے۔ علاوہ ازیں انتظامی مصلحتوں کے لحاظ سے ان پر جلد تر اعتماد بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کہ وہ ہر حالت میں وفادار رہیں گے۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا۔ کہ مسلمانوں کے لئے تو فوجی خدمت لازمی ہو۔ اور غیر مسلم اس سے آزاد رہ کر اس کے عوض میں فوجی اخراجات کا ایک حصہ ادا کریں۔ جو ان کے مال وجان کی حفاظت کے کام پر خرچ ہوتا تھا۔ پس اس غرض سے ان پر جزیہ لگایا گیا۔ البتہ جو غیر مسلم فوج میں بھرتی ہو جاتے وہ جزیہ سے بری کئے جاتے۔

اسلام کے نامور فرزند غازی محمد قاسم (رحمۃ اللہ علیہ) کے زرین عہد حکومت کی یہ ایک نہ مٹنے والی یادگار اگرچہ ساڑھے بارہ سو سال کا لمبا عرصہ منقضی ہونے کے باوجود اب تک بلوچستان کے اُس حصے میں جسے اب علاقۂ مکھی کہا جاتا ہے۔ موجود اور برقرار چلی آتی ہے۔ مگر چشم نگران است کہ ملکش بادگران است۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی۔ مستونی (ریٹائرڈ)

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

(۱) یہ خبر نہایت رنج واندوہ سے سُنی جائیگی کہ قوم کے سچے ہمدرد بہی خواہ ملک ڈاکٹر محبوب عالم صاحب قریشی لدھیانوی کے والد محترم مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب صدیقی دو ماہ بعارضہ سل بیمار رہکر ۱۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کو رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بزرگ صورت نیک سیرت اور مرنجان رنج فو دوست تھے۔ خدا مغفرت کرے۔ اٹھارہ سال ہوئے ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر محبوب عالم صاحب شفقت مادری سے محروم ہو گئے تھے اب سایۂ پدری بھی اُٹھ گیا۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ آپکو صبر جمیل عطا فرماوے اور اپنا فضل وکرم آپکے شامل حال رکھے، اور آپ دنیا کے حوادث سے مامون ومحفوظ رہیں۔ آمین

(۲) محترم مولانا عبدالحمید صاحب صدیقی سوداگر گورداسپور ایک عرصہ سے مصائب وآلام میں مبتلا ہیں کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ آپکا برادر عزیز عین عالم شباب میں داغ مفارقت دے گیا۔ اس کے بعد اہلیہ کی علالت کے طویل سلسلہ نے پریشان کر دیا۔ اب آپکا صاحبزادہ ۲½ سال بیمار رہکر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داغ جگر دے گیا۔ اور چند روز بعد آپکی ۷ سالہ صاحبزادی ۲½ ماہ کی علالت کے بعد ۲ بیٹی دار بقا ہوئی۔ انا للہ۔

بیماری وموت کے یہ مہم اور متواتر صدمے انسان کو بے حال کر دیتے ہیں اور یہی وہ مصائب ہیں جن سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے مگر تقدیر سے تدبیر نہیں ہو سکتی وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہو۔ انسان بیچارہ دے بس ہے۔ خدا اپنا فضل اور رحم کرے اور کسی کو امتحان میں نہ ڈالے ہمیں آپ کے ان صدموں سے بحال رنج وقلق اور الم واضطراب ہوا ہے۔ اللہ میاں آپکو صبر اور نعم البدل اور تسکین عطا کرے۔ آمین۔

افسانہ

حامد اور جمیلہ

حامد ۔ ایک امیر گھرانہ میں پیدا ہوا۔ ناز و نعمت میں پرورش پائی۔ ایک آنریری مجسٹریٹ کا لڑکا اور پھر اکلوتا۔ لاڈ پیار میں اعمال کا جائزہ نہیں لیا جاتا۔ اور ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کی جاتی ہے۔ اٹھارہویں سالگرہ نہایت دھوم دھام سے منائی گئی۔ مجلس احباب میں حامد کی شادی کا تذکرہ ہوا:

خاوند ۔ بیوی۔ میں اس وقت ایک ضروری معاملہ کے متعلق تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں:

بیوی ۔ (بات کاٹ کر) میں ناچیز آپ کو کیا مشورہ دے سکتی ہوں۔ میرا مشورہ کیا اور اس کی حقیقت کیا:

خاوند ۔ بہرحال سنو۔ حامد ماشاءاللہ اب جوان ہو گیا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ انٹرنس پاس ہوا چاہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی کر دی جائے۔ میں نے چھوٹے بھائی سے بھی ذکر کیا تھا۔ کہ میں بڑے دن کی چھٹیوں میں اس فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں۔ اس نے گھر میں مشورہ کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ تم بھی حامد کی چچی سے ذکر کرنا:

بیوی ۔ اے ہے۔ میں تو اللہ سے چاہتی ہوں۔ کہ اپنے لخت جگر کے بیاہ کی خوشیاں مناؤں اور چاند سی بہو بیاہ کر لاؤں آپ یوں کیوں نہیں فرماتے۔ کہ آپ میرے دل کی دیرینہ مرادیں پوری کیا چاہتے ہیں:

۲

جمیلہ (حامد کے چچا کی بیٹی) اس وقت سولہویں سال میں ہے۔ حسین ہے۔ خوبصورت ہے۔ خوش اخلاق ہے۔ اور امور خانہ داری سے بخوبی واقف ہے۔ ہر ایک سے بخندہ پیشانی پیش آتی ہے۔ والد نے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائی ہے۔ جمیلہ فسانے۔ ڈرامے اور ناول وغیرہ پڑھنے کا شوق نہیں رکھتی۔ بلکہ مذہبی کتابیں اخلاق آموز کہانیاں پڑھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ بہت نیک اور عصمت مآب لڑکی ہے۔ کم گو ہے۔ شریف الطبع ہے۔ اور فرمانبردار ہے۔ اس وقت رات کا وقت ہے اور وہ اپنے کمرے میں محو خواب ہے۔ دوسرے کمرے میں جمیلہ کی والدہ اور والد میں گفتگو ہو رہی ہے۔

خاوند ۔ جمیلہ کی ماں۔ آج مجھے بڑے بھائی صاحب ملے تھے۔ وہ اصرار کرتے تھے کہ جمیلہ اور حامد کی شادی بڑے دنوں کی چھٹیوں میں کر دی جائے۔ میں نے ابھی کوئی قطعی جواب تو نہیں دیا۔ بلکہ تم سے مشورہ کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا ہے

بیوی ۔ جمیلہ کی تائی بھی میرے پاس آئی تھیں۔ وہ بھی اصرار کرتی تھیں۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ آپ جانتے ہیں۔ ابھی جمیلہ کی عمر ہی کیا ہے۔ ابھی تو وہ بچہ ہے۔ ذرا جوان ہو لے۔ اُدھر حامد نے ابھی تک انٹرنس کا امتحان بھی پاس نہیں کیا۔ چند سال

ٹھہر جائیں۔ جب تک حامد بی اے پاس کرلے۔ پھر دیکھا جائے گا:

خاوند ۔ یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ میرا بھی دل نہیں چاہتا کہ ابھی میری لڑکی مجھ سے جُدا ہو جائے۔ لیکن اب کیا کیا جائے بھائی صاحب نہیں مانتے:

بیوی ۔ اور حامد کے متعلق تو میں کچھ اور ہی سُن رہی ہوں۔ خدا کرے غلط ہو کہ وہ مغرور اور فضول خرچ ہے۔ ایسی حالت میں آپ ٹھہر جائیں۔ اور اس کے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں:

خاوند ۔ یہ تم کو کسی نے یونہی بہکایا ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو۔ تو جب شادی ہو جائیگی اور بیوی گھر میں ہوگی۔ تو اس کے حالات خود بخود درست ہو جائیں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس گفتگو کے بعد یہ قرار پا گیا۔ کہ حامد کے والدین کو اپنی رضامندی سے اطلاع دے دی جائے:

۳

دسمبر کا مہینہ ہے۔ ناقابل برداشت سردی پڑ رہی ہے۔ حامد اور جمیلہ کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ دونوں طرف سے کوشش یہ کی جا رہی ہے۔ کہ کسی بات میں دوسرے بھائی سے کم نہ رہیں۔ ویسے بھی کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ خدا کا دیا سب کچھ تھا۔ آخر وہ روزِ سعید آپہنچا جس کے لئے مدت سے دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ حامد میاں دولہا بنے۔ عروسی لباس زیبِ تن کیا۔ اور شاداں و فرحاں مردانے میں آئے جہاں اس کے اہلِ معززین و رؤسائے شہر کے ساتھ خوش گپیاں اُڑا رہے تھے۔ زنانے میں مستورات کا اجتماع تھا۔ کہ چراغِ غم کی وجہ سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ ملاسنیں اور ڈومنیاں گا رہی تھیں۔ ہر طرف مبارک سلامت کا غل تھا۔ باہر بینڈ بج رہا تھا۔ جو اپنی سُریلی آواز سے دلوں کو مسحور کر رہا تھا۔

شام کے پانچ بجے برات کا عظیم الشان جلوس روانہ ہوا۔ سب براتی موٹروں میں سوار تھے۔ جلوس شہر کے مختلف محلوں اور بازاروں کا گشت کرتا ہوا کوئی آٹھ بجے شب لڑکی والوں کے ہاں پہنچا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر برات والوں کا استقبال کیا۔ اور اُن کو ایک آراستہ و پیراستہ کوٹھی میں اتارا۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور کاؤچ رکھے ہوئے تھے۔ جب مہمانوں کی تھکاوٹ ذرا دُور ہوئی۔ تو نماز عشا کے بعد قاضی صاحب تشریف لائے اور ایجاب و قبول کی مبارک رسم ادا ہوئی۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا غل ہوا۔ رسم کہنہ کے مطابق شیرینی لٹائی گئی۔ لڑکی والوں نے برات تین دن ٹھہرائی۔ اس عرصہ میں مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ چوتھے دن برات واپس ہوئی۔ لڑکی والوں نے ہزاروں روپے کے زیورات۔ برتن اور ضروری سامان جہیز میں دیا۔ برات شادیانے بجاتی۔ گولے چھوٹتی۔ شاداں و فرحاں دُلہن کو لئے جا رہی تھی۔ لیکن لڑکی کے والدین اپنے گھر سے جیتا جاگتا جنازہ اٹھتا دیکھ کر آنسو بہا رہے تھے۔

باقی آئندہ

ڈاکٹر محبوب عالم صدیقی

تصحیح سرگذشت نمبر ۱ میں کتابت کی غلطی سے سن پیدائش ۱۸۷۴ کی بجائے ۱۸۷۲ لکھا گیا ہے۔ ناظرین اپنے نسخے درست کر لیں۔ (مینجر)

خشکی پر جہازوں کی روانی کا منظر

(-x-)

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد بلند لے کر اُٹھنے والی امت کو آٹھ ساڑھے آٹھ سو سال پیشتر ہی یہ بشارت سنا دی تھی۔ کہ اس رفیع المنزلت ٹیبل المرتبت شہر میں جس کے ایک طرف بحر خزر کی نیلگوں موجیں لہرا رہی ہیں۔ اور دوسری جانب سر بفلک پہاڑیاں اور سنگلاخ چٹانیں ایک محکم اور قدرتی حصار بنائے کھڑی ہیں۔ انسان کو ماسوا اللہ کی غلامی کے نجات دلانے اور اسے اخوت و مساوات کا آسمانی پیغام بنانے کے لئے سب سے پہلی قوم جو کفر و طغیان کے لشکروں کو شکست دیتی ہوئی فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوگی۔ وہ اسحاق کی نسل ہوگی اور اس کا سلطان زمانے بھر کا بہترین تاجدار اور اس کا لشکر دنیا بھر میں بہترین لشکر ہوگا۔

تاریخ اسلامی کے سیزدہ صد سالہ دور کے نصف اوّل میں جو شوکت و اقبال، ظفر مندی اور انقلابات کی شاندار اور تحیر زار روایات سے مملو ہے۔ مسلمان منتظر رہے۔ کہ دیکھیں مخبر صادق کی اس بشارت کا انعام کونسی قوم حاصل کرتی ہے۔ اور مسلمانوں کا وہ کونسا طبقہ ہے جو بہترین لشکر اور بہترین سلطان رکھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

آخر پندرہویں صدی مسیحی کے وسط میں وہ مبارک ساعت آگئی جس کے لئے مسلمان آٹھ ساڑھے آٹھ سو سال سے چشم براہ تھے۔ اور اس بشارت نبوی کا سہرا محمد فاتح سلطان ترکی کے سر پر بندھ گیا۔ جس نے قسطنطنیہ کے سے سنگین حصار رکھنے والے ناقابل تسخیر شہر کی فصیلوں، قلعوں اور مورچوں پر بلال کا سادات پر دار اور حریت نواز اسلامی علم نصب کر دیا۔

ہم روزنامہ "انصاف" کے پرچہ میں زمانہ کے اس بہترین سلطان کی تصویر تبرکاً شائع کر رہے ہیں۔ اور اس موقع کی مناسبت سے اس عظیم الشان کارنامہ کا مجمل سا تذکرہ بھی ہدیۂ قارئین کرام کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے باعث اس اسلامی تاجدار نے مصدر بشارت نبوی کا بہترین خطاب حاصل کیا۔

ترک سلاطین جزیرہ نمائے گیلی پولی اور تھریس کے ایک حصہ پر مدت سے قابض ہو چکے تھے۔ لیکن عروس البلاد قسطنطنیہ اپنی محفوظ و ضعیف اور اپنے سنگین حصار کے باعث ابھی تک مسیحی بت پرستی کی آغوش میں بیٹھی اسلام کے فاتحانہ اقدام کی محرومی پر ہنسی اڑا رہی تھی۔

قسطنطنیہ کے یونانی بادشاہ فلسطین کے پیشرو سلاطین ترکیہ کی عظمت و شوکت کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ اور ہر سال اعتراف عظمت کے ثبوت کے طور پر سالانہ خراج دربار سلطانی میں بھیجا کرتے تھے۔ لیکن قسطنطین نے اپنی متمردانہ سرکش طبیعت سے مجبور ہو کر خراج دینا بند کر دیا۔ سلطان محمد فاتح کے اقتدار سلطانی کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ سلطان نے قسطنطین کے اس رویہ کو دیکھ کر خدائے عزت کی بارگاہ میں حلف اٹھایا۔ کہ میں جب تک مسیحی بت پرستی کے اس مرکز عظیم میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا بلند نہ کر

ہوگا۔ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا۔"

چنانچہ کچھ عرصہ کی تیاری کے بعد ۶ اپریل ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح کے لشکر قسطنطنیہ کی فصیلوں سے جا ٹکرائے۔ اور مغربی جانب سے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یونانیوں نے بھی شہر کی خوب مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ترکوں نے اسیڈٹ رومانس کے بڑے دروازہ کے سامنے اپنا توپ خانہ لگا دیا۔ اور بڑی بڑی قلعہ شکن توپوں سے فصیل اور دروازوں پر گولہ باری کرنے لگے۔ یونانی قلعہ نشین ہو کر مقابلہ کرتے رہے۔ سمندر کی جانب سے یونانیوں کا بحری بیڑہ شہر کی حفاظت کر رہا تھا۔ اور قسطنطنیہ کی بندرگاہ لوہے کی بھاری بھرکم زنجیروں سے محصور کر لی گئی تھی۔ تاکہ ترکی جہاز شہر کے نزدیک نہ آ سکیں۔

قسطنطنیہ ایک تو قدرتی استحکامات کے باعث پہلے ہی سے ایک ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے یونانیوں نے مورچہ بندی کے مزید استحکامات سے اور بھی ناقابل تسخیر بنا رکھا تھا۔ ترکی فوج نے فصیل پر پے در پے حملے کئے۔ لیکن نہ تو قسطنطنیہ کی مکمل فصیلوں میں کوئی سوراخ بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اور نہ قلعہ شکن توپوں کی گولہ باری شہر پناہ کا کوئی دروازہ ہی توڑ سکی۔ ۱۵ اپریل ۱۴۵۳ء کو ترکوں نے سمندر کی جانب سے جنگی جہازوں پر چڑھائی شروع کی۔ یونانی بیڑے نے بندرگاہ سے باہر نکل کر آبنائے باسفورس میں مقابلہ کیا۔ اور اس قدر شدید مقابلہ کیا۔ کہ ترکی بیڑہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔

اس غیر متوقع فتح سے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ کلیساؤں میں مریمؑ اور عیسیٰؑ کے بتوں کے سامنے شکرانے کے سجدے ادا کئے گئے۔ شہر میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔ رات کو چراغاں ہوا اور یونانی فتح کا جشن منانے کے بعد ہر طرف کے استحکامات پر پہرے بٹھا کر چین کی نیند سو گئے۔

علی الصبح قسطنطنیہ کے یونانیوں نے دیکھا۔ کہ وہی ترکی جہاز جنہیں کل ہزیمت ہوئی تھی۔ شہر پناہ کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور بندرگاہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس غیر متوقع منظر کو دیکھ کر یونان کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ خیال کرنے لگے کہ ترکی جہاز کسی فوق الفطرت طاقت کی مدد سے بندرگاہ میں داخل ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ بندرگاہ کے تمام راستے جو آبنائے باسفورس کے ساتھ ملحق تھے۔ رات کو مضبوط آہنی زنجیروں کے جال بچھا کر بند کر دیئے گئے تھے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ترکوں نے کس فوق الفطرت قوت کی مدد سے زنجیروں کے اس آہنی حلقوں کو کاٹ کر اپنے جہاز گزارنے کے لئے راستہ بنا لیا۔ اور یونانی پہرہ داروں کو خبر تک نہ ہوئی۔

اولوالعزم ترک مجاہدین نے اپنے جہازوں کو بندرگاہ میں پہنچانے کے لئے وہ عظیم الشان عسکری کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ترکوں نے جب دیکھا کہ رات کی تاریکی میں بھی ان کے جہاز آہنی زنجیروں کے حصار محکم کے باوجود شہر کے نزدیک نہیں پہنچ سکتے۔ تو انہوں نے شہر کے اور کسی موزوں ساحلی مقام پر اپنے جہاز کنارے سے لگائے۔ اور انہیں سروں اور کندھوں پر اٹھا اٹھا کر خشکی کے راستے شہر پناہ کے قریب کسی ساحلی نقطہ پر لے آئے اور وہاں سے جہازوں کو از سر نو سمندر کے پانی میں ڈال دیا۔ اس محیر العقول کارنامہ کی انجام دہی میں ترک مجاہدین کو پانچ پانچ اور سات سات میل کا چکر کاٹنا پڑا۔ خشکی پر جہازوں کی روانی کا منظر یا تو اولوالعزم مجاہدین کی آنکھوں نے دیکھا ہوگا جن کی ہمتیں کوہ شکن اور فلک شگاف تھیں۔ اور یا رات کی تاریکی میں

چمکنے والے ستاروں نے اس فوق الفطرت نظارہ کو دیکھا ہوگا۔ کہ ترک مجاہدین کے گزور لیکن ہمت دربات اس کام کو انجام دے رہے ہیں جو بیسویں صدی کے انجن تمام برقی اور بخاری قوتوں کے باوجود اور ازمنہ عتیق کے جن اپنی محیر العقول روایات کے باوجود بھی نہیں کر سکتے:

بندرگاہ میں عثمانی اور یونانی بیڑوں کے درمیان ایک خونریز جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ یونانیوں نے اپنے کئی جہازوں کو آگ لگا لگا کر عثمانی بیڑے کی طرف بھیجا تاکہ وہ عثمانی بیڑے کو تند آتش کر کے خود بھی جل جائیں۔ اور ترکی جہازوں کو بھی جلا دیں لیکن جو مجاہدین رات کی تاریکی میں اپنے جہازوں کو سروں پر اٹھا کر پانچ پانچ سات سات میل پا پیادہ چلے تھے وہ عزم صمیم لے کر بندرگاہ میں داخل ہوئے تھے۔ کہ آج قسطنطنیہ پر ہلال عثمانی کا پرچم لہرا کر چھوڑیں گے:

اِدھر یہ جنگ ہو رہی تھی۔ اُدھر خشکی کی طرف سے ۲۶ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد فاتح نے فیصیل پر حملہ کر دیا۔ اور ابھی افق مشرق پر سُوسج کی روشنی نمودار ہوئی تھی۔ کہ قسطنطنیہ کے عیسائی باشندوں کے کانوں میں تکبیر کے نعروں کی دل ہلا دینے والی صدائیں گونجنے لگیں یونانیوں نے فیصیل پر اور شہر پناہ کے دروازوں میں کھڑے ہو کر مقابلہ کیا۔ لیکن مجاہدین اسلامی کا فاتحانہ اقدام سیلاب کی طرح امڈا چلا آرہا تھا۔ اور جو چیز مزاحم ہوتی تھی۔ اسے خس وخاشاک کی طرح بہا لے جاتا تھا۔ یونانیوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی سے مقابلہ کیا لیکن دوپہر سے پہلے پہلے شکست کھائی۔ عثمانی لشکر شہر میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوا۔ اور شہر کے بلند ترین میناروں اور دیواروں اور برجوں سے آپ نے خدائے برتر وتوانا کی تکبیر کے نعرے بلند کر کے استعمال کی فضا کو اسلام کا پیغام سنایا۔ اس طرح عظیم الشان سلاطین ترکیہ کا ساتواں جانشین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس بشارت کا مظہر مورد بنا۔ جس کا ذکر ہم آغاز مضمون میں کر چکے ہیں:

(الف۔ ف)

مختصرات

——— نیو دہلی ۱۲۔ اکتوبر کی اطلاع مظہر ہے کہ اعلیحضرت حضور نظام تاجدار دکن کے آئندہ ماہ میں دہلی تشریف فرما ہونیکی اُمید ہے

——— اخباری خبر ہے کہ پریس ایکٹ کا مجوزہ مسودہ گورنر جنرل نے منظور کر لیا ہے۔ اس لئے اب قانون مذکور نافذ ہو گیا ہے:

——— بلدیہ لاہور میں مسلمانان لاہور نے ۵۹ فیصدی نشستوں کا مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ جدید مردم شماری کے لحاظ سے لاہور میں مسلمانوں کی آبادی ۵۹ فیصدی ہے:

——— فوجی اخراجات میں ۷۵ لاکھ روپے کی تخفیف کی رپورٹ ہوئی ہے:

——— قضیہ کشمیر کا ہنوز تصفیہ نہیں ہوا معلوم ہوا ہے کہ اس کا ذکر ایوان پارلیمنٹ میں بھی ہونے لگا ہے:

——— نوجوان بھارت سبھا امرتسر کانگرس سے بیزار ہو گئی ہے۔

——— یکم اکتوبر سے ریلوے کرایہ بڑھا دیا گیا ہے:

——— افواہ ہے۔ کہ یکم دسمبر سے پوسٹ کارڈ اور لفافہ کی قیمت ڈیوڑھی کر دی جائیگی۔ جو بڑی پریشانی آنہ اور بڑھا دیا گیا ہے جس سے کاروباری لوگ حراساں ہیں:

——— افواہ ہے۔ کہ بلدیہ لاہور میں ۱۷ ہزار کا غبن ہو گیا ہے:

شانِ عفو اسلامی

اک مسیحی سے اک مسلماں سے
ہوگئی باغیچہ میں کچھ تکرار
وہ مسیحی جو بد دماغ ہُوا
مُسلم نوجوان کو قتل کیا
دوڑی بجلی کی طرح سے یہ خبر
چھوڑ کر اپنا کام سب دوڑے
ناکہ بندی کچھ اس طرح سے کی
اُڑ گئے ہوش اُس کے بُو کی طرح
ہر طرف پھر رہا تھا عیسائی
پھاندکر باغ سے ہوا باہر
غار و خاشاک کا تھا اک انبار
جان پیاری تھی چھُپ گیا اُس میں
اُس کے نزدیک تھا عرب کا مکاں
تھا جوانمرد کو عرب تھا ضعیف
اُس سے رو کر کہا کہ مجرم ہوں
اُس عرب نے کئے بہت سے سوال
تھا عجب اتفاق وہ مقتول
ایک ہی تھا یہ اُس کا نورِ نظر
اُس کو یہ بات جب ہوئی معلوم
پہلے کچھ دیر تک رہا خاموش
کیا عرب اور کیا تھے اُن کے شعار

رہنے والے جو اندلس کے تھے
بڑھ گئی بات اُٹھ گئے ہتیار
خون سے لالہ زار باغ ہُوا
ہر طرف حشر ہوگیا برپا
سب مسلمان ہو گئے مُضطر
طالبِ انتقام سب دوڑے
بھاگنے کی کہیں نہ راہ ملی
ہوگیا خشک دہ لہو کی طرح
چھوٹی دیوار اک طرف پائی
گُل جو چھوٹے تو خار آئے نظر
اُس میں پوشیدہ ہوگیا نا چار
مضطرب تھا نہ رہ سکا اُس میں
پُہنچا وہ در پہ ملنگنے کو اماں
نیک باطن، غیور اور شریف
اور اپنی خطا پہ نادم ہوں
دی اُسے پھر پناہ مُشکر حال
تھا اسی شخص کا پسر مقتول
پارۂ قلب اور لختِ جگر
آہ کی اور ہوگیا مغموم
پھر ہوا دل میں انتقام کا جوش

ہوگیا سُرخ چہرۂ عربی
دفعتہً پھر خیال کچھ بدلا
رو کے اُس نے کہا کہ اے جلاد
کون روشن کرے گا اس میں چراغ
بس یہی اک تھا مرا بیٹا
میں تو بے موت مر گیا ظالم
کیا کروں یہ نہیں عرب کا شعار
پیرو دینِ احمدی ہو کر
میں نے دی ہے پناہ اے قاتل
آئی اتنے میں ظلمتِ شب تار
چھپائی عالم کدہ پہ تاریکی
سُوگ میں خانہ ان مردِ عرب
مختصر ہے یہ قصۂ پُر درد
دل پہ میرے ہے صدمۂ جانکاہ
خونِ لختِ جگر سے درگزرا
تھی عرب کی عجب ملوطرفی
ہے یہ قصہ کتاب میں تحریر
آہ کیا منقلب زمانہ ہے
اپنے ہاتھوں سے ہوگئیں ہم برباد
کیسی عبرت ہے یا اولی الابصار

اور غصہ کی انتہا ہی نہ تھی
رنگ جو سُرخ تھا وہ زرد ہوا
تو نے گھر میرا کر دیا برباد
اس ضعیفی میں آہ! ایسا داغ
بس یہی اک عصائے پیری تھا
جی کے اب میں کرونگا کیا ظالم
میہماں پر اُٹھاؤں کیا ہتھیار
تجھ کو پہنچاؤں کس طرح سے ضرر
ہے یہ اُس کا نباہ اے قاتل
جو سیہ کاریوں کی ہے ستار
شب نے پوشاک ماتمی پہنی
غمزدہ مبتلائے رنج و تعب
بولا مردِ عرب یہ بادیدۂ سرد
اب چلا جا نہیں یہ جائے پناہ
رسم کے میں خلاف کرتا ہوں
اور چڑھنے کو تیز اونٹ دیا
ہر طرف دھوم مچ گئی اس کی
آج اُس کی نہیں مثال و نظیر
اب تو کچھ اور کا رخانہ ہے
رہ گیا ہے فقط فسانہ یاد

حضرت امام غزالی رح

شاگرد ہونہار آپ سے دریافت کرتا ہے۔ کہ سالکانِ راہ خدائے تعالیٰ پر کیا واجب ہے۔ آپ جواباً ارشاد فرماتے ہیں:۔

اوّل اعتقاد پاک جس میں شائبہ بھی بدعت کا نہو۔ دوسری بچی توبہ کہ پھر گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ تیسرے تمام مخلوق سے خواہ دوست ہو یا دشمن۔ ایسا معاملہ کرے کہ کسی کا حق اس پر نہ رہ جائے۔ چوتھے۔ علم شریعت سے اتنا حاصل کرے۔ جس سے جائز و ناجائز کا علم اس کو ہو جائے اور باقی علوم سے اتنا جس کو اس کی نجات و اخلاص میں دخل ہو۔ چنانچہ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو استادوں کی خدمت میں چار ہزار حدیثیں پڑھی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک حدیث کو عمل کے واسطے منتخب کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی حدیث ہے جو میری نجات و خلاصی کے لئے کافی ہے۔ اوّلین و آخرین کے علوم اس میں مندرج ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے "یعنی دنیا کے لئے اتنا کام کر کہ جس قدر تو اس میں رہے گا۔ اور آخرت کے لئے اتنا کام کر جتنا کہ تیرا رہنا وہاں مقدر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے واسطے اتنا کام کر جتنا کہ تو اس کا محتاج ہے۔ اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا کہ اس کی تکالیف پر صبر کر سکتا ہے"۔

تم کو اس حدیث سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ تم کو بہت بڑا عالم بننے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ اس حکایت کو غور سے سنو کہ تم کو میرے کہنے کا یقین ہو جاوے۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے شاگرد حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم کتنی مدت میرے پاس رہے ہو؟ اس نے عرض کیا تینتیس برس۔ پوچھا۔ کہ تم نے اس مدت میں کتنے علوم اور کیا کیا فائدے حاصل کئے ہیں۔ جواب دیا۔ کہ صرف آٹھ فائدے۔ اور یہی علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ میں نے تمہاری تعلیم میں ایک عمر صرف کر دی۔ اور تم نے صرف اتنا ہی حاصل کیا۔ حاتم نے عرض کی کہ حضرت اگر آپ سچ پوچھتے ہیں۔ تو میری تحصیل صرف اسی قدر ہے جو عرض کر دی ہے۔ اور اس سے زیادہ حاصل کرنے کی مجھے خواہش بھی نہیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ اسی قدر میری نجات کے لئے کافی ہے۔ اور اس سے زیادہ فضول ہے۔

حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بیان تو کرو۔ کہ وہ آٹھ فائدے کیا ہیں۔

جواباً کہا اوّل یہ کہ میں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر شخص کو کوئی چیز محبوب و مرغوب ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی تو اس کا ساتھ مرض الموت تک دیتی ہے۔ اور کوئی قبر تک۔ میں نے سوچ کر ایسا محبوب پسند کیا۔ جو مرنے کے بعد قبر میں بھی مونس و غمگسار رہے۔ تو وہ مونس و غمگسار رہے۔ تو وہ عمل صالح ہے۔ حضرت شقیق نے فرمایا۔ احسنت!

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دنیا میں سب کو نفس اور خواہش کا تابع دیکھا۔ جب یہ آیت شریف میری نظر سے گذری۔ واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوٰی فان الجنۃ ھی المأوٰی۔ جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے

سے ڈرا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکا۔ تو پھر جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ؛

تو مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن مجید سراسر حق ہے۔ پس میں نے نفس کو مجاہدہ کے شکنجہ میں ایسا کھینچا کہ اس کے سارے بل نکل گئے یہاں تک کہ وہ بالجبر و اطاعت حق میں مطمئن ہو گیا۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ بارك الله عليك

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ دنیا کے لوگ بڑی بڑی تکلیفیں شقتیں اٹھا کر سامان دنیا میں سے کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اپنے دل میں بڑے خوش ہوتے ہیں گویا کوئی نفیس چیز حاصل کر لی۔ مجھے جو یہ آیت نظر پڑی "ما عندكم ينفد وما عند الله باق" (یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے) تو میں نے اپنا برسوں کا اندوختہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں فقراء کو دے کر خدائے تعالیٰ کے ہاں امانت رکھدیا اس امید پر کہ وہ وہاں باقی رہیگا۔ اور آخرت کے راستہ میں میرا رہنما ہوگا۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ تم نے خوب کیا۔

چوتھا فائدہ یہ کہ دنیا میں کوئی اس پر فخر کرتا ہے کہ میرے اقارب کنبہ خدم حشم بہت ہیں اس پر ناز کرتا ہے کہ میرے پاس مال و اولاد بہت ہے کوئی اپنے اثر اقتدار سے بڑا شہرہ دوں وغیرہ وغیرہ میں نے جو اس آیت کو پڑھا "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" (یعنی خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) تو یقین کر لیا کہ خدائے تعالیٰ کریم کا فرمایا سچ ہے۔ اور دنیا داروں کے خیالات سراسر باطل ہیں تو پس میں نے تقویٰ کو اختیار کیا۔ تاکہ مجھے خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں عزت حاصل ہو۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ احسنت ؛

پانچواں فائدہ یہ ہے۔ کہ میں نے بہت سے لوگوں کو از راہ حسد ایک دوسرے کی برائی کرتے دیکھا کسی کو کسی کے علم و فضل پر حسد ہے۔ کسی کو کسی کے جاہ و مرتبہ پر۔ تو میں نے جب یہ آیت پڑھی "نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا" تو میں سمجھ گیا کہ ہر ایک کا مقدور مقسوم روز ازل ہی سے الگ الگ ہے۔ کسی کو اس میں کچھ اختیار نہیں تو تب سے مجھ کو کسی پر کوئی حسد نہیں۔ بلکہ میری جہان سے صلح ہو گئی۔ حضرت شفیق نے فرمایا تم نے بڑا اچھا کام کیا ؛

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی سبب یا غرض سے اکثر ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ میں نے جب یہ دیکھا ان الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا۔ (یعنی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تو تم اس کو دشمن سمجھو۔ تو میں نے اس کو دشمن جان کر اس کی ہر بات میں نافرمانی کی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہو گیا۔ اور سمجھ گیا۔ کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ تو حضرت شفیق نے فرمایا۔ احسنت ؛

ساتواں فائدہ یہ ہے۔ کہ میں نے لوگوں کو روزی اور سامان زندگی بہم پہنچانے میں کوشش کرتے اور حرام و شبہات میں پڑ کر اپنے آپکو ذلیل و خوار کرتے دیکھا۔ تو میری نظر اس آیت پر پڑی۔ وما من دابة في الارض الا على الله رزقها۔ (یعنی جو چیز زمین پر متحرک ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے) میں سمجھ گیا۔ کہ میں بھی انہی چیزوں میں داخل ہوں۔ جن کے رزق کا کفیل حق تعالیٰ ہے۔ پس میں بے فکر ہو کر خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ احسنت ؛

آٹھواں فائدہ یہ ہے۔ کہ میں نے کسی نہ کسی چیز پر لوگوں کو بھروسہ کرتے دیکھا تو میں نے اس آیت پر غور کیا۔ ومن يتوكل على الله

نعم حسبہ۔ یعنی جس نے حق تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ تو میں نے سب کو چھوڑ کر حقیقی رازق پر بھروسہ کر لیا۔ اور وہی میرے لئے کافی ہے۔ اور اچھا کارساز ہے۔ تو حضرت شقیق نے فرمایا۔ اے حاتم تم کو خدائے تعالیٰ توفیق دے۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں نے توریت۔ انجیل۔ زبور اور قرآن کو دیکھا۔ تو ان کی پند و نصائح کا بھی انہی آٹھوں فائدوں پر مدار ہے۔ جس نے اس پر عمل کر لیا۔ گویا ان چاروں کتابوں پر عمل کر لیا۔

اس قصہ سے تم کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ تم کو بہت سے علم کی حاجت نہیں۔ عمل کی زیادہ ضرورت ہے۔

اخوّتِ اسلامی

(از جناب مولوی محمد معین صاحب کیفی)

ایک غزوہ میں کہ تھا ہمتِ ایماں کا مقام — موجزن جوش میں تھی شوکتِ فوجِ اسلام

تھے اسی سلسلۂ جوش و غا میں شامل — حضرتِ عکرمہ و ابنِ عمر ابنِ ہشام

ناگہاں چشمِ مشیت کو ہوئی کچھ جنبش — گر پڑے خاک پہ یہ تینوں فدائے اسلام

سوئے میدان کوئی سرگرم تجسس آیا — ٹھنڈے پانی کا لئے ہاتھ میں بھر کر اک جام

جاں بلب عکرمہ کے وہ سرِ بالیں پہنچا — تاکہ فی الجملہ ملے پیاس سے اُن کو آرام

عکرمہ کو نظر آیا کہ سہیل ابنِ عمر — حسرت و یاس سے ہیں دیکھ رہے جانبِ جام

بولے وہ پہلے انہیں جا کے پلاؤ پانی — کہہ رہا ہے یہی بے ساختہ جوشِ اسلام

کوزۂ آب جو لیکر وہ بڑھا سوئے سہیل — اُس نے دیکھا کہ اِدھر ہے نظرِ ابنِ ہشام

بولے یہ ابنِ عمر دیکھ خدارا اے شخص — پہلے اُس سمت پہنچ لیکے تو پانی کا یہ جام

تشنۂ لب چھوڑ دیا عرصۂ دنیا کیفی
نہ چھٹا ہاتھ سے پر دامنِ حبِ اسلام

عہد ماضی کے ہندو مسلمانوں کے تعلقات

(تاریخ ہند کا ایک ورق)

(۱)

پچاس ساٹھ مرد و زن پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ شاہی تزک و احتشام کیساتھ دہلی سے عازم سفر ہوا اور کوچ و مقام کرتا ہوا ایکدن جب وہ سیالکوٹ کے قریب پہنچا تو شام ہوگئی۔ قافلہ میں زیادہ سے زیادہ تیس تیس آدمی ہونگے جنمیں کچھ پردہ نشین عورتیں بھی ہیں جو پالکیوں اور ڈولیوں میں۔ کچھ لوگ گھوڑوں پر اور کچھ پیدل بھی ہیں۔ قافلے سے کوئی ایک میل والے ایک جماعت قریب کے گنجان جنگل سے نکلی۔ اور اب جرنیلی سڑک پر پڑی جس پر قافلہ جارہا تھا۔ یہ لوگ پنجابی تھے اور ہتھیاروں۔ تلواروں۔ نیزوں اور بندوقوں سے مسلح تھے۔ ان کے سر کے لمبے لمبے بال ان کے بڑے بڑے پگڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کی داڑھیاں لمبی لمبی تھیں اور کپڑے خوب ڈھیلے ڈھالے یہ سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کا تیس سالہ جوان سردار ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں لئے سب کے آگے جارہا تھا؛ جس کے چہرے سے شجاعت و بہادری کے آثار نمایاں۔ آنکھیں نہایت خونخوار تھیں؛

سردار اپنے آدمیوں سے بولا۔ خبردار شکار جانے نہ پائے۔ بہادرو آگے بڑھو دیکھو ایسے موقعے روز روز نہیں آیا کرتے۔ آج تقدیر نے یاوری کی ہے تو خوب بڑھ بڑھ کے ہاتھ دکھانے چاہئیں۔ یہ کہتے ہی اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ساتھیوں نے بھی گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں حتی کہ یہ جماعت بھاگتی کوتی قریب جا پہنچی۔ اور اشارہ پاتے ہی قافلہ پر پل پڑی۔ اہل قافلہ نے انہیں بہتیرا ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ خبردار۔ یہ قافلہ ملکہ زمانی کا ہے اور شہنشاہ بیگم بنفس نفیس سردار قافلہ ہیں۔ انسانیت۔ مذہب اور خدا کا واسطہ دلا کر بھی رحم کی درخواست کی گئی۔ ان پر ان باتوں کا ذرا اثر نہ ہوا۔ بالآخر مدافعت کے لئے ہاتھ اٹھانا پڑا اور فقط ناموس کے لئے بعض عورتوں کو بھی داد شجاعت دینا پڑی۔ مگر وہ حملہ آوروں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے؛

بچوں اور عورتوں کی آہ و زاری سے جنگل گونجنے لگا۔ مگر ڈاکوں اسے مس نہیں ہوئے۔ ان کے دل پر مطلق اثر نہیں ہوا جنی کا انہوں نے قافلہ کے مردوں کو مغلوب کرکے ان کی مشکیں کس لیں اور اس کے بعد ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور مال غنیمت لے کر چلے گئے؛

(۲)

قافلہ اور حقیقت ملکہ زمانی بیگم شہنشاہ ہند یعنی موجودہ مغل حکمران احمد شاہ بادشاہ دہلی کی والدہ ماجدہ کا تھا۔ اس وقت بیگم کے شوہر محمد شاہ کا انتقال ہوچکا تھا۔

ملکہ زمانی کابل جارہی تھیں کیونکہ وہاں سے خبر آئی تھی۔ کہ ان کی صاحبزادی بیمار ہیں۔ اس شہزادی کا عقد شاہ کابل احمد شاہ ابدالی کے فرزند شہزادہ تیمور کے ساتھ ہوا تھا۔ اور جب ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو یہ رسم دہلی میں ادا کی گئی تھی؛

نادر شاہی حملوں کے بعد احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر چھ حملے کئے۔ احمد شاہ ابدالی یا درانی افغانوں کا سردار تھا۔ پھر نادر شاہ

کا خزانچی مقرر ہوا۔ مگر جب ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ مارا گیا۔ تو ابدالی نے اس کے خزانے و تیز حکومت قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد ہند پر حملہ آور ہوا۔ مگر شہزادہ احمد سے ہند پر سخت شکست کھائی۔ اس لئے اسے پسپا ہو جانا پڑا۔

لیکن ابدالی نے اگلے سال پھر حملہ کیا اور وہ اب کے فتحیاب ہوا۔ مغل بادشاہ احمد شاہ نے اس سے شکست کھائی اور حکومت پنجاب ابدالی کے ہاتھ آئی۔ یہ واقعہ ۱۷۴۸ء کا ہے۔ اب گویا پنجاب حکومت مغلیہ سے الگ ہو گیا۔

ابدالی نے ۱۷۵۷ء میں پھر دہلی پر حملہ کیا۔ کیونکہ عالمگیر ثانی کے وزیر نواب غازی الدین خاں نے پنجاب کو سلطنت دہلی میں شامل کرنا چاہا۔ دلی میں خوب لوٹ مار ہوئی اب ابدالی نے پنجاب کا صوبہ دار روہیلے افغان نجیب اللہ کو بنا دیا۔ اور خود قندھار واپس چلا گیا۔ مگر بہت تھوڑی مدت گذری تھی کہ غازی الدین پنجاب پر حملہ آور ہوا حتیٰ کہ اس نے نجیب اللہ کو نکال باہر کیا۔ مگر مرہٹوں کی مدد سے غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ غازی الدین مسلمان تھا۔ اور مرہٹے ہندو مگر وہ غالباً ہم سے زیادہ ہوشیار تھے کیونکہ وہ مذہبی اختلاف کے باوجود متفق اور متحد ہو کر تیسرے دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اور ہم یقیناً۔ ان باتوں سے محروم ہیں۔

چند روز بعد پنجاب پر رگھوناتھ اور مرہٹے نے قبضہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے ابدالی نے دہلی پر چوتھا حملہ کیا۔ جو نہایت سخت تھا۔ مرہٹوں کو کامل شکست ہوئی۔ یہی مقابلہ تاریخ میں پانی پت کی تیسری جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ ان واقعات کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ کابل اور ہندوستان کے حکمرانوں کے درمیان رشتہ داری ہو گئی۔ چنانچہ مرحوم شاہ ولی محمد شاہ کی دختر یعنی احمد شاہ کی بہن کی شادی احمد شاہ ابدالی کے فرزند شہزادہ تیمور سے ہو گئی۔

ابدالی کی واپسی کے کچھ مدت بعد شہزادی کی بیماری کی خبر آئی تو ملکہ زنی کابل چلیں اس وقت ہندوستان کے تقریباً ہر حصے میں بدامنی کی حکومت تھی۔ مغلیہ سلطنت صرف فصیل دہلی تک محدود رہ گئی تھی۔ پنجاب دکن اور بنگال خود مختار ہو چکے تھے۔ مرہٹوں کا زور تھا۔ پنجاب پر سکھ قابض ہو چکے تھے۔ اور اسی قوم کے ڈاکوؤں نے ملکہ زمانی کو لوٹ لیا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ شاہ زمانی کا ارادہ کابل سے واپسی کا نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں کی حکومت کا گویا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اسی واسطے اس نے لاکھوں کا ساز و سامان اور زر و جواہرات اپنے ساتھ لے لئے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ کابل تک صحیح و سالم نہیں پہونچ سکے۔ بلکہ پنجاب ہی میں لوٹ لئے گئے حتیٰ کہ بیچاری ملکہ کے پاس ایک پھوٹی کوڑی تک باقی نہیں رہ گئی۔

(۳)

۲ بجے ہیں۔ راجہ رنجیت دیو۔ والئے ریاست جموں اپنے زرنگار تخت پر شان کیساتھ جلوہ افروز ہیں۔ ان کی عمر تقریباً چالیس سال ہے۔ قریب ہی وزیر جل سنگھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

راجہ ۔ کیا یہ خبر صحیح ہے۔

وزیر ۔ الیشور کرتا کہ جھوٹ ہوتی۔ مگر افسوس کہ صحیح ہے۔

راجہ ۔ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک قافلہ خصوصاً شاہی قافلہ ادھر سے گذرے اور یوں لوٹ لیا جائے یہ تو ہماری

تو ہمارے ملک کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ ہے۔ عورتوں پر حملہ کرنا۔ بچوں پر ہتھیار اُٹھانا نہتوں کو لوٹ لینا کہاں کی جوانمردی ہے۔

وزیر۔ نفرت انگیز ولی ہے۔ پھر عورت بھی کون۔ ملکہ ہند۔ بادشاہ کی ماں مگر ڈاکو لوگ ان باتوں کی پرواہ بالکل نہیں کرتے۔ وہ تو لچھمی دیوی کے پوجاری ہیں۔ اور بس۔

راجہ۔ یہ سچ ہے تاہم ہمارا بھی تو کچھ دھرم ہے۔ کوئی فرض ہے۔ اس پاپ کا پراشچت ہمارے ذمہ ہے۔

وزیر۔ جو حکم۔

راجہ۔ تم جاؤ اور کچھ آدمی بھی لے جاؤ۔ اور اپنے ساتھ ہر قسم کے ضروری سامان آسائش پردہ وغیرہ لے جاؤ۔ سواری شاہانہ ہونی چاہئے۔ ملکہ زمانی کو نہایت عزت کے ساتھ یہاں لے آؤ۔ اور مشرقی محل میں مہمان رکھو۔ اور تمام ضروریات مہیا کردو۔ بیگم یہاں چند روز آرام کریں گی اور ہم اس کے بعد سامان سفر مہیا کر کے انہیں اپنی فوج کے ساتھ کابل روانہ کر دینگے۔

وزیر۔ بہت ہی مناسب۔

وزیر یہ کہہ کر انتظام کرنے چلا گیا۔

(۴)

جنازے کا ایک غیر معمولی ماتمی جلوس ابھی ابھی جموں کے جنگلات سے نکل کر علاقہ پنجاب میں داخل ہُوا ہے۔ راجہ رنجیت دیو نے ملکہ زمانی کو تقریباً دو ہفتے اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور ان کی خاطر و تواضع خوب دل کھول کر کی۔ حتیٰ کہ ان کے دل سے گروہ کلفت دہل گئی۔

پھر راجہ نے ملکہ کے لئے ہر قسم کا سامان سفر مہیا کیا اور ان کے ساتھ ایک فوجی دستہ کر کے اُنہیں کابل کی طرف روانہ کر دیا۔ لیکن یہ قافلہ ابھی دو ہی منزل گیا تھا۔ کہ اسے ایک جلوس جنازہ ملا۔ افسوس کہ یہ ملکہ زمانی کی انہیں دختر کی نعش تھی جنگی بیماری کی خبر پاکر وہ دیکھنے جا رہی تھیں۔ مگر زندہ نہ دیکھ سکیں۔ آہ۔ ایسی حسرت نصیب ماں کے رنج و غم کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

اب شہزادی کا جنازہ افغانوں کے پہرہ میں ہندوستان لایا جا رہا تھا۔ مگر اس کے ساتھ شہزادی کا تمام جہیز ساز و سامان اور نقد و جنس بھی کثیر تعداد میں تھا۔ پس ملکہ زمانی بھی جنازہ کے ساتھ پلٹیں۔ اور عازم دہلی ہوئیں۔ چنانچہ اب وہی گروہ داخل پنجاب ہُوا ہے جب رات ہوگئی تو اس ماتمی قافلہ نے کمر کھولی۔ قیام کیا۔ اور کچھ زہر مار کر کے سو رہا مگر کوئی آدھی رات کے قریب ان پر سکھ ڈاکو ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً تمام نقد و جنس لوٹ کر لے گئے۔ کیونکہ وہ مال کو پہلے ہی تاڑ گئے تھے اور قریب کے جنگل میں موقع کے منتظر تھے۔ غرضیکہ وہ خوب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے اور باقی کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

یہ لٹا ہُوا قافلہ معہ جنازہ پلٹ کر جموں پہنچا۔ راجہ کو اس حادثہ کا افسوس بے انتہا ہُوا۔ انہوں نے اہل قافلہ کی تسلی اور دلجوئی ہر طرح کی انہیں مہمان رکھا۔ اور ایک ہفتہ بعد اپنی فوج کی حفاظت میں دہلی پہنچا۔ اور مغل بادشاہ احمد شاہ کو تمام واقعات کا علم ہُوا۔ تو اُس نے اپنا سفیر جموں میں بھیجکر راجہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور بہت سے قیمتی تحفے بھی بھیجے۔

(۵)

ماضی میں بہادر مرہٹے (ہندو ہونیکے باوجود) مسلمان نواب کی مدد کر سکتے تھے۔ ہندو راجہ رنجیت دیو مسلمان ملکہ زمانی سے نیک سلوک کر سکتے تھے۔ اسی طرح سے گذشتہ زمانہ میں بہت سے مسلمان ہندوؤں کو مدد دے سکتے تھے۔ لیکن آج کے ہندو مسلمان امن و امان کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ (اظہر)

بزمِ قریش

۱۔ ہمدردانِ قوم و بہی خواہاں القریش اس حالت میں بھی جبکہ نفسی نفسی کا زمانہ آرہا ہے۔ اپنی قومی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے قومی آرگن کی امداد و اعانت سے غافل نہیں اور کسی نہ کسی طریقہ سے دستِ اعانت بڑھا ہی دیتے ہیں۔ اور یہی ایک سبب ہے کہ اس کس مپرسی میں بھی "القریش" شائع ہو رہا ہے۔ اگر ہر ناظر القریش اسی طرح حمیتِ قومی کا ثبوت دے تو القریش کی تکالیف بلا تکلف دُور ہو سکتی ہیں اور وہ کشادہ دلی کے ساتھ قومی خدمات کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ ہمارے قدیم محسن اور بہی خواہ قوم خریدار نمبر ۳۴۶ نے سات روپے آٹھ آنے کی رقم ارسال فرما کر مشکور کیا۔ مسٹر خورشید عالم صاحب فاروقی سٹیشن ماسٹر نے دو خریداروں سے مدد کی۔ اور مخدوم محمد الدین صاحب سکول ماسٹر نے خود خریداری قبول کر کے قومی حمیت کا ثبوت دیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

۲۔ قریش کے حسب و نسب پر کس قدر یورش ہو رہی ہے۔ اور ایک صحیح النسل اور عربی الاصل خاندان کو نہ صرف مخلوط و مشتبہ بلکہ تباہ و برباد کرنے کے لئے کس طرح شرمناک کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے خط سے ہو سکتا ہے جو ایک دردمند قوم نے ہمیں لکھا ہے۔ اور ناظرین کرام کی واقفیت کے لئے بلفظ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ وہ ہُو ہذا:

پرسوں کی ڈاک میں نقل چٹھی سرکلر نمبر ۲ دمو" ملی۔ آپ کی محنت قابل داد ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کا اجر دے۔ اپنی قوم سے معاوضہ کی توقع عبث ہے۔ خدا آپ کی مدد کریگا۔ آپ اپنا فرض پورا کئے جائیے۔ ——— ! میں ایک آواز اٹھانا چاہتا ہوں اور آپ کی مدد کا طلبگار رہوں۔ امید ہے آپ دریغ نہ فرمائیں گے۔ ضلع سیالکوٹ میں صرف تین چار خاندان "اصل قریشی" ہیں۔ جس کی تصدیق ہمارے بزرگ کرتے آئے ہیں۔ اور ان کے شجروں پر ہمارے بزرگوں کی مہریں ثبت ہیں۔ باقی تمام جعلی اور جھوٹے دیکھا دیکھی اب بنے ہیں اور بن رہے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جس قدر لوہار۔ ترکھان۔ موچی۔ تیلی۔ گھاروغیرہ جو چار حرف پڑھ جانے کی وجہ سے ملازمت پیشہ ہوتے ہیں۔ وہ تمام کے تمام اب قریشی لکھاتے اور قریشی کہلاتے ہیں۔ اور ہم ان سب کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ غیرت جوش دلاتی ہے غصہ بھی آتا ہے۔ مگر کیا کریں ہم لوگ انسداد نہیں کر سکتے۔ آئے دن نئے بنے ہوئے قریشی ہمارے ہار، مہر تصدیق اپنے اپنے شجروں پر لگوانے کے واسطے آتے ہیں۔ اور تقاضا کر کے تنگ کرتے ہیں۔ دُور دُور سے سفارشیں لکھوا

سے فائدے ہیں۔ ہم لوگ بہت برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہیں۔ وہ اس قدر ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔ کہ کچھ پرواہ نہیں کرتے اب آپ ہی بتائیے کہ کیا کیا جائے۔ اس کا انسداد ضرور ہونا چاہئے۔ اور جلد ہی مراسیوں کے بعد اب ان قوموں کو ہوش آیا ہے۔ کیا کیا جائے۔ اپنی رائے سے مستفیض فرمائیں جس جس گاؤں میں نئے قریشی بنے ہیں اور بن رہے ہیں۔ میں نے ان سب کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ اب خود بھی ان لوگوں کو جا کر سمجھاؤں گا۔ یہ لوگ صرف زراعت پیشہ ہونے کے واسطے یہ قصد کر رہے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ یہاں اس علاقہ سے بہت سے جعلی قریشیوں نے عدالت میں مرافعہ دایا ہوا ہے کہ ان کی قریشیت کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔ اور زراعت پیشہ لوگوں میں شمار کیا جائے۔ عدالت نے ان میں سے بہت کو مسترد کر دیا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے سفارشوں۔ رشوتوں اور میل جول۔ لحاظ رشتہ داری کے سبب کچھ کامیابی حاصل بھی کر لی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کیا آپ اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور کھوٹے کھرے کو پرکھیں گے؟ والسلام

بندہ سید ظفر ہاشمی

اس فقرے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قریش پر کس قدر حملے ہو رہے ہیں اور ادنیٰ ہندی اقوام قریشیت میں مخلوط ہونے کے لئے کس طرح سینہ سپر ہیں۔ عزیزیت اور نصابیت کے بعد لوہار۔ ترکھان اور موچی تیلی قریشی بننے کے لئے کتنے بیتاب ہیں لیکن جو قریشی ہیں اور جنہیں رسول پاک صلعم کی نسل اطہر سے نسبت ہے وہ بے پروا ہیں۔ اور اتنا بھی احساس نہیں رکھتے ہیں کہ اپنے بیک و بد پر غور کر سکیں۔ اگر ماضی و حال کا موازنہ کیا جائے تو ایک دور رس نگاہ اور نکتہ سنج دماغ تدبر و تفکر اور غور و تعمق سے کام لے تو صاف صاف عیاں ہو جائے گا کہ قریش من حیث القوم و مسدم ادبار و تنزل کی طرف جا رہی ہے۔ کیا دردمندان قوم اور تمام اہل قریش کا فرض نہیں ہے۔ کہ وہ ان عوارض کے عواقب و نتائج پر غور کرتے ہوئے اپنے لئے کوئی صحیح طریق عمل تجویز کرنے کی سعی کریں۔ وباللہ التوفیق

ہمارا فرض ہے سمجھائے جانا ۔ تمہارا کام ہے مانو نہ مانو ایڈیٹر

ہم۔ کثرت اصحاب قریش "ندوۃ القریش" کا سالانہ چندہ دریافت کرتے ہوئے فارم ممبری طلب کرتے ہیں اور یہ بھی دریافت کیا چاہتے ہیں کہ آئندہ سالانہ اجلاس کب تک منعقد ہوگا۔ ان سوالات کا مختصراً جواب فرداً فرداً دینا بہت مشکل ہے۔ اس لئے مختصر طور پر ذیل میں کو ذیلیہ تحریر ہذا مطبع کیا جاتا ہے۔ کہ "ندوۃ القریش" کا چندہ ممبری غیر اور داخلہ عام کل مدعی ہے۔ چندہ ہر ایک دفعہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور ہر سال بسال پیشگی۔ فارم ممبری چونکہ زیر طبع ہیں۔ اس لئے بھجوائے نہیں گئے۔ صرف یہ اطلاع کر دینا کافی ہے کہ حاضرین چندہ و داخلہ بھیج دینا ہی کافی ہے؟ سالانہ اجلاس کے انعقاد میں صرف زراعتی حقوق کے اعلان کا سوال ہے۔ اگر کمیٹی کا خیال ہے کہ قوت سعی مختلف خیالات میں منتشر نہ کی جائے اور اس وقت تک جلسہ کا اعلان نہ کیا جائے جب تک کہ زیر کار کام کا نتیجہ عیاں نہ ہو۔ اور اس میں اب کوئی دیر نہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ سہ ماہی کے اندر اندر حسب دلخواہ کامیابی ہوگی؛

محیّر العقول عجائبات

(از حکیم آشفتہ)

(۱) اصحاب تاریخ لکھتے ہیں کہ بیابان "موتہ" میں ایک بہت بڑا پتھر ہے اس پر ایک اور بڑا پتھر ہے اس پر ایک اور پتھر کا تخت رکھا ہوا ہے اور اس تخت پر ایک بالکل برہنہ میت لیٹی ہوئی ہے کب سے وہ میت رکھی ہوئی ہے اور کیونکر وہاں پہنچی یہ تمام باتیں تاریکی میں ہیں۔ اس میت پر نہ شدید برف باری اور پالے کا اثر ہوتا ہے اور نہ موسم گرما کا پرجلال آفتاب کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔ نہ وہ میت سڑتی ہے نہ گلتی ہے۔ نہ کوئی چرند اس کو پوچھتا ہے نہ پرند رُخ کرتا ہے بلکہ جب کسی مصیبت زدہ آفت رسیدہ کو بلائیں ستاتی ہیں وہ وہاں فریادی بن کر جاتا ہے اور اس میت کی رُوح سے امداد چاہتا ہے تو فوراً اس کی مصیبت دُور ہو جاتی ہے اور دلی مراد بر آتی ہے۔

(۲) اسی طرح اطراف ہندوستان میں کسی مقام پر سلسلہ کوہ میں ایک بتخانہ ہے جو پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ سال بھر میں ایک زمانہ مخصوص وہاں کی یوجا پاٹ کا مقرر ہے جس زمانے میں اس بتخانہ کے پوجاری بتخانہ کو آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔ اور اطراف و جوانب سے جاتری (یاتری) وہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اور شرابیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ اسی دوران بادہ نوشی میں ایک شخص نہایت پست و چالاک پیدا ہوتا ہے۔ جو ان کے ساتھ شغل مے نوشی میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور جب شراب کے اثر سے وہ کافی طور پر بدمست اور از خود رفتہ ہو جاتا ہے تو اچنا شروع کر دیتا ہے۔ اور بتخانہ کے آگے بُت کو سجدہ کرتا ہے۔ تھوڑی دیر اس حالت میں گذارنے کے بعد اس گروہ سے وہ الگ ہو گیا۔ کودتا پھاندتا پہاڑ کی طرف بھاگتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر پہنچکر دم لیتا ہے۔ پہلے بہت دور سے تالی بجاتا ہے پھر تین ٹکڑے پتھر کے جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ ایک داہنی طرف اور ایک بائیں طرف اور ایک پس پشت پھینکتا ہے۔ اس عمل کے ساتھ ساتھ چیخ چیخ کر کچھ جاپ بھی کرتا جاتا ہے۔ لیکن وہ اس قسم کے الفاظ ہوتے ہیں جن کو اس تمام مجمع میں کوئی نہیں سمجھتا اس کے بعد وہ پھر پہاڑ کی چوٹی سے گھبرایا ہوا وادی میں اتر آتا ہے۔ اور آتے ہی بے ہوش ہو کر مثل مردے کے گر جاتا ہے۔ چنانچہ ساری خلقت اس کی طرف ہیبتاً بانہ دوڑتی ہوئی آتی ہے اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اسے اٹھا کر بتخانے میں بت کے سامنے لاکر رکھ دیتے ہیں۔ اب اس خاموش مورت سے دنیا بھر کے سوالات کئے جاتے ہیں۔ اور آنے والے سال کے متعلق ہر قسم کی تفصیل دریافت کی جاتی ہے۔ مثلاً اس سال میں کیا کیا واقعات پیش آنیوالے ہیں قحط پڑیگا یا ارزانی ہوگی زلزلے آئیں گے کہ سکون رہے گا۔ بارش ہوگی کہ نہ ہوگی۔ صلح دامن سے زندگیاں بسر ہونگی کہ غنیم کے حملے ہوں گے۔ اور آتش جنگ مشتعل ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ بیہوش سب کے جواب دیتا ہے اور ایک بھی بیہودگی اس کی زبان سے نہیں نکلتی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پھر وہ ہوش میں آجاتا ہے۔ اور سوال و جواب کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں وہ کوہ میں غائب ہو جاتا ہے۔ اب پھر سال بھر تک نہ اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اور نہ اس کی جائے قیام کو معلوم کر سکتا ہے۔ اللہ ہی جانے کہ اس میں کیا بھید ہے۔ ارباب تاریخ اس کی صحت و عدم صحت کے ذمہ دار ہیں۔

نقد و نظر

اسکول کی زندگی } بچوں کے لئے ایک دلچسپ ڈرامہ ہے۔ مولوی محمد عبدالغفار صاحب مدھولوی استاد جامعہ نے نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے۔ بچوں کے لئے مفید کتاب ہے۔ حجم ۵۸ صفحات تقطیع ۲۰×۳/۱۶ کتابت وطباعت عمدہ قیمت فی نسخہ ۴ر +

باغبانی پروجکٹ اور بچوں کی کہانی } مولفہ مولوی محمد عبدالغفار صاحب مدھولوی۔ اس میں باغبانی کے طریقے اور مختلف ہدایات کے علاوہ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیاں اور چند عکسی تصویریں دی گئی ہیں۔ پھل پھول لگانے کے طریقوں اور بچوں کی کہانیوں سے حظ اٹھانے کے لئے اچھی کتاب ہے۔ حجم ستو صفحہ کتابی سائز کتابت وطباعت عمدہ۔ قیمت فی نسخہ ۸ر۔ متذکرہ دونو کتابیں مکتبہ جامعہ دہلی سے ملسکتی ہیں؛

محمود گاواں } یعنی خواجہ عمادالدین محمود گاواں صاحب سیف وقلم وزیر باتدبیر سلطنت بہمنیہ کی سوانح عمری جسے مسٹر محمد ظہیرالدین متعلم بی۔ اے جامعہ عثمانیہ کے معتبر تاریخی کتابوں کی مدد سے بکمال محنت ترتیب دیا ہے۔ پیدائش بلوغت علمی و مذہبی شغف۔ فتوحات اور تدبر و دانشمندی کے واقعات دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ کتاب مختصر مگر جامع ہے۔ اس میں خواجہ کے قائم کردہ مدرسہ واقع بیدر اور آپ کے مقبرہ کے عکسی فوٹو بھی دیئے گئے ہیں۔ حجم ۵۵ صفحات قیمت ۸ر ملنے کا پتہ:۔ محمد ظہیرالدین (عثمانیہ) بازار عیسیٰ میاں۔ حیدرآباد۔ (دکن)

قواعد مضمون نویسی حصہ اول و دوم } مولفہ مولوی مظفرالدین صاحب کتابی سائز۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب، حصہ اول میں قواعد اردو صرف ونحو۔ فعل کے اقسام۔ جملوں کے حصے۔ مضمون نویسی اور عرائض نویسی کے طریق۔ دوسرے حصہ میں مرکب جملے اور جملوں کی تراکیب۔ خطوط نویسی۔ مراسلات۔ دستاویزات۔ رہن و بیع۔ ضمانت نامہ وغیرہم مسودات مبتدی سے منتہی تک کے لئے مفید کتابیں ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۶ر +

سالنامہ مکتبہ ۱۳۴۰ف } یعنی مکتبہ ابراہیمیہ اداہاسمی کی تجویز کردہ ڈائری جس میں علاوہ ڈائری کی ضروریات اور تواریخ دمنین وغیرہ کے کاروباری معلومات۔ کرایہ ریل۔ سٹیشنوں کے نام۔ جنتری تنخواہ۔ اصولی و قانونی باتیں۔ سرکاری محکموں کے نام اور پتے۔ قلمی آصفیہ کاغذ شتہ طرز حکومت وغیرہم امور بھی درج کئے گئے۔ کارآمد و مفید چیز ہے جیبی تقطیع حجم تقریباً سو صفحات۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب۔ قیمت سرورق پر درج نہیں ہے۔

متذکرہ کتب مکتبہ ابراہیمیہ اداہاسمی اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد۔ (دکن) سے منگوائیے۔

واقعات وحوادث

ہندوستان کی بدنصیبی اگرچہ امن وامان اور چین واطمینان کا فقدان عالمگیر ہے۔ لیکن ہندوستان جن مشکلات ومصائب میں گھرا ہوا ہے۔ اور اس کی کشتیٔ امید خونین موجوں سے جس طرح ٹکرا رہی ہے اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں۔ اگر ایک طرف قومی فتنے پریشان کر رہے ہیں۔ تو دوسری طرف مذہبی رقابت کی انتہا ہے۔ مساجد ومنادر کے جھگڑے خون کی ندیاں بہا چکے ہیں۔ اور اسی پر بس نہیں۔ آتش غیظ وغضب شعلہ فشاں ہے اور اتحاد ومحبت اور رواداری ومودت کو خاکستر بنا رہی ہے۔ گذشتہ ہندو مسلم فسادات کچھ کم رُوح فرسا نہ تھے۔ کہ اب کشمیر اور جے پور میں کشت وخون کا بازار گرم ہے۔ راعی رعایا سے تنگ اور رعیت راعی سے نالاں ہے۔ ہندو مسلم کا دشمن ہے تو مسلم ہندو سے کبیدہ خاطر۔ ان سب فتنے وحوادث کی موجودگی میں احرار ملک آزادی وحکومت خود اختیاری کی تلاش میں میدان سیاست کی بادیہ نوردی میں مصروف تھے اور خیال تھا کہ ان کی مساعی وقتی ہنگاموں کا قلع قمع کر دیگی۔ لیکن یہ سُن کر رنج وملال ہوتا ہے کہ وہ گول میز کانفرنس میں شریک ہونے اور اس کے بعد اس آخری وقت میں بھی کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ اور نہ اس قابل ہوئے ہیں۔ اور وہاں کوئی متفقہ مطالبہ پیش کر سکیں۔ کھینچ تان اور خود غرضی کا سلسلہ وہاں بھی جاری ہے اور ہر فرقہ وہر گروہ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے دوسرے کے حق غصب کرنے کے لئے تاک لگائے بیٹھا ہے۔ ہندوستان کی رہنمائی کا واحد دعویدار مسٹر گاندھی کی عہد شکنی نے ان کی پوزیشن عالم آشکار کر دی ہے اور کوئی ایک بھی نہیں جو آپ سے متفق الرائے ہو اگر یہی کیفیت ہے۔ جیسے کہ اخبارات راوی ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ آج نہیں کل بہر حال گول میز کانفرنس ناکام رہیگی۔ اور تمام باتیں بازیچۂ اطفال بن کے رہ جائیں گی اور ممالک عالم میں ہندوستان سب سے بڑا بدقسمت سمجھا جائے گا۔ گاندھی جی نے انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس میں مسلم حقوق کے سلسلے میں جو دعویٰ کیا تھا۔ اور وقتاً فوقتاً اس کا اعادہ بھی کرتے رہے ہیں۔ یہ تھا کہ ہم ایک سادہ چک پر دستخط کر دینے کے لئے تیار ہیں جس پر ایمانداری کے ساتھ مسلمانان ہند اپنے حقوق کی فہرست لکھدیں۔ مگر اب جبکہ پنجاب کی مسلم اکثریت کے ذیل میں نشستوں کی تعیین کا سوال آتا ہے۔ تو اسے تسلیم کرتے ہوئے آخری فقرہ جو گاندھی جی کے لبوں سے سُنائی دیتا ہے۔ یہ ہے "بشرطیکہ سکھ بھی انہیں تسلیم کریں"۔ نوعیت انتخاب کا ذکر آتا ہے۔ تو لوکھلاہٹ میں ڈاکٹر انصاری کو یاد فرمانے لگتے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ وہ سادہ چک والا وعدہ کہاں گیا۔ کیا گاندھی جی کا عقیدہ بھی یہی ہے ؎

"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا"

اسٹرداو برار سر اکبر حیدری نے جو گول میز کانفرنس میں حکومت نظام کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شریک ہیں۔ پچھلے دنوں برار کی واپسی کے سلسلے میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ سے دولت آصفیہ کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ اس کے بارے میں وزیر اعظم برطانیہ نے دریافت کیا ہے کہ اس صوبہ نے گورنمنٹ ہند کے سایہ میں جو ترقی کی ہے اس کے معاوضے اور رسول سروس کے ریٹائرڈ حکام کی پنشنوں کے متعلق حضور نظام کا کیا خیال ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اسی ضمن میں موصوف نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ برار کو سلطنت دکن کے ماتحت

آزاد صوبہ بنانے یا گورنمنٹ کے ماتحت رکھنے کا فیصلہ باشندگان برار کی رائے عامہ پر منحصر ہے جس کے صاف طور پر یہ معنی ہیں کہ اگر اہالیان برار حکومت نظام کی اس خواہش کا خیر مقدم کریں گے تو گورنمنٹ ہند اس علاقہ کو نظام کے حوالے کر کے "حق بحقدار رسید" کا عملی ثبوت پیش کر دیگی ؛

ان خیالات کے اظہار سے وزیر اعظم کا مقصد خواہ کچھ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ برار کے نظم و نسق کے متعلق جو خدمات گورنمنٹ ہند نے انجام دی ہیں۔ ان کے معاوضہ کی آرزو رکھنا ان خوشگوار تعلقات سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ جن کا ثبوت آج تک حضور نظام کی طرف سے دیا جاتا رہا ہے۔ مگر یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جسے سلجھایا نہ جا سکتا ہو۔ اسی طرح سول سروس والوں کی پنشنوں کے مالی بار کی ذمہ داری بھی اگر سلطنت دکن کے سر پر ڈالدی جائے تو مضائقہ نہیں ہاں اس بارے میں اگر کوئی خطرناک چیز ہے تو وہ برار کی رائے نامہ کا سوال ہے ؛

واقعہ یہ ہے کہ چند سال سے ہندوستان میں جو فرقہ وارانہ جذبات کی کشمکش دیکھنے میں آرہی ہے اس نے برادرانِ وطن کو اس درجہ متاثر کیا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھنے لگے ہیں۔ اور انہوں نے ہر ایسے معاملہ میں مخالفت کرنا اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جو مسلمانوں کے اثر و اقتدار میں اضافہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر برار کی رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی تو کیا وہ مہاسبھائی ہندو جو ہمیشہ مسلمان ریاستوں کو بدنام کرنے اور ان کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اس موقعہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں گے۔ ایسی حالت میں حکومت ہند کو بھی "اونگھتے کو ملے ٹھلتے کا بہانہ" کے مصداق حیلہ ہاتھ آجائیگا۔ اور نتیجہ وہی ہوگا جو آجتک ہوتا آیا ہے ؛

ہم حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ نظام گورنمنٹ کی صدیوں کی وفاکیشی اور دوستی و امانت کا عملی شکریہ ادا کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع اور کوئی ہاتھ نہیں آسکتا۔ اور جس طرح حضور نظام نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقت سے لیکر اس وقت تک انگریزوں کی دوستی کا ناقابل تردید عملی ثبوت دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسی طرح مدبرین برطانیہ بھی ان کی حوصلہ افزائی کریں اور رائے عامہ کی شرط لگا کر اس ضروری مسئلے کو ہندوؤں کے رحم پر چھوڑنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش نہ کریں ؛

دنیا میں مسلمانوں کی کل آبادی

ایک فرانسیسی اخبار کے خیال میں دنیا بھر میں حسب ذیل مسلمان ہیں۔ ترکی مسلمان ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ۔ ترک ایک کروڑ۔ آذربائیجان ۳۰ لاکھ۔ قزاق ۵۰ لاکھ۔ ترکمان ۲۰ لاکھ۔ تاتار ۱۰ لاکھ۔ ازبک اور سرت ۱۰ لاکھ۔ چینی اور یارقندی ۲۰ لاکھ۔ تاتاری ایک کروڑ۔ عجمی مسلمان ۲۱ لاکھ (ایرانی ایک کروڑ۔ افغان ایک کروڑ۔ بلوچی ۱۰ لاکھ ہندوستانی مسلمان ۸ کروڑ۔ عرب ..... ۴۸۔ (عراق ۳۰ لاکھ) حجاز ۱۰ لاکھ۔ شام ۵۰ لاکھ۔ مصر ۱۴ لاکھ۔ طرابلس ۱۰ لاکھ۔ لیبی سینیا اور سوڈان ۳۰ لاکھ۔ مغربی سوڈان ۴۰ لاکھ۔ نائجیریا ۳۰ لاکھ۔ روڈ انجبار اور جنوبی افریقہ ۲۰ لاکھ۔ ملائی مسلمان ..... ۴۰۔ سماٹرا ۳۰ لاکھ جاوا ۳۰ لاکھ۔ بورنیو ۱۰ لاکھ۔ فلپلا ۵۰ لاکھ اور دیگر ۱۰ لاکھ اس کے علاوہ بلقان اور رُوس میں ۱۰ لاکھ۔ یونان اور جزائر میں ۱۰ لاکھ چین میں ۵ کروڑ۔ اور سیلون۔ سیام۔ جاپان وغیرہ میں ۲۰ لاکھ۔ سب ملا کر تمام دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ..... ۳۶۵ ہے ؛

کتبخانہ القریش کی بنظیر کتابیں

مامون اعظم } یعنی خلیفہ مامون الرشید اعظم عباسی سوانحعمری
} مولانا امام الدین صاحب رام نگری قیمت ۸ر

رباعیات حافظ } حضرت خواجہ شمس الدین صاحب شیرازی کی
} رباعیات معہ ترجمہ و شرح اور سوانحعمری قیمت ۸ر

الحریت فی الاسلام } اسلامی حریت و مساوات و جمہوریت
} اور دیگر اہم مسائل پر زبردست بحث
مولانا ابوالکلام آزاد کی مرکتہ الآرا تصنیف ۔ قیمت ۱۲ر

دعوت عمل } نہایت ضروری اور قابل قدر رسالہ مصنفہ
} مولانا آزاد ۔ قیمت ۸ر

خطاب بہ اقبال } مولوی سید شوکت حسین صاحب شوکت
} علیگ سابق مدیر معاون روزنامہ "سیاست"
لاہور کا دلپذیر فارسی کلام جس میں علامہ اقبال کے فلسفہ شک ریزی پر نئے پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ عجیب لطیف کتاب ہے ۔ قیمت ار

حقیقۃ السیادت } اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ قریش کا خاندانی
} لقب سید ہے اور اس میں سے سادات بنی
ہاشم کا لقب سید و شریف ہے ۔ جو لوگ سادات قریش کو شیخ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں غلطی پر ہیں ۔ اس لئے ہر قریشی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ لقب سید ضرور لکھیں ۔ کتاب قابل دید اور فتوے کی حیثیت رکھتی ہے ۔ قیمت ۳ر

حقیقۃ السیادت الثانیہ | ایک اعتراض کا زبردست معقول و منقول جواب سادات بنی ہاشم کی سیادت کا ثبوت اور یہ کہ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل سب سادات ہیں ۔ اور شریف و سید کے لقب سے آنحضرت کے زمانہ سے اب تک ملقب رہے ہیں ۔ قیمت صرف ۴ر

سیرۃ العباس | حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم حضرت ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کی زندگی کے حالات عربی کی معتبر کتابوں کا انتخاب بزبان اردو قیمت ایک روپیہ ۴ر

مدار اعظم | حضرت سیدنا بدرالدین صاحب کے مفصل حالات آپ کے خاص خاندان کے اور خاندان چشتیہ قلندریہ و نقشبندیہ کے ان بزرگوں کے حالات جنکی نسبت مداریہ حاصل ہے
قیمت ۸ر

پیام امین | یہ لاجواب کتاب انگریزی فرانسیسی جرمنی ہندوستانی اور چینی صدہا کتابوں کا انتخاب ہے قرآن کریم کے متعلق علمائے مغرب کے خیالات کیا ہیں ۔ کتاب پاک کی نسبت دنیا کا اعلےٰ دماغ کیا رائے رکھتا ہے ۔ دنیا کی کس کس زبان میں کلام پاک کا ترجمہ ہو چکا ہے ۔ یہ ترجمے کب اور کہاں کہاں سے شائع ہوئے ۔ قرآن کریم کی مجلدات دنیا میں کن کن ذرائع سے اور کیونکر بھیلیں ۔ ان سوالات کا صحیح اور تحقیق جواب صرف پیام امین ہی کے اوراق دے سکتے ہیں ۔ ان میں ستر کے قریب دنیا کے نامور مؤرخوں مصنفوں ادنا مور لوگوں نے قرآن کریم کی عظمت و صداقت کی زبردست شہادت دی ہے ۔ اس کتاب کا دنیا کی مختلف چھ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے ۔ قیمت فیجلد ایکروپیہ
ناظرین "القریش" سے صرف بارہ آنہ ۱۲ر

رجسٹرڈ نمبر ۱۴۷۴ القریش امرتسر Regd. L 1474

تاریخ المشاہیر

جس میں ۱۸۰ آئمہ و علماء ۵۰ مشائخ و اصفیا ۔ ۱۷ ملوک و وزراء ۔ ۴ قاضی القضاۃ اور ۴ شعراء و ادباء کے سبق آموز اور ترقی و کامیابی پر آمادہ کرنے والے حالاتِ زندگی دلکش پیرایہ میں لکھے ہیں صفحات سوا دو سو کلاں ۔ قیمت مجلد دو روپیہ (عہ) بغیر جلد عہ

قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ للعالمین کی تازہ ترین تصنیف جو بہترین تصنیفات میں جگہ پانے کے قابل ہے ۔ تمام ان لوگوں کو جو ذاتی اور قومی ترقی کے خواہاں ہیں اس نادر بےنظیر تصنیف کا مطالعہ کرنا چاہئے ۔ کتابت ۔ طباعت دیدہ زیب سرورق رنگین

تین خاص نمبر

"القریش" کے مندرجہ ذیل تین خاص نمبر ہیجد دلچسپ اور قابل دید ہیں

نبی نمبر یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی منظوم و منثور واقعات نہایت دلکش پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں ۔

صدیق نمبر حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم و منثور دلآویز پیرایہ میں بے حد دلچسپ اور بہترین دل و دماغ کا نتیجہ قابل قدر چیز ہے ۔

نظام نمبر دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرمانروا کے فضائل شہریاری کا بسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دوستی کی ابتدا حملہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اس وقت تک کے جستہ جستہ حالات ۔

ہر سہ نمبروں کی مجموعی قیمت ایک روپیہ (عہ)

دیگر کتب متفرقہ کمال معرفت ۴ر ۔ ہندو شعراء کا نعتیہ کلام ۶ر ۔ خطبات عزیزی ۴ر ۔ اخلاقی کہانیاں ۳ر ۔ حیا قابل ۶ر سراج معرفت ۴ر ۔ علم غیب ۶ر ۔ ولی کی پہچان ۲ر ۔ راز معرفت ۴ر ۔ تاریخ تبلیغ الاسلام (عہ) ۔ اسلامی پردہ ۵ر ۔ سراج الدارین ۵ر ۔ کلام صدر ۶ر ۔ پھول اور کانٹے ۱ر ۔ والدین کا اثر اولاد پر ۴ر ۔ عورت کے سو کام ۴ر

المشتہر مہتمم کتب خانہ متعلقہ القریش شریف پورہ امرتسر کتھر

وزیر ہند پریس امرت سر میں محمد علی رونق پرنٹر، پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھاپکر شریف پورہ امرتسر سے شائع کیا

القریش

امرتسر

جرنلزم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء | نمبر ۱۱

نعت شریف

جس کا خطاب رحمتِ گیتی نواز ہے
اظہار اُس کے عشق کا میری نماز ہے

کیفی مجھے یوں دیدۂ مازاغ نے کیا
دل آبِ مے طہور سے بھی بے نیاز ہے

دامن سے اسکے لگ کے میں ممتاز ہو گیا
نازاں ہوں میں کہ پاس یہ سامانِ ناز ہے

میں نے سُنا ہے راز یہ لطفِ کریم سے
معراج ایک عالمِ راز و نیاز ہے

اس کی عطا نے کی ہیں یہ بندہ نوازیاں
محمود کا جہان میں ہم صف ایاز ہے

اے ہم نشین نہ پوچھ تو عشقِ رسول کی
وہ میری چشمِ شوق میں عالم طراز ہے

ارشاد صبر آنکھوں پہ میری مگر حضور
دردِ فراق آپ کا زہرہ گداز ہے

آقا! عطا ہو نورِ حقیقت مگر اُسے
چشمِ جہاں شہیدِ فریبِ حجاز ہے

کھویا گیا ہے کس لئے پروازِ فکر میں
اے دل ادب یہ نعتِ امیرِ حجاز ہے

افسانہ سن کے لطفِ شفاعت کا خلق سے
میری خطا بھی دیکھنا دامن دراز ہے

شاکرؔ بصد خلوص جبینِ نیاز تو
اس آستاں پہ رکھ کہ جو سجدہ نواز ہے

شاکر صدیقی

قصیدۂ دعائیہ

بحضور شہریار دکن

(پیرزادہ حکیم غلام قادر صاحب اثر جالندھری)

اقبال و بختِ یار حضور نظام باد — عالم باختیار حضور نظام باد

زیبا در فشِ شاہی اورنگ خسروی — از ذاتِ باوقار حضور نظام باد

بر اوجِ احتشام درخشندہ تا ابد — خورشید اقتدار حضور نظام باد

حاجب جلال، جاہ مگس راں حشم نقیب — اقبال چتردار حضور نظام باد

از خونِ دشمنان سیہ بخت لعل گوں — شمشیر آبدار حضور نظام باد

تا دورِ آسمان شرف والیانِ ملک — سرکار نامدار حضور نظام باد

تا بر زباں دعا و دعا را بود اثر

بر بار شاخسار حضور نظام باد

شذرات

قریشیان شاہ آباد کی قومی حمیت اور اولوالعزمی قابل تحسین ہے۔ وہ لوگ جو فارغ البالی کی وجہ سے قومی ضروریات پر کبھی توجہ دینے کی تکلیف گوارا نہ کرتے تھے "القریش" کی پیہم صداؤں سے بیدار ہو گئے ہیں۔ ناظرین یہ سنکر مسرور ہونگے۔ کہ شاہ آباد میں قریشیا کی ایک باضابطہ جمعیت قائم ہو گئی ہے۔ انہوں نے اپنے تازہ اجلاس میں جس کی رپورٹ ممکن ہے۔ کہ آئندہ اشاعت میں درج ہو۔ باقاعدہ انتخاب کر لیا ہے اور چاہتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کو مشیکار بن کر میدان عمل میں گام زن ہوں۔ کیا قریشیان پنجاب کے دل اسقدر ہی مردہ ہو گئے ہیں۔ کہ وہ باوجود اہم ضرورتوں اور رفاہی کمزوریوں کے بھی اپنی کسی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھتے۔ انہیں اس بات پر کبھی غور کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ کہ اقوام عالم ترقی و ارتقا کے لئے کسی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اور ہمیں من حیث القوم کن کن امور کی ضرورت ہے۔ کاش وہ کبھی اپنی قومی ضروریات اور قومی حالت پر توجہ دیتے اور دنیا میں اپنی زندگی کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے۔ کشمیری۔ ارائیں۔ مسلم راجپوت مسلم گوجر وغیرہم اقوام کی مساعی ان کے سامنے ہیں۔ لیکن افسوس کہ وہ کوئی سبق نہیں لیتے۔ کیا قریشیان پنجاب اصلاحی امور میں "ندوۃ القریش" کا ساتھ دینے کے لئے کبھی تیار ہو سکتے ہیں؟ فرمائیے کیا ارشاد ہے؟

ملکی حالات دمبدم اور لحظہ بلحظہ نازک صورت اختیار کئے جا رہے ہیں۔ مدعیان اصلاح اور طلاب گاران آزادی ہر معمولی سے معمولی معاملہ کو ایک ایسا مخمصہ اور ایک ایسی الجھن بنا دیتے ہیں جس کے سلجھانے میں ناخن تدبیر عاجز رہ جائیں۔ اور ہر گول میز کانفرنس میں ذاتیات اور نفسیات کی وجہ سے اگر تمام امیدوں کا خاتمہ ہو جانے والا ہے۔ تو اور ہر رقابت نہ ہبی۔ فتن و فساد بپا کئے ہوئے ہے یاران وطن کسی پہلو واقعات کو اعتدال پر نہیں آنے دیتے۔

قضیۂ کشمیر زمانۂ جنگی کا موجب بنا۔ اور اس قدر بڑھا اور بگڑا۔ کہ الامان! مسلمانوں نے حفظ امن کے لئے کوششیں کیں۔ تو علمبرداران اتحاد نے ہندو مسلم سوال کا شاخسانہ کھڑا کر دیا۔ اور ہزاروں بے گناہوں پر دست تعدی دراز ہوا۔ سات ہزار مسلم رضاکار گرفتار کئے گئے۔ اور حکومت کشمیر کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ رائے خوش اور نہ رہا یا مطمئن۔ اب سنا جاتا ہے۔ کہ خانہ تاریک کی چار دیواری میں ڈبک کر تیر چلانے والے تماش بینوں نے ایک اور شراگیزی کے لئے آغاز کار کر دیا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ کشمیر کے انتظام میں لاہوری عمدہ دان وطن نے اسلامی ریاستوں کے خلاف غلیظ و ناپاک پراپیگنڈا کرنے کے لئے والنٹیروں کی بھرتی شروع کر دی ہے۔ جس کا بالیقین نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بھی شر و فتن کی آگ مشتعل ہوگی۔ اور اس طرح ملک شورش و حوادث کا ایک مرکز بن جائیگا ہندو مسلم اگر اتحاد کے حامی ہیں۔ انہیں طوق غلامی اتار پھینکنے کی تمنا ہے۔ اور وہ دنیا میں آزادی و امن کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے عدل و انصاف کی تلاش کریں۔ ورنہ یہ سب منصوبے یونہی دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

کیا کوئی ایک قوم دوسری پر غالب آسکتی ہے؟ کوئی کسی کو ملک بدر کر سکتا ہے؟ اگر نہیں۔ تو کیا یہ زور آزمائیاں اکارت نہیں جائینگی

اور اس میں سراسر نقصان و شماتت نہیں۔ خدا عقل دے۔ تو یہ باتیں غور کے قابل ہیں ؛

القریش کی خدمات کی آپ بہت کم پروا کرتے ہیں۔ بحالیکہ ہم بلا خوف تردید و ثوق اور دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر القریش بقید حیات نہ ہوتا۔ تو قریش کا نام و نشان تک بھی کا مٹ چکا ہوتا۔ اس کی جگہ مراسی۔ قصائی۔ دھنیئے اور جولاہے لے لیتے۔ واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ جب قریش پر کس قدر یورشیں اور کس قدر ناپاک حملے کئے گئے۔ اور مداحانہ کارروائیوں میں کسقدر جد وجہد کیگئی۔ اور اب بھی تحفظ نسب و ناموس کیلئے کسقدر ضرورت ہے۔ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے۔ تو پھر اس بات سے قطعاً انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ القریش نے حق نمائندگی ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ پھر یہ کیا سرد مہری بے التفاتی۔ بے پرواہی اور حق ناشناسی نہیں۔ کہ اسکی امداد و اعانت اور حوصلہ افزائی کی بجائے اس کے وی پی بیدریغ واپس کر دیئے جائیں۔

تین روپیہ سالانہ چار آنہ ماہوار یا ڈیڑھ پائی پرچہ کے برابر بھی اس کی قدر و قیمت نہ سمجھی جائے۔ ہم کمال افسوس اور انتہائی رنج و ملال کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جس قوم میں اتنا بھی احساس نہیں۔ اور جو نیکی و بد کی قیمت کرنے سے اسقدر قاصر ہے۔ اور جو خود اپنے مفاد و مضار کی باتوں میں تمیز نہیں کر سکتی۔ اسے کوئی نہیں کہ وہ زندہ اقوام میں شمار ہو۔ آہ! وہ قریش جو استاد زمان اور اقوام عالم کی رہبر و رہنما تھی۔ چودھویں صدی میں اسکی بے پرواہ نسل یوں بے نام و نشان اور بیحس و حرکت مورہی ہے۔ کیا زندہ دلان قوم اس پس افتادگی اور دردمندانہ حالت پر کچھ غور کرینگے؟ کیا خدا ہمیں توفیق دیگا؛ کیا ہم زندہ رہیں گے؟ کوئی ہے جو ان باتوں پر غور کرے ؟

قوم کی یہ حالت کہ متواتر نمبر وی پی واپس کر دیں۔ نہیں۔ اور محکمہ ڈاک کی یہ کیفیت کہ جشری فیس میں ایک آنہ اور بڑھا دیا گیا ہے۔ قومی جرائد و رسائل کا ان حالات میں خدا حافظ! نہ بچائے نہ بچے ماندل! اب سوتو کیا سوائے اس کے کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ کہ وی پی سسٹم بند کر دیا جائے۔ اور رسول زر چندہ خاص خاص قریش کے اعتماس وصحبت پر سونوٹس رکھا جائے۔ جنہیں خدا نے توفیق عمل دی ہے اور جن کے دل نو سلم سے مسرور ہیں۔ جن کے دلوں میں درد اور حمیت قومی ہے۔ انہیں اس طرح بھی دست امداد بڑھانے میں دریغ نہیں۔ اور اس طرح بھی وہ ذاتی چندہ بھی ادا کرینگے۔ اور توسیع اشاعت کیلئے بھی کوشاں ہونگے لیکن جو بیگاری ہیں۔ قومی ضروریات کو مذاق اور مضحکہ خیال کرتے ہیں۔ علمی ذوق نہیں اصلاحی شوق نہیں۔ وہ اسطرح بھی کسی کام نہ آئینگے۔ اور اس طرح بھی۔ بیحس اور بے حمیت دل کبھی مامور بحمیت نہیں ہو سکتا۔ لہذا آج سے ہم وی۔ پی۔ سسٹم بند کرتے ہیں۔ دفتر سے صرف خاتمہ سال خریداری کی اطلاع رسید دی جائیگی۔ اور یہی وی۔ پی کا بدل ہوگا۔ زر چندہ کی ترسیل ان کی قومی حمیت اور علم دوستی پر موقوف ہوگی۔ امید ہے۔ کہ احباب اپنے قومی میگزین کے اخراجات اور ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اور وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے ترسیل زر چندہ میں تاخیر نہ کرینگے۔ اور توسیع اشاعت کے لئے بھی کوشاں رہ کر کارپردازان القریش کو مشکور کرنے کے علاوہ فراخدلی کے ساتھ خدمات انجام دینے کا موقعہ دیتے رہیں گے ؛

بکمال رنج و افسوس کا مقام ہے۔ کہ حکیم علاؤالدین صاحب بھاگووالیہ کا نوعمر نوجوان صاحبزادہ جس نے امسال انٹرنس کا امتحان دیا تھا۔ چند روز بستر علالت پر رہ کر گذشتہ ہفتہ نعم رسیدہ باپ کو داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے اور حکیم صاحب کو نعم البدل عطا کرے ؛

بصائر و عبر

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلاویزے تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مندرجہ بالا قطعہ میں حضرت شیخ سعدیؒ نے ایک مشہور قانون قدرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جسے عام فہم الفاظ میں اثر صحبت کہتے ہیں۔ آپ نے ظاہر کیا ہے۔ کہ پھول کے پاس رہنے سے مٹی اور گھاس بھی خوشبودار ہو جاتی ہے۔ جب یہ خاصیت تاثیر عبادات اور نباتات میں ہے۔ تو انسان میں بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ ایک انگریزی مثل ہے۔ کہ "کسی شخص کی صحیح حالت کا اندازہ اس کے دوستوں کی حالت سے ہو سکتا ہے" دوسری ضرب المثل زیادہ صاف ہے۔ یعنی آپ مجھے اپنے دوستوں کے نام بتلائیں گے تو میں آپ کو بتا دوں گا۔ کہ آپ کیسے ہیں" غرض ان کا مفاد یہ ہے۔ کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ جیسی صحبت ہوگی۔ ویسا ہی اثر پڑے گا۔ یہ تو کوئی نہیں چاہتا۔ کہ رسوائے عالم ہو۔ برا کہلائے۔ ہر کس و ناکس کو اچھا اور نیک بننے کی خواہش ہوتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بد کی صحبت میں مت بیٹھو اس کا ہے انجام برا
بد نہ بنے تو بد کہلائے بد اچھا بد نام برا

ہمارے رسول مکرم صلعم اخلاق حسنہ کے جامع تھے۔ چنانچہ آپؐ کے صحابہؓ بھی فیض صحبت کی برکت سے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے حضرت عمر فاروقؓ نے جس شان سے حکومت کی۔ دنیا جانتی ہے حضرات عبداللہ بن عمرؓ حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ پر اس قدر گہرا اثر پڑا تھا۔ کہ حلم و کرم اور جود و سخا میں بے مثل تھے۔ انصاف و عدل میں بینظیر حریت کے دلدادہ اور جمہوریت کے پرستار تھے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جب معزولی کا پیام پہنچا۔ تو باوجودیکہ اسلامی لشکر آپ کے اشاروں پر تھا۔ اگر چاہتے۔ تو کل فوج آپکے ساتھ دیتی لیکن خالد نے نہایت ہی سادگی سے اپنی سپہ سالاری کی پگڑی ابو عبیدہؓ بن الجراح کے حوالے کر دی۔ یہ وہ وقت تھا۔ کہ کوئی دم میں جنگ کا فیصلہ ہوا چاہتا تھا۔ اور اگر ذرہ بھر درنگ سے کام لیا جاتا۔ تو فتح سیف اللہ کے نام ہوتی ؎

ہو کر ترے دیوانے ہوئے مرجع آفاق
اب دیکھئے جس کو وہ ہے دیوانہ تمہارا

حضرت فاروقؓ مٹھی کملی پہنے ہاتھ میں دُرّہ لئے ہوئے تھے۔ قیصر روم کا ایلچی جو قتل کے ارادہ سے آیا تھا۔ آپ کو دیکھ کر مارے ہیبت

کے کانپنے لگا ۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

سادگی میں کس قدر جلالت تھی ۔ اور یہ سادگی رسول اعظم کے فیض صحبت کا اثر تھی ۔ خود آنحضرت صلعم نے ظاہری آرائش و زیبائش کی پرواہ نہ کی ۔ پھر صحابہ کرام کیوں کرنے لگے تھے ۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ عزت کے لئے اسلام بس ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی کمال سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے ۔ لیکن یزید کے مقابلے میں اس کے سطوت و جبروت کی پروا نہ تھی ۔ جو کہنا ہوتا صاف صاف کہہ دیتے ۔ اور کھری کھری سنا دیتے تھے جب جمہور اسلام نے آپ کی بیعت پر اصرار کیا ۔ تو آپ نے صاف انکار کر دیا ۔ حالانکہ دنیا کی جاہ و حشمت بلا طلب و خواہش ملتی تھی ۔ اور فرمایا ۔ کہ خلافت کا کام جب تک للہی تھا ۔ میں نے جنگ میں بھی شرکت کی ۔ اور کسی طرح کی امداد دہی میں کوتاہی نہیں کی ۔ چونکہ اب دنیوی اغراض سے ملوث ہو گئی ہے بعض راضی ہوں گے ۔ اور بعض خلاف ۔ اس لئے میں ہرگز ہرگز خلیفہ بننا قبول نہ کروں گا ۔ چاہے کچھ ہو ۔ مجھے مسلمانوں میں خانہ جنگی منظور نہیں ۔

حدیث شریف میں وارد ہے ۔ کہ نیک ہمنشیں عطار کی مانند ہوتا ہے ۔ اگر عطار اپنے عطریات سے کچھ بھی نہ دے ۔ تاہم ان کی خوشبو سے ضرور بہرہ ور ہونگے ۔ اور برا ساتھی لوہار کے آتشدان کے مثل ہے ۔ اگرچہ تم اس کے آتشدان کی آگ سے محفوظ رہ سکتے ہو ۔ مگر اس کے دھوئیں اور بخارات سے ضرور اذیت پہنچے گی ۔ اثر صحبت کی سچی مثالیں ام الکتاب میں حسب ذیل ہیں :-

حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام کے قصہ ہی کو لیجئے ۔ حضرت نوحؑ اپنی قوم کی ہدایت سے عاجز آ گئے ۔ کیونکہ وہ لوگ باوجود جد و جہد بسیار اور سعی بے شمار بری عادتوں کے باعث جو ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں ۔ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے ۔ آخر آپ نے بددعا کی ۔ کہ اے میرے رب ! کسی منکر کا گھر زمین پر نہ رکھ ! خداوند عالم کا غصہ بھڑکا ۔ آپ کی دعا قبول ہوئی ۔ اور حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم ہوا ۔ منکروں کی طعنہ زنی کے باوجود حضرت نوحؑ نے کشتی تیار کی ۔ جب کشتی تیار ہو گئی ۔ تو حکم الٰہی ہوا ۔ کہ اے نوح ! اپنے لوگوں کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ ! وہ بچ جائیں گے ۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے حکم کی تعمیل کی ۔ مگر آپ کا ایک بیٹا کشتی پر نہ آیا ۔ اور کافروں کا ہم جلیس رہا ۔ جب حضرت نوحؑ نے اس کو بلایا ۔ اور عذاب الٰہی سے ڈرایا ۔ تو اس نے جواب دیا ۔ مجھے معاف کیجئے ۔ میں ابھی کسی پہاڑ کا سہارا پکڑتا ہوں ۔ جو مجھے پانی میں ڈوبنے سے بچا لے گا ۔ حضرت نوحؑ کی محبت پدری نے جوش مارا ۔ جناب باری میں دعا کی ۔ کہ اے خدا ! تو نے میرے لوگوں کو بچانے کا وعدہ کیا ہے ۔ پس میرے بیٹے کو بچا ۔ ندا آئی ۔ کہ اے نوح ! وہ اہلیت نہیں رکھتا ۔ اس کے افعال ناکارہ ہیں ۔ ع

بندگی با دیگیرے زادگی درکار نیست

گو ظاہراً وہ ایماندار تھا ۔ لیکن فاسق و فاجر کفار کی ہمنشینی نے اسے تباہ کر دیا تھا ۔ غرض حسب ارشاد خداوندی ایک مقام سے پانی بہ خوش و خروش ابلنے لگا ۔ اور اوپر سے مینہ برسا ۔ دونوں حال وہ لڑکا اور اس کے سب ساتھی غرقاب ہو گئے ۔ صحبت بد کا یہ نتیجہ نکلا ۔

کہ باوجود پیمبرزادگی کے صحبت بد نے ہلاک کردیا۔

اصحاب کہف چند لوگ تھے۔ جو بڑے موحد اور خدا پرست تھے۔ ایک ظالم بادشاہ دقیانوس کے ظلم و ستم اور دعوے خدائی سے تنگ آکر پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے ان کے ایک وفادار کتے نے رفاقت کی۔ خدا نے ان پر نیند کو غالب کیا۔ اور وہ لوگ سوگئے۔ جب کئی سو برس کے بعد بیدار ہوئے۔ تو ان میں کا ایک شخص شہر میں آکر کچھ کھانے کی چیزیں خرید لے گیا۔ اور اسی کھوہ میں جا چھپا۔ پھر بدستور وہی حالت طاری ہوگئی۔ چنانچہ کتا بھی انہیں کے حال پر ہوگیا۔ جو حالت ان کی ہے وہی کتے کی بھی ہے۔

پس ظاہر ہوا۔ کہ صحبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک بھلی اور دوسری بری۔ اور دونو موثر ہوتی ہیں۔ نیک صحبت اختیار کرنا ہر حال میں مفید ہے۔ بری صحبت میں جو عادت ہوجائے گی۔ وہ کسی طرح نہ چھوٹے گی۔ عادت آسانی سے پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ سعدیؒ کا حسب ذیل شعر اثر صحبت کا آئینہ ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب شہر شیراز تباہ و برباد ہوگیا۔ تو میں نے سفر کی ٹھانی۔ اگرچہ عزیز و اقارب مانع ہوئے۔ مگر میں نے اپنا اثاثہ بیچ ڈالا۔ نقدی اور کتابیں لے کر توکل علے اللہ چل کھڑا ہوا۔ کہ شمۂ قدرت ملاحظہ ہو۔ کہ ابھی ایک ہی منزل قافلہ کے ہمراہ سفر کیا تھا۔ کہ بیمار ہوگیا۔ بہت کوشش کی۔ کہ قافلے کا ساتھ نہ چھوٹے۔ مگر قسمت نے یاری نہ کی۔ ناچار قافلے کو چھوڑ ایک گاؤں میں ٹھیر گیا۔ آخر گیارہ روز کے بعد شفا پائی۔ گاؤں والوں نے بڑی خدمت کی تھی۔ وہ مانع ہوئے۔ مگر میرا شوق علم کب نچلا بیٹھنے دیتا تھا۔ انہوں نے روٹیاں اور پنیر باندھ دیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور بار نہ لے جاسکنے کے عذر پر واپس کردیا۔ اس وقت شیراز کی حدود دور تک مخدوش تھی۔ قافلے لوٹے جاتے تھے۔ اکا دکا مسافر منزل کو پہنچ جاتے۔ یہ تو نا ممکن تھا۔ میں صرف چار فرسنگ ہی گیا تھا۔ کہ ایک طرف سے پہاڑ کی کھوہوں سے چند آدمی نکلے۔ جو سیدھے میری طرف آرہے تھے۔ دیکھتے ہی میں نے جان لیا۔ کہ یہ راہزن ہیں۔ لیکن میرے پاس سوائے چند درہموں کے اور کوئی چیز نہ تھی۔ اس لئے میں مطمئن تھا۔ اتنے میں وہ میرے سر پر آکھڑے ہوئے اور کڑک کر کہا "جو کچھ پاس ہو۔ رکھ دے! ورنہ مارا جائے گا۔ میں نے کہا۔ کہ طالب علم ہوں۔ تعلیم حاصل کرنے جارہا ہوں جو بوجھ تم کو نظر آتا ہے۔ کتابوں کا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ کچھ نقدی بھی ہے؟ یا صرف کتابوں کا پشتارا ساتھ لئے پھرتا ہے میں نے جواب دیا۔ کہ ہاں نقدی بھی ہے۔ اس پر اگر تمہارا جی للچایا ہے۔ تو لیجئے۔ بیشک نذر ہے۔ مگر گنا کے دیتا ہوں۔ کہ اس سرمایہ سے میرا تحصیل علم کا ارادہ ہے۔ یہ لے لو۔ مگر تم بھی اس کو ضرور بچوں کی تعلیم پر صرف کرنا۔ اتنا کہہ کر جو نقدی تھی۔ کوڑی کوڑی ان کے آگے رکھ دی۔ میرے دام و درہم رکھنے اور ان کلمات نے ان کے دل پر عجیب اثر کیا۔ دیکھتا ہوں۔ کہ مارے شرم کے ان کی نگاہیں نیچی ہوتی جاتی ہیں۔ اور ان کے رخساروں پر آنسو بہ رہے ہیں۔ نقدی چھونا تو درکنار۔ الٹا معذرت کرنے لگے۔

اور کہا میاں شیخ! جو کچھ ہم نے کیا۔ بُرا کیا۔ آپ یہ گستاخی معاف فرمائیں۔ ہم دل سے اقرار کرتے ہیں۔ کہ آئندہ یہ کام ہرگز نہ کرینگے کیا کریں۔ امیروں کے بچے ہیں بری صحبت نے بگاڑ دیا۔ گھر کا خزانہ لٹا کر نکمے صحبت میں یہ کام اختیار کر لیا۔ مذکورہ بالا حکایات سے اثرِ صحبت کی کامل تفصیل ہوتی ہے ؎

آدمیت سے تمہیں بہرہ ہو بہرہ کیونکر — تم نے صحبت نہیں رکھی کسی انسان کیساتھ
چندے ہیں پاک صحبتِ طاہر سے ہو نجس — سرکہ نمک سے چار گھڑی میں خراب ہو
دیر میں نیکوں کی صحبت سے بدوں کو ہے پرہیز — عدل ہو جس ملک میں فتنہ وہاں رہتا نہیں

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ..... وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! جھٹلانے والے کے کہنے میں نہ آجانا۔ اور کسی نابکار کا کہنا نہ ماننا۔ (پیروی نہ کرنا) جو بہت قسمیں کھاتا ہے۔ اور آبرو باختہ ہے۔ رذیل الطبع ہے۔ طعن کرنے والا۔ اور لوگوں پر آوازے کسنے والا ہے۔ اور ادھر ادھر چغلیاں لگاتا پھرتا ہے۔ اچھے کاموں سے روکتا ہے۔ بخیل ہے۔ بد ہے۔ اکھڑ۔ بدنام اور بد اصل ہے (القلم ع ۲)

محمد رحمت اللہ خان بی اے

ندوۃ القریش

بفضل خدا اپنے فرائض منوطہ کی انجام دہی میں بطریق احسن مصروف ہے۔ زراعتی حقوق کا مسئلہ آخری منزل تک پہنچ گیا۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ اس کا نتیجہ عنقریب جب دلخواہ برآمد ہو جائے گا۔ اب اس کے سامنے "تنظیم قریش" کا مسئلہ ہے کسی گذشتہ اشاعت میں لکھا گیا تھا۔ کہ قریشیان پنجاب صوبہ وار اس اہم مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے تیار رہیں۔ کوئی قدم کوئی گردہ اور کوئی سو سائٹی اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ پورے انہماک پوری کوشش اور پوری سعی و جہد کے ساتھ اس کے وسائل ترقی پر عامل نہ ہوں۔ لہٰذا بہی خواہان قوم کا فرض اولین یہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ اپنی توجہات خصوصی اس اہم قومی ضرورت کی جانب معطوف کریں۔ ندوۃ القریش کے ممبر ہوں۔ اس کی مالی امداد کریں۔ تاکہ قوم میں وحدت اور فراخدلی کے ساتھ پروپیگنڈا کیا جا سکے۔ سعی و جہد ہی ایک قوت ہے۔ جو حصول مقاصد کے لئے مفید و نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔ ضرورت کا اقتضا یہ ہے۔ کہ برادران قریش خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ اور دنیا میں عزت و آرام کی زندگی بسر کرنے کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔ یہ خاموشی یہ غفلت اور یہ بے پرواہیاں ایک دن روزِ بد دکھائیں گی۔ اور قومیت مخلوط بہ اغیار ہو کے رہ جائے گی۔ اور عواقب و نتائج تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ ہونگے۔ اللھم ارحم!

تاریخ عباسیہ کا ایک باب

امین و مامون

(نمبر ۲)

امین کا حسرت ناک انجام

{گذشتہ سے پیوستہ}

طاہر کا مقابلہ

ابن ماہان کے قتل کے بعد عبد الرحمن بن جبلہ کو بیس ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ طاہر کے مقابلہ پر ہمدان کی طرف روانہ کیا گیا۔ ابن جبلہ اس لشکر عظیم کو لے کر ہمدان میں قلعہ بند ہو گیا۔ طاہر کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ بھی اپنی فوج لے کر ہمدان کی طرف بڑھا۔ ابن جبلہ نے خبر پاتے ہی شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن پہلی ہی جھڑپ میں منہ کی کھا کر واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد دوبارہ لشکر کو ترتیب دے کر پھر مقابلہ پر آیا۔ لیکن شکست کھا کر شہر کے اندر قلعہ بند ہو گیا۔ طاہر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ طول محاصرہ کی وجہ سے لوگوں کو سخت تنگی کا سامنا کرنا پڑا۔ ابن جبلہ نے اس خوف سے کہ مبادا لوگ باغی ہو جائیں طاہر کی طرف صلح کا پیغام بھیجا۔ اور امان لے کر ہمدان سے چلا گیا۔ چونکہ ابن جبلہ نے طاہر سے امان طلب کی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ بکلف اس کے پاس آتا جاتا رہا۔ اس طرح جب اس نے طاہر اور اس کے ہمراہیوں کی طرف سے کامل اطمینان کر لیا۔ تو ایک روز بحالت غفلت طاہر کی فوج پر دھاوا بول دیا۔ طاہر کی فوج حیرت انگیز عجلت سے تیار ہو کر مقابلہ پر ڈٹ گئی۔ اور خونریز جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ آخر ابن جبلہ کے ہمراہی شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ اور ابن جبلہ وہیں کھیت رہا۔ طاہر یکے بعد دیگرے شہروں اور قلعوں کو فتح کرتا ہوا حلوان پہنچا۔ اس نے حلوان کے چاروں طرف خندق کھدوا کر مورچے قائم کئے۔ اور از سر نو لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد ہی مامون نے حکم صادر کر دیا۔ کہ آئندہ اس کے نام کا خطبہ منبروں پر پڑھا جائے۔ اور فضل بن سہل کو اپنے کل مقبوضات میں سیاہ و سفید کرنے کا اختیار دے دیا۔ اس کے لئے ایک لواء تیار کیا گیا۔ جو نیزے پر آویزاں تھا۔ مامون نے اسے ذوالریاستین کا مبارک لقب عطا کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ صاحب سیف اور قلم ہے۔

بغداد میں تہلکہ

عبد الرحمن ابن جبلہ کے قتل ہونے پر دار الخلافہ بغداد میں تہلکہ پڑ گیا۔ امین نے فضل بن ربیع کے مشورے سے ایک لشکر خرار تار کر کے احمد اور عبد اللہ دو آزمودہ کار رجنوا کے ماتحت ہمدان کی طرف روانہ کیا۔

انہوں نے خانقین کے مقام پر پہنچکر پڑاؤ ڈال دیئے۔ طاہر بھی خبر پاکر مقابلہ کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اور جاسوسوں کو احمد اور عبداللہ کے لشکریں بہ تبدیل لباس پھیلا دیا۔ جاسوسوں نے خبر اڑا دی۔ کہ بغداد کا خزانہ شاہی خالی ہوگیا ہے۔ اور لشکریوں کی تنخواہیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ لشکر مارے مارے پھر رہے ہیں اور جہاں کہیں کوئی چیز پاتے ہیں۔ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ جب فوج والوں نے یہ خبر سنی۔ تو کوئی اس کی تصدیق کرنے لگا۔ اور کوئی تردید۔ غرضیکہ سپاہیوں میں آپس میں ہی جھگڑا شروع ہوگیا اور نوبت بانیجا رسید۔ کہ وہ گتھم گتھا ہوگئے۔ اور طاہر سے جنگ کئے بغیر بغداد کی طرف واپس آگئے۔ اسی اثنا میں ترجمہ ایک لشکر جرار کے ساتھ مامون کا فرمان لیکر طاہر کے پاس پہنچا۔ اس فرمان میں طاہر کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ یہاں کا چارج ترجمہ کو دے کر خود اہواز کی طرف کوچ کر جائے۔ طاہر نے فرمان لیتے ہی آنکھوں سے لگایا۔ اور بوسہ دیا۔ اور کل مفتوحہ بلاد ترجمہ کے سپرد کرکے اہواز کی طرف چل گیا۔ جب طاہر اہواز پہنچا۔ تو اس کے پرچہ نویسوں نے اطلاع دی۔ کہ خلیفہ امین کی طرف سے محمد بن یزید بن حاتم ایک لشکر عظیم لئے ہوئے اس کے مقابلہ پر آرہا ہے۔ طاہر بھی لڑائی کے لئے تیار ہوگیا۔ اہواز کے قریب ان دونو لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ محمد بن یزید بن حاتم کے ہمراہیوں نے شکست کھائی۔ اور میدان سے چمپت ہوگئے لیکن محمد بن یزید اور اس کے چند جان نثار میدان جنگ میں داد مردانگی دیتے ہوئے مارے گئے۔

لشکریوں سے سازباز

جس وقت امین نے اپنی آنکھوں سے طاہر کی فتوحات کا بڑھتا ہوا سیلاب دیکھا۔ تو خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ اور جنگ طاہر پر کمربستہ ہوکر اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ ماہ شعبان ۱۹۶ھ میں چار لشکر تیار کرکے اس نے ماموں کے سپہ سالاروں کے مقابلہ پر روانہ کئے۔ ماموں کے بہادر جرنیلوں نے امین کے لشکروں کی کچھ پیش نہ جانے دی۔ اور شکست پر شکست دیتے رہے۔ امین کی جو فوج طاہر کے مقابلہ پر آئی تھی۔ شکست کھا کر پسپا ہوگئی۔ اس پر امین نے جنگ کا عنوان بگڑتے ہوئے دیکھ کر طاہر کے لشکریوں کو مال و اسباب دے کر سازش شروع کردی چنانچہ اس میں اسے کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اس نے سرداروں کو ملانے کی کوشش کی۔ اس میں بھی کامیاب ہوا۔ اب دونوں طرف سے لشکر پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ طاہر نے بھی امین کے لشکریوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب مقابلہ کا وقت آیا تو امین کی فوج بجائے اس کے کہ طاہر کا مقابلہ کرے۔ امین ہی کی طرف شور و غل کرتے ہوئے ٹوٹ پڑی۔ امین نے اس جدید فوج کو ان سے جنگ کرنے کے لئے حکم دیا۔ جو حال ہی میں بازاریوں اور پناہ گیروں سے ترتیب دی گئی۔ طاہر نے ان سے بھی سازش کرلی۔ اور بہت سا مال و اسباب دے کر ان میں سے چند آدمیوں کو بطور ضامن اپنے یہاں نظر بند کرلیا۔ اب طاہر کی حکمت عملی اس قدر کامیاب ہوئی۔ کہ تمام لوگ امین کا ساتھ چھوڑ کر طاہر کی طرف آنا شروع ہوئے۔ عوام الناس میں بھی تہلکہ پڑ گیا۔ قیدی جیل کا دروازے توڑ کر نکل آئے بدمعاشوں۔ بازاریوں اور اوباشوں نے لوٹ مار شروع کردی۔ اور غریبوں اور بے کسوں پر ٹوٹ پڑے۔ طاہر نے بغداد کے باب انبار میں اپنا مورچہ قائم کرکے محاصرہ کرلیا۔ امین کے ماؤف تلے سے زمین نکل گئی۔ ماوجود وسیع ہونے کے اس کا محل

اس پر تنگ ہو گیا۔ رسد اور غلّہ کے بند ہونے سے مصیبت پر مصیبت آگئی مجبوراً توشہ خانہ کے مال و اسباب اور خزانہ کے سامان و ظروف لشکریوں کو دینے لگا۔ امین نے اپنے دو نو قصروں۔ قصر صالح اور قصر سلیمان میں جو دجلہ کے کنارے پر تھے۔ چند سپہ سالار تعین کر دیئے۔ جنہوں نے محاصرین کے مورچوں کو توڑنے میں آتشباری سے کام لیا۔ لیکن طاہر بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتا تھا۔ اور بغداد کے جس حصے کو فتح کرتا تھا۔ وہاں مورچے قائم کرتا جاتا تھا۔ خلیفہ امین نے ان رؤسا و امرا کے مال و اسباب بھی ضبط کر لئے۔ جو کھلے بندوں طاہر کے مقابلہ پر نہیں آئے تھے۔ اس سے بغداد کی ریزرو فوج میں بد دلی پیدا ہو گئی۔ اور میدان جنگ میں جو فوج لڑ رہی تھی۔ وہ روز از جنگ سے تھک کے بیٹھ گئی۔ سوائے بازاریوں اور زنگروٹوں کے اور کوئی آزمودہ شخص امین کی طرف سے لڑتے نہیں دیکھا گیا۔ اوباشوں اور جرائم پیشہ لوگوں نے شہر کا میدان خالی دیکھ کر لوٹ شروع کر دی۔ ہنوز جنگ کا میدان گرم ہی تھا کہ امین کے سپہ سالار نے جو قصر صالح کے مورچہ پر متعین تھا۔ طاہر کو امان کی درخواست دے دی۔ جو طاہر نے خوشی سے منظور کر لی۔ اس کے بعد اس کی پولیس کے افسر اعلےٰ نے بھی امان لے لی۔

قصر صالح پر طاہر کا قبضہ

آخر کار قصر صالح پر طاہر کا قبضہ ہو گیا۔ اس پر قبضہ ہونے کے بعد طاہر نے امین کے کل سپہ سالاروں سے خط و کتابت کی۔ جن سے وعدہ کیا گیا۔ کہ اگر وہ مامون الرشید کی بیعت کر لیں۔ تو ان کو امان دی جائے گی۔ انہوں نے اس شرط کو بخوشی منظور کر لیا۔ طاہر نے قصر صالح پر قابض ہو کے بغداد کی شہر پناہ توڑے جانے کا حکم دیا۔ رسد کی آمد بند کر دی گئی۔ کشتیوں کو براستہ فرات بغداد میں جانے سے روک دیا گیا۔ جس سے غلہ بے حد گراں ہو گیا۔ طول محاصرہ کی تکالیف اور غلہ کی گرانی ایک ایسا طوفان تھا جس کا برداشت کرنا انسانی قوت سے باہر تھا۔ خلیفہ امین کے مکانات جو خیزرانیہ میں تھے۔ جلا دیئے گئے۔ ان کی تیاری میں بیس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے۔ خلیفہ امین کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا۔ اب طاہر دن بدن کامیاب ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ کرخ کی طرف بڑھا۔ اہل شہر و کرخ نے مزاحمت کی۔ لڑائی ہوئی۔ لیکن طاہر نے انہیں شکست دے کر قبضہ کر لیا۔ ان کی منادی کرا دی۔ اور ہر جگہ اپنا لشکر پھیلا دیا۔ خلیفہ امین بمع اپنی ماں اور لڑکوں کے شہر مدینۃ المنصور میں پناہ گزین ہوا۔ اور نہایت استقلال کے ساتھ محاصرے کی سختیوں کو برداشت کرتا رہا۔ اس کے ارکان سلطنت میں سے صرف چند ایک اس کے ساتھ رہ گئے۔ باقی کیا لشکری اور کیا لونڈی غلام اس سے علیحدہ ہو گئے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ ان جان نثاروں نے جنہوں نے اس آڑے وقت میں اس کا ساتھ دیا۔ حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ اس وقت بھی سات ہزار سوار امیر المومنین کے حکم کے منتظر ہیں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم اسی قدر امرا و رؤسا اور ارکین سلطنت کے لڑکوں کو منتخب کر کے ان کا افسر بنا لیں۔ اور کسی دروازے سے بحالت غفلت نکل کر جزیرہ شام کی طرف چلے جائیں۔ اور ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔ خلیفہ امین نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بغداد سے جزیرہ شام کی طرف جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

(باقی باقی)

بانگِ درا

خمارِ خوابِ غفلت توڑ بیداری کی باتیں کر
یہ بہکی بہکی باتیں چھوڑ ہشیاری کی باتیں کر

زبانِ خلق پر ہیں تفرقہ پردازیاں تیری
زمانہ ہنس رہا ہے دیکھکر غمازیاں تیری

سلف کے کارنامے یاد کر تقلید کرانکی
جو اولادِ سعادت مند ہے تائید کرانکی

مساوات و اخوت کا گذشتہ دور دکھلا دے
وہ یک رنگی باہم کے طریق و طور دکھلا دے

ضرورت ہے کہ تو تنظیم امت کا سبق پھر دے
مسلمانوں کو تبلیغ و اشاعت کا سبق پھر دے

شجاعت ان کا شیوہ ہو صداقت ہو شعاران کا
کرم ہو ان کی خصلت سیر چشمی افتخاران کا

بسر ہو زندگانی ان کی خالق کی عبادت میں
معیشت ان کی مضمر ہو تجارت میں ریاضت میں

مسلمانوں کو بتلائے تجارت ہاتھ میں پھر لیں
وہ اپنی ڈھونڈ کر گم گشتہ دولت ہاتھ میں پھر لیں

یہ مسلم اقتصادی حالت اپنی جب سنبھا لینگے
حریفوں کے دلوں پر اپنا سکہ پھر جما لینگے

یہ مانا ہم نے دین احمدی کے لاکھ دشمن ہیں
جو چمکا شعلۂ وحدانیت انبارِ خرمن ہیں

خدا ایمان والوں کو بڑائی دینے والا ہے
جو مومن ہیں زمانہ میں انہیں کا بول بالا ہے

(سید) اختر الوری

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

النجات

(گذشتہ سے پیوستہ)

پہلا باب

ایمان

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے۔ کہ ایمان کس کو کہتے ہیں۔ الایمان ھوالتصدیق بماجاء بہ النبی من عند اللہ۔ اور از روئے لغت گرویدن بخدائے تعالےٰ کے معنی ہیں۔ یعنے خدائے برتر کی ہستی پر از روئے وحدانیت و قدرت علے الاطلاق ایسا قلبی تیقن رکھا جائے۔ کہ دل بغیر کسی شک و شبہ کے بالکل مطمئن ہو کر اس اطمینان کامل کے ذریعہ سے تصدیق اس امر کی کرے کہ جو کچھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ وہ سب سچ اور درست ہے۔ الغرض خدائے بزرگ و بلند کی ہستی پر اعتقاد کامل اور یقین واثق رکھنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اس طرح پر کہ وہ تنہا قدیم ہے۔ اور برحق موجود ہے۔ وہ ایسا پاک ہے کہ ہمارے وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔ خالق کل اور سب پر غالب ہے۔ واحد و یکتا ہے متصف بجمیع صفاتِ الٰہیہ اور غنی بالذات ہے۔ ازلی و ابدی ہے۔ بے مثل و بے ہمتا اور لاشریک لہٗ ہے۔ بلحاظ ذات و صفات کے غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔ جامع کمالاتِ سرمدیہ اور واجب الوجود ہے۔ کسی خاص ہمت یا جہت سے مقید نہیں۔ بلکہ مطلق عن القیود فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ہے۔

یہ اعتقاد ایسا ہونا چاہئے۔ کہ دل کے اندر اس کی صداقت اور سچائی مرکوز ہو جائے۔ اور زبان سے بھی اسی اعتقاد کا اقرار اور اظہار ہو۔ کیونکہ اسلام نے اس کو فرض قرار دے دیا ہے۔ اور بدوں اس اعتقاد کے ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اب رہا یہ کہ فرض کیا ہے۔ الفرض ما ثبت فعلہ بدلیل قطعی مع المنع عن الشرک یعنی جس کا کرنا یا نہ کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہو اور دلیل قطعی سے مراد کتاب اللہ یا حدیث متواترہ مشہورہ یا اجماع یا قیاس ہے۔

قبل از ظہور اسلام جس قدر کہ اقوام عالم سو گذری ہیں۔ یا اس وقت موجود تھیں۔ تقریباً قریباً ان سب کا ایمان خداوند تعالیٰ کی نسبت بالیقین ایسا ہی تھا۔ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ ہر انسانی عقل سلیم بے تامل ان صفات باری کو مانتی ہے۔ اگر کوئی سرپھرا یا شاذ و نادر کوئی اور نہ مانے۔ تو اس کی مرضی۔

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اسلام نے پھر انسان کو کونسی تعلیم دی جس سے مسلمان لوگ دوسری قوموں سے متمیز ہو گئے۔ پس وہ

تعلیم دو طرح پر دی گئی ہے۔ ایک اجمالی اور دوسرے تفصیلی ؛

ایمان مجمل } اٰمنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب۔ یعنی سب سے پہلے اسلام نے ایک غیر مسلم سے مسلمان بننے کے لئے اتنا ہی عہد و پیمان لینا کافی سمجھا۔ کہ واقعی ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اپنے اسماء وصفات کے موجود ہے۔ اور میں نے اس خدا کے تمام احکام کی بجاآوری کو دل سے بطیب خاطر قبول و منظور کر لیا ہے۔ اور میں نے سچے دل سے یہ سب باتیں مان لی ہیں۔ اب میں ہمیشہ ان باتوں کا مقر اور پابند رہوں گا۔ پس اس اقرار اور عہد و پیمان سے محض خدائے برتر کی ہستی پر اعتقاد خالص رکھنا ہی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ احکام کی تعمیل کرنا بھی شامل ہے جس سے مراد اعمال ہیں ؛

یہی تعمیل احکام اسلام اور غیر اسلام میں ایک بین فرق اور نمایاں امتیاز پیدا کرنے والی چیز ہے۔ انشاء اللہ ان تعمیل احکام و اعمال کی بحث دوسرے باب میں بالتفصیل کی جائے گی۔ اس باب میں صرف بحث اعتقاد و ایمان علی اللہ ہی مطلوب ہے ؛

ہمیشہ سے فطرت انسانی نے یہ ایک قاعدہ اور دستور العمل جاری کر رکھا ہے۔ کہ جب کسی سے کوئی عہد لیا جائے۔ تو اس کے مستحکم کرنے کے لئے سردست ایک اجمالی اقرار ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً صاحبان ذوق و شوق الٰہی یعنی درویش لوگ بھی وقت بیعت۔ بیعت ہونے والے سے ابتداءً ایک اجمالی اقرار اس طرح پر لے لیتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں خانوادۂ اہل اللہ کی بیعت بطیب خاطر اس وقت اختیار کر لی ہے۔ آئندہ کے لئے اس خانوادہ کے سارے طریق اعمال کا پابند رہونگا۔ باوجود اس کے کہ ابھی اس کو اس خانوادہ کے طریق اعمال کا پتہ تک نہیں۔ کہ وہ کیا کیا ہوں گے ؛

ایسا ہی ایک شخص کسی افسر کے پاس جب اپنی ملازمت اور نوکری کے لئے التجا کرتا ہے۔ تو وہ اسے بعد ملاحظہ قابلیت کہتا ہے کہ ہم بالفعل تمہیں فلاں ملازمت یا عہدہ دیتے ہیں۔ مگر اس عہدہ کے متعلق تمام احکام پورے کرنے ہونگے۔ تب ملتجی اس وقت ایک اجمالی اقرار کرتا ہے۔ کہ ہاں صاحب میں سارے احکام کی انجام دہی کا پابند رہونگا۔ حالانکہ ابھی اس نے بالکل نہیں دیکھا۔ اور نہ وہ جانتا ہے۔ کہ اس عہدہ کے متعلق مجھے کیا کیا کام کرنے پڑینگے ؛

جب مقر بعد اقرار اس طبقۂ ملازمت میں کہ جس کا اس نے اقرار کیا ہے۔ داخل ہو جاتا ہے۔ اور مقرلہٗ بھی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب یہ شخص سچے دل اور پکے ارادہ سے اس طبقہ میں داخل ہو گیا ہے۔ تو پھر اسے اس طبقہ کے مفصل امور سے بتدریج اطلاع دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس طبقہ کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا پورا اہل بن جاتا ہے ؛

اسی طرح سے جب اسلام نے اپنے نو وارد اور اجمالی ایمان کے مقر کی استعداد اور قابلیت کو جانچ لیا۔ تو پھر اسے ایمان مفصل کی تعلیم اس طرح پر شروع کی ؛

ایمان مفصل } اٰمنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر والقدر خیرہ وشرہٗ من اللہ تعالٰے والبعث بعد الموت۔ یعنی میں اس خدائے پاک پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو ساری مخلوقات کے پیدا

کرنے والا اور بنانے والا ہے ۔ اور نیز اس خدا کے سارے فرشتوں اور سماوی کتابوں اور سچے رسولوں پر بھی ایمان رکھتا ہوں ۔ کہ وہ سب کے سب سچے اور الحق ہیں ۔ اور یہ بھی ایمان رکھتا ہوں ۔ کہ قیامت کبرے کا دن ضرور آنیوالا ہے ۔ اور خیر و شر کا جو کچھ کہ اندازہ ہے خدا ہی کی طرف سے ہے ۔ اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ یہ بھی ایمان رکھتا ہوں ۔ کہ اس موتِ دنیا کے بعد ایک دفعہ ضرور اٹھنا ہوگا ۔ جس کے بعد پھر موت نہ ہوگی ؛

اب خدا پر ایمان رکھنا تو ہر عقل سلیم کے موافق ہے ۔ مگر ملائکہ اور کتب سماوی یا رسولوں اور قیامت کی نسبت نیز بصورت خالق کل ہونے کے نیکی اور بدی کی بابت یا مرنے کے بعد حشر کی بابت ایمان رکھنے میں بعض طبائع کو طرح طرح کے شکوک گذرتے ہیں کہ فرشتوں کی کیا ضرورت تھی ۔ اور کتابوں کو سماوی کیوں کہا جاتا ہے ۔ نیز جبکہ نیکی اور بدی کا اندازہ اسی کی طرف سے ہے ۔ تو پھر رسولوں کی کیا ضرورت تھی ۔ قیامت محض ایک ڈراوا ہی ہے ۔ مرکر جی اٹھنا صرف ایک رام کہانی ہے ؛

یہ تمام شکوک صحبتِ بدہی کے نتیجہ سے پیدا اور مہیا ہو جاتے ہیں ۔ جو بسا اوقات خدا کے فضل اور کسی نیک صحبت سے خود بخود زائل بھی ہو جایا کرتے ہیں ۔ ایسے ایسے شکوک کی وقعت اس سے کچھ زیادہ نہیں ہے ۔ کہ جو ایک طبیب حاذق کسی مریض بخار کے لئے سقمونیہ تجویز کرے ۔ اور وہ مریض یہ شک کرے ۔ کہ حرارت ہی کی وجہ سے تو بخار ہے ۔ اور طبیب حاذق اسی کی تجویز کر رہا ہے ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا ۔ کہ حرارت اور دوبالا ہو کر ہلاکت تک نوبت پہنچ جائیگی ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ۔ بلکہ دوائے سقمونیہ اپنی تاثیر یا خاصیت سے مریض کی حرارت زائدہ کو رفع کرتی ہوئی بخار سے افاقہ دیدیتی ہے ۔ اور مریض بالکل تدریجاً صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاتا ہے ؛

پس مریض کا یہ شک نادانستگی کی وجہ سے تھا ۔ اور طبیب کا یہ علاج پوری پوری دانستگی اور تجربہ سے معمور تھا ؛

لہذا صحت اسی میں ہے ۔ کہ طبیب حاذق جس طرح کہے ۔ اسی طرح سے عمل کیا جائے ۔ اگر بدوں عمل کئے صفت کے شکوک و اعتراض ہی کرتے ہیں ۔ تو پھر صحت معلوم ؎

کسی نے یہ سقراط سے جا کے پوچھا | مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا | کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا | کہ جسکی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آساں سمجھیں | کہے جو طبیب اسکو نادان سمجھیں | سبب یا علامات گر ان کو سمجھائیں | تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں | یونہیں رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں | طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ | یہانتک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

کہنے کو تو یہ آسان بات ہے ۔ کہ فرشتوں کی کیا ضرورت تھی ۔ مگر کہنے والا یہ نہیں جانتا ہے ۔ کہ ع باغبان از بہر یک گل پرورد صد خار را ۔ اس حکیم مطلق کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے ۔ کما قال اللہ تعالےٰ ۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثاً سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ کوئی چیز بھی بے فائدہ اور عبث پیدا نہیں کی گئی ہے ؛

رہا یہ امر کہ فرشتوں کی ہستی کیسی ہے ۔ سو اس سے مالغن فیہ ہمیں کوئی بحث ہی نہیں ۔ کہ وہ جداگانہ اور خاص شکل و صورت کا ایک مخلوق ہے ۔ یا قوائے نیکو کارانہ سے ۔ صرف بحث ہے ۔ تو اس نوع کی ہستی اور وجود سے ہے

کہ جس کا فیصلہ خود کلام الٰہی ہی نے کر دیا ہے ۔ قولہ تعالیٰ ۔ تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا ۔

بادی النظر میں فرشتوں کی جنس اور ہستی مان لینے سے ہمیں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ۔ پس بصدق دل فرشتوں کا مان لینا ہی جزو ایمان ہے جس کی تاکید ایمان مفصل میں مذکور ہے ؛

ضرورت یا خواہش تکوین کا مسئلہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے ۔ کہ ہر ایک شخص کی ضرورت کو کوئی دوسرا شخص محسوس و معلوم ہی نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ ہر ایک کی ضرورت ہر طرح سے مختلف اور جداگانہ ہے پس جس صورت میں بنی نوع انسان باہم ایک دوسرے کی ضرورت سے بیخبر اور لاعلم ہیں ۔ تو کیونکر خدائے علیم و قدیر کی خواہش تکوین اور ضرورت تخلیق کو محسوس و معلوم کیا جا سکتا ہے لہٰذا ایسے ایسے فضول اور واہیات توہمات کیطرف توجہ لگانا یا توجہ لگانے کا ارادہ کرنا بجز تضیع اوقات اور خام خیالی کے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا ۔ یہی اقرار کافی ہے کہ واقعی فرشتوں کی مخلوق علےٰ حسب ارادت ایزدی موجود اور خاص خاص خدمات پر مامور ہے ۔

ایسا ہی وہ احکام الٰہی جو وقتاً فوقتاً ہماری اصلاح کے لئے بذریعہ کسی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتے رہے بحیثیت مجموعی ایک کتاب سماوی بن گئے ؛

سماوی سے نامزد ہونیکی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے ۔ کہ بخیال کہ ہمیشہ سے احکام الٰہی عالم بالا ہی سے سرزد ہوتے ہیں ۔ اسی وجہ سے انہیں کتب سماوی کے نام پر تعبیر کیا گیا ہے ۔ ورنہ خدا وند عالم کو آسمانوں کے ساتھ کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے ۔ جو زمینوں کے ساتھ نہ ہو ۔ یا بالعکس زمینوں کے ساتھ کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے ۔ جو یمین و یسار یا جنوب و شمال اور تحت و فوق سے نہ ہو ؛

علےٰ ہذا القیاس جبکہ ہم زمینوی حکام کیلئے بلحاظ ادب اعلےٰ جہت کے الفاظ استعمال کرنے کے معتاد و خوگر ہیں ۔ تو اس حکم الحاکمین کے زمین کے لئے نزول من السماء کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ؛

اور اسی طرح سے باوجود اس امر کے کہ نبی اور بدی کا اندازہ منجانب اللہ ہی ہے ۔ پھر بھی رسولوں علیہم السلام کی بعثت نہایت ہی مفید ثابت ہوئی ہے ۔ اور اس ضرورت کا مفید یا غیر مفید ہونا بھی اندازۂ الٰہی سے باہر نہیں ہے ۔ چنانچہ حضرت ذوالجلال والعزۃ کی ہمیشہ سے یہی عادت جاری رہی ہے ۔ کہ جب زمانہ میں فسق و فجور حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگا ۔ تو اپنے پاک بندوں میں سے ایک بندہ کو برگزیدہ اور منتخب کر کے عہدۂ رسالت عطا کر دیا ۔ اور پیارا رسول بنا دیا ۔ اور اس کے ذریعہ سے خلق خدا کے الجھے ہوئے اور پیچیدہ معاملات کو صاف اور فسق و فجور سے پاک کر دکھایا علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔

پس اگر رسولوں کی ضرورت غیر مفید ثابت ہوتی ۔ تو حضرت سبحانہٗ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ عادت جاری نہ ہوتی ۔ کیونکہ وہ تو سب سے برتر فہیم و علیم ہے ۔ ایک محدود اور معمولی سمجھ کا آدمی بھی کبھی وہ کام نہیں کر سکتا ۔ جو غیر مفید ثابت ہے ؛

چنانچہ ہم مسلمانوں کے پیشوا ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی لائف رسالت نے ثابت کر دکھایا ہے کہ رسولوں علیہم السلام کی اشد ضرورت ہوتی رہی ہے ۔ اور وے نہایت ہی مفید ثابت ہوئے ہیں ؛

باقی باقی

مکتوب مفتوح بنام معاونینِ القریش

برادرانِ گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"القریش" کی گذشتہ سترہ سالہ روایات اور اس کی قومی خدمات عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ اس لئے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ البتہ اگر اسکی کتابِ حیات کی ورق گردانی کیجائے۔ تو پایا جاتا ہے۔ کہ اس سے قبل بھی مختلف قسم کی مشکلات اس پر آئیں۔ جو خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے ٹلتی رہیں۔ گو ان شدائد و مصائب کے باوجود قوم کی جو خدمات اس "ترجمانِ ملت" سے متعلق تھیں۔ ان کی سرانجامی کا سلسلہ آج تک برابر جاری رہا۔

حال میں قوم کے بعض افراد کی سرد مہری سے سوفیصدی وی۔ پی کی واپسی نے اس کے لئے ایک ایسی تازہ مصیبت پیدا کردی جس نے اسے موت و حیات کی ایک صبر شکن کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ مگر بے حد احسان ہے۔ شاہ آباد کے بندگانِ قوم کا۔ جنہوں نے اس اضطراب افزا اور یاس آمیز حالت سے متاثر ہو کر اس مصیبت کو ٹالنے کے لئے احساس قومی سے کام لیا۔ اور کمال مردانگی و فرزانگی سے ایک سو پانچ روپیہ کے گرانقدر عطیہ سے اس کی ملی اعانت فرمائی۔

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ قریشیانِ صوبہ پنجاب اس ضمن میں اپنے ذمہ فرض کی ادائگی کے لئے کیا سبیل اختیار فرماتے ہیں۔ جس کا بے صبری کے ساتھ میں منتظر ہوں۔

میری خواہش ہے۔ کہ کم از کم بیس ایسے معاونین کرام جو "القریش" کی خدمات کو خصوصیت کے ساتھ بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ میدانِ عمل میں آئیں۔ اور ان کی ایک "**مجلس معاونتِ القریش**" قائم کی جائے۔ جس میں وہ ممبر کی حیثیت سے شامل ہوں۔ اور شرط رکنیت صرف یہ ہو۔ کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر سال بھر میں کم از کم پانچ نئے خریدار بہم پہنچائیں۔ اور آغاز کار یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے ہو۔

اگر کرم فرمایانِ "القریش" کو اس تجویز سے اتفاق ہو۔ تو میں ایک ناچیز خادم کی حیثیت سے اپنے امکانی امکانات کے استعمال کے لئے سرِ تن آمادہ اور تیار ہوں۔

نیاز مند (قاضی) نظیر حسین فائق
ریٹائرڈ مستوفی ریاست۔ قلات

گوجرانوالہ
۲۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء

کچھ تجاویز "بہم قرض" میں بھی درج کی گئی ہیں۔ مخلصانِ قوم سے بھی خوانِ القریش اس مضمون کو اور ان تجاویز کو بہ نظرِ تعمق ملاحظہ فرما کر اپنے قیمتی راؤں سے مستفید فرما کر مشکور کریں۔

(ایڈیٹر)

عدلِ اسلامی

دربارِ خلافت کا ایک منظر

(از مصورِ غم مولانا راشد الخیری)

۱

زمانہ میں اگر فرصت اور زندگی کے جھگڑے اجازت دیں۔ تو مسلمان عورتیں اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں۔ کہ صداقت نے کیا کیا جوہر دکھائے اور کلمۂ توحید کی بنیاد پر بنے والیاں کس دل اور گردے کی عورتیں تھیں۔ کہ دنیا کی ہر طاقت ان کی صداقت کے سامنے ہیچ تھی۔ دولت کہ جس کے نشہ نے آج دماغ مست کر دیئے حکومت جس کے زعم نے اس وقت تک انسانیت ختم کر دی۔ مرنے والی بیویوں نے صداقت کے مقابلہ میں پاؤں سے ٹھکرا دی اور دنیا کو دکھا دیا۔ کہ سانچ کو آنچ نہیں۔

زندگی میں سر آنکھوں پر رکھنے اور مرنے کے بعد حوروں کی صف میں جگہ پانے کے قابل تھیں۔ وہ متبرک ہستیاں جنہوں نے دنیا کی ہیبت کو راحت اور براڈیت کو عشرت سمجھا۔ اور صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ قدرت نے ان کی قدر کی۔ اور انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ کہ جب تک سپہر کے ایک دور میں دی کائنات جس کا ہر ذرہ جان کا دشمن تھا۔ قدموں میں لوٹ رہی ہے۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ تلوار کی دھار پر جھی کی انی پر پھانسی کے تختہ پر صداقت کا ہمیشہ بول بالا رہا۔ اس میں وہ مخفی دولت اور پوشیدہ طاقت ہے۔ جس نے مظلوم کو ظالم پر محکوم کو حاکم پر اور کمزور کو طاقتور پر ترجیح دی۔ دنیا اس قوت کا اندازہ نہ کر سکے۔ مگر واقعات دکھا رہے ہیں۔ کہ حکومت اس کے سامنے ہیچ۔ سلطنت اس کے روبرو ہیچ اور طاقت اس کے مقابلہ میں لغو ہے۔

۲

دولت عباسیہ کا وہ تاجدار مامون الرشید جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کو دنیا کے دل سے فراموش کر دیا۔ سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے۔ شاہزادہ عباس مامون الرشید کا بڑا لڑکا طائفۃ الشمل کے قریب شکار میں مصروف ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی شعاعیں آب دجلہ کے قدموں میں لوٹ رہی ہیں۔ طائران خوش الحان کے نغمہ میں منہمک جو کنار دریا پر داغ روزِ روشن کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ ایک حسین عورت پانی کا گھڑا بھر رہی تھی۔ عباس اس کو دیکھ کر آگے بڑھا۔ اور پوچھا۔ تو کون ہے اور کس خاندان سے متعلق کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حسن جنم لے سکتا ہے۔ شاہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے دیکھتا ہے۔ تو غیور حسینہ کے چہرہ پر بل آ چکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اس نے شہزادہ کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور آگے بڑھی۔ باپ کی عظیم الشان حکومت کا جن عباس کے سر پر سوار تھا۔ حکم دیا۔ کہ اس مغرور عورت کا حسب نسب معلوم کرو۔

تذکرۃ الاولیاء

خواجہ نصیرالدین محمود رح

آپ کی ایک بہن اودھ میں رہتی تھیں جنہیں کبھی کبھی دیکھنے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ نسبت بزرگ رکھتے تھے۔ اس لئے اودھ کے عقیدتمند پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور آپ کی صحبت میں حاضر رہ کر کسب فیض کرتے تھے۔ جب عقیدتمندوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ہر وقت آپ کے پاس مجمع رہنے لگا۔ تو آپ نے ان سے تنگ آکر واپسی میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ کہ عقیدتمندوں کے اجتماع سے بچنے اور یاد الٰہی میں خود مشغول رہنے کے لئے ان کو اس امر کی اجازت دیجائے۔ کہ وہ جنگل میں چلے جائیں۔ اور دنیا کے جھگڑوں اور مخلوق کے مشاغل سے نجات پاکر ہمہ تن یاد الٰہی میں محو رہیں۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے اس خواہش کو سنا۔ اور فرمایا "تم کو مخلوق خدا کے درمیان رہنا چاہئے۔ انسان کے جور و ستم کو برداشت کرنا چاہئے۔ جو شخص تم سے برا برتاؤ کرے۔ تم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ اور بدی کا بدلہ اچھائی سے دو"

پھر حضرت محبوب الٰہی نے آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا "نصیرالدین تم کیا چاہتے ہو؟ جنگل میں رہنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ تمہارے والد کیا کام کرتے تھے؟

حضرت نصیرالدین نے عرض کیا حضور والا میرا مقصد حضور والا کے لئے درازئ عمر کی دعا اور بزرگان طریقت کی کفش برداری ہے۔ اور میرے والد روئی کی تجارت کرتے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا "نصیرالدین! میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ وہاں (اجودھن میں) میرا ایک دوست آگیا۔ مجھ کو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر اس نے از راہ ہمدردی کہا۔ نظام الدین تمہارا کیا حال ہے؟ یہ خستہ حالی کیوں ہے؟ کیا کچھ کوشش نہیں کرتے۔ اگر اس شہر میں معلمی کا پیشہ ہی اختیار کر لیتے۔ تو فراغت سے بسر ہوتی۔ میں نے اپنے دوست کو اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھ کو دیکھ کر معاً حضرت بابا صاحب نے فرمایا "نظام الدین! تم کو کیا ہو گیا۔ یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔ اگر تم کو اس حال میں دیکھ کر تمہارا کوئی دوست یہ کہے۔ کہ تم معلمی کا پیشہ اختیار کر لو۔ تاکہ فراغت سے بسر ہو۔ تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو۔ فرمایا۔ اس کے جواب میں یہ کہو ؎

نہ ہمراہی کہ مرا خویش گیرد و برد — تر اسعادت بادامر انگونساری

اس کے بعد حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جاؤ کھانا لاؤ"۔ میں کھانے کا خوان لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ فرمایا۔ خوان کو سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پاس لیجاؤ۔ حسب ارشاد میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں اپنے دوست کے پاس پہنچا۔ اس نے مجھ کو دیکھتے ہی کہا۔ نظام الدین!

تجھ کو یہ صحبت مبارک ہو"

خواجہ نصیر الدین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت پیر و مرشد نے اس طریقہ پر مجھکو سمجھایا۔ کہ درویشی کیا چیز ہے یعنی درویشی خاکساری و نگونساری کا نام ہے؛

حضرت سلطان الاولیاء کی طرح خواجہ نصیر الدین کی طرح بھی شریعت کا بہت احترام فرماتے تھے۔ اور جس چیز میں کسی قسم کا شبہ ہوتا تھا۔ اس سے محترز رہتے تھے۔ یہاں تک کہ مزامیر کے ساتھ سماع بھی آپ نہ سنتے تھے۔ حالانکہ خاندان چشتیہ کے اکثر اکابر نے اس کو مباح قرار دیا تھا؛

ایک مرتبہ آپ کو اپنے کسی خواجہ تاش کے ہاں محفل سماع میں شرکت کا موقع ملا۔ سماع شروع ہوا۔ اور ہوا مزامیر کے ساتھ۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ بے تکلف دوستوں نے دریافت کیا۔ خواجہ کہاں کا ارادہ ہے۔ بیٹھو۔ فرمایا۔ مزامیر کے ساتھ سماع ناجائز ہے۔ میں اس مجلس میں شریک نہ ہونگا لوگوں نے کہا سماع سے انکار کرتے ہو۔ خاندان چشت کا یہ مشرب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کسی کا مشرب بحجت نہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ حجت ہے؛

اس گفتگو کے بعد آپ واپس چلے آئے۔ لوگوں نے حضرت سلطان الاولیاء سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ نصیر الدین کا اتقا بڑھا ہوا ہے۔ اس سے کچھ نہ کہو؛

ممکن ہے۔ بعض لوگ اس واقعہ پر حیرت و تعجب کا اظہار کریں۔ اور مزامیر کے ساتھ سماع کے جواز و عدم جواز کی بحث چھیڑ دیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ مزامیر کو شرع نے کسی حیثیت سے بھی مباح قرار نہیں دیا۔ اور تمام وہ بزرگان دین جن کا زہد و اتقا بڑھا ہوا تھا۔ مزامیر سے محترز رہے چنانچہ صاحب سیر الاولیاء راوی ہیں۔ کہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں مزامیر کے ساتھ سماع نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ ہمیشہ مزامیر سے لوگوں کو منع فرمایا کرتے تھے؛

ایک شخص نے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے دعا فت کیا۔ حضور والا! فقیروں کا حال کیا ہے۔ اور کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا۔" فقیروں کا حال صحت اعمال کے نتیجہ پر ہے۔ عمل کی دو قسمیں ہیں۔ عمل جوارح یعنی اعضائے انسانی کے اعمال جن سے ہر شخص واقف ہے۔ اور عمل قلب جس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ عالم علوی سے جو انوار نازل ہوتے ہیں۔ ان کا نزول سب سے پہلے ارواح پر ہوتا ہے۔ پھر قلب پر ان کا انعکاس ہوتا ہے۔ اور جوارح اعضاء قلب کے تابع ہیں۔ قلب جب متحرک ہوگا۔ اعضا بھی حرکت کرینگے؛ (تفریح)

"القریش" کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی ۲ مقرر ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ چوبیس تاریخ تک پرچہ نہ ملے۔ تو آئندہ پہلی تک دفتر سے مکرر طلب کریں۔

(منیجر)

بزمِ قریش

اشاعت گذشتہ میں ستمبر کا "القریش" کے عنوان سے جو شذرہ سپردِ قلم کیا گیا تھا۔ بعض دردمندانِ قوم نے اس سے متاثر ہو کر "القریش" کی توسیع اشاعت کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں چند خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔ جن میں افرادِ قوم کی بے حسی و بے پرواہی کا رونا رویا گیا ہے۔ نفطی سرد مہری ایک بے معنی شے ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے اور سال کے ۳۵۲ دن بھی۔ اگر اس کا تراجماری رکھا جائیگا۔ تو نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ البتہ تجویز ایک مفید چیز ہے۔ بشرطیکہ اس پر عمل ہو۔ پہلی تجویز نمائندہ "القریش" کا دورہ ہے۔ اس سے ہم اس لئے متفق نہیں۔ کہ سفر کی صعوبتوں کے ماسوا اخراجات کا بوجھ ناقابلِ برداشت ہے۔ اور کامیابی یقینی نہیں۔ دوسری تجویز البتہ نتیجہ خیز ہے۔ اس کی تفصیل مکرمی سجاد حیدر یلدرم پیش کرتے ہیں کہ سردست کم از کم بیس معاونینِ "القریش" میں دس دس رسیدات کے مطبوعہ فارم ارسال کئے جائیں۔ ہر معاون دو دو خریدار خود پیدا کرے۔ اور باقیماندہ آٹھ آٹھ فارم چار چار کر کے ہر ایک صاحب کو خریدار بنانے کے لئے دیدیں جو صاحب معاونت قبول کریں۔ اور سارہ فارم وصول کریں۔ وہ ایک ایک خریدار خود پیدا کریں۔ اور باقیماندہ تین تین سفید فارم انہیں دے دیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اور بیس معاونین کے توسل سے دس دس نئے خریدار پیدا ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ معمولی سی کوشش سے قلیل ترین میعاد میں "القریش" کے دو سو خریدار پیدا ہو جائیں گے۔ اگر اسی طرح دو تین جستیں کی جائیں۔ تو چھ سات سو خریداروں کا مہیا ہو جانا یا دوسرے الفاظ میں قوم میں آثارِ حیات پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اس طریق سے آواز بلند ہوگی۔ نظامِ ترکیبی کے قیام میں بہت بڑی حد تک آسانی ہوگی۔ قومی مرکز "ندوہ" اور "القریش" کا دائرہ وسیع ہونے سے من حیث القوم متعدد فوائد مترتب ہو سکینگے۔ اگر تجویز ممکن اور مناسب ہو۔ تو فارم رسیدات تقسیم کرا دیجئے۔ تیسری تجویز شیخ مختار احمد صاحب کی حسبِ ذیل ہے۔ "القریش کا ہر ناظر و ہر معاون اپنے اپنے حلقہ متعلقہ سے کم از کم پانچ خریدار خود پیدا کرے۔ رشتہ داروں اور برادری کے سلسلوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جو اس خدمت کو بآسانی انجام نہ دے سکتا ہو۔ توجہ شرط ہے۔ چوتھی تجویز مخدوم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی نے مکتوب مفتوح کی صورت میں پیش کی ہے۔ اور وہ بھی پانچ پانچ خریداروں کی بہم رسانی کے لئے ہے۔ اصل مضمون کسی دوسری جگہ درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیے۔

بہرکیف وقت آگیا ہے۔ کہ آپ بیدار ہوں۔ اور اپنے وقار کو قائم رکھنے اور دنیا میں عزت کی زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی عملی کام کریں۔ ورنہ روز بد دور نہیں۔ کہ آپ کی ممتاز قوم و قومیت اغیار میں مخلوط ہو کر صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائے۔ فتدبروا یا اولی الابصار۔

تجویزیں پیش کر دی گئی ہیں۔ ناظرینِ کرام مطلع فرمائیں۔ کہ ان کے نزدیک کونسی مفید اور قابلِ عمل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

آہ! سردار علی مرحوم!!

دنیا کی ناپائیداری میں کلام نہیں۔ مگ مرنا ہے۔ یہ آبادیاں ویرانیوں سے مبدل ہو کے ہمیشگی کسی شے کسی چیز اور کسی ہستی کو بقا نہیں۔ ہر گھر ایک وقت ماتم کدہ بنتا آیا اور بنتا چلا جائیگا۔ لیکن ماتم ماتم میں فرق ہے۔ جوانا مرگی کا ماتم اور وہ ماتم جو عین عہد شباب میں ناگہاں واقع ہو جانا کس قدر کرب و بلا۔ رنج و غم اور اضطراب و الم کا ماتم ہوگا۔ اس کا ذکر اللہ اللہ نہ زبان کو طاقت اور نہ قلم کو یارا۔

۲۷ نومبر کی منحوس شب ۹ بجے کا وقت قریشی برکت علی مرحوم کی نشانی عزیز سردار علی جو اپنے باپ کی وفات کے وقت کودی کا معصوم تھا۔ "سرفس پاس کر فیکلے بعد جے۔ اے۔ وی میں کامیاب ہوا۔ اور اب اپنے گاؤں قصبہ چوٹہ (ضلع قصور) کے مڈل سکول کا سیکنڈ ماسٹر تھا۔ ڈرامہ میں اپنا پارٹ ادا کرنے کیلئے سٹیج پر آیا۔ کم و بیش تین ہزار حاضرین کے سامنے کس بیدرد خود رو نوجوان نے کرسی پر بیٹھ کر نہایت دلکش آواز میں ؎

مے خانہ میں آ توبہ سے ہیزار بھی ہو ۔ رحمت کی طلب ہے تو گنہگار بھی ہو

ایک تحریر پڑھا۔ خدا جانے کیسا وقت اور کیسا سماں تھا۔ کہ یہ الفاظ اسکی زبان سے نکلتے ہی حاضرین پر کیف طاری ہوا۔ اور انہوں نے مقرر کہنے کی خواہش کی کہنے والا آہ! ماہ انجمن سے اوجھل ہو گیا۔ ہنسا شش بشاش تھا۔ پہلا مصرعہ اس نے پھانسی شان میں ادا کیا۔ دوسرا ابھی زبان سے نکلنے نہ پایا تھا۔ کہ لڑکھڑانے لگا۔ گردن پیچھے کو ڈھلکی۔ اور آن کی آن میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون بس بھر کیا تھا۔ کہرام مچ گیا۔ حزن و ملال اور غم و اندوہ کا ایک پہاڑ تھا جو کہ ٹوٹ پڑا۔ وہ ہزار ہا کا مجمع جس میں ابھی بھی مسرت و شادمانی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ماتم کدہ بن گیا۔ اپنے پرائے غم نوجوان پر بے اختیار رونے لگے۔ دردمندوں نے کپڑے پھاڑ لئے۔ آہ! شور محشر تھا کہ سردار علی کی موت!

ایں ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد

سیدنفیز نوجوان مرحوم کا جنازہ کم و بیش تین ہزار کے جم غفیر میں اٹھایا گیا۔ ہندو سکھ اور مسلمان شریک جلوس زار و قطار رو رہے تھے۔ اور ہر شخص یوں آہ و زاری میں تیمارداری و بیتابی کا اظہار کر رہا تھا۔ کہ گویا وہ اپنے ہی عزیز کے ماتم میں نوحہ کناں ہے۔

مرحوم کی ماں جو جوان بیٹی میں ہی بیوہ ہو گئی تھی اور جس کی زندگی کا یہی ایک سہارا تھا۔ آج بے خانماں ہو گئی۔ اس کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ اس کے لئے دنیا تاریک ہے۔ آہ و بکا میں غشی پہ غشی آتی ہے۔ ہوش و خرد جاتے رہے۔ اس کا قافلہ لٹ چکا۔ وہ بحزنانہ حالت میں مایوس و نامراد ہو چکی۔ فلک ستم کیش نے اسے زندہ درگور کر دیا۔ خدا کرے یہ منحوس ساعت کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔

مرحوم نوی ابجنہ ایک وجیہ جوان تندرست و توانا تھا۔ اس کی موت کا سبب اس کا راز کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

افسوس سخت افسوس اور کمال رنج کا مقام ہے۔ کہ اس حادثہ فاجعہ اور سانحہ ہوش ربا سے جہاں ہزار ہا خلق خدا بے حال و پریشاں ہو رہی تھی وہاں کی مقامی ڈسپنسری کے ڈاکٹر نے ذرہ بھر انسانی ہمدردی کا ثبوت نہ دیا جس کے لئے عوام غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہیں۔

مرحوم سے مجھے کیا تعلق تھا۔ اسکا ذکر کیا کیا جائے۔ رشتہ دار تھا۔ اور میر محسن مولوی غلام علی مرحوم کے گھر کا ایک ہی چراغ تھا۔ جو بجھ گیا۔ افسوس!

اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دو۔ نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔ شاہزادہ نے اپنا شکار ملتوی کر دیا۔ اور خیمہ میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی انجمن میں گرفتار رہا کبھی خیمہ سے باہر آتا کبھی اندر۔ کہ ایک خادم نے آ کر عرض کی۔ عورت خاندان برامکہ کی لڑکی مغیرہ بنت ازدار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور حسین ابن موسےٰ کی بیوہ ہے۔ اس کے ورثا میں سے اب کوئی زندہ نہیں۔ صرف دو معصوم بچے ہیں۔ نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔ آپے سے باہر ہو گئی۔ اور یہ الفاظ کہتے۔ ہارون میری جان تباہ کر چکا۔ اب ماموں ہماری عزت کے درپے ہے لیکن عباس یاد رکھے۔ کہ اس کی شاہزادی اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دونگی۔

۳

رات کا چہرہ دنیا کے چہرہ سے اُٹھا۔ ادھر صبح صادق آل برامکہ کی بربادی کا نوحہ کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ ادھر طائفۃ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا چھوٹے بچے کو کلیجہ سے پیار کیا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ عباس شہزادے کا پیغام ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچا۔ شاہزادہ عباس کا غصہ تیری جان اور مال خاک میں ملا دیگا۔ یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے۔ اور تجھ کو دو گھنٹہ کی اجازت ہے۔ یہ مکان خالی کر دے۔

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازہ پر آئی۔ اور قاصد سے کہا۔ عباس اس وقت کو بھول جائے جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا۔ اور بے گناہ قتل نے آل برامکہ کو دو دو وانوں کو محتاج کر دیا لیکن برامکی بیبیاں مظالم عباسیہ کو جس تحمل سے برداشت کرتی ہیں۔ تاریخ ان کو فراموش نہیں کرتی۔ اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید ردا سر پر ڈال کر دونو بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکل آئی۔

۴

دوسری صدی ختم کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مغیرہ کے چہرہ پر جو چودھویں رات کے چاند کو شرماتا تھا ضعیفی کے آثار نمودار ہو گئے۔

ماموں کے پہلو میں عباس تخت نشین تھا۔ امراء و وزرا خاموش بیٹھے تھے۔ کہ مظلوم مغیرہ دربار شاہی میں حاضر ہوئی۔ اور کہا۔ ایک بیوہ کا مکان صرف اس لئے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو لیکن مامون الرشید ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ منصف شاہا ظالم کی ستائی تیرے پاس فریاد لائی ہوں۔ انصاف کر اور داد دے۔ دربار عورت کا منہ تکنے لگا۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی۔ کہ بادشاہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا۔ مامون الرشید نے عورت سے کہا۔ اس ظالم کا نام بتاؤ۔ وہ کون ہے۔ عورت ہنسی اور ہنسکر کہا۔ شاہزادہ عباس جو تخت شاہی پر تیرے برابر بیٹھا ہے۔ آج مسلمان دنیا بھر کے عیوب کا مخزن ہو جائیں۔ مگر یہ مردہ قوم کبھی زندہ بھی تھی۔ مامون کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے چوبدار سے حکم دیا۔ کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے۔ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔ شاہزادہ عباس خاموش تھا۔ اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔

مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان مصیبت بیان کر رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی

زبان سے یہ لفظ نکلے عباس یہ صحیح ۔کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے ۔اس وقت کہ اگر اپنی دھن میں آگے بڑھکر قریب پہنچتا ۔ تو تیری گردن خاک میں ملا دیتے ۔آل برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کردی ۔مگر عصمت وہ دولت ہے ۔کہ عباسی سلطنت کو اس سے قربان کردیں ؛

وزرادغیرہ کے جرأت پر متعجب ہوئے ۔اور کہا ۔یہ بیباکی آداب شاہی کے خلاف ہے ۔ادب سے گفتگو کرو ۔مامون نے کہا ۔اس کو مت روکو ۔یہ حق رکھتی ہے ۔کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے ۔کہے ۔یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلے کو بلند کردیا ۔اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا بنا دیا ۔

اس وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اپنے ہاتھ سے لیکر مامون الرشید نے مغنیہ کے قدموں میں ڈالیں ۔ اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا ۔ بلکہ قصر عباس جو ایک عالی شان محل تھا ۔مغنیہ کو عطا فرما کر درخواست کی ۔کہ وہ شاہزادہ کا قصور معاف کردے ؛

معاونین القریش سے

جن احباب کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے ۔اگر کوئی امر مانع نہ ہو ۔تو وہ مہربانی کرکے براہ واپسی ڈاک اپنا اپنا زر چندہ ادا سال فرما کر مشکور کریں ۔ان احباب کی خدمت میں اطلاعی پرچہ ڈاک خانہ سے علیحدہ جاری ہو رہے ہیں ۔وی ۔پی سسٹم چونکہ بند کردیا گیا ہے ۔اور اس سے بحالت موجودہ جانبین کو کوئی فائدہ نہیں ۔لہذا بہی خواہان القریش سے استدعا ہے ۔کہ اطلاعی کارڈ پہنچتے ہی اپنا اپنا زر چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیں (منیجر)

القریش کا سرورق اگرچہ صحافت صحافیہ کی ترقی کا معیار فسانہ نگاری ،عشق ،محبت کی داستانیں اور خیالی عریاں تصویروں کی اشاعت قرار پاگیا ہے ۔علمی وادبی اور اخلاقی و تاریخی مضامین کی کچھ قدر وقیمت نہیں رہی ۔ مگر ہم اسے پسند نہیں کرتے ۔البتہ سرورق کو رنگین و دلکش بنانے کی سنت جاریہ کی تقلید کوئی مجرمی بات نہیں ۔لہذا چاہتے ہیں ۔کہ القریش کے سرورق کا کوئی دلچسپ اور خوشنما ڈیزائن بھیجنے کریں ناظرین کرام مشورہ دیں ۔کہ وہ کس قسم کے ڈیزائن کو پسند کرتے ہیں ۔جوابات موصول ہونے پر انشاء اللہ تعالےٰ القریش کے صفحہ اول کو ذرا اور خوشنما بنانے کی کوشش کی جائے گی ؛

(منیجر)

لائبریری شریف گنج امرتسر امرتسر کے دروازہ لہاں سنگھ شریف گنج کے نام سے ایک نئی آبادی میں مسٹر عبدالغفار اور چند علاوہ دست نوجوانوں کی مساعی سے انجمن خدام خلق کی زیر سرپرستی ایک لائبریری کا قیام عمل میں آئے سوئے تین چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے ۔لائبریری اوقات مقررہ پر کھلی رہتی ہے اور اس طریق سے علمی فیاضی کا تو اچھا سبق ہے ۔لائبریری کے مفاد پر خاصہ رسائی حاصل ہے ۔ان نوجوانان شریف گنج کی تگ و دو قابل تعریف ہے ۔ضرورت ہے ۔کہ مقامی میونسپلٹی حسب مستعد انکی حوصلہ افزائی کیلئے دست امداد بڑھائے ۔تاکہ یہ علمی ادارہ ابتدائی مشکلات سے عہدہ برآ ہو کر بوجہ حسن خدمت خلق انجام دیسکے ہم خواجہ محمد غلام صادق صاحب رئیس و میونسپلٹی کی توجہ اس ضرورت کیجانب معطوف کراتے ہوئے امید کرتے ہیں ۔کہ وہ اہالیان شریف گنج کے اس علمی ادارہ کی امداد و اعانت سے فکریہ کا موقع دینگے ؛

افسانہ

حامد اور جمیلہ

(گذشتہ پیوستہ سے)

آج حامد کے ابا نے معززین و رؤسائے کرام و وکلاء صاحبان اور اہل شہر کو ایک پُرتکلف دعوت ولیمہ دی۔ حامد ایک زرق برق لباس پہنے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھا رہے۔ آس پاس معززین شہر جو اس تقریب پر خاص طور پر مدعو کئے گئے تھے۔ بیٹھے۔ حامد میاں کی درازئ عمر کے لئے دعائیں دے رہے ہیں۔ یہ تقریب بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔ دو تین دن کے بعد جب سب کاموں سے فراغت ہوگئی۔ تو حامد نے باقاعدہ سکول جانا شروع کر دیا۔ آخر حامد میاں انٹرنس کے امتحان میں پاس ہوگئے۔ اور بقامی انٹرمیڈیٹ کالج کی فرسٹ ایر کلاس میں داخل ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حامد کے ابا کو بخار کی شکایت ہوئی۔ پہلے پہل تو اس کو معمولی سمجھا گیا۔ لیکن جب بخار کے ساتھ کھانسی بھی آنے لگی۔ اور تپ دق کا شبہ ہوا۔ تو علاج معالجہ شروع ہوا۔ شفا کی ہر چند کوشش کی گئی۔ لیکن بیماری مرض الموت ثابت ہوئی۔ اور آخران کا روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ مذہبی رسومات کے مطابق ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ تین دن تک غمخواری کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ تیسرے دن قُلْ ہوئے۔ ایصال ثواب کے لئے کئی قرآن شریف پڑھ کر مرحوم کی روح کو بخشے گئے۔ حامد کے ابا کی موت اس گھر کی بربادی کا پیغام لے کر آئی تھی۔ کیونکہ حامد کی والدہ اپنے خاوند کی جدائی کو برداشت نہ کر سکی۔ اور بیمار رہنے لگی۔ اور چند ہی مہینوں کے اندر اندر وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو کر اپنے خاوند کے پاس پہنچ گئی۔ حامد اپنے ابا کی موت کا صدمہ ابھی بھولے ہی نہیں تھے۔ کہ والدہ بھی ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئی۔ حامد کا دل اداس رہنے لگا۔ جمیلہ جو حامد کی اس حالت میں تسلی و تشفی کرتی رہتی تھی۔ ایک دن موقعہ پاکر حامد میاں کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئی۔

جمیلہ۔ تایا صاحب اور تائی صاحبہ کی موت پر ہم جتنا بھی ماتم کریں۔ کم ہے۔ تمام عمر بھی ان کی یاد میں تڑپیں۔ آنسو بہائیں لیکن وہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتے۔ لیکن دنیا دار الفنا ہے۔ جو شخص پیدا ہوا ہے۔ اس نے مرنا ہے۔ لیکن دنیا کے کاروبار بدستور جاری رہتے ہیں۔

حامد۔ ابا جان اور اماں جان کی موت ایسی نہیں۔ کہ اس کو فراموش کر دیا جائے۔ کاش! میں بی۔ اے پاس کر لیتا۔ کسی اعلےٰ عہدہ پر مامور ہو جاتا۔ اور ان کی خدمت گذاری کرتا۔

جمیلہ۔ بی۔ اے پاس کرنا اب کونسا مشکل ہے۔ آپ تعلیم کو جاری رکھیں۔ تایا صاحب نے جتنا روپیہ چھوڑا ہے۔ وہ اگر احتیاط کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ تو سالہا سال کے لئے کافی ہے۔

حامد - تمہاری اس وقت کی گفتگو قابل قدر ہے - خدا تم جیسی مونس و غمخوار بیوی ہر ایک کو دے - میں تمہاری قدر کرتا ہوں - اور تمہاری گفتگو پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا -

---

حامد نے اپنے باپ کے انتقال کے بعد اپنے سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھا - اور ہر کام اپنی بیوی کے صلاح و مشورہ سے کرتا رہا - کچھ عرصہ کے بعد اس کی طبیعت آوارہ ہوگئی - تعلیم سے جی اکتا گیا - اس نے کالج چھوڑ دیا - اور بیکار رہنے لگا - محلے کے چند غنڈوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوگیا - جو سایہ کی طرح اس کے ساتھ لگے رہتے - اور اس کو لوٹ لوٹ کر کھانے لگے - شراب پی جانے لگی - نسیم جان طوائف کا گانا سنا جانے لگا - روزانہ حامد میاں نسیم جان طوائف کے چوبارے پر اپنے دوستوں کے ساتھ جاتے - شراب پیتے - گاتے سنتے اور سینکڑوں روپے ضائع کر آتے - شدہ شدہ ان حالات کی خبر جمیلہ کے کانوں تک پہنچی - وہ خون کے گھونٹ پی کر چپ رہی - پہلے پہل تو اس کو یقین نہ آیا - کیونکہ حامد اور جمیلہ میں بے حد محبت تھی - لیکن جب حامد نے اختیاراً اختیاراً کی فضا معمولی گفتگو کے سوا محبت کرنا - ہنسنا ترک کر دیا - تو جمیلہ کو یقین ہوگیا - کچھ عرصہ تو وہ صبر کئے رہی - مگر جب اس کا یہ صبر بیزار ہوگیا - تو وہ حامد کو بھی گاہے گاہے نصیحت کرنے لگی - تو جمیلہ نے حامد کو ان حالات کے برے نتائج سے آگاہ کرنے کی غرض سے یوں کہا -

جمیلہ - میرے سرتاج! آپ اتنے بے پروا ہوگئے - کہ کنیز کی طرف نظر التفات ہی مبذول نہیں فرماتے - میں وہی ہوں جس کی صلاح کے بغیر آپ کسی سے بات تک نہ کرتے - یا آج یہ حالت ہے - کہ کئی کئی دن آپ کی صورت دیکھنے کے لئے ترس جاتی ہوں -

حامد - مرتیز کہیں کی - تم کو کیا - میں خواہ کہیں رہوں - تم کوئی میری افسر ہو - خبردار آئندہ کے لئے کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا -

جمیلہ - میں نے تو کوئی گستاخی نہیں کی - اگر آپ کو میری گفتگو ناگوار گذرتی ہے - تو میں عرض نہیں کرتی -

حامد بغیر جواب دیئے پلنگ پر لیٹا اور سوگیا - دوپہر کے بعد اٹھا - اور جمیلہ سے کچھ کہے بغیر گھر سے باہر چلا گیا -

---

نسیم جان اپنے چوبارے پر بیٹھی ہے - کہ اتنے میں حامد میاں تشریف لائے - اور یوں گویا ہوئے -

حامد - پیاری تمہاری جدائی بڑی شاق گذرتی ہے - جب تک تمہارے پاس رہتا ہوں - طبیعت کو چین اور دل مسرور رہتا ہے - جس وقت سے جاتا ہوں - تمہاری یاد ہر وقت بے چین کئے رکھتی ہے -

نسیم جان - اپنی کیا عرض کروں - یہی حالت میری ہے - جب آپ تشریف لے جاتے ہیں - تو گویا دل ہی نکال کر لے جاتے ہیں - سارا دن آنکھیں فرش راہ کئے رکھتی ہوں - آپ تو ہر وقت میرے پاس ہی تشریف رکھا کیجئے -

حامد - اگر تم یہ چاہتی ہو - کہ ہر وقت میرے پاس رہو - تو میں تم کو وہ راستہ بتاتا ہوں - جس پر چل کر تم ہر وقت میرے پاس رہ سکتی ہو

یعنی تم باقاعدہ میرے ساتھ نکاح کر لو۔ پھر تم میری اور میں تمہارا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ جس طرح تم میرے دل کی مالکہ ہو۔ اس طرح میرے گھر بار کی بھی مالکہ بنو۔

نسیم جان۔ مجھے نکاح میں تو کوئی عذر نہیں۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔ کہ آپ اپنی ساری جائیداد میرے نام رجسٹری کروا دیں۔ پھر میں آپ ہی کی ہو جاؤں گی۔ جہاں چاہیں۔ مجھے رکھیں۔ جہاں چاہیں۔ لے جائیں۔ آج رجسٹری کروا دیں کل نکاح ہو سکتا ہے۔

حامد۔ پیاری یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میری تو جان بھی تم پر قربان ہے۔

ایک دو دن میں ہی حامد نے اپنی ساری جائداد باضابطہ طور پر نسیم جان کے نام رجسٹری کروا دی۔ اور اس کے ساتھ نکاح کر کے اسے اپنے گھر لے آیا۔ جمیلہ کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ نسیم جان کی خدمت کیا کرے۔ اور اس کے تاج فرمان رہے۔ جمیلہ نے دل پر صبر کا پتھر باندھا۔ اور اس حالت میں بھی خدا کا شکریہ ادا کیا۔ جمیلہ لونڈیوں کی طرح نسیم جان کی خدمت کرتی۔ اور اس کے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گذارہ کرتی۔

(باقی آئندہ)

خود ساختہ پیمبروں کے افسانے

عباسیہ کے دور میں جب ایک طرف فلسفہ یونان کا مذاق مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا۔ اور دوسری طرف مختلف مذاہب کی تاریخ سے اہل عرب آشنا ہونے لگے تھے۔ صدہا لوگوں نے نبوت کا دعوے کیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسے ان دنوں نبوت کے مدعی بننے کا ایک فیشن سا ہو گیا تھا۔ ان میں سے دو چار کو اتنا موقع بھی ملا۔ کہ کوئی بڑا گروہ ان کی حمایت میں اکٹھا ہوا۔ اور وہ بغاوت اور سرکشی کرنے کے بعد پکڑے اور قتل کئے گئے۔ مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ نظر آتے ہیں۔ جو دعوی نبوت کرتے ہی پکڑے جاتے اور خلیفہ وقت کے سامنے پیش ہونے کے بعد بھی جب اپنے دعوے پر قائم رہتے۔ تو ان کی گردن مار دی جاتی

اس قسم کے لوگوں کی ان دنوں میں اس قدر کثرت ہو گئی تھی۔ کہ مامون کے تعجب ہوتا ہے۔ چنانچہ مامون رشید کے سامنے ایکبار دس مدعیان نبوت ایک ساتھ پکڑ کے لائے گئے۔ قصر خلافت میں آتے وقت جب وہ راستہ میں وقار و تمکنت کی شان سے گذر رہے تھے۔ کیونکہ سب تعلیم یافتہ اور شائستہ صورت کے لوگ تھے۔ تو ایک طفیلی کو جو دعوتوں میں بے بلائے جا کے پیٹ بھرنے کا عادی ہو رہا تھا۔ دھوکہ ہوا۔ کہ یہ لوگ کہیں دعوت میں جا رہے ہیں۔ اور ان کے غول میں مل گیا۔ مامون کے سامنے جب یہ لوگ پہنچے۔ تو سب اپنا تحیر تھے۔ کہ دیکھ گیا کیونکر ہو گئے۔ جب تصدیق کے بعد ان کے قتل کا حکم ہوا۔ تو وہ طفیلی گھبرایا۔ اور بولا کہ میں تو یہ سمجھ کے ان کے ساتھ ہو لیا۔ کہ یہ کسی امیر کے ہاں دعوت میں جا رہے ہیں۔ ورنہ مجھے دعوی نبوت سے کیا علاقہ۔ یہ سن کے تمام حاضرین ہنس پڑے۔ اور مامون بھی بادل ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور کہا۔ اسے بھی لے جا کے قتل کرو۔ جب اس نے ان لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ تو آخر تک

بنا ہنا چاہیئے۔ لیکن یقین ہے۔ کہ اس دھمکی کے بعد وہ چھوڑ دیا ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعیان نبوت میں سے اکثر مذاقاً دعویٰ کر دیا کرتے۔ اور خلیفہ کے سامنے کوئی لطیفہ یا مذاق کا فقرہ کہہ کر چھوٹ جاتے جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہوگا:

خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔ جب اسے پکڑ کر دربار خلافت میں لائے۔ تو مہدی نے پوچھا "تم نبی ہو؟" بولا "جی ہاں" پوچھا "اور کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو؟" بولا "تم نے کسی کے پاس ایک گھڑی بھر کے لئے بھی تو جانے نہیں دیا" میں نام لوں تو کس کا لوں؟ ادھر میں نے دعویٰ کیا۔ اور ادھر تم نے مجھے پکڑ کے قید خانہ میں بند کر دیا" یہ جواب سُنکر مہدی ہنسا۔ اور اسے چھوڑ دیا:

ایک شخص نے ایک بار بصرے میں پیغمبری کا دعوے کیا۔ لوگ اسے پکڑ کے حاکم بصرہ سلیمان بن علی کے پاس لائے سلیمان نے صورت دیکھتے ہی کہا۔ تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو؟ بولا جی اسوقت تو قیدی ہوں" پوچھا کہ تجھے کس نے نبی بنایا ہے؟ بولا بھلا پیغمبروں کے ساتھ ایسی ہی تہذیب سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اے بے عقیدہ شخص اگر میں گرفتار نہ ہوتا۔ تو جبرائیل کو حکم دیتا۔ کہ تم سب کو ہلاک کر ڈالیں۔ مگر کیا کروں۔ قیدمیں ہوں۔ سلیمان نے پوچھا "تو کیا قیدی کی دعا قبول نہیں ہوتی؟" بولا جی اور کیا خصوصاً انبیاء کا تو معمول ہے۔ کہ جب تک قید رہتے ہیں۔ ان کی دعا آسمان پر نہیں جاتی" سلیمان کو اس پر ہنسی آگئی۔ اور کہا۔ اچھا میں تم کو چھوڑے دیتا ہوں۔ آزادی پانے کے بعد تم جبرئیل کو حکم دو۔ اگر انہوں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا۔ تو ہم سب تم پر ایمان لائیں گے" یہ سنکر بولا۔ خدا سچ فرماتا ہے۔ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ۔ (لوگ جب تک عذاب نہ دیکھ لینگے ایمان نہ لائینگے) یہ جواب سن کے سلیمان ہنسا پھر اس سے کہا۔ جاؤ اپنا کام کرو" اور اسے چھوڑ دیا:

ماموں کے عہد میں ایک اور شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ میں ہی ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ جب وہ ماموں کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس وقت ثمامہ بن اشرس ماموں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس مدعی نبوت کی کیفیت سن کے کہا۔ کہ میں نے ایسا جری شخص نہیں دیکھا۔ کہ خدا پر بھی تہمت لگائے۔ ثمامہ نے کہا۔ اگر اجازت ہو۔ تو میں اس سے گفتگو کروں۔ اس نے اجازت دی۔ اور ثمامہ نے کہا۔ اے شخص حضرت ابراہیمؑ کے پاس تو نبوت کی دلیلیں بھی تھیں۔ تمہارے پاس کونسی دلیل ہے؟ پوچھا۔ ابراہیمؑ کے پاس کونسی دلیلیں تھیں؟ ثمامہ نے کہا۔ آگ جلائی گئی۔ اور وہ اس میں ڈالدیئے گئے۔ آگ ان کے لئے ٹھنڈی اور آرام دہ ہوگئی۔ ہم تمہارے لئے آگ جلاتے ہیں۔ اور تمہیں اس میں ڈال دینگے۔ اگر تمہارے لئے بھی آگ ویسی ہوگئی۔ تو تم پر ایمان لے آوینگے" یہ سنکر وہ بولا۔ یہ زیادہ مشکل ہے۔ اس سے کوئی آسان صورت بتاؤ۔ ثمامہ نے کہا۔ تو حضرت موسیٰؑ کے ایسے دلائل نبوت پیش کرو۔ اس نے پوچھا۔ ان کے دلائل کیا تھے؟ کہا۔ ان کے پاس عصا تھا۔ جب اسے زمین پر ڈال دیتے۔ اژدہا بن جاتا۔ اور اسی عصا سے مار کے انہوں نے سمندر پھاڑ دیا تھا۔ بولا "اس سے بھی آسان صورت نکالئے۔ کہا۔ تو حضرت عیسیٰؑ کے دلائل سہی۔ پوچھا وہ کیا تھے؟ کہا مردوں کو زندہ اور اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ بولا "یہ تو سب پر قیامت ہے" ثمامہ نے کہا۔ پھر کوئی دلیل نبوت تو ضرور ہونی چاہیئے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پہلے ہی کہدیا تھا۔ کہ مجھے شیطانوں کے پاس بھیجتے ہو۔ تو کوئی دلیل دو۔ تاکہ اسے پیش کروں۔ اس پر جبرئیلؑ بگڑے۔ خفا ہوئے اور کہا "تم نے خود ہی برائی سے اپنے کام

کی ابتدا کی۔ جا کے دیکھو۔ تاکہ لوگ کیا کہتے ہیں؟" یہ باتیں سن کے ثمامہ نے ماموں سے کہا۔ امیرالمومنین اس کا دماغ بگڑا ہوا ہے۔ اور میرے خیال میں تو مجنوں ہے۔" ماموں نے کہا۔" ہاں میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔ اور یہ کہہ کے اسے نکلوا دیا۔

یونہیں ایک شخص ادعا نبوت کا مجرم بن کے خلیفہ مہدی کے سامنے پکڑا آیا۔ مہدی نے اس کی صورت دیکھ کے پوچھا۔ تم کب مبعوث ہوئے بولا۔" آپ کو تاریخ سے کیا تعلق؟" مہدی نے پوچھا۔ تمہیں کہاں نبوت ملی؟ بولا۔ خدا کی قسم یہاں تو ایسی ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں۔ جن کو نبوت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اگر میری نبوت مانتے ہیں۔ تو میں جو کچھ کہوں۔ اسے مانئے۔ اور میری پیروی کیجئے۔ اور اگر مجھے آپ جھوٹا سمجھتے ہوں۔ تو اپنے گھر خوش رہئے۔ اور مجھے چھوڑیئے۔ کہ میں اپنا راستہ لوں۔" مہدی چھوڑ کیونکر دوں؟ اس لئے کہ تمہاری وجہ سے دین میں فساد پڑیگا۔ یہ سن کے بولا۔ بڑے تعجب کی بات ہے جب اپنے دین میں خرابی پڑنے کے اندیشہ سے آپ برہم ہوئے جاتے ہیں۔ تو پھر مجھے کیوں نہ غصہ آئے؟ کیونکہ میری تو نبوت ہی بگڑی جاتی ہے۔ آپ کی ساری شان و شوکت اور یہ سارا جبروت معن بن زائدہ اور حسن بن قحطبہ کے ایسے سپاہیوں کے برتے پر ہے۔ اتفاقاً اس وقت قاضی شریک سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ مہدی نے کہا۔ قاضی صاحب آپ اس پیغمبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ قبل اسکے کہ قاضی شریک لب ہلائیں۔ اس شخص نے کہا۔ آپ نے میرے معاملہ میں ان سے تو مشورہ لیا۔ بھلا مجھی سے کیوں نہ مشورہ لیا۔ مہدی نے کہا۔ اچھا تمہیں بتاؤ۔ کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بولا۔ میں اپنا فیصلہ ان انبیاء پر چھوڑتا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں۔ بس جو ان کا فیصلہ ہو۔ اسی پر عمل کیجئے۔ مہدی نے کہا۔ مجھے یہ منظور ہے۔ اب اس نے پوچھا۔ اچھا بتائیے میں آپکے نزدیک کافر ہوں یا مومن؟ مہدی نے کہا۔" تم کافر ہو۔" تو بس قرآن میں موجود ہے۔ کہ ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم (تو کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کر۔ اور ان کے تکلیف دینے کو چھوڑ دے۔ اسلئے آپ نہ میری پیروی کیجئے۔ اور نہ مجھے ستائیے۔ بلکہ مجھے چھوڑ دیجئے۔ کہ غریبوں اور مسکینوں کے پاس جاؤں۔ جو کہ پیغمبروں کے پیرو ہوتے آئے ہیں۔ اور بادشاہوں اور جباروں کو میں بھی چھوڑ دوں۔ جو کہ جہنم کے کندے ہیں۔" یہ سن کے مہدی ہنسا اور اسے آزادی دی۔

ایکدن عبداللہ بن حاذم دجلہ کے پل کے پاس اپنی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اتنے میں لوگ ایک شخص کو پکڑے ہوئے لائے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا۔ تم پیغمبر ہو؟ بولا جی ہاں"۔ پوچھا کس قوم پر مبعوث ہوئے ہو؟ بولا کسی پر ہوا نہیں تمہیں کیا؟ میں شیطان پر مبعوث ہوا ہوں۔ یہ جواب سنکر عبداللہ ہنسے۔ اور کہا۔ اسے چھوڑ دو۔ کہ شیطان ملعون کے پاس جائے۔" ثمامہ بن اشرس کہتے ہیں۔ میں نہیں تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مہذب اور شائستہ اور باوقار شخص قید خانہ میں آیا۔ اس وقت میرے ہاتھ میں شربت کا جام تھا۔ اسے دیکھ کے میں اسقدر متحیر ہوا۔ کہ جام کو منہ سے لگانا بھول گیا۔ اور اس سے کہا۔" آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ لوگوں نے کس گناہ پر آپ کو قید کیا ہے؟" بولا۔ یہ بھائی مجھے پکڑ لائے ہیں۔ اور محض اس بنا پر کہ میں نے امر حق کو ظاہر کیا۔ میں نبی مرسل ہوں۔" یہ سن کے میں متعجب ہوا۔ اور اسے کہا۔ کوئی معجزہ بھی آپ کے پاس ہے؟ بولا جی ہاں۔ میرے پاس تو سب سے بڑا معجزہ موجود ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ کہا کسی حسین عورت کو لاؤ۔ دیکھو ابھی حاملہ کرا دونگا پھر اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا۔ ثمامہ نے یہ سن کے مشکل سے ہنسی روکی۔ اور کہا صلی اللہ علیک۔ پھر جام پیش کر کے کہا۔ لیجئے۔ اب نوش فرمائیے۔"

(ماخوذ)

حضور نظام کی غیر مسلم رعایا نوازی

القریش نظام نمبر میں مسلمات عثمانی پر تفصیلی نظر ڈالی گئی تھی۔ آج ہم اس سے متعلقہ اعداد و شمار یہاں عرض ذیل کرتے ہیں۔ کہ وہ لوگ جو رقابت مذہبی کی وجہ سے اسلامی ریاستوں کو بدنام کرتے ہیں۔ دل کی آنکھوں سے پڑھیں اور دیکھیں کہ اعلیحضرت حضور نظام کے عہد فرمانروائی میں غیر مسلم رعایا کیساتھ کس قدر فیاضانہ و فداکارانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ دیوناگری

تعداد غیر مسلم معاشداران مذہبی علاقہ سرکار عالی

میزان ضلع	معاش نقدی	معاش انعامی	جاگیر
اورنگ آباد	۱۳۸۰۹	پیڈ ۴ ۳۷ = ۱۷۴۸۳	ایگرا ۴۱ اگ ۲۰
پربھنی	۵۳۳۰	۴ ۱۰ = ۱۹۴۱۸	۱۵ ۹۰
ناندیڑ	۵۰۵۲	۱۷ ۱۵ = ۲۵۳۳۹	۴ ۷
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
عثمان نگر	۲۷۵۷	۱ ۹ = ۳۷۹۴	۰ ۱
ناندیڑ	۱۳۸۰	۱۳ ۷ = ۴۲۴۹	۷ ۲
حیدرآباد	۱۳۳۹	۸ ۵ = ۱۱۵۲۱	۰ ۳
عثمان آباد	۲۲۹۰	۱۵ ۳ = ۱۱۴۹۶	۰ ۸
ورنگل	۲۲۶۰۱	۲۵ ۳ = ۳۵۳۹۷	۳ ۳
کریم نگر	۲۲۵۴	۷ ۰ = ۳۳۳۱۲	۳ ۱۳ ۱۲
آصف نگر	۳۹۲۳	۱۳ ۰ = ۴۳۸۰	۴۲ ۱۵
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

غیر مسلم گزیٹڈ عہدیدار

تعداد	ماہوار	مختلف الاقسام
۲۲۹	۱۵۵۵۸۷	۷۰۲۳ روپیہ ماہانہ

غیر مسلم خطاب یافتگان

راجہ راجایان مہاراجہ بہادر - راجہ راجگان بہادر - بحری بالونت مہا بہادر - جیونت بہادر - ونت بہادر ۴ - راجہ بہادر ۱۷ - راجہ ۲ - ملک ۱ - جنگ ۲ - رائی ۷ - جملہ ۳۱

تعداد غیر مسلم منصبداران اضلاع سرکار عالی

بر ۲۰۰ روپے سے زائد کسی مقدار تک منصب پاتے ہیں ۲۹۵

۲۵۰ روپے				۲۶۳
۳۰۰				۲۳۳
۴۰۰				۱۸۵
۵۰۰				۱۴۷
۶۰۰				۱۱۷
۹۰۰				۶۸
۱۳۰۰				۴۱

جملہ ۱۳۴۹

تعداد غیر مسلم منصب داران حیدرآباد دکن :- ۴۰۸

رقم ماہانہ :- ۱۶۸۴۰ روپے ۱۲ر ۳ پائی

تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران خیرات و مبرات :- ۲

رقم ماہانہ :- ۱۷۹

تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران رعایتی حیدرآباد دکن ۲۳۴

رقم ماہانہ :- ۴۳۹۳ روپے

تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران حسن خدمت :- ۱۰۱۹

رقم ماہانہ :- ۳۴۳۸۱ روپے

تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران رعایتی حیدرآباد دکن :- ۲۰

رقم ماہانہ :- ۵۲۹ روپے

تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران بشمول اضلاع عالی وظیفہ ایک حسن حیاتی عطیہ نقدی کا نام ہے جس کا تقرر ماہواری حساب پر ہوتا ہے۔

جنکی آمدنی ۳۰۰ روپے سالانہ سے زائد ہے ۵۳۰

	۴۰۰			۳۶۰
	۶۰۰			۳۰۲
	۹۰۰			۱۳۶
	۱۳۰۰			۱۰۴
	۱۵۰۰			۸۹
	۱۸۰۰			۸۱
	۲۴۰۰			۶۳

جن کی آمدنی ۳۰۰۰ روپے سالانہ سے زائد ہے ۴۱

	۳۶۰۰		۳۲
	۴۲۰۰		۲۲
	۵۰۰۰		۱۸

جملہ ۱۱۷۸

دولت آصفیہ کی خبریں

شہریار دکن اور اصلاحات

حضور نظام کی بیدار مغزی و رعایا نوازی ضرب المثل ہے۔ آپ نے رعایا کو بلا امتیاز مذہب وملت ہر قسم کی مراعات دے رکھی ہیں۔ اور ہر وقت زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے کو تیار رہتے ہیں۔ ریاست کا نظام حکومت ایک کونسل کے سپرد ہے جس کے صدر مہاراجہ سرکشن پرشاد ہیں۔ یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ آپ عنقریب دہلی تشریف لانے والے ہیں۔ جہاں ایک ہفتہ قیام فرمائیں گے۔ اس اثنا میں بعض دیگر امور کے علاوہ وائسرائے ہند سے مشورہ کریں گے۔ کہ برطانی ہند کی مانند قلمرو آصفیہ میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ اور وہاں پر اسمبلی اور کونسلیں قائم کی جائیں۔ اور عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے۔

حضور نظام کا یہ عمل قلمرو حیدرآباد کے لئے مزید شادابی و فراخابی کا موجب ہوگا۔

استرداد برار کی حمایت

احراتی میں سیٹھ سری نارائن رام بلاس آنریری مجسٹریٹ اور زمیندار کے زیر صدارت باشندگان علاقہ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں بالاتفاق یہ قرارداد منظور ہوئی۔ کہ حکومت برطانیہ برابر کی واپسی کا فیصلہ اس عہدنامہ کی دفعات کے مطابق کرے۔ جو حکومت برطانیہ اور تاجدار دکن کے درمیان ہوا تھا۔ اور خود غرض اشخاص کی ایجی ٹیشن کا کوئی لحاظ نہ کرے۔

قرارداد مسٹر شرف الدین سابق رکن کونسل ایڈووکیٹ عدالت عالیہ نے پیش کی۔ اور مسٹر ہدایت علی پلیڈر میونسپل کمشنر کی تائید اور متعدد دیگر اصحاب کی تائید نزید سے بالاتفاق منظور ہوئی۔ اور قرارداد کی نقول تار کے ذریعہ مسٹر میکڈانلڈ سیکنے سر آغا خان اور سر اکبر حیدری کی خدمت میں بھیجی گئیں۔

ولیعہد دکن کی شادی

دکن کے شہزادگان ذی جاہ کی شادیوں کی خبر دکن اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ خبر ہی خبر ہے۔ یا اس میں کوئی صداقت بھی ہے۔ کیونکہ ذمہ دارانہ طور پر کسی اخبار میں اس خبر کی اشاعت نہیں ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ سابق سلطان ٹرکی خلیفہ عبدالحمید خان صاحب کی صاحبزادی سے شہزادہ معظم جاہ اور آپ کی کسی عزیز ترین لڑکی سے شہزادہ اعظم جاہ کا عنقریب عقد نکاح ہونے والا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو عالم اسلام میں ان تعلقات کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

کاغذ سازی

معلوم ہوا ہے۔ کہ دولت آصفیہ عالیہ کی زیر سرپرستی حیدرآباد دکن کے ضلع عادل آباد میں کاغذ سازی کا ایک کارخانہ جاری کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ مسٹر نظام الدین ماہر کاغذ سازی کا بیان ہے۔ کہ ضلع عادل آباد میں بانس بڑی کثیر تعداد میں پیدا ہوتا ہے۔ اور کاغذ نہایت اعلےٰ قسم کا تیار ہو سکتا ہے۔

زیر سرپرستی ال بازار امرت سر میں باہتمام محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر کے باہتمام چھپکر دفتر القریش شریف گنج امرت سر سے شائع ہوا

Registered No. L. 1474

ALQURAISH

AMRITSAR.

Only Monthly Quraishi Magazine

PRINTED & PUBLISHED

Mohammad Ali Raunaq Siddiqi.

AT THE

WAZIR-I-HIND PRESS HALL BAZAR,

AMRITSAR.

Annual Subscription Rs. 3 Single Copy As. 4.

الناس تبا لقريش والنشر

القريش

جريدة

امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

رسالہ

جلد ۱۷ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ | نمبر ۱۲

ہدیۂ تبریک

دولت آصفیہ کے شہزادگان عالی تبار کی شادی خانہ آبادی کی خبر پر آخر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے جریدۂ غیر سموی محررہ یکم رجب ۱۳۵۰ھ نے مہر تصدیق ثبت کردی۔ یہ جریدہ سلطان ابن سلطان خاقان زمان والا دودمان محی الملۃ والدین حامئے شرع متین اعلیحضرت شہنشاہ گیتی پناہ الٹمیٹڈ ٹائی نس حضور نظام عالی مقام خلداللہ ملکہٗ وسلطانہٗ کے دستخطوں سے شائع ہوا ہے۔ اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"بفضلہٖ تعالےٰ آج کا دن یعنی یکم رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء خاندان آصف جاہی کے لئے نہایت مبارک و مسعود ہے۔ کہ رشتہ اتحاد و یگانگت درمیان ہر دو خاندان یعنی خاندان آصف جاہی و خاندان عثمانی بہ ربط عقد مستحکم ہو چکا ہے۔ یعنی ولیعہد ریاست حیدرآباد اعظم جاہ کے حبالہ نکاح میں سابق سلطان ترکی عبدالمجید خان کی اکلوتی صاحبزادی "درشہوار" منسلک ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح ولیعہد ریاست کے حقیقی برادر معظم جاہ کے حبالہ نکاح میں خلیفہ موصوف کی حقیقی بھانجی صاحبزادی "نیلوفر" منسلک ہوئی ہیں

اول الذکر کا زر مہر مجل پچیس ہزار پونڈ اور متاخر الذکر کا زر مہر مجل پندرہ ہزار پونڈ قرار پایا۔ اور یہ طے پایا کہ یہ چالیس ہزار پاؤنڈ کی رقم بتوسط ٹرسٹ (مجلس امناء) انوٹ (جالو) کی جائے۔ تاکہ اس کے انٹرسٹ (منافعہ) سے ہر دو صاحبزادیاں متمتع ہوتی رہیں۔ اس کے سوا منجانب اسٹیٹ حیدرآباد ہر دو عروس کی تیاری

ٹرد سو (جنیوا) کے لئے مبلغ ۲۰ ہزار پاؤنڈ بطور عطیہ دیئے گئے۔ الحاصل بمقام نائیس (جنوبی حصہ فرانس) خود خلیفہ نے بحیثیت قاضی بنفس نفیس روبرو ئے عہدہ داران سرکاری عقد پڑھایا۔ اس انتظام بالا سے گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی اتفاق کیا۔ آخر میں میری دعا ہے۔ کہ زمانہ آئندہ میں اس تاریخی واقعہ سے ہر دو خاندانوں کے لئے بہت کچھ فلاح و بہبود کی جو توقع ہے۔ وہ ضرور کامیاب ہوگی جس کے آثار ابھی سے نمایاں ہیں۔ مگر چونکہ صاحبزادگان بلند اقبال کے عقد کی تاریخ حسن اتفاق سے میری سالگرہ کے دن واقع ہوئی ہے جس دن کہ عام تعطیل ہے۔ لہٰذا اس تقریب کی یادگار میں سال آئندہ سے ہر سال ۱۲ نومبر کو ایک دن کی عام تعطیل ممالک محروسہ میں قرار دیجائے اور یہ جریدہ غیر معمولی میں بغرض اطلاع عوام شائع کیا جائے۔"

شرح دستخط مبارک

(یکم رجب ۱۳۵۰ھ یوم پنجشنبہ)

عقد کی تقریب سعید نیس کے مقام پر ۲۱ نومبر کی نیک ساعت میں وقوع پذیر ہوئی۔ اور نکاح نامہ پر سر اکبر حیدری نے شہزادگان بلند اقبال کی طرف سے اور سلطان عبدالمجید انار اللہ برہانہ نے شہزادیوں کی طرف سے دستخط ثبت فرمائے۔ اور اس طرح خدائے ذوالجلال والاکرام کے فضل و کرم سے دنیا کے دو عظیم الشان مسلمان شاہی خاندانوں میں رشتہ اتحاد و اخوت مستحکم و استوار ہوگیا۔ الحمدللہ علی احسانہ۔

شہزادی دستہ ہیدار خانم حسن صورت، حسن سیرت، علم و فضل اور فہم و بصیرت کے اعتبار سے کم از کم مسلمانوں میں نادر روزگار ہیں نوزبانوں پر دستگاہ کامل رکھتی ہیں۔ سترہ برس دگر بائیس سال کی عمر ہے۔ سلطان موصوف کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ بیحد سلیقہ شعار، حیادار اور خوش خلق ہیں۔ اور خاندان تو بحمداللہ۔ سلاطین عثمانیہ سے بڑھ کر بلند و بالا خاندان آج دنیا میں کون ہوگا۔ عثمان۔ محمد فاتح۔ سلیمان۔ مراد اور سلیم (رحمہم اللہ) کی اولاد سے زیادہ بلند مرتبت اور والا منزلت اولاد کہاں ملیگی۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں جب سلطان وحیدالدین کی حالت ردی تھی اور وہ فرار کے درپے تھے۔ احمد شاہ قاچار بگلاہ ایران نے لڑکی کے لئے درخواست کی تھی جو مسترد کردی گئی تھی۔ اعلیحضرت حضور نظام کے لئے مسرت و انبساط شادمانی و خوشی کا مقام ہے۔ کہ آپ کی بہو ایک ایسے دودمان عالی کی لڑکی ہے۔ اور اعلیحضرت سلطان المعظم کی خوش قسمتی ہے۔ کہ ان کی صاحبزادی کو ایسا شوہر ملا۔ جو ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کا ولیعہد ہے۔

مذکورۃ الصدر دو عظیم الرتبت شاہی خاندانوں کا پیوند خدائے برتر و اکبر کی رحیمی و کریمی ہے۔ اور دنیائے اسلام کے لئے انتہائی فرحت و شادکامی کا موجب۔ بارگاہ صمدی میں بخشوع و خضوع دعا ہے۔ کہ وہ پاکذات تخیت و اخوت کے اس رشتہ کو قائم و دائم رکھے۔ اور زوجین کے لئے سلامتی و فائز المرامی کا موجب ہو!

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!"

اخیر پر ہم آنحضرت ظل سبحانہ کی بارگاہ قدسی اساس میں اپنی اور ناظرین "القریش" کیطرف سے بخلوص دل عقیدتمندانہ ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔

"گر قبول افتد زہے قسمت"

نظرِ بد دور! شاہزادگان والا دودمان کی شادیوں اور اس پر دو عظیم القدر مسلم شاہی خاندانوں کی مواصلت سے جہاں خاص و عام شادمان و شاد کام ہو رہے ہیں۔ وہاں اخبار "ریاست" دہلی ایسے متعصب و تنگ نظر اپنی فطرت و طینت سے مجبور اپنا سر پیٹ رہے ہیں۔ تعصب کا یہ مجسمہ اپنی ۲۱ نومبر کی اشاعت میں لکھتا ہے۔ کہ:۔

"بالواسطہ اس میں حکومت کا ہاتھ ہے۔ اس طریق کار سے حکومت کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ معزول خلیفہ زیادہ سے زیادہ انگریزوں کے زیر اثر آجائے۔ اور جب کبھی ضرورت ہو۔ برطانوی سلطنت خلیفہ کا نام لے کر مسلمانوں کو اپنے امپیریلزم کی زنجیروں میں آسانی کے ساتھ جکڑ سکے۔"

ان الفاظ کے بعد وہ کوتاہ بین مسلمانان عالم کو متنبہ کرتا ہے۔ کہ وہ حکومت کی ان گہری چالوں سے بچے رہیں۔ تو گویا اس پر دو سرائی اور نتراخائی سے وہ چاہتا یہ ہے۔ کہ مسلمانان عالم دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ دونوں سے بدظن ہو جائیں۔ اور وہ اپنی ان چالوں میں جو اسلامی ریاستوں میں وہ فتن و فساد کی آگ مشتعل کرنے کے لئے چل رہا ہے۔ آسانی کے ساتھ کامیاب ہو جائے۔ اسی اشاعت میں اس دشمن امن و اتحاد نے حضور نظام اور والئی بھوپال کے خلاف جی بھر کے زہر اگلا ہے۔ چونکہ وہ جبلت سے مجبور ہے۔ اور اس کا اقتضائے طبیعت ہی یہی ہے۔ اس لئے ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ کہ نظرِ بد دور!

بحضور شہریار دکن

دائم عروس ملک ترا در کنار باد — دولت بزیر سایۂ بہر رہگذار باد
ہر سو رخ آوری بود اقبال پیش پیش — نصرت قرین و فضل خدا چتر دار باد
عدل تو خلق را بدہ آسودہ زندگی — پیر و جواں چو طفل دراں گاہوار باد
اسلام از تو تازہ و علم از تو زندہ شد — لطف رسولؐ بر تو زدہ صد ہزار باد
ابدال و غوث و قطب نگہبان ترا بوند — پیوستہ فضل حضرت پروردگار باد
ناہید چرخ نغمہ سرائے بہ بزم تو — بہرام وقت رزم تو نخجیر گذار باد
خورشید اوج شمسہ بود بر سر علم — نورانی از شعاع تو ہر یک دیار باد
ہندوئے آسمان بہ ترازوئے عدل تو — با قاضیش قرین و سعادت نثار باد
ہر روز روز عید و نشاط و طرب بود — شبہا چو لیلۃ القدرت بیشمار باد
آلمال والبنون کہ تندین زندگی — زین ہر دو زین زندگیت برقرار باد

ہر چشم زخم دور و عدوئے تو نامراد
قربان دعا چو بخت شہی کامگار باد

تہنیت نامجات

جو شہزادگان ذی وقار کی شادی کی تقریب پر بارگاہِ خسروی میں پیش کئے گئے۔ بصد مسرت و فرحت درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ناظرین "القریش" محظوظ ہوں۔

قرانِ سعادتِ اقتران

زہے مواصلتِ دین و ملک و عزت و جاہ

از علامہ عبداللہ العمادی ناظم مورندہی سرکار عالی

حجتہ طوبیٰ[1] ہمایون و اقترانِ سعید — بہ یُمن و سعد بر اسلامیانِ دولت خواہ
کہ عقدِ عظمتِ شہزادگانِ فرخ فال — بہ بستہ اند روزِ سعید مولد شاہ
بہ نور دیدۂ عبدالمجید خان پیوست — ولی عہدِ دکن شاہزادہ اعظم جاہ
زبوستانِ خلافت بجید نیلوفر — بہار و بوئے چمن حضرت معظم جاہ
بہ دستیاریٔ اقبالِ لازوال کشود — ستارہ[2] کہ فروہشتہ بود بر رُخِ ماہ
زحسنِ خدمتِ حیدر نواز جنگ فزود — جمالِ وحدتِ دین الفتِ خصومت کاہ
دو خاندان و مان شہنشاہی اتحاد گرفت — زہے مواصلتِ دین و ملک و عزت و جاہ
فروغ یابد ازو اتحادِ اسلامی — شرف پذیرد ازو ملتِ رسول اللہ
بہ شادکامیٔ اسلام زود باز آید — بہار رفتہ کہ بادِ صبا است بر سرِ راہ
چنیں قرانِ سعادت نشاں مبارک باد — بہ نائبِ نبوی پادشاہِ ظل اللہ

جبین ہند و دکن سجدہ ریز مہر و وفا
سرِ عقیدتِ ترک و عرب بریں درگاہ

قطعہ

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

نورِ عینینِ شہِ عثمان سپہر برتری — کتخدا گشتند با صد فرحت و نام آوری
از زبانِ قدسیاں این نغمہ می آید بگوش — عقدِ مہر و ماہ شد با زہرہ و با مشتری

(رجیدہ غیر مطبوعہ)

---

[1] طوبیٰ - عقد نکاح [2] ستارہ - پردہ -

نظم

از محمد حسین صاحب ادیب ایم۔ اے۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ کھیم

دکن کی "نیس" میں شادی مبارک ہو مبارک ہو — وطن کی خانہ آبادی مبارک ہو مبارک ہو
ٹکا ہے تاج آصف میں "درِ شہوار" ترکی کا — تجھے اعظم ولی عہدی مبارک ہو مبارک ہو
گئے تو تھے سیاحت کو مگر خوبیٔ قسمت سے — ملی ترکی کی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو
معظم جاہ کے بھی دل کو بھایا حسن "نیلوفر" — عروسوں کی برومندی مبارک ہو مبارک ہو
مچایا ہے زبان برق نے اک شور عالم میں — یہ عقد ترکی و ہندی مبارک ہو مبارک ہو
فضائے "نیس" نے دیکھا نہ تھا ایسا کبھی منظر — شکوہ حیدرآبادی مبارک ہو مبارک ہو
بڑھایا مرتبہ عثمان نے پھر آل عثماں کا — ہمارے شہ کی پامردی مبارک ہو مبارک ہو

ادیب خوشنوا کی ہے دعا سلطان عالم کو
شکوہ و شان جمشیدی مبارک ہو مبارک ہو

ندوۃ القریش کی پیشکش

۲۲ نومبر آج غیر معمولی طور پر حاضری بہت زیادہ تھی۔ زراعتی حقوق کے مسئلہ متدائرہ اور دیگر امور ضروریہ کے علاوہ شہزادگان والا دودمان کی شادیوں پر مسرت و شادکامی کا اظہار کرتے ہوئے حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا۔ سکرٹری

"قریشیان ہند کی نمایندہ جماعت "ندوۃ القریش" کا یہ غیر معمولی شاندار اجلاس کوہ شکوہ اعلیحضرت سلطان العلوم محی الملت والدین نظر اگز الٹڈ ائی نس اودنگ نشین دکن حرسہا اللہ عن الشر والفتن کی بارگاہ گیتی پناہ میں شہزادگان والا دودمان کی شادیوں کی تقاریب کے ترک و احتشام شاہانہ کے ساتھ انجام پذیر ہونے پر بخلوص و عقیدت ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہے۔

اور دولتیں آصفیہ و عثمانیہ کے ان تعلقات کو جو اس رشتہ سے قائم ہوئے ہیں۔ دنیائے اسلام کے لئے فخر و مباہات اور فرحت و مسرت کا موجب سمجھتا ہے۔ اور بارگاہ ایزد متعال میں بخشوع و خضوع بخیر نتائج کی دعا کرتا ہے

آمین!

معراج

بزم کن میں جونہی عزم ایزدباری ہوا — انکشافِ سرِّ سبحان الذی اسرا کرے
حکم یہ ناموسِ اکبر کے لئے جاری ہوا — نقش پائے مصطفےٰ سے زینتِ اقصیٰ کرے

صدرِ بزمِ انبیاء کو لائے پھر سوئے فلک
رحمۃ للعلمین کو دیکھ لیں حور و ملک

حسبِ منشائے خدا حاضر ہوئے لیکر براق — آستانِ مصطفےٰ پر وقتِ شب روح الامین
بن گئے قندیلِ نوری انجمِ نیلی رواق — بقعۂ انوار ان سے ہو گئی ساری زمیں

کی ادب سے عرض۔ اے تو جو سراپا نور ہے
چل کہ تیرا منتظر جلوہ فشانِ طور ہے

چشم بنائے نبوت بوریئے پر وا ہوئی — باریابی کا شرف جبرئیل کو حاصل ہوا
آشنائے گوشِ دل جب عرضی یکتا ہوئی — دم زدن میں صحنِ اقصیٰ میں وہ جا داخل ہوا

چشمِ بزمِ انبیاء یہ شوق فرشِ راہ تھی
چار سو آواز۔ صدقے یا رسول اللہ تھی

مسجدِ اقصےٰ سے جب اس نے کیا عزمِ فلک — سدرہ تک تھا ساتھ گیا روح الامیں اسکی رکاب
فرشِ راہ آنکھیں کئے استادہ تھے حور و ملک — شوقِ استقبال یہ تھا آپ ہی اپنا جواب

شش جہت میں چرخ پر شورِ مبارکباد تھا
حور و غلمان و ملک ہر ایک ہی دلشاد تھا

جب ملا جبرئیل کو سدرہ پہ حکمِ بے پری — عرش پر لے کر گیا رفرف وہیں فرفر اُسے
جونہی واں پہنچا نگینِ خاتمِ پیغمبری — رحمتِ حق نے لیا ہاتھوں پہ خود بڑھکر اُسے

میم کا پردہ اٹھا کیا۔ گلشنِ وحدت کھلا!
قاب قوسین کا یہ نقشہ عرشِ اعظم پر کھنچا

کیا کہیں ہم ذکر اس محفل میں تھا کیا کیا ہوا — دور اس منزل سے کوسوں فکر بھی ادراک بھی
شانِ محبوبی نے تھا لیکن وہاں پہنا ہوا! — تاجِ کنت آ مخفیاً بھی خلعتِ لولاک بھی

قرب کی منزل تھی۔ مازاغ البصر تھا۔ نور تھا
جل رہا اک اک طرف سو سو چراغِ طور تھا

در کھلے جس وقت خلوت خانۂ انوار کے — اور ہی عالم ہوا کچھ عالمِ ملکوت کا
فیض جلوہ افگنی سے چرخِ اخضر بار کے — ذرہ ذرہ غیرتِ خورشید تھا ناسوت کا
پرتوِ حسنِ نبوّت جب فلک افروز تھا
دیدۂ قدرت ہی اس سے ایک لطف اندوز تھا

پیشِ وحدت جب نبوّت تھی حقیقی شان میں — گوش برآوازِ رحمت مغفرت استادہ تھی
کس لئے موجیں نہ اٹھتیں قلزمِ احیان میں — ذاتِ حق عالم کی خاطر خود کرم آمادہ تھی
یوں ہوئی محبوبیت کو بندگی سامانِ ناز
بے نیازی نے چُنے اٹھ اٹھ کے گلہائے نیاز

آیا جب اس راز کی محفل کا وقتِ اختتام — عرش کے سائے میں باغِ لطف و رحمت کھل گیا
بن گئے فردوس و رنگ و بو وہ گلہائے مرام — جن کو خوش بختی سے دامانِ مزمّل مل گیا
دیدہ بر روئے نبوّت عالمِ توحید تھا
منظرِ رخصت یہ بالائے جہانِ دید تھا

خلوت آرا جس گھڑی پھر عرش پر وحدت ہوئی — منظرِ جلوت ہوا دم بھر میں مستورِ حجاب
گل بدامن یوں نبوّت عازمِ رخصت ہوئی — اس کے سائے سے تھی روشن غنچۂ چرخِ تناب
ایک دم آیا وہاں وہ امّی گویا کلام!
فرشِ راہ آنکھیں کئے تھے جس جگہ سدرہ مقام

ہو چکے پشتِ براقِ خوش عناں پر جب سوار — لیگیا جنّت میں پھر ان کو رفیقِ نورزاد
یوں بڑھایا میمنِ قدم سے اسکے جنّت کا وقار — ہوگیا ہر برگ اس کا غیرتِ باغِ عماد!
نغمۂ عرفان طوبےٰ یوں ترنم ریز تھا
خلدیں اس کا تصوّر بھی سرور انگیز تھا

اپنا ہر منظر نہیں جنّت نے جب دکھلا دیا — چرخ سے سوئے زمیں آنے پہ وہ مائل ہوئے
خیر مقدم کو وہاں موجود تھے سب انبیاء — مسجدِ اقصےٰ میں وہ جب آکے پھر داخل ہوئے

نغمۂ تکبیر برلب جب اٹھے گردوں مقام
مقتدی سارے پیمبر تھے محمدؐ تھے امام

ہو چکی جس دم ادا ان کی نماز با حضور — اس مقدس بزم سے وہ عازم لبطحا ہوئے
موجزن زیر فلک تھا شش جہت میں بحر نور — شانِ حق۔ اس شان سے وہ داخلِ کعبہ ہوئے

ان کو فائز چھوڑ کر باب حرم پر جبرئیل
کر گئے تخئیل کی صورت سوئے گردوں رحیل

سرنگوں اُمت کے غم میں جب گئے وہ عرش پر — سرفرازی اس ادائے غم پہ قرباں ہو گئی
لیکے جو گلدستۂ رحمت وہ اترے فرش پر — بہر محشر اس سے امت کل بلاغاں ہو گئی

کس قدر نادر عطیہ ہے وہ جس کو بر ملا
صاحبِ معراج نے معراجِ مومن ہے کہا

میں بھی اور ماں باپ میرا بھی فدا اس ذات پر — جس کے دل میں عمر بھر شاکر غم امت رہا
صورتِ خورشید چمکا عالمِ ظلمات پر — دوست و دشمن کے سر پر صورتِ رحمت رہا

اے خوشا روئے کہ بن کر رحمۃ للعلمیں
آیا چمکانے وہ اپنے نور سے روئے زمیں

(غیر مطبوعہ) شاکر صدیقی

تصحیح

ناظرین کرام نومبر کے رسالہ کی اغلاط بقرار ذیل درست کر لیں :۔

نعت صفحہ ۳ ۔ دوسرا شعر دوسرا مصرعہ ۔ "دل اب مے طہور سے بھی بے نیاز ہے"
آٹھواں شعر پہلا مصرعہ ۔ حقیقت مگر کی بجائے حقیقت نگر"

صفحہ ۲۴ ۔ چوتھی سطر ۔ ۲۰ نومبر کی بجائے ۲۷ اکتوبر : دوسری سطر کے آخری الفاظ ۔ واقع ہو جانا کی بجائے "واقع ہو جائے" سطر ۹ ۔ ماہ کی بجائے "وہ" اکتوبر کی اشاعت "نوائے درد" عنوان کے ایک مصرعہ میں کا ایک لفظ کسی وجہ سے کٹ گیا ۔ یوں درست کر لیجئے :۔

تمنّا اپنے دم سے پھونک دے بحرِ حمیت میں

یادِ ماضی

"ہفت اقلیم میں تھا سکّہ ہمارا جاری"

قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں کی تمدنی، سیاسی، قومی اور اخلاقی حالت جیسی تھی۔ تاریخ اسلام اس کی ناقابلِ تردید شہادت پیش کرتی ہے۔ بعثتِ نبی آخرالزماں سے پہلے عرب پر جہل و بداخلاقی کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ شش جہات میں بجز تاریکی کچھ نہ تھا۔ خدائے واحد کو چھوڑ کر خود ساختہ بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ آتش، آب، خاک اور باد تک کو پوجا جاتا تھا۔ مجمع البحر۔ عرب ہی میں معبودوں کی اس قدر افراط تھی۔ کہ ہر قبیلے کا جدا جدا معبود تھا۔ مولانا حالیؔ عرب کی اس کیفیت کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں ؎

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا — کسی کا ہبل اور کسی کا صفا تھا
یہ عزا پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

عرب و عجم کی یہ افسوسناک حالت حق تعالےٰ سے دیکھی نہ گئی۔ رحمتِ حق جوش میں آئی۔ ظلمت کی گھٹائیں پھٹ گئیں۔ مہرِ رسالت ضیا بار ہوا۔ دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا۔ یعنی حبیبِ رب مختار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تاریکی کافور ہوئی۔

اندھیرا نور نے گھیرا اجالا ہو گیا سر سو

عرب و عجم تہذیب و تمدن کے نور سے منور ہو گئے۔ تمام گمراہی اور ضلالت خدا پرستی سے تبدیل ہو گئی۔ رحمتِ عالم نے عرب ہی پر موقوف نہیں۔ تمام دنیا کو زہد، اتقا، حیا، مروت، حمیت، صدق، امانت و دیانت، شجاعت و سخاوت، استقلال، عالی ہمتی، حلم، عفو رواداری، انسانی ہمدردی اور انکساری کا سبق پڑھایا۔ اور ایسا کہ آجتک زبان زدِ ہر خاص و عام ہے۔ موجودہ ترقی تمدن اسی اسلامی نور کا پرتو ہے۔

ہم کیا تھے؟ اس کا جواب "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق ہے۔ دشتِ قپچاق کے فرزند اور اسپین کا قلعہ ہماری سابقہ شان کے شاہد ہیں۔ پیرس۔ اکفینز۔ اور روما کے در و دیوار ہماری گذشتہ عظمت کا زبانِ حال سے اعتراف کر رہے ہیں۔ آہ! وہ کیا مبارک زمانہ تھا۔ کہ ؎

ہر کہ دمہ کی زبان پر تھا فسانہ اپنا — مسلمانوں اللہ میں تیرا ہے
تھا جو یگانہ بنا تھا وہ یگانہ اپنا — شور تکبیر تھا میداں میں ترانہ اپنا

آجتک گونج رہی ہے وہ صدا کانوں میں
مست پندار اچھل پڑتے ہیں میخانوں میں
ہم تھے نقارۂ توحید بجانے والے — شرک کا حرف زمانے سے مٹانیوالے
بیل اور لات کو لاتوں سے گرانیوالے — کلمہ بت کو محمد کا پڑھانے والے
ہفت اقلیم میں تھا سکہ ہمارا جاری
شل خوں رغب تھا ہر رگ میں ہمارا ساری

اسکے برعکس موجودہ انحطاط کے دور نے عالم اسلام میں ایک عظیم انقلاب پیدا کردیا ہے۔ اب وہی ہم ہیں کہ اسلام کو ہم سے ننگ و عار ہے۔ ناداری کے ہاتھوں تباہ ہو رہے ہیں ؎

اب وہی ہم ہیں کہ بیچو بھی نادار بھی ہیں — شرع سے دور ہیں قرآن سے بیزار بھی ہیں
سب سے جھوٹے بھی ریاکار بھی مکار بھی ہیں — بدعمل بھی ہیں باخوار بھی میخوار بھی ہیں
ہیں سیاہ کار معابد میں۔ الٰہی توبہ
زشت کردار مساجد میں۔ الٰہی توبہ

اب وہی ہم ہیں کہ آلام و مصائب۔ مفلسی و تنگدستی اور عسرت و بے مائیگی ایسی بلاؤں کے شکار ہو رہے ہیں۔ ایسی عسرت و بے زری نے ہم مسلمانوں سے ان ہونے کام کروائے۔ زر و دولت کی خاطر، ایمان، مذہب تک کو قربان کردیا۔ ہم سے ایمان و ایقان راسخہ کا فقدان کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم احکام الٰہی کی تعمیل سے منحرف ہو گئے ہیں۔ ایسی صورت میں ایمان و مذہب کہاں؟ وقعت و عالی ہمتی کے توقع عبث۔ ہمارے ماحول مناظر ہم آلودہ، بداخلاقی و سیاہ کاری کا دور دورہ، افلاس اور مصائب کی گھٹائیں، اور مصیبت و تباہی کے سامان۔

اگر اب بھی مسلمان رضائے الٰہی پر کاربند ہو جائیں۔ تو پھر از سر نو بام رفعت پر پہنچ جائیں۔ کھوئی ہوئی عظمت ہاتھ آجائے۔ اور ہفت اقلیم کے خزانے مل جائیں ؎

مسلمانو! اٹھو! احکام الٰہی کی تعمیل کرو۔ اس کی اشاعت میں تن من دھن سے دریغ نہ کرو۔ حقیقی معبود کی رضا ڈھونڈو۔ رسول مکرمؐ کی تقلید اصلی معنوں میں کرو۔ مصحف مقدس کو اپنا رہنما بناؤ۔ پھر دیکھو۔ دینی و دنیاوی عزت تمہاری ہمراز، مال و دولت تمہاری غلام، ثروت و شوکت تمہاری لونڈی، کھوئی ہوئی عظمت تمہاری کنیز، اور تمام دنیا تمہاری محکوم ہوگی ؎

احقر۔ رشید

معذرت

نومبر کی اشاعت میں "عدل اسلامی" ایک مضمون ہماری عدم حاضری میں محض "مولانا راشد الخیری" کے نام کی نمامت پر شائع کردیا گیا ہے۔ حقائق سے بعید اور تاریخی شواہد کے خلاف ہونیکی وجہ سے چونکہ وہ ناقابل اشاعت تھا۔ اس لئے ہمیں اس کی اشاعت پر افسوس ہے ؎

نعت

اے رہنمائے باغِ جنّت — اے ساقیٔ خاص بزمِ وحدت
اے خازنِ گنجِ نکتہ دانی — اے واقفِ سرِّ لن ترانی
اے مجتمعِ حدوث و امکاں — لولاک لما بہ تست نازاں
اے زنگ زوائے شیشۂ دل — اے دیدہ نشینِ سوادِ منزل
اے زیبِ مکانِ امتہانی — فرخندہ مکین لا مکانی
اے راہ نوردِ قابِ قوسین — اے نزل کشِ بقائے دارین
اے نغمہ زنِ نوائے توحید — سنّت نہِ ذکرِ نعت و تمجید
اے زینتِ مسندِ نبوّت — اے رابطۂ رشتۂ اخوّت
اے خلقِ عظیم بر تو نازاں — اے رہنمائے دین و ایماں
برخیز و نگاہ سوئے ما کن — از پنجۂ بیکسی رہا کن
بر امّتِ زار رحم فرما — کایں وقت مصیبت است برما
رافت بہ وجودِ تست موزوں — رحمت بہ کمالِ تست موزوں
مائیم غریقِ بحرِ عصیاں — رفتیم بسے خلافِ فرماں
اے فخرِ قریش و شیخ و سادات — اے مظہرِ الفت و مواسات
ایں قومِ قریش متبذل شد — عزت بر ذاتش بدل شد

بردار دو دستِ خود دعا را
پرساز تو دامنِ رجا را

انور صدیقی

(غیر مطبوعہ)

اعجاز عباد

فاضل ایاز

بسا جواہر رخشاں و گوہر تاباں بقعر لجۂ بحر عمیق در افتاد
بسا گلے کہ شگفتہ دست کس ندید آنرا کہ بوئے خویش بویرانہ میدہد برباد

فاضل ایاز اپنے عہد کے بہت بڑے عارف و کامل گذرے ہیں۔ آپ کے سوانح حیات حیرت و استعجاب سے یکسر معمور ہیں۔ ابتدا میں آپ قزاقی و رہزنی کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے تھے۔ صحرانوردی کی زندگی اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور دشت و جبال میں راہگیروں اور زائروں پر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کر لینے کی غرض سے آپ ہمیشہ فقیرانہ لباس میں رہتے۔ اور ریش مبارک بے اندازہ طویل کئے ہوئے سبحہ و تسبیحہ کو ہاتھ سے کبھی جدا نہ کرتے تھے۔ آپ کے رفقاء کار بکثرت تھے۔ جو مال غنیمت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور آپ ان کے درمیان بحصہ مساوی تقسیم کر دیا کرتے۔ اور ایک حصہ اپنے لئے علیحدہ رکھ لیتے۔ لیکن باایں ہمہ آپ ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ کرتے۔ اور نہ صرف خود بلکہ اگر ان کے بادیہ تاختوں میں سے کوئی شخص بھی اس میں تساہل کرتا۔ تو وہ اس کو اپنی خدمات سے معزول و برطرف کر دیتے تھے ؛

بہرکیف وہ صاحب جود و کرم اور مروت شجاع تھے۔ اگر مسافروں کے قافلہ میں کوئی عورت ہوتی۔ تو ہرگز اس قافلہ پر حملہ آور نہ ہوتے تھے۔ اور نہ کبھی اس شخص پر حملہ کرتے جس کے پاس کافی زر و نقد نہ ہوتا تھا۔ اور جب کبھی وہ کسی کو لوٹتے۔ تو اسے زاد راہ کے طور پر سفر تمام کرنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کافی روپیہ دیدیا کرتے تھے ؛

عالم خفوان میں وہ ایک نہایہ رعنا کے وامقانہ والا دستبدا ہو گئے تھے۔ جس کو کہ وہ جو کچھ حاصل کرتے۔ دیدیا کرتے تھے۔ ایک روز مسافروں کا ایک قافلہ اسی بیابان میں ہو کر گذرا۔ جہاں کہ فاضل معہ اپنے طائفہ کے رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص کے پاس کچھ نقدی تھی۔ فاضل کے رفقاء کے ہمراہ شرب کو دیکھ کر وہ شخص فکرمند ہوا۔ لیکن اس نے فاضل کو درویشانہ پیرہن میں دیکھا۔ اسے اس امر کا بالکل خٹک و شبہ نہ تھا۔ کہ وہ اپنے غارتگروں کے سرخیل ہیں۔ وہ ان کے حضور میں جا کر درخواست کرنے لگا۔ کہ خدارا اس ہمیان کو اپنے پاس اس وقت تک امانت رکھ لیجئے۔ جب تک کہ وہ مراجعت کر کے اس کو واپس نہ طلب کرے فاضل نے اس سے کہا۔ کہ اپنی تھیلی کو جس مقام پر جی چاہے۔ رکھ دو۔ مسافر نے ایسا ہی کیا۔ اور اپنے ہمسفروں کے پاس چلا گیا۔ معاً فاضل کے شرکاء کار ان پر تاخت کر لائے۔ اور دل کھول کر غارت و تخریب کا بازار گرم کیا ؛

فراق جب فرار ہوگئے۔ تو یہ مسافر فاضل کے پاس گیا۔ وہ نہایت حیران و ششدر رہ گیا۔ جبکہ اسے معلوم ہوا۔ کہ وہ انہی غارت گروں کے سرطائفہ ہیں۔ تمام قزاق مال غنیمت لاکر ان کے گرد اگرد حلقہ کئے ہوئے مجتمع تھے۔ یہ دیکھ کر تب تو وہ غریب الوطن خوف و مہابت سے مغلوب لرزہ بہ اندام ہوگیا۔ اور زبان کھولنے کی جرأت نہ کرسکا۔ فاضل نے دریافت کیا۔ کہ تو یہاں پر کیوں آیا؟ تو مسافر نے تقویت پاکر ہوش بجا کئے۔ اور جواب دیا۔ کہ میں نے اپنا زرِ نقد تمہارے سپرد کیا تھا۔ اور اب وہ واپس لینا چاہتا ہوں۔ میری امانت واپس دیدیجئے۔ فاضل نے جواب دیا۔ کہ اپنی زر پیمان اس جگہ سے اٹھا لو۔ جہاں پر کہ تم نے اس کو رکھا تھا۔ وہ اسی مقام پر پڑی ہوئی ہے۔ اور کسی متنفس نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ مسافر نے بے کم و کاست اپنی امانت اٹھالی۔ اور گل نوبیدہ کی طرح شگفتہ خاطر چلا گیا۔ اس پر فاضل کے لواحقین دست بسر ہو کر استفسار کرنے لگے۔ کہ آپ نے وہ زرِ خواستہ جو اس نے آپ کے پاس ایداع کیا تھا۔ واپس دیدیا؟ فاضل نے جواب دیا۔ کہ اس نے مجھے مرد مومن تصوّر کیا تھا۔ چنانچہ میں نے دیانت و اعتماد کا سلوک کیا؛

ایک دوسری شب میں فاضل نے تاجروں کے ایک قافلہ پر شبخون مارا۔ اور جب وہ خیمہ کی غارت و بربادی میں مصروف تھے ایک تاجر نے قرآن کریم سے ایک آیت ترتیل کی۔ کہ کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آگیا۔ کہ وہ تہدید الٰہی پر اپنے قلوب کو حلیم و فروتن نہ کرلیں گے۔ اس بات کا فاضل کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ وہ ساکت و صامت تصویر حیرت بنے کھڑے رہے۔ اور چشم پرنم ہو کر کہا۔ کہ بیشک وہ وقت آگیا ہے۔ یہ کہکر انہوں نے قافلہ کو خیرباد کہدیا۔ اور دفعتہ وہ ہامون کا رخ کیا۔ اثنائے راہ میں وہ تجاروں کے ایک دوسرے قافلہ سے دوچار ہوئے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہ رہا تھا۔ کہ یہ راستہ مامون و محفوظ نہیں ہے۔ کیونکہ فاضل اسی رہگذر میں رہتا ہے۔ فاضل رک گئے۔ اور ان کے پاس جاکر کہا۔ کہ میں ایک بشارت تمہارے گوشگذار کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ فاضل تائب ہوگیا ہے۔ اور آج وہ تم سے دور بھاگ رہا ہے۔ یہ کہکر وہ تیز دوڑنے لگے۔ راستہ میں ایک اور شخص ملا۔ فاضل اس کے پاس جاکر کہنے لگا۔ کہ میں مجرم و خطا وار ہوں۔ مجھے بادشاہ کے باب عالی میں لے چلو۔ وہ تم کو گرانقدر انعام و اکرام سے سرافراز کریگا۔ وہ شخص ان کی درخواست پر ان کو بادشاہ عصر کے حضور لے گیا۔ بادشاہ نے فاضل کی صورت حال پر نظر کرکے سمجھ لیا۔ کہ اب ان میں کافی تبدیلی ہوگئی ہے۔ لہٰذا ان کو اس کے مسکن پر بھجوا دیا؛

جونہی فاضل اپنے مکان کے دروازہ میں داخل ہوئے۔ وہ رکیک آواز میں اپنی بیوی اور بچوں کو بلانے لگے۔ ان کی عورت نے کہا۔ واعجبا! ان کو سخت جراحت پہنچی ہوگی۔ فاضل نے جواب دیا۔ کہ فی الحقیقت میں سخت مجروح ہوگیا ہوں۔ ان کی اہلیہ نے دریافت کیا۔ کہ کس جگہ پر؟ فاضل نے جواب دیا۔ کہ قلب حزین میں۔ اس کے بعد فاضل معہ اپنے اہل و عیال مکہ شریف کو ہجرت کر گئے۔ اور زہد و تقویٰ، عبادت و حصانت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور وہ اپنے زمانہ کے مشہور ترین مشائخ و مشاہیر کے ساتھ

مدت العمر بود و ماند کرتے رہے۔ اور آخر کار خود بھی شہرۂ آفاق عارف و سالک مشہور ہو گئے ؛

ایک رات خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے ندیموں سے فرمایا۔ کہ میرا دماغ دنیاوی افکار و علائق سے سیر چشم ہو گیا ہے آج شب کو مجھے کسی ایسے شخص کے پاس لے چلو۔ جو میرے قلب پریشان کو سکون و طمانیت دے۔ چنانچہ ان کے مصاحبان کو ابوصفیان کے دولتکدہ پر لے گئے۔ ہارون نے دروازہ پر دستک دی۔ ابوصفیان فوراً دروازہ کھولکر باہر تشریف لائے اور پوچھا۔ کہ تم کون ہو؟ مصاحب نے کہا۔ کہ یہ خلیفہ ہیں۔ اس پر ابوصفیان نے عرض کیا۔ کہ کاش آپ نے اس کے قبل مجھے مطلع کر دیا ہوتا۔ تو بجائے اس کے کہ بادشاہ خود قدم رنجہ فرماتے۔ میں خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا۔ ہارون الرشید نے فرمایا۔ کہ یہ وہ شخص نہیں ہے۔ جس کی مجھے تلاش ہے۔ مجھے ان سے بھی بزرگتر فرد کی ضرورت ہے ؛

ابوصفیان نے کہا۔ کہ فاضل ایاز نہار ے لئے بہت مفید ہو گا۔ تب ہارون الرشید اور ان کے جلیس فاضل کے غیر مکلف کلبہ پر آئے۔ فاضل قرآن پاک تلاوت فرما رہے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فاضل نے مکان کے اندر سے دریافت کیا کون ہے؟ جواب ملا۔ خلیفہ ہارون الرشید! فاضل نے کہا۔ تم کو مجھ سے کیا سروکار۔ میری توجہ کو کسی دوسری جانب معطوف کرنے کی کوشش مت کرو۔ مصاحب نے جواب دیا۔ بادشاہ ملک کا احترام ضروری چاہیئے۔ فاضل نے کہا۔ کہ میرا ہرج مت کرو اس پر ان لوگوں نے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ فاضل نے اجازت تو دے دی۔ مگر شمع گل کر دی۔ تاکہ خلیفہ کے بشرہ کی جانب نہ دیکھ سکیں۔ اسی تاریکی میں خلیفہ نے ہاتھ پھیلایا۔ اور فاضل نے مصافحہ کیا۔ فاضل نے کہا۔ صد حیف! کتنا ملائم ہاتھ ہے۔ لیکن کیا یہ جہنم کی شعلہ زن آگ سے محفوظ رہ سکیگا؟ یہ کہکر وہ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ہارون رشید رونے لگے۔ فاضل نے کہا۔ اگر تم عذاب جہنم کی درشتیوں سے مامون و محفوظ رہنا چاہتے ہو۔ تو دیرینہ سال بزرگوں کی عزت اپنے باپ کی طرح کرو۔ نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح دیکھو۔ اور واجب العزت خواتین کو اپنی بہنوں کی طرح۔ خدا کا خوف کرو۔ اور اللہ کی رضا جوئی میں سعی بلیغ کرو۔ کیونکہ کل یوم النشور کی داروگیر میں اس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔ ہارون متحمل و از خود رفتہ ہو کر ڈاڑھیں مارنے اور چیخنے چلانے لگے۔ ان کے مصاحب نے کہا۔ وائے افسوس! تم تو ان کو مار ڈالو گے۔ فاضل بولے۔ خاموش! ہامان خاموش!! ان کو میں نہیں مار ڈالوں گا۔ بلکہ ان کے ندیم و ہمنشیں۔ ہارون الرشید اور بھی دلدوز و زہرہ گداز آواز میں نعرے مارنے لگے۔ اور کہا۔ کہ وہ تم کو ہامان کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مجھے فرعون سمجھتے ہیں۔ تب ہارون نے پوچھا۔ کہ تم مقروض تو نہیں ہو؟ فاضل نے کہا۔ ہاں! میں خدائے ذوالجلال کا مقروض ہوں۔ ہارون الرشید نے دریافت کیا۔ کہ آیا تم کسی انسان کے قرض و وام سے زیر بار تو نہیں ہو؟ فاضل نے جواب دیا۔ صد ہزار فخر و احسان ہے۔ اس کارساز مطلق و معبود حقیقی کا کہ جس کے انعام و اکرام اور لطف و عنایات سے میں نے کسی سے ایک خرمہرہ بھی نہیں لیا۔ ہارون نے ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی پیش کی۔ اور کہا۔ کہ میری ندیہ قبول فرمائیے۔ یہ وجہ حلال

ہے۔ فاضل نے نفرت وحقارت سے کہا۔ یاللعجب! میری پند ونصائح کا اثر تمہارے دل پر بالکل نہیں ہوا ہے۔ پس چلے جاؤ۔ یہ کہکر انہوں نے اپنا دروازہ بند کرلیا۔ ہاروں نے باہر آکر کہا۔ درحقیقت یہ شخص اکابر زمان میں سے ہے۔

اس تبدیلی کے بعد فاضل کو عزلت ومجانیت کا بہت شوق وشغف رہا۔ ان کی زندگی کے آخری تیس سال میں کسی نے انہیں خندہ لب نہیں پایا۔ صرف اس وقت جبکہ ان کا لڑکا قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا تھا۔ ان کا چہرہ تبسم ریز پایا گیا تھا کسی نے سوال کیا۔ کہ آپ کی اس شکر خندگی کا کیا سبب ہے؟ فاضل نے جواب دیا۔ کہ مجھے ہر اس چیز سے ربط وانس ہے جس میں خدا کی رضا وخوشنودی شامل حال ہو۔

"اس عالم ثانی میں راحت وخوشی، شادی وعشرت اتنی ہی تعجب خیز اور حیرت افزا ہیں۔ جتنی کہ رنج ومصیبت، ماتم وعسرت دارالقرار ہیں"۔

اس کے دل میں خوفِ خدا ہے۔ اس سے سب لوگ خائف وہراساں رہتے ہیں۔ دنیا سے وابستگی پیدا کرلینا آسان تر ہے لیکن اس سے وارستگی کہیں زیادہ دشوار ہے۔

(مترجمہ) **ایم عبدالرؤف**

جذبات عالی

از میر محمد عامر عباس عالی عباسی امروہوی مدیر "ہمنشین"

سینکڑوں چارہ گر درد سیحا دیکھے — اچھے ہوتے نہ مگر عاشق شیدا دیکھے
تو ہے وہ پردہ نشین صاحب عظمت وحسین — ہو خجل حور جو تیرا رخ زیبا دیکھے
گلبدن غنچہ دہن تجھسا نہ دیکھا کوئی، — گو زمانہ میں ہزاروں گل رعنا دیکھے
وصل کی رات میں دل کو ہے عجب لذت عشق — روٹھنا ان کا کوئی میرا منانا دیکھے
بھول جائے گل وگلشن کی محبت بلبل — گر بہار چمن حسن دل آرا دیکھے
عشق کے واسطے لازم ہے ارادت ہونا — چشم مجنوں سے کوئی صورت لیلیٰ دیکھے
دیکھنے کے لئے انسان کو ہیں آنکھیں — کیوں نہ دنیا میں حسینوں کا تماشا دیکھے
ہاتھ اک اور لگانا ترے صدقہ قاتل — اپنے بسمل کو جو مقتل میں تڑپتا دیکھے

شمع بھی جان دے اس رخ پہ بنے پروانہ
دیکھ کر عالی اسے کیوں یدبیضا دیکھے

(غیر مطبوعہ)

ندائے غیب

نتائج طبع حضرت برنی - ایم - اے

آسماں پر چھا چکی تھی جب سیاہی شام کی
آئی کانوں میں صدا اک مرغ بے ہنگام کی

سر میں اس آواز سے سودا سا پیدا ہو گیا
اور تلاطم سا تخیل میں ہویدا ہو گیا

ساز شوق غم نہاں زیر مضراب خیال
طفل دل کرنے لگا تکرار ابواب خیال

یا الٰہی! یہ صدا اک بانگ بے ہنگام ہے
یا برائے اہل عالم خواب کا پیغام ہے

یا ہے آہ آتشیں اک ہستی مایوس کی
یا سر تابوت عاشق ہے صدا ناقوس کی

یا شہیدان وفا کا نعرۂ تکبیر ہے
یا گرفتار جنوں کا نالۂ زنجیر ہے؟

یا کسی کا شیشۂ دل ہو گیا ہے چور چور
یا ہے مصروف دعائے وصل قلب ناصبور

یا کیا غنچوں نے اپنے پیرہن کو تار تار
یا یہ عرض قلقل مینا ہے پیش بادہ خوار

یا تموج نوحہ خواں ہے بر سر قبر حباب؟
یا ہے جذب ماہ سے دریا میں پیدا اضطراب

یا کہیں لہروں میں ہے کچھ رنج کی گفت و شنید
یا مرے کانوں میں آیا شیون محروم دید

یا غضب آگیں کہیں بحر تلاطم خیز ہے
یا شہاب رخشاں دہان کوہ آتش ریز ہے

یا کہیں گندی ہے صرصر رہگذار تنگ سے
یا کوئی دل لڑ گیا ہے چشم شوخ و شنگ سے

یا تصادم ہو گیا ہے دو بڑے اجسام کا
یا کہیں غل پڑ رہا ہے آج حشر عام کا

یا کوئی صدمہ ہوا ہے کوئلے کی کان پر
یا کہیں بجلی گری ہے خرمن دہقان پر

یا شجر کوئی گرا ہے باد تند و تیز سے؟
یا کوئی فتنہ اٹھا ہے حسن فتنہ انگیز سے

یا مؤذن دے رہا ہے بام مسجد سے اذان
یا پپیہا کہہ رہا ہے "پی کہاں" "اے پی کہاں"

اک ندا آئی کہ یہ تیرا خیال خام ہے
درحقیقت خود تری ہستی ہی بے ہنگام ہے

تاریخ اسلام کا ایک ورق

فتح بیت المقدس

(از سید معظم علی صاحب نجیب آبادی)

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کا دور دورہ ہے۔ اسلام کی فوجیں توحید الٰہی کا جھنڈا بلند کرنے اور مخلوق الٰہی کو مساوات کا سبق پڑھانے کے لئے جزیرہ نما عرب سے نکل کر فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتی ہوئی دور دور کے مقامات تک پہنچ گئی ہیں۔

ان ہی فوجوں کا ایک دستہ توحید الٰہی کا پرچم اڑاتا ہوا قانون الٰہی کو جاری کرتا اور انسان کو مساوات کا بھولا ہوا سبق یاد کراتا ہوا بیت المقدس تک پہنچا۔ تاکہ اس خدا کے گھر کو جس کی بنیاد حضرت سلیمان جیسے برگزیدہ نبی کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ تثلیث کے شرک کی سرپلیدی سے پاک کر کے توحید الٰہی کا علم نصب کرے:

بیت المقدس کے عیسائیوں۔ یہودیوں کا ٹڈی دل بھی جب ان چند گنتی کے مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور حاملان تثلیث کی بھیڑ حاملان توحید کی تاب مقاومت نہ لا سکی۔ تو میدان چھوڑ کر قلعہ بند ہو گئی۔ شہر کے دروازے ہر طرف سے بند کر لئے۔ زبردست پہرے بیٹھ گئے۔ فصیلوں پر مورچہ بندی ہو گئی مسلمانوں نے شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے مشورے

ادھر تو مسلمان افسر اس فکر میں ہیں۔ کہ اس شہر کو جلد فتح کیا جائے۔ شہر پناہ کے گرد چکر پر چکر لگا رہے ہیں۔ کہ کہیں انگلی رکھنے کو جگہ مل جائے۔ ادھر بیت المقدس شہر کے اندر یہود اور عیسائیوں نے مدتوں کی عداوتوں سے چشم پوشی کر کے مشترک طور پر مجلس مشاورت کر رکھی ہے۔ کہ اس گھیر لینے والی فوج کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اراکین شہر۔ مدبرین سلطنت، عمائدین علماء یہود و نصاریٰ نے بالآخر یہ فیصلہ کیا:

ہمارے نبیوں بزرگوں کی پیشگوئی ہے۔ کہ اس شہر کو کوئی قوم فتح نہیں کر سکتی۔ ہاں ایسی قوم کا اس شہر پر تسلط ہو جائے گا۔ جن کی خدا ترس آنکھیں اجنبی عورت پر نہ اٹھیں گی۔ اور جن کی سیر چشمی باوجود فاقہ مستی کے دوسرے کے مال کو نظر میں نہ لائے گی۔ اور اس قوم کا حاکم اعلےٰ اس قوم کا بادشاہ اس قدوقامت اس حلیہ اس سراپا کا ہو گا۔ لہٰذا مسلمانوں سے کہکر ان کے امیر کو بلاؤ۔ اور ان کے زہد و تقوے کا امتحان کر لو۔ اگر ان کا امیر اسی حلیہ کا ہے۔ اور مسلمان قوم میں زہد و تقویٰ اسی درجہ کا ہے۔ جیسا کہ ہمارے بزرگوں کی پیشینگوئی ہے۔ تو بیشک شہر ان کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ اور اگر ان کے امیر کا یہ حلیہ نہیں۔ اور اس قوم میں زہد و تقویٰ کے یہ اوصاف نہیں۔ تو پھر شہر سے نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ فتح یقینی ہے:

بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

شہر کے چند سربرآوردہ ذمہ دار رکن امن کی جھنڈیاں ہاتھوں میں لے کر شہر کی فصیل پر آئے۔ اور

لشکر اسلام کے سپہ سالار سے صلح کی خواہش کرتے ہوئے یہ استدعا پیش کی۔ کہ آپ لوگ اپنے بادشاہ کو بلوالیں۔ ہم بیت المقدس ان کے حوالے کردیں گے۔ مسلمانوں کو اگرچہ اپنی فتح کا یقین تھا۔ مخالف مرعوب ہوکر میدان چھوڑ چکا تھا۔ لیکن خدا ترس مسلمانوں نے اسی کو مناسب سمجھا۔ کہ مخلوق الٰہی کا خون بہائے بغیر ہی بنائے سلیمانی میں قانون الٰہی جاری ہوجائے۔ تو زیادہ اچھا ہے۔ ان کی عرض قبول کرتے ہوئے دارالخلافہ کو رپورٹ دی۔ ؎

بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

آپ تشریف لے آئیں۔ تو بغیر ایک قطرۂ خون بہائے شہر پر قبضہ ہوتا ہے۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس

اس رپورٹ پر دارالخلافت میں مجلس حضوری (پارلیمنٹ) قائم ہوئی۔ ارباب بست وکشاد اور اہل حل وعقد جمع ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کو تعجب ہوگا۔ کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے بادشاہ امیرالمومنین کے ایک لمبے سفر کا مسئلہ پیش ہے۔ مگر کسی بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی رقم کا ذکر تک نہیں آتا۔ کہ اتنے ہزار یا اتنے لاکھ میں یہ سفر ہوسکے گا۔ نہ اس کا ہی ذکر آتا ہے۔ کہ ہمرکابی میں کتنے عمائد ہونگے۔ اور جلو میں کتنی فوج ہوگی۔ بزدل میں کتنے دستے ہونگے۔ اور مقدمۃ الجیش میں کتنے گارد ہوں گے۔ نقباء کی کیا مقدار ہوگی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی مسئلہ زیر بحث نہیں آتا۔ تمام ارکین دولت۔ ممبران پارلیمنٹ کا بھی یہی فیصلہ ہوتا ہے۔ کہ اگرچہ امیرالمومنین کو صعوبت سفر کا سامنا ہوگا۔ مگر خدا کے بندوں کے خون سے زمین تو لالہ زار نہ ہوگی جس کا ایک ایک قطرہ دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی ہے۔

بادشاہ اسلام کی مساوات پسندی

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم نے سفر کا ارادہ کردیا۔ تو پھر اب دیر کیا تھی۔ اپنی سواری کا اونٹ کسا۔ اور زادراہ کے لئے تھوڑا سا ستو لیکر چل کھڑے ہوئے۔ اپنی ابتدائی عمر کے حصہ میں بسلسلہ تجارت ممالک شام کا اکثر سفر کئے ہوئے تھے۔ تو اب کسی رہبر کی ضرورت ہی کیا تھی۔ رخت سفر اونٹ پر رکھ کر سوار ہوئے۔ تو ایک وفادار جان نثار غلام نے مہار پکڑ لی۔ کہ حضور یہ خانہ بگوش ہمرکابی میں ضرور چلیگا۔ غلاموں کے نازبردار عمر کا یہ غلام مچل گیا۔

مسلمانوں کا بادشاہ اور وہ بادشاہ جس کے نام سے قیصر وقصریٰ لرزہ براندام ہیں۔ وہ بادشاہ جس کے در دولت پر اکناف عالم کے بادشاہ جبہ سائی کرتے ہیں۔ وہ بادشاہ جس کی آواز پر بڑے بڑے مستحکم قلعے فتح ہوجاتے ہیں۔ وہ بادشاہ جس کے ہاتھ میں روم وشام کے خزانوں کی کنجیاں ہیں کس سادگی سے فرماتے ہیں میرے پاس اور اونٹ نہیں۔ جو تجھے سواری کے لئے دوں۔ اور اس کو میرا دل گوارا نہیں کرتا۔ کہ خدا کا ایک بندہ جو میری ہی طرح انسان ہے۔ میرے ساتھ پاپیادہ چلے۔

بہت دیر گفت وشنید ہونے کے بعد آخر اس پر فیصلہ ہوا۔ کہ وہ غلام ساتھ تو ضرور چلے۔ مگر اس شرط پر کہ ایک دن امیرالمومنین اونٹ پر سوار ہوں۔ وہ غلام نکیل پکڑ کر چلے۔ اور ایک دن وہ غلام سوار ہو۔ اور امیرالمومنین کے ہاتھ میں نکیل ہو۔ اللہ اکبر یہ ہے اسلام کی تعلیم۔ یہ ہے مسلمانی مساوات کا نقشہ۔ نہ ہیں آقا اور غلام۔

الحاصل آقا وغلام کا ایک مساویانہ شرط پر یہ طول طویل سفر شروع ہوا۔ اور اس لشکر اسلام کو جو بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے امیرالمومنین کی تشریف آوری کا انتظار کررہا ہے۔ اطلاع پہنچ گئی۔ کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو امیرالمومنین یہاں پہنچ جائیں گے۔ اندرون شہر

بیت المقدس میں بھی یہ خبر مشہور ہو گئی ۔

مقررہ وقت پر تمام شہر کے چھوٹے بڑے فصیل پر اس خیال سے جمع ہو گئے ۔ کہ بادشاہ اسلام کی سواری کا تزک و احتشام اور امیرالمومنین کا جاہ و جلال ۔ فاروق اعظم کی آمد کا طمطراق دیکھیں ۔ اور لشکر اسلام بھی اپنے سردلعزیز حاکم اعلےٰ کی سلامی کے لئے صف بستہ ہو گیا صبح سے انتظار کرتے کرتے دوپہر کے قریب مدینہ سے آنیوالی سڑک پر ایک چھوٹا سا بگولہ اٹھنے کے بعد ایک اونٹ سوار آتا دکھائی دیا جس کے اونٹ کی مہار ایک بلند قامت تھامے ہوئے اسی طرف آرہا ہے ۔

امیرالمومنین کی شان

اہل شہر اس خیال میں تھے ۔ کہ امیرالمومنین تشریف لا رہے ہیں ۔ نہ معلوم کتنی تورد و خن چوکیاں ہونگی اور کتنے دستے پراول کے ہونگے ۔ اور کتنے سوار نقابت پر مامور ہونگے ۔ اور کتنی قسم کے باجے شور محشر برپا کئے ہوئے آتے ہونگے ۔ اور ان کے ہلالی نشان آنکھوں کو خیرہ کرتے ہونگے ۔ اور نہ معلوم کتنی لاکھ تلواریں بجلی کی طرح چمکتی آتی ہونگی ۔ اور اتنے بڑے بادشاہ کی آمد آمد میں فوج کی گرد و غبار کا کم سے کم یہ تو عالم ہوگا ۔ کہ فرد و سی ایک طرف کھڑا کہتا ہوگا ؎

زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

بخلاف اس کے دیکھا تو یہ دیکھا ۔ کہ مدینے کی طرف سے ایک سوار آتا ہے ۔ اور ایک انسان اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے ہے خیال ہوا کہ شاید کسی وجہ سے امیرالمومنین کی سواری آج نہ پہنچ سکے گی ۔ یہ ایک سوار اطلاع کے لئے آتا ہوگا ۔ اہل شہر اس خیال ہی میں تھے ۔ کہ سپہ سالار لشکر اسلام کی دوربین نظروں نے اپنے امیر کا نہ چھپنے والا قد و قامت اور اپنے امیر کا مخصوص کمبل کا لباس دیکھا ۔ تو نعرۂ تکبیر بلند کیا تمام لشکر میں نعرۂ تکبیر کے ساتھ خوشی کا غلغلہ جو بلند ہوا ۔ تو اہل شہر سمجھے کہ شاید یہی اونٹ سوار ان کا امیر ہے ؟

اپنے یہاں کے بیان کردہ حلیے کو منطبق کرنے لگے ۔ اس حلیے کو اس اونٹ سوار سے جب کوئی نسبت ہی نہ پائی ۔ تو اپنے قریب کے کسی اسلامی سوار سے پوچھا ۔ کہ تمہارا امیر یہی اونٹ سوار ہے ؟ وہ کہتا ہے نہیں ۔ اونٹ پر تو غلام سوار ہے ۔ ہمارا امیر بلند قامت بلند اقبال چھریرے جسم کا وہ ہے جس کے ہاتھ میں اس وقت اونٹ کی نکیل ہے ۔ اللہ اللہ ! کیا شان ہے ایمان کی کہ منزل پر پہنچنے کے دن دوسری قوم کے سامنے ہونے کے وقت بھی اتفاق سے غلام کے سوار ہونے کی باری ہے ۔ تو حق پسند عمرؓ کی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی ۔ کہ اس کا حق خود لے لے ؟

یہ سنکر اہل شہر اس نکیل پکڑنے والے پر جو اس حلیہ کو منطبق کرتے ہیں ۔ تو سر مو فرق نہیں پاتے ۔ ہو بہو اسی حلیہ کا امیر اور امیر بھی ایسا کہ اس کی اور اس کے غلام کی معاشرت میں ۔ لباس میں راحت و تکلیف میں کوئی فرق نہیں ۔ اس جلالت مآب امیر کے اس مساویانہ برتاؤ کا رعب ہیبت الٰہیہ کا دبدبہ ان کے دلوں پر اثر کر کے سب کو لرزہ براندام دیتا ہے ؟

مسلمانوں کا امتحان

امیرالمومنین کو اس حلیہ کے مطابق پا کر اہل شہر نے مشورہ کیا ۔ کہ اب اس قوم کے زہد و تقویٰ کا امتحان اور باقی ہے ۔ تمام شہر کو آراستہ کرایا ۔ قیمتی اشیاء کا دوکانوں کے باہر انبار لگوا دیا ۔ خوبصورت مہ جبینوں ۔ نانکتہ دوشیزہ مہ پاروں کو سجا بنا کر دوکانوں پر بٹھلا دیا ۔ اور ان سے کہہ دیا گیا ۔ کہ آنے والے لشکر کا کوئی سپاہی ان چیزوں میں سے کچھ لینا چاہے

تو اسے روکا نہ جائے ۔ لڑکیوں میں سے کسی پر کسی سپاہی کی نظر پڑے ۔ تو اپنے آپ کو خود پیش کر دے ۔ شہر میں دین و ایمان کے لئے یہ شیطانی جال بچھا کر امیر المومنین کی خدمت میں درخواست پیش کی ۔ کہ معہ لشکر شہر میں تشریف لائیں ۔ ہم لوگ شہر حوالہ کر دیں گے ۔

ادھر سپہ سالار اسلام کو معلوم ہو گیا ۔ کہ اہل شہر نے یہ انتظامات کئے ہیں صبح کو شہر میں جانے کے لئے جب لشکر صف آرا ہوا ۔ تو سپہ سالار نے تمام لشکر کو مخاطب کر کے کہا ۔ خدا فرماتا ہے ۔ لاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا ۔ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں ۔ کہ اجنبی عورت کو بالقصد دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے ۔ دوسروں کے مال پر نظر ڈالنا مسلم کا شیوہ نہیں ۔ پس یہ کہ کر لشکر کو شہر میں داخل ہونے کا حکم دے دیا ۔ شہر پناہ کے دروازہ پر عمایدین شہر استقبال کے لئے جمع تھے ۔ اور جا بجا ان کے جاسوس اسلامی لشکر کے نگران اور ان کی نظروں تک کی نگہداشت کے لئے مامور تھے ۔ لشکر شہر کے اس سرے سے داخل ہو کر اس سرے تک پہنچ گیا ۔ مگر اس خدا ترس قوم کے کسی فرد واحد کی نظر نیچے سے اوپر کو بھی نہ اٹھی ۔ جو دہ قیمتی اشیاء کو دیکھتی ۔ یا کسی مہین پر پڑتی ۔ جب اس سکوت زہد ، تقویٰ کے ساتھ یہ مختصر سا لشکر خدا پر بھروسہ کئے مخالف قوم کے مضبوط و مستحکم قلعہ میں داخل ہو گیا ۔ ایک خدا سے ڈرنے والا مختصر گروہ بلا خوف و خطرہ دشمن کے محفوظ قلعہ میں آ لیا ۔ اور جاسوسوں کی رپورٹ بھی گندی ۔ تو اہل شہر نے شہر اس مقدس قوم کے حوالے کر دیا ۔ اس قوم نے شہر پر قبضہ جما کر کیا کیا ؟ یہ کسی دوسری صحبت کے لئے اٹھا رکھئے گا ۔ (تبلیغ)

ہندوستان کا سب سے بڑا طبیب کون ہے

ہندوستان کی تمام اقوام کے متفقہ لیڈر مسلم لیگ ، کانگرس اور خلافت کمیٹی غرضیکہ بڑی بڑی انجمنوں کے صدر حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب کے لاڈلے فرزند اور ان کے جانشین مسیح الملک حکیم محمد مسیح خان صاحب بالمقابلہ رئیس اعظم دہلی ارقام فرماتے ہیں :-

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار "سلطنت" آپ نے میری رائے حاصل کرنے کے واسطے ہندوستان بھر کے تقریباً ڈیڑھ سو رسالے اور اخبارات بھیجے ہیں جن کو میں نے نہایت غور سے مطالعہ کیا ۔ اور اخبار "سلطنت" سے ان کا مقابلہ کیا ۔ بعد مطالعہ کے میں تصدیق کرتا ہوں ۔ کہ اخبار "سلطنت" میں ہر ہفتہ دس صفحہ کے رنگین فوٹو اور مضامین جو شائع ہوتے ہیں ۔ وہ ان تمام اخبارات اور رسالوں سے پانچ گنے زیادہ ہیں ۔ اور قیمت پوری پانچ گنی کم ہے ۔ اگر "سلطنت" دہلی ہفتہ وار کے بجائے ماہوار ہوتا ۔ اور اس کی سالانہ قیمت تین روپیہ ہوتی تب بھی "سلطنت" کا چندہ کم ہوتا ۔ اور اب ہفتہ وار ہونے کے باوجود اور اپنی گوناگوں دلچسپیوں کے ساتھ ہفتہ وار "سلطنت" کا چندہ تین روپے اخباری دنیا میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیگا ۔ "سلطنت" کی اس کامیابی اور اس کے اجراء پر آپ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں ۔ اور مجھے قوی امید ہے ۔ کہ ملک آپ کی اس خدمت کا بڑے زور سے خیر مقدم کریگا ۔ جمیل

مسیح الملک بہادر کی اس تصدیق کے علاوہ ہندوستان بھر کے اخبارات اور رسالوں اور لیڈروں کی بھی یہی رائے ہے ۔ اس لئے اسی وقت تین روپیہ سالانہ چندہ اخبار "سلطنت" کو بھیجکر آپ بھی خریدار بن جائیے ۔ اور اس میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے :

منیجر "سلطنت" دہلی

ٹرکی جدید

چشم دید حالات

مختلف جرائد و اخبارات میں ایک سیاح کے چشم دید حالات شائع ہوئے ہیں۔ ٹرکی جس کے متعلق الحاد و زندقہ کی مختلف روائتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ سیاح مذکور ان کی تردید کرتا ہوا رقمطراز ہے کہ :-

قسطنطنیہ کی سڑکوں پر سے گزرا۔ تو مجھ کو انقلابات کی جھلک نظر آئی۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے قسطنطنیہ یا استامبول کو مستقر حکومت ہونے کے شرف سے محروم کر دیا ہے۔ لیکن وہ قسطنطنیہ کی جاذبیت میں کوئی کمی نہ کر سکے۔ قسطنطنیہ کا منظر آج بھی ویسا ہی پر کیف ہے۔ اور اس میں مشرقی شان امارت کے دلکش نظارے اب بھی اسی طرح نظر آتے ہیں۔ سیاحوں کو فرق صرف یہ نظر آتا ہے۔ کہ پہلے مردوں کے سر پر خوشنما لال ٹوپی ہوتی تھی۔ اب وہ ٹائر ولین قسم کی چھجہ دار مغربی ٹوپی پہنتے ہیں۔

ترکی خواتین کا نقاب ہاں ترکی عورتوں میں زیادہ انقلاب نظر آتا ہے۔ ترکی عورتیں آزادی کے ساتھ تو پہلے بھی باہر نکلتی تھیں۔ لیکن ان کے چہروں پر آنکھوں کے نیچے ایک باریک نقاب ہوتا تھا۔ لیکن اب اس نقاب نے جو پہلے آنکھوں کے نیچے رہتا تھا۔ اب چہرے سے بھی نیچے سرک کر شانوں پر ایک لوازمہ فیشن کی حیثیت اختیار کر لی ہے عورتوں کی پوشاک میں اب مغربی انداز زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن وہ مسیحوں کی طرح مغربی ٹوپی اب بھی استعمال نہیں کرتی ہیں۔ ان کے سروں پر ایک خوشنما لیسدار ٹوپی ہوتی ہے۔

ترک پکے مسلمان ہیں ترکوں کے الحاد کی داستانیں بالکل فرضی ہیں۔ یورپین ممالک نے جو صدیوں سے ترکی قوم کے دشمن رہے ہیں۔ انہیں اسلامی ہمدردی سے محروم کرنے کے لئے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا ہے۔ جس طرح ہمارے ہندوستان میں بعض دولت مند اور والیان ریاست مسلمان مذہبی فرائض کی پابندی نہیں کرتے۔ یہی ترک ارباب ثروت کا بھی حال ہے۔ باقی ترک عوام اسی طرح پابند مذہب اور پکے مسلمان ہیں۔ جس طرح ہمارے ہندوستان کے وہ مسلمان جو ترکوں کو محض اس الزام میں بدنام کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے برائے نام خلافت کا مرکز توڑ دیا۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ چونکہ ترکوں میں تعلیم مقابلۃً زیادہ ہے۔ اور ان کی رگوں میں غلامی کے جراثیم پیوست نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ عام ہندوستانی مسلمانوں کی طرح تنگ خیال، متعصب اور کوتاہ نظر نہیں۔ اگر اسلام کی اصل روشنی میں دیکھا جائے۔ تو ایک ترک ایک ہندوستانی سے زیادہ سچا اور مخلص مسلمان ہے۔ اوقات نماز میں مسجدیں آج بھی اسی طرح بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ جیسی کہ سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں۔ پھر ترکی قوم سوٹ پوش ہے۔ ہمارے ہندوستان میں بھلا کتنے سوٹ پوش نوجوان اذان کی آواز سن کر مسجدوں میں

جاتے ہیں۔ صرف اسی ایک حالت سے موازنہ کرنا چاہئے۔ کہ ترک زیادہ مخلص مسلمان ہیں۔ یا زبانی جمع خرچ بگھارنیوالے ہندوستانی؟

پابندئ نماز میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ نماز مغرب کے وقت قسطنطنیہ کی سڑکیں سونی ہوجاتی ہیں۔ ہر سوٹ پوش اور ہیٹ نواز ترک مسجد کی طرف بھاگتا ہے۔ تعلیم یافتہ فیشن ایبل خواتین اپنا لباس سنبھالتی ہوئی فریضۂ مغرب ادا کرنے کے لئے تیار ہوجاتی ہیں۔ مغربی پوشاک میں ملبوس ان عورتوں اور مردوں کو خدائے واحد قہار کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے دیکھ کر جو دل پر گہرا اثر پڑجاتا ہے۔ وہ ہندوستان کی مساجد میں چند لمبی داڑھی والے مولویوں اور چند غریب اہل حرفہ کو دیکھ کر نہیں پڑسکتا۔ افسوس ہے۔ کہ ان تنگ خیال مسلمانوں کی نگاہ میں جو اپنے آپ کو اسلام کا واحد ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں۔ ترک پھر بھی ملحد، بے دین اور کافر ہیں؟

مغربی تمدن قسطنطنیہ سے جب میں انگورہ کی جانب روانہ ہوا۔ تو مجھے انقلاب کی جھلک زیادہ گہری نظر آئی۔ شہروں میں تو ترک پہلے بھی سوائے ہیٹ کے مغربی پوشاک پہنتے تھے۔ لیکن دیہاتوں میں پتلون نما شلوار یا شلوار نما پتلون کا زیادہ رواج تھا۔ اور ترک کاشتکاروں کے لباس میں شرقیت غالب تھی۔ لیکن اب دیہاتوں میں بھی مغربی پوشاک کا رواج بڑھ رہا ہے۔ ترکی ٹوپی تو بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ اندرونی علاقوں میں وائرلیس، ٹیلیگرافی، ریلوے لائن اور مشنریوں کے رواج سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ایشیائی حصہ کے قالب میں مغربیت کس طرح حلول کررہی ہے۔ دس بارہ سال پیشتر کون خیال کرسکتا تھا۔ کہ قونیہ، سیواس، انگورہ میں مغربی تمدن کے آثار نظر آئیں گے؟

انگورہ کی سیر ترکی جمہوریہ کا پایہ تخت انگورہ مغربی انداز کا خوشنما شہر ہے۔ صرف چند برسوں ہی کے اندر اس کی از سرِ نو تعمیر ہوئی ہے۔ انگورہ کی آبادی بڑھتی جارہی ہے۔ وفاقی حکومت کے علاوہ غیر ملکی سفارت خانوں کی عمارتیں بھی خوشنما ہیں۔ انگورہ میں سب سے زیادہ شاندار سڑک "شارع غازی" ہے۔ اسی سڑک پر ترکی قوم کے مایۂ ناز ہیرو مصطفےٰ کمال پاشا کا مجسمہ نصب ہے۔ شام کے وقت "شارع غازی" پر بہت چہل پہل رہتی ہے۔ یہ سڑک اپنی صفائی اور نفاست میں لندن اور پیرس کے مشہور صاف ستھرے بازاروں کا مقابلہ کرتی ہے۔ آمدورفت بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن کوڑا تو درکنار کہیں گرد و غبار کا بھی نام نہیں ہوتا۔ ترک سگرٹ نوشی کے بہت عادی ہوتے ہیں۔ سگرٹ کے بچے ہوئے حصوں کو پھینکنے کے لئے جابجا رنگین ٹب نصب ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی موٹر سے سگرٹ پھینکے۔ تو صاف کرنے والے فوراً اس کو اٹھا لیتے ہیں۔ "شارع غازی" کے کنارے پر ایک خوشنما نو تعمیر مسجد ہے۔ جس کے چاروں طرف بہت پررونق میدان ہے۔ یہاں لوگ جمع ہوکر قہوہ نوشی کرتے ہیں۔ ان دوکانوں پر اعلےٰ قسم کی پیٹریاں دستیاب ہوتی ہیں؟

سرکاری ملازمین کے لئے انگورہ کی موجودہ آبادی سے باہر خوشنما کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ اور اس حصہ کو نیا شہر کہتے ہیں۔ شام کو پانچ بجے سرکاری ملازمین دفتروں سے فرصت پاکر اپنے کوارٹروں میں جاتے ہیں۔ اور "شارع غازی" پر ان کی موٹروں کا ہجوم ہوتا ہے؟

غازی پاشا

انگورہ میں پہاڑی کے اوپر غازی مصطفےٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ کی سرکاری قیامگاہ ہے۔ عمارات بہت سادہ مگر دلکش ہیں۔ میں ایک دن اس پہاڑی کے اوپر بھی گیا۔ پھاٹک پر مسلح سنتریوں کا پہرہ تھا۔ دفعتہً سنتریوں نے رائفلیں سنبھالیں۔ اور وہ مؤدبانہ فوجی انداز میں کھڑے ہوگئے۔ میں نے اوپر نگاہ اٹھائی۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اوپر چھجے پر کھڑے ہوئے تھے۔ میں ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوکر ترکی قوم کے اس نجات دہندہ کو دیکھتا رہا۔ غازی موصوف چند منٹ تک پھاٹک کی جانب دیکھتے رہے۔ ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ اس کے بعد ٹہلنے لگے۔ اتنے میں چند ترک کاشتکار پھلوں کی ٹوکریاں لئے ہوئے آئے۔ وہ پھاٹک کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مسلح سپاہیوں نے ان کا راستہ روک دیا تھا۔ کاشتکاروں نے اندر جاکر اپنے غازی کی زیارت کے لئے اصرار کیا۔ لیکن سپاہیوں نے انہیں پھاٹک کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اتفاق سے مصطفےٰ کمال پاشا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ انہوں نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ایک جانب ہٹ گئے۔ ترک کاشتکاروں کے چہرے مسرت سے کھل گئے۔ اور وہ اندر داخل ہوئے۔

میں نے دیکھا غازی ممدوح اپنی رعایا کو دیکھکر مسکرا رہے تھے۔ کاشتکاروں نے قدیم ترکی انداز پر غازی کو سلام کیا۔ غازی نے باوازبلند ان کے سلام کا جواب دیا۔ اور ایک اڈیکانگ ان کو اوپر لے گیا۔ میرے خیال میں یہ غریب کاشتکار اپنے محبوب غازی کی خدمت میں نذر کرنے کے لئے پھلوں کی ٹوکریاں لائے تھے۔ اس نظارہ سے مجھے یہ اندازہ ہوا۔ کہ ترکی قوم کو اپنے غازی سے محبت ہے۔ اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا بھی ان لوگوں پر جو ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیں۔ زیادہ پابندیاں عائد نہیں کرتے۔

انگورہ سے میں قونیہ گیا۔ یہاں اول الذکر کے مقابلہ میں مشرقیت زیادہ غالب ہے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے مذہبی پیشواؤں کو مغربی لباس سے مستثنےٰ قرار دیا ہے۔ اور چونکہ قونیہ کو ایک مذہبی مرکز ہونیکا شرف حاصل ہے۔ اس لئے لمبے چغے اور رنگین عمامے بکثرت نظر آتے ہیں۔

ترکی آنیسے پیشتر میں نے سنا تھا۔ کہ غازی مصطفےٰ کمال نے اپنے شوق تجدید میں قونیہ کی مشہور خانقاہ کو حکماً بند کرکے درویشوں کو نکال دیا ہے لیکن یہاں پہنچکر یہ اطلاع بالکل غلط ثابت ہوئی۔ پچھلے عرصہ میں قونیہ کے چند درویشوں نے حکومت کے خلاف بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا اسی سلسلہ میں ترکی حکومت نے چند درویشوں کو پھانسیاں دیں۔ اور چند کو خارج البلد کردیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے خانقاہ سے کسی قسم کا تعارض نہیں کیا۔ درویشوں کا مستانہ وار رقص آج بھی قونیہ میں ہوتا ہے۔ اور زمانہ قیام میں مجھے خود ایک مرتبہ رقص دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

محصولوں کی زیادتی

ترکی میں غیر ممالک کا سرمایہ ضرور لگ رہا ہے۔ لیکن مصطفےٰ کمال پاشا حتی الامکان اپنے ملک کو غیر ملکی سرمایہ کے دام اور قرض کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے حکومت زیادہ ٹیکس لگانے پر مجبور ہے۔ ترکوں پر جو لوگ چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ حکومت ان سے ٹیکس وصول کرلیتی ہے ٹیکس کی یہ شدت لوگوں کے لئے تکلیف دہ تو ضرور ہے لیکن حکومت کی مجبوری اور خود مستقل قومی فائدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترک عاشقان وطن اس گرانباری کو بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ (بجنور)

بہی خواہان "القریش"

خدائے تبارک و تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس اشاعت کے ساتھ "القریش" کی سترہویں جلد بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔ اور آئندہ اشاعت یعنے ماہ جنوری سے اٹھارہویں جلد کا آغاز ہوگا۔ جن معاونین کرام کا سال خریداری ماہ جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی معہ نمبر خریداری درج ذیل ہیں۔ چونکہ وی۔ پی سسٹم مجبوراً بند کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ان احباب سے برادرانہ التماس ہے۔ کہ وہ سال آئندہ کے لئے اپنا اپنا زرچندہ بواپسی ڈاک بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر حمیت قومی کا ثبوت دیکر ہماری شکرگذاری کا موجب ہوں۔ امید ہے کہ مزید یاددہانی کی ضرورت نہ ہوگی۔

۱۲۴ - پیر علی اصغر صاحب
۱۹۶ - مولوی امام الدین صاحب
۴۸۰ - شیخ احمد الدین صاحب
۶۲۵ - قریشی محمد چراغ صاحب
۶۶۱ - قاضی محمد اسمٰعیل صاحب
۸۴۶ - شیخ غلام حسین صاحب پنشنر
۸۵۳ - ڈاکٹر احمد علی صاحب
۸۷۸ - شیخ محمد الدین صاحب
۸۹۸ - قاضی حکیم غلام مصطفےٰ صاحب

۱۴۲ - پیر علی احمد صاحب فریدی
۳۵۶ - قریشی محبوب عالم صاحب
۶۲۲ - قریشی محمد رمضان صاحب
۶۲۹ - قاضی نظیر حسین صاحب
۷۹۸ - پیر صوفی عبد الغنی صاحب
۸۴۹ - قریشی سردار علی صاحب
۸۷۵ - قریشی امداد اللہ صاحب
۸۹۶ - شیخ غلام رسول صاحب

۱۸۱ - شیخ غلام حسین صاحب شاکر
۴۳۷ - بابو محمد عبد الحق صاحب
۶۲۳ - قاضی طالب مہدی صاحب
۶۵۶ - قاضی فضل حسین صاحب
۸۴۳ - منشی اقبال حسین صاحب
۸۵۱ - مولوی فتح محمد صاحب اختر
۸۷۷ - منشی محمد منیر صاحب
۸۹۷ - شیخ عبد العزیز صاحب

منیجر

نقد و نظر

سودائے مرزا مولوی حاجی حکیم ڈاکٹر محمد علی صاحب سند یافتہ طبیہ کالج دہلی۔ امرتسر۔ اس رسالہ میں مؤلف نے طبی دلائل اور مرزا صاحب کی تحریروں سے ثابت کیا ہے۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نہ نبی تھے نہ مسیح اور نہ مجدد تھے نہ ولی۔ بلکہ سائیکوپیا کے مریض تھے۔ ان کے جملہ الہامات اور دعاوی مالیخولیائی کی ایک شق تھی۔ اس رسالہ میں مختلف کتابوں اور دیگر مطبوعات کے حوالے اور سندیں پیش کی گئی ہیں۔ رسالہ محنت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ حجم قریباً پچاس صفحات۔ قیمت فی نسخہ تین آنہ۔

مندرجہ پتہ سے طلب کریں۔

تاریخ عباسیہ کا ایک باب

امین و مامون

(نمبر ۳)

امین کا حسرت ناک انجام

(گذشتہ سے پیوستہ)

امین کی بے بسی

طاہر کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے اراکین سلطنت کی طرف خط لکھا۔ کہ اگر تم خلیفہ کو اس ارادے سے باز نہیں رکھو گے تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ امیر المومنین کے لئے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے قبضہ میں دیں۔ جو یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ خائن اور غیر متبر ہیں۔ بہتر یہ ہے۔ کہ آپ ہرثمہ بن امین سے امان طلب کریں۔ اس پر چند ایک بول اٹھے۔ کہ اگر حضور نے امان طلب کرنی ہے۔ تو کیوں طاہر سے طلب نہ کیجائے۔ لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ اور طاہر سے امان طلب کرنے کی بجائے ہرثمہ کے پاس چلے جانے کو ترجیح دی۔ ہرثمہ نے درخواست امان منظور کر کے کہلا بھیجا۔ کہ میں سوائے آپ کے دوسروں سے جنگ کروں گا۔ اور اگر وہ بھی امان طلب کریں گے۔ تو ان کو بھی امان دے دوں گا۔ طاہر کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو اسے رنج پیدا ہوا کیونکہ اس طرح اس کی تمام کارگذاریوں پر پانی پھر رہا تھا۔ خلیفہ امین ہرثمہ کی امان میں آگیا۔ ہرثمہ نے مناسب خیال کیا۔ کہ اس وقت طاہر سے بگاڑ اچھا نہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے طاہر کے پاس جا کر کہا۔ کہ خلیفہ امین بذات خود سوائے ہرثمہ کے اور کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ لیکن خاتم خلافت عصا اور چادر جو درحقیقت شعار خلافت ہے۔ آپ کے حوالے کر دیگا۔ طاہر اس پر راضی ہوگیا۔ جونہی یہ لوگ طاہر سے رخصت ہوئے۔ ہرثمہ جو کہ طاہر کے ایک اعلیٰ فوجی افسروں میں سے تھا۔ طاہر کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ ہرثمہ آپ کو فقرہ دے گیا ہے۔ اصل میں امین خاتم خلافت۔ عصا اور چادر بھی ہرثمہ کے پاس ہی لے جائے گا۔ طاہر یہ سن کر کانپ اٹھا۔ اور اسی وقت چند لوگوں کو امین کے قصر کے محاصرہ پر متعین کر دیا۔ ہرثمہ نے امین کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ آج کی شب اور صبر فرمائیے۔ کیونکہ آج صبح دریا کے کنارے پر کچھ ایسی باتیں مجھے نظر آئی ہیں۔ جن سے خطرہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ امین نے جواب دیا۔ میرے جس قدر احباب اور سواخواہ تھے۔ مجھ سے جدا ہو گئے ہیں۔ میں یہاں ایک ساعت بھی قیام نہیں کر سکتا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ طاہر کو اس کی اطلاع ہو جائے۔ اور مجھے گرفتار کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد امین نے اپنے دونوں لڑکوں کو گلے لگایا۔ اور پیار کیا۔ اور ان دونوں سے رخصت ہو کے روتا ہوا کنارۂ دریا پر آیا۔ اور ہرثمہ جنگی کشتی پر سوار ہو گیا۔ ہرثمہ نے اس کے ہاتھ اور پاؤں پر بوسے دیئے۔ اور کشتی کے کپتان کو حکم دیا۔ کہ جو شخص مزاحمت کرے

بلا تامل آتشباری کردے۔ جونہی کشتی آگے بڑھی۔ طاہر کی جنگی کشتیوں کا بیڑا سامنے آگیا۔ اور ہرثمہ کی کشتی کا محاصرہ کرکے جنگ شروع کردی طاہر کے لشکریوں نے ہرثمہ کی کشتی پر اس شدت سے تیرباری کی۔ کہ وہ بیکار ہوگئی۔ غوطہ زنوں نے اس کشتی میں سوراخ کردیئے۔ جس کی وجہ سے وہ فوراً پانی بھر کے ڈوب گئی ؛

امین کا دردناک انجام

احمد بن سالم ناظم فوجداری جوامین اور ہرثمہ کے ہمراہ اس کشتی پر سوار تھا۔ بیان کرتا ہے کہ کشتی کے ڈوبتے ہی ہم تینوں دریا میں گر پڑے۔ ملاح نے ہرثمہ کے بال پکڑ کر نکال لیا۔ اور سطح آب پر گرتے ہی امین کے کپڑے پھٹ گئے۔ جب میں تیر کر دریا کے کنارے پر پہنچا۔ تو لوگوں نے مجھے گرفتار کرلیا۔ اور طاہر کے سامنے لے گئے۔ اس نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے اپنا نام ونسب بتایا۔ پھر امین کا حال استفسار کیا۔ میں نے جواب دیا۔ وہ گرتے ہی ڈوب گیا تھا۔ اس کے بعد طاہر کے حکم سے میں ایک مکان میں قید کیا گیا۔ قید ہی کی مصیبت کچھ کم نہیں تھی۔ کہ فوراً سننے میں آیا۔ کہ طاہر نے میرے قتل کا حکم دیدیا ہے۔ اس کے سننے سے میرے ہوش وحواس جاتے رہے۔ بمجبوراً جو کچھ میرے قبضہ میں تھا۔ دے کر جان بچائی۔ مگر قید سے رہائی نہ پائی۔ تھوڑی رات گذری تھی۔ لوگوں نے یکایک میرے قیدخانہ کا دروازہ کھولا۔ اور امین کو اندر کرکے پھر بند کردیا۔ اس وقت امین صرف ایک پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر عمامہ اور شانوں پر ایک پھٹا ہوا کپڑا پڑا تھا۔ میں انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر رو پڑا۔ امین نے مجھے پہچان کر کہا۔ کہ تم مجھے اپنے گلے لگالو۔ میری طبیعت پر سخت خوف طاری ہورہا ہے۔ میں نے امین کے کہنے کے مطابق اسے گلے لگا لیا۔ اس وقت اس کے دل کی عجیب حرکت تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ خوف کی وجہ سے گھٹا جارہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کے حواس درست ہوئے۔ تو مجھ سے ماموں کا حال دریافت کیا۔ میں نے عرض کی۔ ہنوز وہ زندہ ہے۔ امین نے کہا۔ اللہ تعالےٰ اس کے وکیل سے سمجھے مجھ سے وہ کہنا تھا۔ کہ ماموں مرگیا۔ غالباً اس سے اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ میں اس کی جنگ سے غافل ہوجاؤں۔ میں نے کہا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ آپ کے وزیروں سے سمجھے۔ جنہوں نے آپ کو دھوکے میں رکھا۔ امین نے سرد آہ کھینچی۔ اور کہا۔ کیا وہ لوگ وعدہ ایمان کو پورا کریں گے۔ میں نے کہا۔ انشاء اللہ۔ یہی باتیں ہورہی تھیں۔ کہ ایک شخص قیدخانے کے اندر آیا۔ اور غور سے ہماری طرف دیکھنے کے بعد چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد نصف شب کے قریب چند عجمی لوگ چمکتی ہوئی ننگی تلواریں لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ امین ان لوگوں کو دیکھتے ہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ ان میں سے ایک نے لپک کر امین کو پکڑ لیا۔ اور زمین پر گرا کر اس کا سر تن سے جدا کردیا ؛

سر طاہر کے روبرو لایا گیا۔ اور صبح ہوتے ہی لاشہ بھی پیش کیا گیا۔ طاہر نے امین کا سر شارع عام پر آویزاں کردیا۔ اس کے بعد نامۂ بشارت مع سر خاتم خلافت، عصا اور چادر ماموں کی خدمت میں روانہ کیا۔ ماموں نے ان سب کو دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ طاہر نے امین کے قتل کے بعد امان کی منادی کرادی۔ اور جمعہ کے دن شہر بغداد میں فتح کا پھریرا اڑاتا ہوا داخل ہوا۔ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ ماموں کے نام کا خطبہ پڑھا۔ اور امین کی مذمت بیان کی۔ اپنے لشکریوں کو اس نے محلسراؤں کی حفاظت کے لئے مقرر کیا زبیدہ والدہ امین اور امین کے دونوں لڑکوں موسےٰ اور عبداللہ کو بالائی داب کے شہروں کی طرف شہر بدر کرکے بھیج دیا۔

لیکن چند یوم کے بعد عبداللہ اور موسیٰ کو ماموں کی طرف روانہ کر دیا۔

خلیفہ ماموں نے بغداد فتح ہونے کے بعد حسن بن سہل برادر فضل بن سہل ذوالریاستین کو طاہر کے مفتوح علاقے جبل۔ عراق۔ رسواذ۔ حجاز اور یمن کی گورنری مرحمت کی۔ طاہرہ کو جزیرہ موصل شام اور مغرب کا گورنر بنا دیا۔ اور ہرثمہ کو خراسان کی ولائت پر مامور کیا۔

ڈاکٹر اقبال کا ایک مصرعہ

برنمے خیز دازیں محفل دل دیوانۂ ما ساقیا پیمانہ برہم زن سر پیمانۂ ما

شبنم و خورشید آسا با تو دارم اختلاط تا تو رخ افروختی من ہم شدم پروانۂ ما

آرزوئے گفتگو در سینہ حشر انگیز شد کے بود یارب کہ گویم پیش او افسانۂ ما

چشم نرگس دارد ارم مست از دید ارِ تو در ترقی باد حسنت وز الم بیگانۂ ما

از تبسم شاد گرداں خاطرِ محزونِ ما کاش عشرت خانہ گردد از تو ماتم خانۂ ما

شاہدِ خفتہ دل ہر دم بامید وصال مے شود قربانِ شمعِ حسن چوں پروانۂ ما

من نمی فہمم ظفر ایں راز از اقبال پرس

برنمے خیز دازیں محفل دل دیوانۂ ما

ظفر ہاشمی

(غیر مطبوعہ)

لندن میں

"یارِ وفادار" کا ذکرِ خیر

لندن ۲۰ نومبر۔ ہائیڈ پارک ہوٹل میں سر سموئل ہور اور لیڈی ہور کے اعزاز میں گول میز کانفرنس کے وفد ریاست حیدرآباد نے ایک دعوت طعام کی۔ اس کی تقریروں میں حکومت برطانیہ اور ریاست حیدرآباد کے مخلصانہ تعلقات اور تاریخی دوستانہ رشتہ اتحاد کا بار بار اعادہ کیا گیا۔ اور محبت و خلوص کے جذبات طرفین کی طرف سے ظاہر کئے گئے۔

مہمانوں کی تعداد ۱۳۰ کے قریب تھی۔ اس میں ریاست حیدرآباد کے دو فرمانروا سے لارڈ ہیڈلے فاروق، سر جارلس اور لیڈی وڈ، سر روڈ برک جونس، سر شورٹ اور لیڈی فریزر شامل تھے۔ نرائی نس سر آغا خان، لیڈی آغا خان جنرل، میراث ہائی کمشنر انڈیا بھی تھے۔ گول میز کانفرنس کے بہت سے انگریز و ہندوستانی مندوبین بھی شریک طعام تھے۔

سر اکبر حیدری نے کھڑے ہو کر ریاست کے لئے جام وفاداری کی تحریک کی۔ اور سر سموئل ہور نے حضور نظام کا جام صحت و اقبال پیش کیا۔

سر اکبر حیدری نے بحیثیت صدر کے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ تقریر کے دوران میں آپ نے کہا۔ کہ جس وقت حکومت انگلستان کی ہیئت ترکیبی میں تبدیلی ہوئی۔ تو اس وقت سب سے بڑا خیال یہی تھا۔ کہ وزیر ہند کونسی ہستی بنتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذاتی اوصاف حمیدہ اور تعلقات پر بہت سی چیزوں کا انحصار ہوتا ہے۔ سر سموئل ہندوستان کے لئے کوئی نئی ہستی نہ تھے۔ وہ ہندوستان میں پہلے ہوائی سفر پر آئے تھے۔ اور دیگر طریقوں سے ہندوستان کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ ہندوستان کے معاملات کے متعلق کافی معلومات رکھتے ہیں۔ اور وہاں کی صورت حال پر پورا عبور ہے۔

سر اکبر حیدری نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ لوگ مجھ پر یہ الزام رکھتے ہیں۔ کہ میں سیاسی عقیدت کے لحاظ سے قدامت پسند ہوں۔ آپنے اپنی پوزیشن صاف کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں حقیقی ترقی کا حامی ہوں۔ اور سیاسی میدان میں زبردست، مگر عقل و پر احتیاط سرگرمی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے رفتار سست رہتی ہے۔

ریاست حیدرآباد کے گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ وہ مفاہمت مجموعی چاہتی ہے۔ اور اس نے فیڈریشن کے لئے سب سے پہلے رائے دی تھی۔ کانفرنس میں شریک ہونے سے ریاست حیدرآباد کی کوئی غرض نہ تھی۔ بلکہ کلیتہً سب کے مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے شریک ہوئی تھی۔

آپ نے فرمایا۔ کہ حضور نظام کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے۔ کہ مستحکم ترقی کے لئے مسلسل جدوجہد کی جائے۔ تاکہ اقتصادی اور دیگر امور میں ملک ترقی کر سکے۔ آخر میں سر اکبر حیدری نے فرمایا۔ کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ دوستی اور اتحاد برقرار رکھنے کی پالیسی ریاست حیدرآباد کا اساسی اصول رہا ہے۔ اور خواہ جنگ ہو یا امن حیدرآباد و برطانیہ کے درمیان ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے۔ حیدرآباد نے دونوں مواقع پر اپنے فرائض

کے احساس سے متعلق پہلو تہی نہیں کی۔ اور ان فرائض کے ساتھ حکومت نظام بھی اس چیز کی متوقع رہی۔ کہ مملکت نظام کے لوگوں کے لئے جو چیز سب سے زیادہ موزوں ہو۔ اور جو پالیسی بہترین تصور کی جائے۔ اس کے اختیار کرنے میں وہ بالکل آزاد ہو۔

سر سیموئل ہور کا جواب

سر سیموئل ہور نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ افسوس ہے۔ میں جب ہندوستان گیا۔ تو حیدرآباد حاضر نہ ہو سکا۔ آپ نے حضور نظام کو مبارک باد دی کہ انہوں نے حیدرآباد کے سندوبن بیسجکا نفرنس کے کاموں میں سہولت پیدا کردی۔ سر اکبر حیدری کی قیادت میں ریاستوں کے نقطۂ نظر اور حضور نظام کی پالیسی کی جتنی پرزور حمایت و سرکردگی کی گئی۔ اس کی آپ نے بہت تعریف کی۔ اور سر اکبر حیدری کی خوش فہمی، معاملہ بندی اور سیاست دانی کو سراہا۔ وزیر ہند نے سر اکبر حیدری کی انتھک کوششوں کی بالخصوص بہت تعریف کی۔ جو انہوں نے اتفاق ہند کی تعمیر کے کاموں میں کی تھیں۔

شہزادوں کی آمد

سر سیموئل ہور نے کہا۔ کہ ریاست حیدرآباد کے دو شہزادے یہاں ایسے موقع پر موجود تھے۔ جو بہت ہی اہم اور مفید دور موجودہ سیاست کا سمجھا جاتا ہے۔ اس دوران میں انہوں نے انگلستان میں جو نقوش و اثرات اپنی طبیعت پر رکھے ہونگے۔ وہ ان کی ریاست اور ملک کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ یہ ایک قران السعدین ہے۔ یہ اتحاد ایشیا و یورپ میں بالخصوص بہت عمدہ ثابت ہوگا۔ آپ نے کہا۔ کہ حضور نظام کا خطاب یہ ہے "وفادار دوست ملک معظم" جو یورپ بھر میں اپنی نوع کا پہلا خطاب ہے۔ جو کسی کے لئے آجتک استعمال نہیں ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نظام سے زیادہ اس لقب کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔

آپ نے ہندوستان اور حکومت برطانیہ کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ کہ حضور نظام نے ہر وقت حکومت برطانیہ کا دست راست بنکر کام کیا ہے۔ اور ہر نازک دور میں حکومت برطانیہ کے آڑے آئے ہیں جس کی وجہ سے وہ ملک معظم کے نزدیک اور وفادار ترین دوست شمار ہوتے ہیں۔

آپ نے کہا۔ کہ جسطرح حضور نظام کی مملکت برطانیہ کی دوست اور دست راست بنی رہتی ہے۔ اسی طرح حکومت برطانیہ بھی حیدرآباد کی دوستی میں مستحکم اور باوفا ثابت قدم ہے (نعرہ تحسین)

آپ نے کہا۔ کہ پچھلی تاریخ کو دیکھکر جو یکسر محبت اخلاص و دوستی کی روایات پر مشتمل ہے۔ میں مستقبل کو بہت درخشاں دیکھتا ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ خواہ مشرق و مغرب میں کتنی ہی تبدیلیاں ہو جائیں۔ لیکن جہاں تک برطانیہ عظمیٰ اور مملکت حیدرآباد ملک معظم اور حضور نظام کی دوستی و وفاداری کے تعلقات اور ثابت قدمی کا تعلق ہے۔ اس کی نوعیت عمر بھر متزلزل نہ ہوگی۔

سپاس تعزیت

میرے والد محترم مولوی عبدالعزیز صاحب قریشی کی وفات حسرت آیات پر جن اصحاب نے پیامات تعزیت ارسال فرمائے ہیں۔ میں بذریعہ قومی آرگن "القریش" ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محبوب عالم قریشی لدھیانوی

بزم قریش

مولانا محمد عبد الغفار صاحب لکھری تحریر فرماتے ہیں :-

"میں اس عالم ضعیفی میں برادران قریش کی کیا خدمت کر سکتا ہوں بجز اس کے کہ اگر میرے عزیز اپنے بچوں اور بچیوں کو چار سال کے لئے میرد کردیں - تو میں ان کو علوم دین و دنیا کی تعلیم دوں تربیت دوں - اور کچھ صنعت و حرفت سکھا دوں - اور سب سے زیادہ یہ ہے - کہ ان میں رُوح اسلامی پیدا کر سکوں - کہ اگر موجودہ نسل نہیں - تو آئندہ نسل تو قریش کے باعزت لقب کی مستحق ہو سکے

جو بچے ایسے ہیں - کہ اپنا کسی قسم کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے ان کا کل خرچ دارالاصلاح اپنے ذمہ لیگا - اور اس قسم کے بچے چار سال تک دارالاصلاح سے کسی وقت نہ جا سکینگے - جو ملنا چاہیں - آکر حسب قواعد مل سکتے ہیں :-

جو بچے خرچ برداشت کر سکتے ہیں - ان سے ۱۵ روپیہ ماہوار بابت کل خرچ علاوہ لباس لیا جائے گا - اور ان کو ۱۵ ستمبر سے ۱۴ اکتوبر تک ایک ماہ کی تعطیل میں گھر جانے کی اجازت ہوگی - اور زمانہ تعطیل کی فیس شامل ہوگی - کل فیس ہر حالت میں پیشگی ہوگی :

لڑکوں کی عمر بوقت داخلہ ۲ سال اور لڑکیوں کی عمر ۹ سال سے زیادہ نہ ہونی چاہئے - اور نہ پانچسال سے کم ہو :

یہ خدمت میں کر سکتا ہوں - اور اس کے علاوہ قریش اور مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی اصلاح کی ہر خدمت کو حتی الامکان حاضر ہوں - قریش کی تحریکات کے اعلانوں کو اپنے رسالہ "الفلاح" میں بھی جگہ دے سکتا ہوں :

مجلہ کو تنظیم قریش سے بہت خوشی ہوئی - لیکن یہ امر استفسار طلب ہے - کہ صورت تنظیم کیا ہوگی ؟ اور ندوۃ القریش نے اس کی کوئی اسکیم تیار کی ہے - تو وہ شائع ہونی چاہئے - میرے خیال میں جب تک اسکیم تیار ہو کر اس پر بحث و تمحیص نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا اقدام تحصیل حاصل ہوگا - اول ایک کمیٹی اسکیم کو مرتب کرے - پھر مجلس ندوہ اس پر غور و بحث کر کے ترمیم وغیرہ کے بعد پاس کرے - اور پھر یہ ندوہ کے جلسہ عام میں پیش ہو تاکہ بعد کو عذر باقی نہ رہے - اس کے بعد ایک تنظیم کمیٹی بنا کر اس کے سپرد کر دیجائے - کہ وہ عملی جامہ پہنائے - امید ہے - کہ نتیجہ برآمد ہو - فقط "

(آپ کے اس ایثار و ہمدردی کا شکریہ ہے - قوم کو آپ کی اس قسم کی امداد کی جس کا ذکر آپ نے اپنی مندرجہ صدر سطور میں کیا ہے - ضرورت ہو - تو بے تکلف مستفید ہو سکتے ہیں - خدا آپ کو جزائے نیک دے ! ایڈیٹر)

(۲)

"القریش" کی توسیع اشاعت کے متعلق مکری پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی تحریر فرماتے ہیں - کہ "مخدومی سجاد حیدر صاحب اور قاضی نظر حسین صاحب کی تجاویز نہایت انسب ہیں - البتہ اس قدر ترمیم ہونی چاہئے کہ تعداد پیس مقرر نہ کی جائے - بلکہ ہر وہ دردمند قوم و ہمی خواہ "القریش" مجلس ترقی اشاعت کا ممبر ہو - بلا صد روپیہ بھیجدی جائیں "

محترم قاضی نظیر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"مکرم سجاد حیدر صاحب کی تجویز سے مجھے کلی اتفاق ہے۔ ان کی تجویز کے مطابق میں ممبران مجلس ترقی اشاعت میں میرا نام بھی درج فرمایئے میری تجویز کے مقابلہ میں ان کی تجویز زیادہ موزوں پائی جاتی ہے۔ "القریش" کے جب تک ایجنٹ خریدار نہ ہو جائیں۔ اطمینان نہیں ہو سکتا۔ قوم کا جمود و خمود و مسلمہ ہونے کے باوجود چہ تواں کرد۔ مردماں ایں اند۔ لہٰذا بہیں مردماں بیائد ساخت۔"

مولانا فخر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"القریش کی خدمات نہایت وقیع قابل قدر اور اس قدر لائق تحسین ہیں۔ کہ ان کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔ قوم تسلیم کر چکی ہے کہ "القریش" نے ان کے لئے کیا کچھ کیا۔ مگر افسوس ہے کہ قدر دانی کا بازار سرد اور متاع صلہ گراں۔ ہمیشہ مالی کمزوری کا رونا۔ کس قدر رنج کا مقام ہے میں چاہتا ہوں۔ کہ قوم میں اسقدر احساس ہو۔ کہ "القریش" ہر بالغ فرد قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اگر اتنا نہیں۔ تو یہ تو ضرور ہونا چاہئے۔ کہ ہر ناظر و ہر خریدار وسعت اشاعت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے ہر تقریب پر "القریش" کو یاد رکھا جائے۔ اگر یہ نہیں۔ تو رسیدات کا اجرا کچھ مفید نہیں۔ بس ایک آدھ دن خیال ہوگا۔ اور پھر رسیدات طاقچہ میں پڑی سڑا کریں گی۔ بھائیو! کام کرنا ہو۔ تو ہمت و استقلال۔ محبت و جوش اور خلوص و درد کے ساتھ کرو۔"

(یہ حقیقت ہے۔ فی الحقیقت خلوص و درد اور استقلال و ثبات قدمی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ قوم میں کچھ احساس ہوتا۔ تو رونا کس بات کا تھا۔ "القریش" قومی خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کسی صلہ کی خواہش نہیں۔ ہاں اگر قوم توجہ کرے۔ تو وسعت اشاعت میں خادم و مخدوم دونوں کی بہتری ہے۔ ایڈیٹر)

پیرزادہ قریشی فضل علی صاحب ایڈیٹر جریدہ "انصاف" تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"القریش" معنوی حیثیت میں قریش کا مشیر و رہنما و خادم۔ ایڈیٹر) ہے۔ اس کی خدمات، جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ شمالی پنجاب میں وجہ معلوم نہیں کیوں رسالہ کم آتا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے حالات کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ اس کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ میں بوثوق آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اس علاقہ کا ہر قریشی بھائی "القریش" کا خریدار و معاون ہوگا۔ کوشش کر رہا ہوں۔ پتہ ذیل پر جریدہ فریدہ جاری کر دیں۔ زر چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال ہوگا۔"

(حوصلہ افزائی اور توجہ فرمائی کا شکر رہوں۔ معاف فرمایئے اعتراف خدمات زبانی وعدوں کی حد سے نکلکر اگر عملی صورت میں آجائے۔ تو لطف ہے۔ کوشش فرمایئے۔ کہ آپ کے علاقہ کی قریشی برادری اپنے قومی آرگن کی ممد و معاون ہو۔ رسالہ جاری کر دیا گیا۔ ایڈیٹر)

(۳)

حسب ذیل بہی خواہان "مجلس ترقی اشاعت" کے ممبر تجویز کئے گئے ہیں۔ ان حضرات کی حمیت قومی اور علم دوستی سے توقع کی گئی ہے۔ کہ وہ اس قومی فریضہ کی انجام دہی کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لاکر کارپردازان "القریش" کے تشکر و امتنان کا موجب ہوں گے۔ و باللہ التوفیق!

(۱) سید ظفر ہاشمی صاحب۔

(۲) "حافظ نسب رسولؐ" قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی۔

(۳) قاضی خورشید عالم صاحب فاروقی سٹیشن ماسٹر

(۴) حضرت شاکر صدیقی۔

(۵) قاضی شاہ ولی صاحب صدیقی۔ وکیل۔

(۶) ڈاکٹر محبوب عالم صاحب صدیقی۔

(۷) پیر علی اصغر صاحب ڈپٹی کلکٹر ؛

(۸) پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی ؛

(۹) قریشی فقیر محمد صاحب پنشنر ؛

(۱۰) قریشی عطا محمد صاحب ٹیس۔ سرانوں ؛

(۱۱) ماسٹر مولوی محمد شاہ صاحب ؛

(۱۲) صوفی پیر عبدالغنی صاحب

(۱۳) مولانا قریشی امام الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ؛

(۱۴) صوبیدار ڈاکٹر غلام حسین صاحب قریشی ؛

(۱۵) شیخ غلام حسن صاحب ٹیس پریہ ؛

(۱۶) قاضی مظفر الدین صاحب متین ؛

(۱۷) قریشی سردار علی صاحب انسپکٹر ؛

(۱۸) قریشی فضل حسین صاحب سب اوورسیر ؛

(۱۹) ڈاکٹر احمد علی صاحب سب اسسٹنٹ سرجن ؛

(۲۰) ڈاکٹر عبدالکریم صاحب اسسٹنٹ سرجن ؛

پس مخزین کا یہ پہلا گروپ ہے۔ اور ہر سہ ماہی پر انشاء اللہ تعالےٰ نیا گروپ جو زیر کردیا جایا کرے گا۔ مندرجہ عہدہ حضرات بڑا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ پہلی سہ ماہی میں جو یکم جنوری سے شروع ہوجائیگی یہ صاحبان معاونین کی ایک کافی تعداد "القریش" کو بہم پہنچانے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہوجائیں گے۔ اور اگر توجہ کی جائے۔ تو اس عرصہ میں پانسو نئے خریداران کا مل جانا کچھ مشکل نہیں۔ جن حضرات کو رسیدات کی ضرورت ہو۔ طلب فرمائیں ؛

(۴)

سرورق کے ڈیزائن سے متعلق خطوط ؛ مولانا شاکر صدیقی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"القریش" کا سرورق میری رائے میں بہی اچھا ہے۔ جو ماہ نومبر ۱۹۳۱ء کے "القریش" کا ہے۔ "ہم خرما و ہم ثواب"۔ مجھے یہ سرورق دوسرے جرائد کے رنگین اوراق سے بہتر معلوم ہوتا ہے ؛

پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سرورق کو زیادہ خوشنما اور رنگین بنانے کی نسبت سادہ رکھا جائے۔ تو بہتر ہے۔ جو رقم ڈیزائن پر صرف ہوگی۔ وہ کوئی دوسری ضرورت پوری کرے گی۔ اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے ؛

(۵)

قریشی محمد نذیر صاحب صدیقی۔ توجہ فرمائی کا شکریہ۔ امید ہے۔ کہ آپ اپنے آرگن کی ہر ممکن طریق سے امداد و اعانت کریں گے۔ بحالت موجودہ "القریش" کو مالی امداد کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ کو ترقی اشاعت کی طرف توجہ دینی چاہیئے ؛

مولوی عبدالقادر صاحب۔ مولوی فتح محمد صاحب۔ مولوی ترمت علی صاحب۔ آپ کے ہمدردانہ خطوط کا شکریہ ہے۔ توسیع اشاعت میں امداد کرنا آپ کا قومی فرض ہے۔

مخدوم محمد الدین صاحب۔ ترسیل چندہ کا مشکور ہوں۔ اپنے قومی آرگن کی اعانت کا خیال رکھئے ؛

(۶)

احباب ذیل نے جنوری آئندہ سے "القریش" کی اعانت قبول فرمائی :۔

(۱) قریشی محمد یٰسین صاحب ؛

(۲) پیر انوار حسین صاحب صدیقی ؛

(۳) قریشی فضل الٰہی صاحب ؛

(۴) مولوی محمد سید عالم صاحب فاضل وقی بی۔ او۔ ایل۔ آپ نے سنہ ۱۹۳۰ء کا چندہ بھی بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء ؛

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

النجات

(گذشتہ سے پیوستہ)

پہلا باب

ایمان

آنحضرت صلعم کی ساری عمر مبارک ترسٹھ سال کی تھی۔ جن میں سے پہلے چالیس سال تو بطور مقدمۂ خدمات نبوت ہیں۔ اور باقیماندہ تیئیس سال میں سے نبوت کے ابتدائی تیرہ سال قیام مکہ معظمہ ایسے گراں اور ناگوار سختی کے گذرے۔ کہ الامان! دوست تو درکنار دشمن بھی لرز اٹھتے ہیں۔ اس عرصہ میں آپ ہرگز آزادانہ اور کھلم کھلا احکام الٰہی کی تبلیغ نہ فرما سکے۔ بلکہ کفار مکہ کی سخت مخالفت کے سبب آپ کو معہ پیروان خود وطن مالوف چھوڑنا ہی پڑا۔ اور مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جو کہ ایک دو رود راز کے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔ جا ٹھیرے۔ اور وہاں ہی پر مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

اب باقی صرف دس سال ہی کی زندگی ہے۔ کہ جس کے اندر آپ نے نبوت جیسے مہتم بالشان عہدہ کی تکمیل اور تبلیغ۔ سیاست تعلیم حق اللہ۔ تعلیم حق العباد۔ انتظامات خانہ داری مختلف قوانین اور ضابطے۔ تصفیہ تنازعات۔ غزوات وغیرہ وغیرہ وہ امور طے فرما دیئے۔ کہ جن کی نظیر ہرگز زمانہ پیش نہیں کر سکتا۔ ع شاہانِ جہان اند گدایانِ محمدؐ طرفہ یہ کہ اس قلیل عرصہ دس سالہ کے اندر وہ راتیں بھی نصف کے قریب شامل ہیں۔ جو فطرتاً آرام کے لئے سنۃ ضروریہ میں سے ہیں۔ ایک بزرگوار شاعر نے خدا ان پر رحمت کرے۔ کیسا اچھا فوٹو کھینچا ہے ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوے
یتیموں کا والی غلاموں کا مولے
خطاکار سے درگذر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنیوالا
مفاسد کے زیر و زبر کرنے والا — قبائل کے شیرازہ کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مسِ خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ تھا جہل قرنوں سے چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اسکی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اُدھر سے اِدھر پھر گیا رخ ہوا کا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی — اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے
صلی اللہ علیہ وسلم

رہی یہ بات کہ مر کر پھر اٹھنا اور قیامت جو محض ایک ڈرنا ہی ڈرنا ہے۔ کیا خدائے غالب و برتر کو یہ کچھ مشکل تھا۔ کہ اپنے بندوں کو یوں کسی ڈر کے راہِ راست پر چلا لیتا؟

افسوس کہ ہم لوگ اپنی ابتدا کو بھول جاتے ہیں۔ پہلے بھی تو اس نے ہمیں کہیں نہ کہیں سے بنا ہی کھڑا کیا۔ اگر اب بھی مرنے کے بعد وہ ہمیں بنا کھڑا کرے۔ تو کونسا اعجاب ہے۔ یا اس قدیر و جلیل کے لئے کونسی مشکل مہم اور تردد کی بات ہے۔ واللہ علیٰ کل شئ قدیر۔

اسی طرح سے قیامت کا قائم ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ محض ڈرنا ہی ڈرنا نہیں۔ بعد از موت کہیں نہ کہیں تو ہمارا تعلق ضرور ہوگا۔ جیسا کہ ہم ہمیشہ سے کہیں نہ کہیں تعلق رکھنے کے عادی اور پکے خوگر ہیں۔ مثلاً طین۔ پشتِ پدر۔ شکمِ مادر۔ تولید۔ رضاعت۔ صبیت۔ رُشد۔ بلوغ۔ شباب۔ کہول۔ شیخوخیت۔ صحت۔ سقم۔ خواب۔ یقظہ۔ بیداری۔ رنج۔ راحت۔ غصہ۔ حلم۔ حیات۔ ممات وغیرہ وغیرہ ہمارے ہر ہر آن واحد کے تعلقات کے بیّن شاہد ہیں۔

الغرض ہمارا تعلق تو ہم دم کبھی نہیں رہنے کے نہیں۔ علےٰ ہذا القیاس۔ جب دنیا کا رخ اِدھر سے اُدھر ہو جائے گا۔ تو میدانِ محشر کی گرم بازاری کا وقت بھی آ موجود ہوگا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ ہم اس وقت اپنے کئے کی جزا و سزا کو پہنچ جائیں گے۔ اور فوراً ہی پہنچ جائیں گے۔ ع۔ ہر کردہ سزائے و ہر عمل جزائے دارد۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۸ ۹

از مکافاتِ عمل غافل مشو — گندم از گندم بروید جو ز جو

مثلاً ہم مدتوں پہلے ایک امتحان کی تیاری شروع کرتے ہیں۔ اور بڑی سرگرمی اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ

امتحان کا وقت آپہنچتا ہے۔ اور ہم فوراً خالی ہاتھ جا شامل ہوتے ہیں۔ یعنے کوئی سامان سوائے ضبطِ عمل کے کہ جو تیاری کے وقت جمع کر رکھا ہے۔ ساتھ نہیں لے جاتے ہیں۔ آخر کو ہم بعد فراغِ امتحان نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور کامیاب ہو کر نہایت بشاشت اور مسرت سے چین اڑاتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر نتیجہ برآمد ہونے پر ناکامیاب رہے۔ تو سخت رنج و الم برداشت کرتے ہیں۔ اور تیاری امتحان کی تکلیفوں کو یاد کر کے تمام عمر روتے ہوئے گذارتے ہیں۔

اب غور کرنے کی بات ہے۔ کہ زندگی تو دونوں بسر کر رہے ہیں۔ مگر دونوں کے بسر اوقات میں کتنا بڑا فرق ہے۔ بہ ہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا ؎

زندگی در گردن افتادست بیدل چارہ نیست　　شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

پاس شدہ تو حکومت کی کرسی پر پنکھے کے نیچے ٹھنڈے ٹھنڈے سایوں میں چھنکاڈ (چھڑکاؤ) کرائے ہوئے اور باغوں کے اندر کوٹھی سمائے ہوئے رنگا رنگ پھولوں کے بیل بوٹے لگائے ہوئے فرش و فروش بچھائے ہوئے اتنا کثرت سے کما رہا ہے۔ کہ اس ایک کے سہارے بیسیوں بیکار بیٹھے بٹھائے بہ آرام تمام عمدہ طرح سے خوش گذران کر رہے ہیں۔ اگر وہ ذرا سی بھی نظر اٹھائے تو کوئی ایک نوکر چاکر بجا آوری خدمت کے لئے کمربستہ اور مستعدانہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ گویا ایک اشارہ کی انتظار ہے۔ ورنہ اور کوئی دیر و درنگ نہیں۔ قولہ تعالےٰ۔ ان للمتقین مفازاً حدائق واعناباً وکواعب اتراباً وکاساً دھاقاً ؎

مگر ادھر بیچارا فیل شدہ ہے۔ کہ ملازمت تو بدوں پاس کئے کسی امتحان کے ملتی نہیں۔ اور جو کچھ کہ پہلے کا اندوختہ تھا۔ وہ باضافۂ قرضہ تیاری امتحان کی نذر ہو چکا۔ اب کرے تو کیا کرے۔ قرضخواہ الگ ستاتے ہیں۔ اور بیوی بچے الگ۔ قہر درویش برجانِ درویش! ؎

نہ سُدھ بدھ کی لی اور منگل کی راہ　　نکل گھر سے لی صاف جنگل کی راہ

تن بہ تقدیر تلاشِ معاش میں گھر سے باہر قدم اٹھاتا ہے۔ گرمی کا موسم اور دوپہر کی سخت کڑی دھوپ میں لو وزان۔ یہ بیچارا بیابانوں کے اندر ریگ کے ٹیلوں اور پہاڑ کی چوٹیوں کو طے کرتا ہوا مارے مارے بحالتِ کس مپرس پھر رہا ہے۔ کپڑے بوسیدہ ہو رہے ہیں کوئی نزدیک تک آنے نہیں دیتا۔ اس لئے کہ مبادا یہ کوئی بدرویہ آدمی ہو۔ اور کوئی آفت لا ڈالے۔ اگر خدا خدا کر کے دن بھر میں دو چار آنے مزدوری سے کما بھی لئے۔ تو بصد مشکل دو وقتہ مایحتاج کے دور کرنے میں صرف کر لئے۔ اور رات کسی مسافر خانے میں کھٹملوں کے کاٹتے ہوئے اور پہرے والوں کے ڈانٹتے ہوئے بسر کر لی۔ صبح ہوتے ہی اٹھا۔ اور روٹی کا نام لیتے ہی کہ ؎

اے حضرتِ آفتاب روٹی　　عالم از بہر تو لوٹ پوٹی

کل والی گھاٹیوں میں بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا کہتا ہوا اتر چڑھا۔ اس وقت ایک یوسالہ اور آزردانہ بیچہ میں خداوند کریم کے حضور دلِ پر درد سے پکارتا ہے۔ ع در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشتِ ما را۔

قولہ تعالےٰ۔ ان جھنم کانت مرصاداً للطغین مآباً لبثین فیھا احقاباً لا یذوقون فیھا بردا ولا شرابا الا حمیما

(باقی باقی)

میری سرگذشت

نمبر (۱۲)

۱۴ مارچ ۱۸۹۴ء سے لے کر ۱۵ نومبر ۱۸۹۴ء تک علاقہ بھائے لاوان ہراوان اور کچھی کے جن حصص سے میرا گذر ہوا۔ اور جن جن مشہور مقامات کو میں نے دیکھا۔ وہاں عرب حکومت کے نشانات کو کسی نہ کسی رنگ میں موجود پایا۔

عربوں کے تمدن کو اگر بنظر تعمق دیکھا جائے۔ تو دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں یعنی یا تو انہوں نے اپنے تمدن کو مفتوحہ ملک میں پوری طرح سے جما دیا جیسا کہ مصر میں۔ یا یہ کہ انہوں نے ملک کے پرانے تمدن کو اپنے تمدن کے ساتھ ملا لیا جیسا کہ ہندوستان میں۔

لیکن ایران۔ افغانستان۔ بلوچستان اور سندھ میں جو اثر ہوا۔ وہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ ان ممالک کی قدیم اقوام نے عربوں کی صحبت سے متاثر ہو کر ان کے مذہب ہی کو نہیں۔ بلکہ ان کے قانون۔ طرز لباس۔ طریقہ تعمیر۔ مہمان نوازی و پناہ دہی۔ طرز بود و ماند اور تمدن و معاشرت کو بھی اختیار کر لیا۔ جو اب تک ایک حد تک ان میں رائج چلا آتا ہے۔ البتہ عربی زبان بمثل مصر اور اندلس ان ممالک میں عام زبان نہ ہوئی۔ لیکن پھر بھی وہ ایک معقول حد تک ان ملکوں میں رائج رہی۔ اور اس کی حالت ان ممالک میں بجنسہٖ ایسی ہی رہی۔ جیسا کہ ازمنہ متوسطہ کے یورپ میں لاطینی زبان کی تھی۔ کیونکہ آج بھی سرزمین ایشیا کے ان حصص میں فقہ اور حدیث کی تحصیل عربی زبان ہی میں کی جاتی ہے۔

یہ مسلم ہے۔ کہ تین سو سال تک اہل عرب کا تعلق بالشمول سندھ بلوچستان سے رہا۔ اور فتح سندھ کے بعد جس کی حد اس وقت مشرق کی طرف کشمیر تک اور مغرب کی طرف بحر ہند تک تھی۔ عربوں نے انفصال مقدمات کے لئے جو دستور العمل جاری کیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ اہل اسلام کے مقدمات شرع کے موافق قاضی فیصل کرتا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو معاملات اور تنازعات ہوتے۔ ان کو بھی قاضی ہی شرع کے مطابق چکاتا۔ البتہ ہندوؤں کے درمیان جو جھگڑے۔ زناکاری۔ وراثت لین دین اور معاہدہ وغیرہ کے متعلق ہوتے۔ ان میں پنچایت مقرر ہو کر تصفیہ پاتے۔

عرب حکومت کے اصول حکمرانی کی یہ یادگار علاقہ کچھی میں موجود ہے۔ جہاں اس دستور العمل پر اب تک عملدرآمد کیا جا رہا ہے۔

خلافت بغداد جب بنو امیہ سے بنو عباس پر منتقل ہوئی۔ تو خلفائے عباسیہ کو کاشتکاروں کی آسائش کا بہت خیال تھا۔ اور ان کا بوجھ ہلکا کرنے کی اکثر کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ منصور نے گندم اور جو کی بجائے نقد مالیہ لینے کے طریق کو منسوخ کر دیا۔ اور مقاسمہ یعنی بٹائی کا طریقہ جاری کیا۔ جس سے فصل کی پیداوار کا ایک حصہ زرگان کی بجائے لیا جاتا۔ البتہ کم حیثیت پیداواروں کھجور اور پھلدار درختوں پر بدستور سابق روپیہ لینے کا طریقہ جاری رہا۔

مہدی نے حکم دیا۔ کہ سرکاری حصہ واقعی پیداوار کے مطابق لیا جائے۔ چنانچہ جہاں زمین سرسبز و شاداب ہوتی۔ اور کاشتکار کو زیادہ محنت و مشقت نہ کرنی پڑتی۔ تو پیداوار کا نصف حصہ لیا جاتا۔

جہاں زمین کے آبپاش کرنے میں تکلیف اٹھانی پڑتی۔ تو تہائی حصہ۔ جہاں زیادہ تکلیف اور محنت کرنی پڑتی۔ وہاں چوتھا حصہ اور بعض حالتوں میں پانچواں حصہ۔

انگوروں اور کھجوروں وغیرہ کے باغات پر نقد محصول لگایا جاتا۔ ماموں نے ۲۰۴ھ میں محصول اراضی میں تخفیف کر کے اعلےٰ زمین کا محصول نصف پیداوار کی بجائے ۱/۳ کر دیا۔

مگر وہ ممالک جن پر فتح کے وقت باہمی رضامندی سے مقررہ دائمی خراج لگ چکا تھا۔ وہ تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور وہاں کے دہقان اور کاشتکار بہت فائدہ میں رہتے تھے۔

ان تمام متذکرہ بالا اقسام کی مشرح بٹائی کے نظائر اب تک علاقہ کچھی میں موجود ہیں۔ اور ان کے مطابق عملدرآمد ہو رہا ہے۔ مقررہ دائمی خراج جس کو "زری کلنگ" اور مشخصہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا عملدرآمد اب تک علاقہ نیابت مستونگ کی بعض کاریزات پر جاری ہے۔ اور یہ سب کچھ خلفائے عباسیہ کے عہد حکومت کی یادگار ہے۔

نقد روپیہ کی بجائے بٹائی زمیندارہ کے حق میں اس لئے زیادہ مفید ہے۔ کہ پیداوار کے مطابق ہی حصہ لیا جاتا ہے۔ اور وہ خشکا بہ اراضیات جن کی سیرابی بارانی پانی پر ہی انحصار رکھتی ہو۔ خشک سالی کے ایام میں ادائگی مالیہ سے مستثنےٰ رہتی ہیں۔

اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں۔ ان کا اصول تھا۔ کہ ملک میں جو با اثر امرا سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ جن کے محاصل سے جاگیردار فائدہ اٹھاتے۔ اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ ان سے یہ عہد لیا جاتا تھا۔ کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج جس کی خاص تعداد معین ہوتی تھی۔ لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

اس فوجی اصول کا نام "فیوڈل سسٹم" تھا۔ اور یہ طریقہ یونان روما سلطنت الکبرےٰ اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اصول سیاست کے لحاظ سے یہ انتظام غیر مکمل تھا۔ اس لئے کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر سلطنت کی تباہی کا باعث ہو جاتے جس کی نظیر روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر اب زمانہ متروک ہے لیکن بلوچستان کے علاقہ ہائے سراوان۔ جھالاوان اور کچھی میں اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران تک یہ طریقہ جاری رہا۔ چنانچہ سرداران اقوام بروہی کو جنگی خدمات کے لحاظ سے خونہا میں جو جاگیرات دی گئیں۔ وہ کلیتہً جاگیرداروں ہی کے زیر نظم و نسق ہیں۔ اور وہی ان سے بٹائی لیتے ہیں۔ گویا ایک حکومت میں اس طرح پر کئی اور بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہیں۔ جو ایک خطرناک سیاسی غلطی کہی جا سکتی ہے۔

چند گذشتہ واقعات اس بات کے مظہر ہیں۔ کہ بعض سرداران اقوام کے دلوں میں نہ تو کوئی قومی درد ہی تھا۔ اور نہ کوئی باہمی پائدار اتحاد۔ اس لئے اپنی اپنی رقابتوں اور دشمنیوں کی بنا پر موجودہ خان قلات کے والد ماجد میر خداداد خان (معزول شدہ) کی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دینے میں انہی سرداروں اور جاگیرداروں کی خود سری و سرکشی کا بھی بہت کچھ دخل تھا۔

گاجان سے براہ درہ مولہ علاقہ زہری کو جاتے ہوئے جن مقامات کو جاتے ہوئے میرا گذر ہوا۔ وہ بقرار ذیل ہیں۔ (۱) کوٹڑہ۔ یہ چار گاؤں کا مجموعہ ہے۔ (۲) کوٹڑہ میر کرم خان ایلمانزئی۔ ۱۹ مارچ ۱۸۹۴ء کو پہلی مرتبہ زیدی کو جاتے ہوئے مجھے اسی کوٹڑہ میں میر کرم خان سے ملاقات کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ آپ ریشمی لباس میں ملبوس تھے۔ اور چند ایک حاشیہ نشین آپ کے اردگرد حلقہ کئے ہوئے تھے۔ آپ نے قہوہ سے مہمان نوازی کی تھی۔ اور بہت اخلاق سے پیش آئے تھے۔ (۳) کوٹڑہ بی بی فتح خاتون۔ عفت پناہ بی بی صاحبہ

ایک قابل خاتون ہیں۔ اور میر خداداد خان صاحب سردار خان قلات کی حقیقی ہمشیرہ ہیں۔ (۴) کوٹڑہ میر گوہر خان ایلتانزئی۔ میر کرم خان اور میر گوہر خان حقیقی بھائی ہیں۔ اور بی بی فتح خاتون کے فرزند ؛

ہزائی نس سر میر محمود خان احمدزئی والیٔ قلات کی والدہ ماجدہ عصمت پناہ بی بی اللہ رکھی اسی خاندان ایلتانزئی سے ہیں لیکن ان دونو خاندانوں کا آپس میں کافی اتفاق نہیں ہے ؛

کوٹڑہ کے اردگرد پیپل کے درخت ہیں۔ اور ایک خوشنما باغ بھی۔ جس میں آم بکثرت ہیں۔ یہاں دو پن چکیاں بھی دیکھیں۔ آبپاشی کا مستقل ذریعہ پیر چھتہ کا چشمہ ہے۔ خضدار یا زیدی کو جاتے ہوئے سامان رسد خرید کرنے کے لئے یہ عمدہ اور آخری مقام ہے۔

(۲) پیر چھتہ۔ جو کوٹڑہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی وادی ہے۔ کھجور کے درختوں کی کثرت کے لحاظ سے اس مقام کا نظارہ اسی قسم کا ہے۔ جیسا کہ مکران میں پایا جاتا ہے۔ سیدوں کا ایک خاندان مدت سے یہاں رہتا ہے۔ جو مزار کا انچارج ہے۔ مزار کے نزدیک پانی کے چند عمدہ چشمے ہیں۔ اور جہاں سے چشمے نکلتے ہیں۔ وہاں مچھلیوں سے بھرا ہوا ایک تالاب ہے جس میں ہلکے سیاہ رنگ کی دھاریوں والی۔ سرخ دموں والی۔ سلیٹی رنگ کی اور سیاہی مائل رنگ کی بڑے سروں والی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ جب مچھلیوں کو کچھ کھلانے کا وقت آتا ہے۔ تو پانی میں پھینکی ہوئی خوراک کے پیچھے ان کا تیزی کے ساتھ دوڑنا قابل دید نظارہ پیدا کرتا ہے۔ کھجوروں کی پختگی کے موسم میں یہاں ایک چھوٹا سا میلہ بھی ہوتا ہے۔ جس میں اردگرد کے ہندو اور مسلمان جمع ہوتے ہیں ؛

(قاضی) نظیر حسین فاروقی (ریٹائرڈ)

اردو اکاڈمی جامعہ ملیہ دہلی

جامعہ ملیہ کے مقاصد میں علمی تحقیق اور اشاعت علوم ایک بہت اہم مقصد ہے۔ اسکا جو وسیع اور مکمل نظام ارباب جامعہ کے پیش نظر ہے۔ اسے عمل میں لانے کے لئے بہتر زمانہ کا انتظار ہے تاہم وہ شاندار علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا ارباب علم کا فرض ہے۔ کہ وہ جامعہ کی اکادمی کے رکن بنکر متعلقین کی ہمت افزائی فرمائیں۔

مختصر قواعد حسب ذیل ہیں :-

۱۔ اکادمی ہندوستان کی ان علمی انجمنوں اور رسالوں کے ساتھ اتحاد عمل رکھتی ہے۔ جو اردو زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور ان کی قابل قدر کتابوں کی اشاعت میں حسب مقدور مدد کرتی ہے۔

۲۔ اکادمی کی طرف سے ایک علمی رسالہ "جامعہ" اور ایک تعلیمی رسالہ "پیام تعلیم" شائع ہوتا ہے ؛

۳۔ اکادمی کے رکن وہ حضرات ہو سکتے ہیں۔ جو چھ میں روپیہ سالانہ بقیدی ادا کریں۔ یا یہ رقم کم از کم چھ چھ روپوں کی چار قسطوں میں پیشگی ادا کر دیں ؛

۴۔ ارکان کی خدمت میں ہر سال چھ میں روپے کی کتابیں پیش کیجائینگی۔ اور "جامعہ" اور "پیام تعلیم" جنکا مجموعی چندہ ۵ روپیہ سالانہ ہے۔ بلا قیمت نذر کئے جائینگے

۵۔ اکادمی کی فہرست اور تازہ مطبوعات ان کی خدمت میں فوراً روانہ کر دی جائینگی ؛

۶۔ دوسری علمی انجمنوں اور مختلف ناشروں کی طرف سے شائع ہونیوالی کتابوں کی فہرست بھیجکر ارکان سے درخواست کیجائیگی۔ کہ ان میں سے اتنی کتابیں منتخب فرمائیں اکادمی کی کتابوں سے مگر جو چھ میں روپے سے زیادہ کی نہوں۔ یہ کتابیں بھی موصول ہونے پر فوراً ارکان کی خدمت میں روانہ کی جائیں گی۔

واقعات وحوادث

چغہ مبارک پیرس کے ایک عجم عفیفہ میں آنحضرتؐ کا چغہ مبارک دکھایا گیا۔ اخبار "مارننگ پوسٹ" (پیرس) کا مدیر لکھتا ہے۔ کہ:۔ "یہ ایک نہایت ہی خوبصورت اور حیرت انگیز چیز ہے۔ جس کی ساخت نے ارباب حل وعقد کو سرگرداں اور پریشان کر دیا ہے یقیناً یہ وہ چغہ ہے۔ جسے آنحضرتؐ نے استعمال میں لانے کا شرف بخشا تھا۔ یہ ایک چھوٹا اور چمکیلے رنگ کا قلمکار چغہ ہے جو نہ سوت کا ہے۔ نہ ریشم کا۔ اور نہ اُون کا۔ بعض محققین کا خیال ہے۔ کہ یہ مصر کی ایک ایسی پیداوار سے بنایا گیا تھا جس کا عنصر تیرھویں صدی سے مفقود ہے بعض کا خیال ہے۔ کہ کسی آبی جانور کے پوست کے چھلکوں سے بنا ہے"

سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے۔ کہ اس میں سارے کا سارا قرآن شریف الحمد سے لیکر والناس تک لکھا ہوا ہے۔ مقتدر اہل الرائے وثوق سے کہتے ہیں۔ کہ یہ تحفہ آنحضرتؐ کو ۶۲۸ء میں مصر کے ایک گورنر نے بھیجا تھا۔ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد یہ چغہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس رہا جو بوقت رحلت اپنے لخت جگر حضرت حسین علیہ السلام کے پاس چھوڑ گئے۔ وہ شہادت کیوقت کربلا کے مقام پر یہی چغہ پہنے ہوئے تھے چنانچہ چغہ کا اگلا حصہ کسی ہتھیار سے پھٹا ہوا ہے۔ اور اس پر خون کے داغ بھی نمایاں ہیں۔ ان کی شہادت کے بعد یہ چغہ مدینہ منورہ میں تبرکاً پشتوں تک محفوظ رہا جس وقت مدینہ منورہ کو آگ لگائی۔ تو یقیناً یہ نادر تحفہ بھی نذر آتش ہو جاتا۔ مگر خوش قسمتی سے ایک فرانسیسی سیاح نے دورانِ سیاحت میں اسے آگ کی زد سے بچا لیا۔ یہ چغہ ابھی تک اس کے خاندان کے افراد کے پاس موجود ہے۔ جس کی زیارت کے لئے دور دراز سے لوگ بلا امتیاز مذہب وملت پیرس میں آرہے ہیں"

(رسول بخش ہیڈ ماسٹر تونسہ شریف)

برکاتِ عثمانی دورِ عثمانی میں حیدرآباد دکن عروج وارتقا کی منزلیں کس تیزگامی کے ساتھ طے کر رہا ہے۔ اخبار میں حضرات اس سے خوب واقف ہیں۔ اور کسی شرح وبسط کی ضرورت نہیں۔ اصلاحات کے نفاذ، عدل والنصاف، رعایا نوازی وغریب پروری کے ماسوا معارف وعلوم کی ضیاباریوں سے قلمرو بقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ اور علمی ترقیاں روز افزوں ہیں اور آئے دن نئی صنعت اور نئی اختراع کے لئے کوششیں جاری وساری رہتی ہیں۔ اردو ٹائپ کے تجربہ پر زر کثیر صرف کرنے کے بعد یہ عقدہ لاینحل حل کر لیا گیا ہے۔ اور بہترین اردو ٹائپ تیار ہو گیا ہے یقین کیا جاتا ہے۔ کہ اس ایجاد نو سے علمی دنیا کو بہترین مفادیوں گے"

اردو کا نستعلیق ٹائپ انگلستان، مصر، سائبیریا اور ہندوستان میں اس وقت تک سو قسم کا تیار ہوا۔ لیکن ناتمام رہا۔ اب حضور نظام کی خسروانہ توجہ سے یہ سعی کامیاب ہوئی۔ اور ناممکن سی چیز ممکن ہو گئی۔ حضور نظام عالی مقام کا زبان اردو پر یہ ایک اور عظیم الشان احسان ہے"

وظیفہ میں گرانقدر اضافہ اعلیحضرت حضور نظام نے سابق خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید خان کے وظیفہ میں جو بقدر تین صد پاؤنڈ

ماہوار تھا۔ ایک ہزار پاؤنڈ کر دیا ہے؛

بلائے بے درماں

ہائی کورٹ میں سود در سود کا ایک عجیب و غریب مقدمہ پیش ہے۔ جسکی نوعیت حسب ذیل ہے:۔ آج سے انچاس سال پیشتر ۱۸۸۲ء میں کسی مسلمان نے ایک قطعہ زمین پانسو روپے میں ایک ہندو ساہوکار کے پاس رہن کر دیا۔ ۱۹۳۱ء میں ساہوکار صاحب نے حساب لگایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس پانسو کی رقم بڑھ ائی لاکھ روپیہ سود المضاعف ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مقروض پر دو لاکھ پچاس ہزار پانسو روپے کا دیوانی دعویٰ دائر کر دیا۔ ماتحت عدالتوں سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب یہ مقدمہ ہائیکورٹ کی منزل میں ہے۔ دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے؛ پانسو اصل اور ڈھائی لاکھ سود۔ یہ ہے قرض اور اس پر سود کا نتیجہ۔ ان عاقبت نااندیشیں نے ہزارہا خاندان بے خانماں کر دیئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

بہی خواہان وطن سے

گول میز کانفرنس آخر خود غرضیوں کا شکار ہو گئی۔ اس کا شیرازہ منتشر ہو کے رہ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون؛ سنا جاتا ہے کہ ان ناامرادیوں۔ ناکامیوں اور تلخ تجربوں کے باوجود کانگرس پھر سول نافرمانی کا صور پھونکنے والی ہے۔ حکومت خود اختیاری اور آزادی کے بدلے بیکاری و بے روزگاری ملی۔ ملک تباہی و بربادی کی منزل پر بڑی سرعت سے جھک رہا ہے۔ اب کی سول نافرمانی دیکھیں کیا رنگ لاتی ہے؛

مسٹر گاندھی اور حواریین کی نیت نیک ہوتی۔ تو دس سال کی کوششیں یوں اکارت نہ جاتیں۔ ہندوستان جو نہایت امن و چین کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ یوں پریشان حال نہ ہوتا۔ ہندوستانیوں کی غلطی اور فاش غلطی ہے۔ کہ انہوں نے بلا غور و تعمق بلا تفکر و تدبر اپنی قسمت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دی جو حقیقتاً اس کے اہل نہ تھے۔ اگر ان امور پر بروقت غور کر لیا جاتا۔ تو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لہٰذا دانشمندان ملک اور بہی خواہان وطن سے ہمارا آخری اور قطعی مشورہ یہ ہے۔ کہ وہ قبل اس کے کہ عواقب نتائج پر غور نہ کر لیا جائے۔ کانگرس سے اشتراک عمل کرنے سے کلیتہً احتراز کریں۔ اور المجرب المجرب حلۃ بہ الندامۃ کے مصداق نہ ہوں؛ ع

"آزمودہ را آزمودن جہل است"

محکمہ ڈاک کا تازہ چرکہ

لفافہ اور کارڈ کی قیمت میں اضافہ کی تجویز پچھلے دنوں اسمبلی میں مسترد ہو گئی تھی۔ لیکن اب پوسٹماسٹر جنرل کی طرف سے یکم دسمبر کو ایک اعلان شائع ہوا ہے۔ کہ پندرہ دسمبر سے اندرون ہند لفافہ پانچ پیسے اور پوسٹ کارڈ تین پیسے کا ہوگا۔ لفافہ اور کارڈ کی قیمتوں کے اس اضافہ سے جہاں ان کاروباریوں کو جن کے کام کا انحصار ہی ڈاک پر ہے۔ پریشان کن نقصان ہوگا۔ وہاں محکمہ ڈاک کو بھی کوئی مستقبل فائدہ نہ ہوگا۔ اور محکمہ کے وقار و اعتماد میں کمی واقع ہو جائے گی۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ پوسٹماسٹر صاحب جنرل اس فیصلہ پر غور مکرر کریں؛

مطالبات

جن احباب کی خدمت میں ان کے مطالبہ پر "القریش" حاضر رہا ہے۔ وہ از راہ قومی حمیت حسب وعدہ زر چندہ کی ترسیل سے ہمارا مطالبہ پورا کر کے مشکور کریں؛

جن احباب کے ذمہ رقوم واجب الادا ہیں۔ اور وہ جلد بھجوانے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ ہماری ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے واجب الادا رقوم بواپسی ڈاک بھجوا کر ممنون منت کریں؛

منیجر

Registered No. L. 14

ALQURAISH

AMRITSAR.

THE

Only Monthly Quraishi Magazine.

PRINTED & PUBLISHED

—BY—

Mohammad Ali Raunaq Siddiqi.

AT THE

WAZIR-I-HIND PRESS, HALL BAZAR,

AMRITSAR.

Annual Subscription Rs 3. Single Copy As. 4.

۲۹۷۵۰۵ الوسیط جلد ۱

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔